بیاد ——— زینب النساء

فرحت آراء

مدیراعلیٰ ——— مشتاق احمد قریشی

مدیرہ ——— قیصر آرا

نائب مدیرہ ——— سعیدہ نثار

مدیرہ معاونین ——— ندا رضوان

مدیر خصوصی ——— طاہر احمد قریشی

ماہنامہ حجاب کراچی

جلد	01
شمارہ	11
ستمبر	2016

اشتہارات اور دیگر معلومات

0300-8264242

infohijab@aanchal.com.pk

aanchalpk.com

ابتدائیہ

بات چیت — مدیرہ — 10

حمد — ریاض حسین قمر — 11

نعت — فصیحہ آصف — 11

امہات المومنین

حضرت میمونہؓ بنت حارثؓ — ندا رضوان — 12

ذکر اس پری وش کا

نبیلہ ملک/ایم فاطمہ سیال/ہانیہ اعجاز/کبریٰ مہتاب — زینب احمد — 16

رخ سخن

شاعر و نثر نگار کا انٹرویو — سباس گل — 20

آغوش مادر

ماں کے حوالے سے خیالات — حرا قریشی/جویریہ وسیم — 36

سلسلہ وار ناول

میرے خواب زندہ ہیں — نادیہ فاطمہ رضوی — 94

دل کے دریچے — صدف آصف — 176

مکمل ناول

شیشوں کا مسیحا — تحسین انجم انصاری — 40

خلش کے پار — مصباح علی سید — 126

ماموں جی کس کر دیں — ام ایمان قاضی — 208

ناولٹ

لمحۂ احتساب — افشاں علی — 156

زیاں — سیدہ ضوباریہ — 244

افسانے

کانٹا — اقبال بانو — 86

اللہ اکبر — عالیہ توصیف — 152

پاکستان زندہ باد — نیلم شہزادی — 194

نکمی — سمیرا غزل صدیقی — 204

شکستوں کا جال — صباء جاوید — 234

سہیلی — عالیہ حرا — 270

پبلشر: مشتاق احمد قریشی پرنٹر: جمیل حسن ابن حسن پرنٹنگ پریس
ہاکی اسٹیڈیم کراچی دفتر کا پتا: 7 فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔74400

سرورق: حمیرا مغل ...... آرائش: روز بیوٹی پارلر ...... عکاسی: موسیٰ رضا

مستقل سلسلے

جیسا میں نے دیکھا	رفاقت جاوید	282	شوخئ تحریر	ہما ذوالفقار	297
بزم سخن	سمیہ عثمان	284	حسن خیال	جویریہ احمد	302
کچن کارنر	زہرہ جبین	286	ہومیو کارنر	طلعت نظامی	314
آرائش حسن	حدیقہ احمد	290	شوبز کی دنیا	دعا فاطمہ	316
عالم میں انتخاب	نزہت جبین ضیاء	292	ٹوٹکے	خدیجہ احمد	321

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ "آنچل" پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون: 021-35620771/2
فیکس: 021-35620773 کے از مطبوعات نئے اُفق پبلی کیشنز۔ ای میل Infohijab@aanchal.com.pk

editorhijab@aanchal.com.pk
www.facebook.com/EDITORAANCHAL

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ستمبر۲۰۱۶ء کا حجاب حاضرِ مطالعہ ہے۔

تاریخ کے اوراق پلٹ کر دیکھیں تو پتا چلتا ہے کہ اسی ماہ یعنی 6 ستمبر 1965ء کو روایتی حریف بھارت نے پاکستان پر شب خون مار کر وطنِ عزیز پر غاصبانہ قبضہ کرنا چاہا تھا لیکن اس موقع پر ہماری جری و بہادر فوج نے دشمن کی کارروائیوں کا نہ صرف منہ توڑ جواب دیا بلکہ ہمیشہ کے لیے اسے یہ بھی باور کرادیا کہ جو بھی وطنِ عزیز کی جانب میلی نگاہ سے دیکھے گا شکست سے دُوچار ہوگا۔ نہ صرف افواجِ پاکستان نے اہم کردار ادا کیا بلکہ وطنِ عزیز کے محب الوطن لوگوں نے بھی جوش وجذبے عزم واستقلال کا مظاہرہ کرکے یہ بتادیا تھا کہ آزادی کے متوالے لہو کے نذرانے پیش کرکے آزادی کے دیپ جلانے والے اپنے وطن کا دفاع کرنا بخوبی جانتے ہیں لیکن اس کے باوجود بھارت کی ہٹ دھرمی اور مختلف سازشیں اس بات کا ثبوت فراہم کرتی ہیں کہ آج انہتر سال گزرنے کے بعد بھی اس نے پاکستان کے وجود کو تسلیم نہیں کیا آج بھی ہماری آزادی اسے کھٹکتی ہے اور یہاں بھی مقبوضہ کشمیر جیسے حالات پیدا کرنے کا خواہاں ہے جہاں پچاس دن گزر جانے کے بعد بھی کرفیو کا نفاذ اور نہتے کشمیریوں پر ظلم وستم اور بربریت وحشت کا مظاہرہ بھارت کے روایتی تعصب وتنگ نظری کا ثبوت ہے۔ ایسے موقع پر عالمی برادری کی خاموشی تشویش ناک ہے۔

دوسری طرف عازمینِ حج قافلوں کی صورت جوق در جوق کعبۃ اللہ میں حج جیسے مقدس فریضے کی ادائیگی کے لیے جمع ہورہے ہیں جب لبیک اللھم لبیک کی صداؤں سے فضا بلند ہوتی ہے تو رنگ ونسل، امیر وغریب عربی وعجمی کا فرق مٹ جاتا ہے آج ضرورت اس امر کی ہے کہ نہ صرف حج کے مخصوص ایام میں بلکہ عالمی سطح پر دنیا بھر کے مسلمان، کلمہ گو بھائی متحد ہوکر حق کے لیے آواز بلند کریں بے شک اتحاد واتفاق میں بڑی برکت ہے آج ہمارے اس انتشار وتفریق کا فائدہ اغیار نے اٹھایا ہے اور طاغوتی طاقتیں اور سامراجی قوتیں اسلام کو مٹانے کے درپے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم پروردگارِ عالم کے اس فرمان پر عمل پیرا ہوجائیں۔

''اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقے میں نہ پڑو۔''

دعا گو ہوں اس پروردگار سے کہ یہ وطنِ عزیز ہم نے تیرے نام پر حاصل کیا آج اس کی حفاظت بھی تو خود فرما اور اسے ایک اسلامی ریاست بنادے، آمین۔

تمام بہنیں نوٹ فرمالیں کہ حجاب نومبر کا شمارہ سال گرہ نمبر ہوگا جس کے لیے آپ بہنیں ابھی سے اپنی خصوصی تحاریر و تجاویز ارسال کرنا شروع کردیں تاکہ اس پہلی سال گرہ کا تحفہ بھرپور انداز میں آپ کو دیا جاسکے۔ سروے کے سوالات اندر کے صفحات پر ملاحظہ فرمائیں۔

آیئے اب چلتے ہیں اس ماہ کے ستاروں کی جانب:۔

تحسین انجم انصاری، اقبال بانو، مصباح علی سید، عالیہ توصیف، افشاں علی، نیلم شہزادی، سمیرا غزل صدیقی، اُم ایمان قاضی، صباء جاوید، سیدہ ضوباریہ اور عالیہ حرا۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعا گو
قیصر آرا

یہ خزاؤں کی اداسی اور یہ رنگ بہار
تیری قدرت کی نشانی ہے مرے پروردگار
جسم جھلساتی ہوئی یہ ریگزاروں کی تپش
راحت قلب و جگر دیتی ہوائے مشکبار
دونوں عالم کی ہر اک شے تیری مخلوق ہے
تُو ہے خالق تُو ہے مالک سب پہ تیرا اختیار
کردیا ہے ایستادہ آسماں کو بے ستوں
اس زمیں میں بھر دیئے تُو نے خزانے بے شمار
تُو ہے یکتا دونوں عالم میں ترا ہمسر نہیں
سب رعایا ہے تیری تُو ہے سبھی کا تاجدار
چرخ کو روشن ستاروں سے مزین کردیا
اور سبزے کو بنا ڈالا ہے دھرتی کا سنگھار
ناتواں چیونٹی سے لے کر اک ہاتھی تک قمر
ہیں خدائے پاک کی کاریگری کے شاہکار

ریاض حسین قمر

نعت

دل پکارے صلی علیٰ محمد ﷺ
نبی ہمارے صلی علیٰ محمد ﷺ
نام محمد ﷺ روشنی ہی روشنی
فلک کے ستارے صلی علیٰ محمد ﷺ
مددگار ہیں سب کے وہ
سبھی کے ہمارے صلی علیٰ محمد ﷺ
کلام ان کا قرآن
خدا کے دلارے صلی علیٰ محمد ﷺ
وہ چاند ہیں عرب کا
نور کے ستارے صلی علیٰ محمد ﷺ
قربان ان پر ہم ہیں
جان سے پیارے صلی علیٰ محمد ﷺ
جنت ہی جنت ہے مدینہ
نورانی نظارے صلی علیٰ محمد ﷺ

فصیحہ آصف خان

اُمّ المومنین

نزہت رضوان

حضرت میمونہؓ بنت حارثؓ

تاریخ اسلام میں مذکور ہے کہ معاہدہ حدیبیہ کی رو سے مسلمانوں نے تین دن تک مکہ مکرمہ میں ٹھہرنا تھا۔ اہل مکہ شہر سے باہر خیموں میں تھے مسلمان جہاں چاہتے جاتے تھے اور اپنے ہمراہ انصاری دوستوں کو بھی لے جاتے تھے گویا اس پرامن شہر پر انہی کا قبضہ تھا۔

سب کے سب احکام اسلام پر کاربند تھے‘ روزانہ نمازیں ادا کرتے۔ غرور نفس کو پامال کرنے کی سعی کرتے تھے ان میں جو طاقتور تھے وہ کمزوروں اور ناتوانوں کی دستگیری اپنا فرض سمجھتے تھے۔ دولت مند اور امراء محتاجوں اور حاجت مندوں سے حسن سلوک سے پیش آتے تھے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت ان کے درمیان ایک مہربان وشفیق باپ کی سی تھی۔

قریش اور اہل مکہ اپنے اپنے گھروں کی چھتوں سے یہ دل فریب و تاریخی اہمیت کا حامل منظر بغور دیکھ رہے تھے۔ ان کی نگاہوں کے سامنے وہ لوگ تھے جن کے اخلاق بلند اور جن کے اطوار شائستہ تھے۔ رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا اثر وفیض تھا کہ وہ ہر طرح کی علت سے پاک تھے‘ نہ شراب پیتے تھے اور نہ کسی مکروہ گناہ کا ارتکاب کرتے تھے۔ خوردونوش کے عام مشاغل اور فتنہ وفساد کی آلودگیوں سے ان کا دامن داغ دار نہ تھا۔ کوئی چیز انہیں حق وصداقت کی راہ سے منحرف نہ کرسکتی تھی۔ وہ کسی قیمت پر بھی احکام خداوندی سے سرتابی نہ کرتے تھے اور انہیں جو حکم دیا جاتا تھا اس کی بجاآوری کے لیے پوری تندہی سے کوشاں رہتے تھے۔ محبت کے ساتھ‘ ادب کے ساتھ‘ یہ نظارہ جس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ عنہم کی عظمت پوری بلندیوں پر نظر آتی تھی اور جس کا تصور اہل مکہ اور قریش کے ذہن میں کبھی آ ہی نہیں سکتا تھا۔ زندگی کے اس انداز نے انہیں بے حد متاثر کیا اور ان کے دلوں پر گہرے نقوش ثبت کیے۔

ایک روز شافع یوم نشور صلی اللہ علیہ وسلم احرام کھولنے کے بعد تشریف فرماتھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ حاضر خدمت ہوئے ادب سے بیٹھ گئے اور عرض گزار ہوئے۔

”یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں‘ برہ بنت حارث اسی سال کے ابتدا میں بیوہ ہوگئی تھی۔“ یہ کہہ کر قدر سکوت فرمایا پھر ان کی گزشتہ زندگی پر سے پردہ اٹھایا اور عرض کیا۔

”یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ برہ بنت حارث کو اپنے حبالہ عقد میں لے لیں۔“

”ٹھیک ہے میں اسے اپنے حبالہ زوجیت میں لے لیتا ہوں۔“

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلمنے اپنے چچا حضرت عباسؓ کی تجویز پر فیصلہ صادر کیا اور چار سو درہم مہر پر برہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت حارث کو اپنی زوجیت میں لینا قبول کرلیا اور ان کا نام تبدیل کرکے میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رکھا۔ اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۵۹ برس تھی اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری زوجہ محترمہ تھیں‘ ان کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید کوئی نکاح نہیں فرمایا۔

ایک روایت ہے کہ ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ سے اپنے خادم حضرت ابورافعؓ کو حضرت اوس بن خولیؓ کے ساتھ وکیل بنا کر بھیجا اور انہوں نے ایجاب و قبول کیا۔ حضرت قتادہؓ و عکرمہؓ کے حوالوں سے روایت ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنا نفس ہبہ کردیا تھا۔

ایک تیسری روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جب نکاح کا پیغام پہنچا تو اس وقت حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ اونٹ پر سوار تھیں‘ جواب دیا۔

”اونٹ اور جو کچھ اس پر ہے وہ سب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے۔“

مگر درست روایت وہی ہے کہ حضرت عباسؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں خود درخواست کی تھی کہ وہ برہ بنت حارث سے نکاح فرمالیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے شرف قبولیت بخشا تھا۔

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زندگی کی گاڑی جو دوسرے شوہر کی وفات پر بیوگی کے مقام پر آ کر رک گئی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انہیں زوجیت میں قبول کرنے کی وجہ سے پھر متحرک ہوگئی لیکن اب اس گاڑی کا رخ جس منزل کی طرف تھا اس سے بڑھ کر کوئی دوسری منزل عظیم واعلیٰ نہیں ہوسکتی تھی۔ ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ زندگی میں دو حادثات جو طلاق اور بیوگی کی شکل میں نمودار ہوئے تھے ان کا انجام اس قدر خوب صورت اور حسین ہوگا اور وہ ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مرتبہ پر فائز ہوں گی۔ ام المومنین ایسا مقدس واعلیٰ لقب جس کے مدمقابل تمام القابات کوئی معنی نہیں رکھتے۔ اس کے نتیجے میں حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نہ صرف اس کارگہ عالم میں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت نصیب ہوئی بلکہ اخروی زندگی میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت وہم نشینی حاصل ہوگی۔ اب وہ زوجہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم' ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور دوسری امہات المومنین رضوانہ اللہ تعالیٰ عنہم کی صف میں شامل تھیں جن کا احترام اور عزت ہر مسلمان پر لازم وفرض ہے جوان کا گستاخ و بے ادب ہے' وہ دائرہ اسلام و بارگاہ خداوی و مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم سے باہر ہے۔

ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زیست کی ناؤ ایک ایسے کنارے پر جا کر لگ گئی تھی جہاں صبح وشام اللہ عزوجل کی رحمتوں اور نوازشوں کا نزول ہوتا تھا اور ہو رہا ہے۔ یہاں ہر طرف نور ہی نور پھیلا ہوا تھا' حسن ہی حسن تھا جو حد نظر تک بکھرا ہوا تھا ہر سو خوشبو ہی خوشبو نے مہکار مچا رکھی تھی اور نظر نواز رنگ موجود تھے اور یہ شرف صرف اور صرف راحت انس وجن رسول عربیؐ' تاجدار کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن اطہر کے ساتھ وابستہ ہونے کی برکت تھی۔

"یارب العالمین! یارب رحمتہ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم! میں تیرا کس زبان سے اور کس طرح شکر ادا کروں کہ تُو نے مجھے نعمت عظمیٰ سے سرفراز فرمایا ہے اس سے بڑھ کر میرے لیے اور کوئی نعمت نہیں ہوسکتی۔" وہ سوچنے لگیں' چہرہ اقدس پر نور تہہ در تہہ پھیلا ہوا تھا۔

حضرت عباسؓ گھر میں تشریف فرما تھے کہ اسی اثناء میں حضرت ابو رافعؓ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ حاضر خدمت ہوئے۔ حضرت عباسؓ نے ان کا خندہ پیشانی سے استقبال کیا کیونکہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرستادہ تھے انہیں عزت سے بٹھایا اور تواضع کی۔

"فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ان کی امانت ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو لینے حاضر ہوا ہوں تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا دوں۔" حضرت ابو رافع نے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا۔

جب حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تیار ہوگئیں تو انہیں اونٹنی پر سوار کرادیا اور محبتوں اور خوشیوں کے پھولوں کے ساتھ ان کو رخصت کیا گیا۔ اس سفر میں ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہن اور ان کی بیٹی ساتھ تھیں۔

حضرت ابو رافعؓ نے ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اونٹنی کی مہار پکڑلی اور چل پڑے۔ اونٹنی کا اٹھنے والا ہر قدم اسے منزل مقصود کے قریب لے جارہا تھا۔ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عالم تصورات میں گمن تھیں۔ ہر گزرنے والا لمحہ انہیں اپنے محبوب شوہر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب لے جارہا تھا اور اہل مکہ قریش کی اس نامور خاتون کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔

آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم ابھی سرف میں ہی مقیم تھے کہ اہل قافلہ نے دور سے حضرت ابو رافعؓ کو آتے دیکھا' خوشی کی ایک لہر تھی کہ دوڑ گئی۔

"یا حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا تشریف لا رہی ہیں۔" کسی نے اطلاع دی۔

"انہیں خیمے میں اتار دو۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہؓ کے لیے ایک خیمہ نصب کرا رکھا تھا' اطلاع دینے والا لوٹ گیا۔

ندا رضوان

اسی اثناء میں حضرت ابورافع بہت قریب آ گئے تھے وہ اونٹنی کو ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خیمہ کے قریب لے گئے اور بٹھایا۔ وہ اونٹنی سے اتر کر خیمے کے اندر تشریف لے گئیں تو حضرت ابو رافع نے ان کے ساتھی بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان' حکم کی تعمیل ہو چکی ہے۔ ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس وقت اپنے خیمہ میں تشریف فرما ہیں۔''

مقام سرف پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پڑھا گیا۔ حضرت عباسؓ بن عبد المطلب ان کے ولی تھے پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سرف میں ہی رسم عروسی ادا فرمائی اور ولیمہ کیا۔

مختصر قیام کے بعد مسلمانوں کا یہ مبارک قافلہ مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہوا۔ ام المومنین سیدہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خوشی و انبساط کا ٹھکانہ نہ تھا۔ وہ اپنی قسمت پر جس قدر بھی ناز کرتیں' اتنا ہی کم تھا۔ انہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کا محبوب صلی اللہ علیہ وسلم مل گیا تھا' جن کے مقابل دنیا و آخرت کی نعمتیں ہیچ ہیں۔ ان کی نظر میں حقیقی زندگی وہی تھی جس کا آغاز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی کے بعد ہوا تھا اس سے قبل کی زندگی کو وہ زندگی ہی نہیں سمجھتی تھیں اور حق بھی یہی تھا اب ان کی زندگی کو دوام مل گیا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری ازواج مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ عنہم کی طرح سیدہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی رہائش کے لیے ایک علیحدہ مکان عطا فرما دیا جو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملک شام کی سمت واقع تھا۔ گزر اوقات کے لیے بطور نان نفقہ خیبر کی کھجوروں سے ۸۰ وسق کھجور اور ۲۰ وسق جو سالانہ مقرر فرما دیئے ان کے خرچ کے معاملے میں وہ خود مختار اور آزاد تھیں۔

سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آنے کے فوراً بعد ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سارے دکھ درد اور غم و الم خواب و خیال ہو گئے' اب ہر لمحہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے مشکبار سایوں سے گھرا ہوا تھا۔ اطمینان تھا' سکون تھا اور راحت تھی۔ سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کے آرام و دلجوئی و رضا کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتی تھیں۔ کوشاں رہتی تھیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی ادائیگی میں ذرہ بھر بھی سرتابی نہ ہو اور اطاعت و اتباع میں کوئی کسر نہ رہ جائے۔

ایک دن حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھیں۔ اتنے میں حضرت ابن مکتوم آ گئے' اس واقعہ سے پہلے پردے کے احکامات اتر چکے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''ان سے پردہ کرو۔''

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو نابینا ہیں اور ہمیں پہچانتے بھی نہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو ارشاد فرمایا۔

''کیا تم بھی نابینا ہو کیا تم انہیں نہیں دیکھتیں؟''

کاشانہ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے جو لیل و نہار گزر رہے تھے ان کی مثال نہیں ملتی۔ وہاں ہر وقت اور ہر لحظہ محبت' شفقت' رحمت اور انوار و تجلیات کی بارش ہوتی تھی۔ وقت گزر رہا تھا کہ ۱۰ ہجری میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا ارادہ فرمایا' اس حج کو حجتہ الاسلام اور حجتہ الوداع بھی کہتے ہیں۔ اس بناء پر کہ اس میں لوگوں کو حج کے مسائل اور احکام سکھائے اور سفر آخرت کے ساتھ رخصت کیا گیا اور فرمایا گیا۔

''مجھ سے اپنے مناسک حج معلوم کر لو' ممکن ہے کہ آئندہ سال میں حج نہ کروں اور سفر آخرت اختیار کر لو۔''

اسی بناء پر حجتہ الوداع کا اطلاق احادیث اور کتب سیر میں واقع ہے۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اللہ تعالیٰ کے پاس ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری میں تشریف لے گئے تو سب کی

ماہنامہ داستانِ دل ساہیوال

ادب کی دنیا میں ایک نیا نام

نئے لکھنے والوں کے لئے ایک بہترین پلیٹ فارم

اگر آپ لکھاری ہیں اور تحریر کسی مستند ادارے میں بھیجنا چاہتے ہیں تو ابھی داستانِ دل کو بھیجیں۔ آپ کی تحریر قریب کے شمارے میں پبلش کی جائے گی۔ آپ اپنے افسانے، ناولٹ، ناولز، کہانیاں، جگ بیتیاں، آپ بیتیاں، غزلیں یا پھر نظمیں ہمیں ای میل کے ذریعے، ڈاک کے ذریعے یہاں تک کہ وٹس ایپ کے ذریعے بھی بھیج سکتے ہیں۔ بس آپ کی تحریر اردو میں لکھی ہونی چاہیئے۔ اگر آپ نئے لکھاری ہیں تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، آپ اپنی تحریر ہمیں بھیجیں ہم اس کو صحیح کر کے اپنے شمارے کا حصہ بنائیں گے۔ اگر آپ لکھنا نہیں جانتے تب بھی آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں آپ ہمیں کوئی بھی اچھی سی غزل یا اقوال زریں انتخاب کے لئے بھیج سکتے ہیں۔ وہ بھی داستانِ دل کا حصہ بنے گا۔ اس کے علاوہ آپ اپنی تحریر موبائل پر بھی میسج کر سکتے ہیں بس اردو میں تحریر ہو۔

ہمارے داستانِ دل کے سلسلے کچھ اس طرح سے ہیں

محبت نامے، ملک کی ممتاز شخصیات کا انٹرویو، افسانے ناولز، ناولٹ، غزلیں، نظمیں، حمد، نعت اور انتخاب

اس کے علاوہ آپ کی ہر تحریر کو ہمارے شمارے میں خاص جگہ دی جائے گی۔ آپ ہمارے سارے شمارے پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر پڑھ سکتے ہیں اور پڑھ کر اپنی رائے دے سکتے ہیں

ہمارا ایڈریس ہے۔

ندیم عباس ڈھکو چک نمبر L-5/79 ڈاکخانہ 5.L/78 تحصیل وضلع ساہیوال

وٹس ایپ نمبر: 03225494228

ای میل ایڈریس ہے abbasnadeem283@gmail.com

نظروں میں دنیا اندھیر ہوگئی۔ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا غم واندوہ کی تصویر بن گئیں لیکن یہ صدمہ جانکاہ بڑے صبر وتحمل اور تسلیم ورضا کی ایمانی قوت سے برداشت کیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سوا تین سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت ومعیت میں رہیں اور اپنے محبوب شوہر اور آقا ومولا صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ والتفات اور محبت سے سعادت اندوز ہوتی رہیں' اس وقت ان کی عمر مبارک ۳۹ سال تھی۔

رسالت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے جدائی کا بہت بڑا صدمہ تھا جو انہیں اٹھانا پڑا اور اس سے عظیم صدمہ کوئی اور ہو نہیں سکتا تھا لیکن اس کے باوجود ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زندگی کی گاڑی اس مقام پر آکر گزشتہ واقعات کی طرح رک نہیں گئی تھی بلکہ اس کا سفر جاری رہا کیونکہ حضرت اکرم صلی اللہ علیہ وسلمکی وقتی جدائی سے یہ رشتہ منقطع نہیں ہوگیا تھا کیونکہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ تھیں اور دنیا کے بعد آخرت میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہوں گی۔

ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طبیعت اور مزاج میں اس دنیائے فانی سے بے رغبتی اور بے تعلقی کی کیفیت پیدا ہوگئی تھی۔ دنیا کی زیب وزینت اور اس کے سامان سے کافی حد تک بے نیاز ہوگئی تھیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مسواک پانی میں پڑی رہتی تھی' اگر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کام یا نماز میں مشغول ہوتیں تو خیر' ورنہ مسواک کرنے لگتیں' لباس بے حد سادہ زیب تن فرماتی تھیں۔

ان کے تربیت یافتہ حضرت عبد اللہ الخولانیؒ بیان کرتے ہیں......

"سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا لباس اکثر ایک دوپٹے اور ایک لمبی سی قمیص پر مشتمل ہوتا تھا۔ وہ اتنا لمبا ہوتا تھا کہ چہرہ اقدس کے سوا سارے جسم کو ڈھانپ لیتا تھا اور اسی لباس سے وہ نماز بھی پڑھ لیتی تھیں۔"

ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھانجے حضرت یزید بن اصمؓ بتاتے ہیں۔

"میری خالہ اپنے بالوں پر بھی اتنی توجہ نہ دیتی تھیں' شاید اس لیے کہ دنیا ان کی نظروں میں ہیچ ہوگئی تھی۔"

ہر ذی روح نے موت کا مزہ چکھنا ہے' وقت چلتے چلتے انسان کو اس مقام پر لے جاتا ہے جب اس نے اس دنیا کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ کر دائمی زندگی کی طرف جانا ہوتا ہے۔

۵۱ ہجری میں حضرت امیر معاویہؓ کے عہد مسعود میں ام المومنین حضرت میمونہؓ سفر حج پر تشریف لے گئیں' اس وقت آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر ۸۰ یا ۸۱ سال تھی۔ حج سے فراغت کے بعد واپس تشریف لائیں جب مدینہ منورہ کے قریب پہنچیں تو بارگاہ خداوندی سے بلاوا آگیا۔ جان' جان آفرین کے سپرد کرنے سے پہلے انہوں نے اپنے بھانجوں کو جو اس سفر میں ساتھ تھے وصیت کی......

"بیٹا! مجھے سرف میں اس مقام پر سپرد خاک کرنا جہاں اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے میری شادی کی رات ملاقات ہوئی تھی۔"

یہ وصیت فرمانے کے بعد انہوں نے آنکھیں بند کرلیں اور نہایت خاموشی کے ساتھ اسد نیا کی سرحدیں عبور کرکے اپنے آقا ومولا اور شوہر صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا میں تشریف لے گئیں۔

یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری زوجہ اطہر کا مبارک جنازہ تھا' جب جنازہ اٹھایا گیا تو ام المومنین حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھانجے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا۔

"مسلمانو! یہ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رفیقہ حیات اور اہل ایمان کی ماں ہیں' ان کا جنازہ آہستہ آہستہ ادب کے ساتھ لے کر چلو دیکھو انہیں کوئی جھٹکا نہ لگنے پائے۔"

زینب احمد

نبیلہ ملک

تمام حجاب اسٹاف، پڑھنے اور لکھنے والوں کو محبت بھرا سلام عابد ولت کو نبیلہ کہتے ہیں 26 جون کی تپتی ہوئی دوپہر کو اس دنیا میں تشریف لائی۔ بہت پیارے کیوٹ سے تین بھائی اور بہت پیاری اور عزیز تین بہنیں ہیں۔ سب سے بڑے عمران بھیا (میری جان) پھر صائقہ باجی (میری استاد) پھر مصباح باجی (ایک پیاری بہن) پھر نومی بھیا (میرا مان) پھر زینی (میری نٹ کھٹ سی بہن) پھر حماد ملک (میرا پیار) اور پھر آخر میں عابد ولت۔ گھر میں چھوٹی ہونے کے ناطے سب کی لاڈلی ہوں، بہت اچھی سیدھی سادھی سی ماں او ورلڈ بیسٹ ڈیڈ۔ میں بی ایڈ کی طالبہ ہوں اور خود کو بہت خوش نصیب سمجھتی ہوں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے دنیا کا سب سے اچھا اور پیارا باپ عطا کیا۔ ہم چاروں بہنیں اپنے پاپا کی جان تھیں، ہم ان کی شہزادیاں تھیں۔ وہ کبھی بھی ہماری آنکھ میں ایک آنسو تک نہیں آنے دیتے مگر خود ایک نا ختم ہونے والا درد دے کر چلے گئے۔ 8 جولائی کو مجھ پر قیامت ٹوٹی تھی اور لگتا ہے کہ سب کچھ جیسے ختم سا ہو گیا ہو، زندگی میں اب وہ چارم نہیں رہا۔ ہمارا دوست، ہمارا مان، ہمارا غرور، ہمارا فخر، ہمارا پیار، ہمارا استاد، ہمارے بہت بہت پیارے پاپا تھے۔ صحیح کہتے ہیں زندگی میں کبھی بھی کوئی باپ کی کمی نہیں پوری کر سکتا اور نہ ہی ہم کبھی اپنے بابا کی جگہ کسی اور کو دے سکتے ہیں۔ اللہ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے آمین۔ میری تین عدد بھابیاں بھی ہیں ریناے (عائش) حمیرا (حمیری) مہوش (مہشی) اللہ تعالیٰ ان تینوں کو سکون، خوشیاں اور عزت نصیب کرے۔ ریڈ اور بلیک کلر بہت اٹریکٹ کرتے ہیں، ریڈ روز کی تو دیوانی ہوں۔ پھلوں میں کیلا، خوبانی اور آڑو بہت پسند ہے، لباس میں فراک اور چوڑی دار پاجامہ پہننے کو ترجیح دیتی ہوں۔ چاول اور چاٹ کی بہت شوقین ہوں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتی ہوں کہ میری پیدائش سے قبل چائے ایجاد ہو چکی تھی۔ چھوٹے گھر یعنی مٹی کے گھر اور بڑے دل والے لوگ بہت متاثر کرتے ہیں۔ انسان کا پسندیدہ روپ بھائی اور باپ ہے، بارش میں بھیگنا اور ہارس رائیڈنگ بہت پسند ہے۔ غصہ بہت جلدی آتا ہے، لوگوں کے انداز ان کے دل کا حال بتا دیتے ہیں، باتوں سے زیادہ مجھے رویے ہرٹ کرتے ہیں، شاہد خان آفریدی کی پکچرز اکٹھی کرنا میرا مشغلہ ہے۔ نیند نہ آئے تو میوزک سنتی ہوں، پنجابی سونگ بہت اچھے لگتے ہیں۔ پسندیدہ ایکٹر ریتک روشن اور احسن خان ہیں۔ پسندیدہ سیاستدان مشرف اور بارک اوباما ہیں۔ پسندیدہ موسم سردیوں کا ہے، میں اپنے پاپا کے جیسی بننا چاہتی ہوں نڈر، بے باک، اصول پرست، لوگوں کے دکھ سکھ بانٹنے والی۔ لمبے چوڑے رشتے پالنا پسند نہیں، میرے لیے میری فیملی صرف میرے بہن بھائی اور ماں باپ ہیں۔ زندگی بہترین استاد ہے اس سے بہت کچھ سیکھا ہے جو چاہ کر بھی بھلا نہیں پاؤں گی، زندگی میں اگر برا وقت نہ آئے تو اپنوں میں چھپے غیر اور غیروں میں چھپے اپنے دونوں ہی چھپے رہتے ہیں۔ فرینڈز سرکل بہت چھوٹا سا ہے مریم، حنا، اسماء، سحرش اور ثمینہ باجی میری فرینڈز میں شامل ہے۔ اپنی پرابلمز ڈائری سے شیئر کرتی ہوں جو کوئی سوال نہیں کرتی۔ کسی سے ناراض ہو جاؤں تو پھر جلدی سے راضی نہیں ہوتی۔ اکثر سوچتی ہوں کاش میں لڑکا ہوتی، اپنے پاپا کے کافی سارے خوابوں کو تعبیر دے سکتی۔ میرے پسندیدہ نام صائم، شاہ ویز اور اشمل ہیں۔ زندگی سے ایک سبق سیکھا ہے "قابل اعتبار ہی اکثر قابل اعتبار ہوتے ہیں"۔ میری جان، میرا چاند شارو (شارق رضا) جلدی سے پاکستان آؤ نومی ماموں کی شادی کے لیے آئی لو یو شارق۔ زندہ دل اور ہنستے مسکراتے

لوگ اچھے لگتے ہیں' مجھے لگتا ہے کہ جس نے ہر حال میں خوش رہنے کا فن سیکھ لیا ہے اس نے زندگی کا سب سے بڑا فن سیکھ لیا ہے۔ آخر میں جن لوگوں کے باپ زندہ ہیں ان کے لیے دعا کروں گی کہ اللہ ان کے سر سے کبھی بھی باپ کا سایہ نہ ہٹائے اور انہیں اپنے بچوں کے سروں پر قائم رکھے انہیں کبھی بھی وہ درد نہ ملے جو ہم جھیل رہے ہیں۔ تمام ریڈرز سے گزارش ہے کہ میرے بابا کے لیے سورۃ اخلاص پڑھ کر دعا کریں' اجازت چاہوں گی' مجھ سے مل کر کیسا لگا ضرور بتائیے گا' اللہ حافظ۔

ایم فاطمہ سیال

السلام علیکم! ڈیئر ریڈرز' سویٹ رائٹرز اینڈ نائس آنچل و حجاب اسٹاف آپ سب کو میرا محبتوں' چاہتوں' مسکراہٹوں بھرا اسلام۔ آپ بھی کہہ رہے ہوں گے کہ یہ کون ہے (تو جناب زیادہ بھولا بننے کی ضرورت نہیں ہے) اوپر آپ میرا نام پڑھ چکے ہیں چلئے ایک بار پھر بتا دیتے ہیں ماہ دولت کو ایم فاطمہ سیال کہتے ہیں 2 فروری کو اس دنیا کو رونق بخشی ہم چھ بہن بھائی ہیں۔ بڑی سسٹر عظمیٰ پھر رضیہ' عدیلہ اور پھر ہم بذات خود اور مجھ سے چھوٹے بھائی مناظر علی اینڈ فراست علی یہ بڑا ہے۔ کھانے میں سب کچھ کھا لیتی ہوں جو مل جائے۔ سب سے زیادہ کھانے میں بریانی' مرنڈا' لذیذہ کھیر' شامی کباب اور آئس کریم پسند ہیں۔ لباس میں شلوار لانگ شرٹ اور بڑا سا دوپٹہ' فراک بھی پسند ہے۔ چوڑیاں پہننا اور مہندی لگانا بہت پسند ہے لیکن جب بھی چوڑیاں پہنوں یا مہندی لگاؤں تو کسی نہ کسی سے لڑائی ہو جاتی ہے اس لیے یہ خواہش حسرت بنا کے ہی رکھتی ہوں۔ میرے ابو امی کو میرا اسلام (آئی لو یو سو مچ)۔ خوبیوں اور خامیاں بھی بتانا ہی پڑیں گی تو جی خامیاں یہ ہیں کہ غصے کی بہت تیز ہوں اور پھر کنٹرول بھی نہیں کر پاتی جس سے نقصان بھی سراسر اپنا ہی کرتی ہوں اور پھر آنسوؤں کے رستے نکالتی ہوں بہت جلد دوسروں پر بھروسہ کر لیتی ہوں اور پھر دھوکہ بھی کھاتی ہوں۔ ایک بار جو بات دل میں بیٹھ جائے وہ پھر نکالے نہیں نکلتی۔ مروت کا نقاب چڑھانا پسند نہیں' میرے خیال میں یہ منافقت ہے۔ کسی کے لیے جو میرے دل میں ہو وہ ہی ظاہر بھی ہوتا ہے محبت' نفرت' پیار و خلوص' چاہت ہر معاملے میں بہت شدت پسند ہوں۔ یہ نہیں کہوں گی کہ کسی سے نفرت نہیں کرتی بلکہ جس سے کروں اس کے بارے میں سوچنا چھوڑ دیتی ہوں کہ کہیں منفی سوچوں کی وجہ سے اسے نقصان نہ پہنچادوں اور پھر اگر وہ انسان سامنے بھی بیٹھا ہو تو پروا نہیں۔ میرے لیے ایسے ہی ہے جیسے موجود ہی نہ ہو۔ یہ تو ہو گئی خامیاں' خوبی صرف ایک ہی ہے کہ جو پیار محبت اور خلوص دے تو اسے اس سے بڑھ کر دیتی ہوں اور کوئی خوبی مجھے نظر نہیں آئی اگر آپ فیل کرو تو بتا دینا۔ کوکنگ اور گھر کے کام ہر چیز سے فارغ ہوں کہ بڑی سسٹرز کر لیتی ہیں بی اے پرائیوٹ کر رہی ہوں۔ اسکول لائف اور ایف اے کالج لائف میں جو بھی ٹیچرز اور فرینڈز ملیں سب بہت نائس تھیں اور یاد بھی ہیں لیکن اب کوئی ساتھ نہیں۔ ارے اپنے گاؤں کا نام بتانا تو بھول ہی گئی ضلع حافظ آباد کے ایک گاؤں محمود پور میں رہتی ہوں۔ اچھا اور منفرد لکھنے والے سب رائٹرز پسند ہیں' شاعری بہت اٹریکٹ کرتی ہے' میری اپنی پہلی غزل آنچل مئی 2015ء میں شائع ہوئی تھی۔ پسندیدہ شخصیت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قائد اعظم اور علامہ اقبال۔ کرکٹر میں سعید اجمل پسند ہیں مگر وہ اب نہیں کھیلتے۔ سعید صاحب آپ کو کرکٹ اکیڈمی بنانے پر بہت بہت مبارک باد۔ پسندیدہ سنگر راحت فتح علی خان' پسندیدہ ناول "قراقرم کا تاج محل' پہاڑ' صحرا دریا" بہت پسند ہیں۔ اونچے برف پوش پہاڑوں کی وسعتوں میں گم ہو جانے کو دل کرتا ہے اگر اجازت اور گائیڈنس ملتی تو میں ایک اچھی کوہ پیماں ہوتی (ہاہاہا) جھیل کنارے پہاڑوں کی اوٹ میں ڈوبتے سورج کا جھیل پر پڑتا عکس بہت پسند ہے۔ دسمبر کی دھند میں لپٹی اداس راتیں دل کے بہت قریب محسوس ہوتی ہیں۔ رات بہت پسند ہے' خاموشی' تنہائی اور اندھیرے

کمرے میں بیٹھنا تنہا بیٹھ کے مدھم روشنی میں آنچل و حجاب پڑھنا بہت پسند ہے اور اب جو آنچل میں فرینڈز بنی ہیں ان سب کو بھی میرا ڈھیروں ڈھیر سلام اور باقی پڑھنے والوں کو بھی' اللہ آنچل وحجاب کو دن دگنی رات چوگنی ترقی دے اور ہمارے ملک پاکستان کو اپنے حفظ و امان میں رکھے' میرا تعارف کیسا لگا ضرور بتایئے اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو اللہ نگہبان۔

ہانیہ اعجاز

ڈیئر آنچل وحجاب اسٹاف اینڈ قارئین کرام اور تمام اہل پاکستان کو میرا چاہتوں اور محبتوں بھرا سلام قبول ہو۔ مابدولت کا نام ہانیہ اعجاز ہے' میرا تعلق آزاد کشمیر کے ایک گاؤں پنڈی سے ہے۔ میں نے ایف اے کا امتحان دیا ہے (آپ سب سے گزارش ہے کہ میرے لیے دعا کریں کہ میرا رزلٹ اچھا آئے) مزید پڑھنے کا ارادہ ہے' باقی جو رب جانے۔ ہم پانچ بہن بھائی ہیں' بڑا بھائی دبئی میں ہوتا ہے میری اپنے بھائی کے لیے یہی دعا ہے کہ اللہ تمہیں اتنی دولت دے کہ تمہارا دامن تنگ پڑ جائے' میں اکیلی بہن ہوں اور گھر والوں کی لاڈلی ہوں۔ اچھا اب میں اپنی خامیوں کا تذکرہ کرتی ہوں کیونکہ خوبیاں سننا سنانا تو سب کو پسند ہوتا ہے مگر خامیوں پر لوگ کم ہی متوجہ ہوتے ہیں۔ میری دوستیں مجھے کہتی ہیں کہ تم بہت ضدی ہو' میرا چھوٹا بھائی کہتا ہے کہ واقعی تمہاری دوستیں ٹھیک ہی کہتی ہیں کہ تم ضدی ہو بقول میرے پاپا جانی کہ میں چڑیل ہوں' غصہ بہت کم آتا ہے مگر جب آتا ہے تو پھر اچھا خاصا ہوتا ہے۔ مجھے جھوٹ بولنے والے لوگوں سے سخت نفرت ہے۔ میری خوبیاں بہت سی ہیں ان کا تذکرہ کرنا بہت مشکل ہے میں ہی کر رہی ہوں (ہاہاہا)۔ پاکستان اور پاک آرمی سے عشق ہے' میری بہت سی دوستیں ہیں جن کی وجہ سے زندگی میں رونق ہی رونق ہے۔ میری دوستی بہت اچھی اور خوب صورت ہیں اپنی دوستوں پر فخر ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری دوستوں کو صحت و تندرستی اور لمبی زندگی عطا فرمائے۔ میری بیسٹ فرینڈز میں سلمیٰ منیر' ربیعہ بشارت' انساء ناز' مبین عارف' مبین امانت' خدیجہ طارق' ربیعہ فاروق' اقراء رفیق ہیں۔ میں اپنی چڑیل دوستوں کو بہت مس کرتی ہوں' میری بیسٹ ٹیچرز میں ٹیچر مبشریٰ' فرزانہ کوثر' مصباح رفیق' شازیہ' نائلہ' نسیم' پروین' عابدہ اور ٹیچر فوزیہ ہیں۔ میڈم شاہدہ کو تو میں کبھی بھول نہیں سکتی اللہ تعالیٰ میری تمام ٹیچرز کو صحت و تندرستی عطا فرمائے آمین۔ میری آئیڈیل شخصیت میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم' حضرت فاطمہؓ' حضرت عائشہؓ' میری دادی جان اور میری خالہ اور میرے پاپا جانی ہیں۔ میں اپنے پاپا جانی کی طرح بننا چاہتی ہوں۔ فیورٹ رائٹرز میں نازیہ کنول نازی' سمیرا شریف طور' فاخرہ گل' راحت وفا ہیں' باقی سب رائٹرز بھی بہت بہت اچھا لکھتی ہیں۔ مجھے سب کی تحریریں بہت پسند ہیں۔ پڑھنے کا بے حد شوق ہے' اس وقت تک نیند نہیں آتی جب تک کچھ پڑھ نہ لوں۔ ہر وقت کچھ نہ کچھ پڑھنے کی عادت ہے' آنچل وحجاب کا انتظار بڑی بے تابی سے کرتی ہوں' آنچل وحجاب کے تمام سلسلے بہت اچھے ہیں خصوصاً افسانے اور مکمل ناول ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام آنچل و حجاب اسٹاف اور رائٹرز کو دن دگنی رات چوگنی ترقی دے' اللہ حافظ۔

کبریٰ مہتاب

السلام علیکم! تمام آنچل وحجاب اسٹاف' قارئین اور آل پاکستان! میرا نام کبریٰ مہتاب ہے (ارے ارے بیٹھ جایئے نام بڑا ہے لیکن خود چھوٹے ہیں ابھی) نام تو کبریٰ ہی ہے اسے تھوڑا اور خوب صورت بنانے کی لیے مہتاب کا اضافہ خود کیا ہے (آہم)۔ 4 مارچ 1999ء کو منڈی بہاؤ الدین کے پیارے سے قصبے بوسال سکھا میں پیدا ہو کر حقیقت میں اپنے گھر میں چار چاند مکمل کر دیئے۔ ہم چار

بہنیں ہیں بھائی نہیں ہے اور اللہ کا شکر ہے بابا جان اور ماموں جان شفقت (انکل) نے یہ کمی کبھی محسوس نہیں ہونے دی۔ سب سے چھوٹی ہوں اور سب کی لاڈلی بھی (بابا جان کی کچھ زیادہ ہی لاڈلی ہوں) بابا جان ڈاکٹر ہیں اور امی بہت اچھی سب کا خیال رکھنے والی ہیں اور بہنیں ماشاء اللہ سب پڑھ رہی ہیں۔ سب سے بڑی آپی فریدہ ہیں جس کی حال ہی میں پھوپو کے بیٹے ادریس بھائی (بینکر) سے منگنی ہوئی ہے۔ ادریس بھائی بہت اچھے ہیں' اس سے چھوٹی آپی فاخرہ ہے جو کہ ایم اے بی ایڈ اور ساتھ ٹیچنگ بھی کررہی ہیں۔ میں اپنی آپی فاخرہ سے بہت اٹیچ ہوں' فیاض بھائی جو کہ آپی فاخرہ کے فیانسی ہیں جس نے ہمیں کبھی بھائی کی کمی محسوس نہیں ہونے دی' بہت نائس اور میرے فیورٹ بھیا جانی ہیں۔ میری دونوں آپیوں کی جوڑی چاند سورج کی سی ہے (اللہ نظر بد سے بچائے)۔ تیسرے نمبر پر ثناء ہے جو بی اے کی اسٹوڈنٹ ہے اور بہت ذہین ہے اس کے بعد میں ہوں اوہ بہنوں کے جھنجھٹ میں خود کو بھول ہی گئی۔ میں فرسٹ ائر کی اسٹوڈنٹ ہوں ابھی حال ہی میں' میں نے خواتین ڈگری کالج میں ایڈمیشن لیا ہے' مختلف شوق ہیں خانہ کعبہ دیکھنے کا' پوری دنیا دیکھنے کا (دیکھا ابھی لاہور بھی نہیں) ویسے بھائی فیاض نے وعدہ کیا ہوا ہے کہ جب ہم ہنی مون پر جائیں گے تو تمہیں اور ثناء کو ساتھ لے کر جائیں گے (بھیا یاد رکھنا اب)۔ تتلیاں پکڑنے کا شوق' قدرتی نظارے قید کرنے کا (آنکھیں سلامت تو خواب بہت)۔ اب چلتے ہیں پسند ناپسند کی طرف کھانے میں چکن بریانی' گول گپے' ملک شیک اور کیلا ساتھ چٹ پٹی چیزیں پسند ہیں۔ سردیوں میں رات کو آئس کریم کھانا پسند ہے' فیورٹ کلر ریڈ اور بلیک ہے۔ فیورٹ ہستی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بابا جان ہیں۔ فیورٹ رائٹرز میں نمرہ احمد' ماہا ملک' رفعت سراج' نازیہ کنول نازی' عشناء کوثر سردار' تنزیلہ ریاض اور ہاشم ندیم ہیں۔ فیورٹ شاعر علامہ اقبال' اعتبار ساجد' قتیل شفائی اور مرزا غالب ہیں۔ فیورٹ ٹیچرز میم رقیب (پرنسپل) مس رخسانہ' مس رضیہ' مس عذرا' مس منورہ' مس شگفتہ ہیں۔ فیورٹ سنگرز عاطف اسلم' ارجیت سنگھ' امرینہ گل' ندیم عباس' رحیم شاہ ہیں۔ پسندیدہ کتاب قرآن مجید ہے' جیولری میں رسٹ واچ اور چین ہے۔ لباس میں گھیر دار فراک پاجامہ' بڑے سے دوپٹے کے ساتھ' لانگ شرٹ ٹراؤزر اور ساڑھی پسند ہے (جو کہ اپنی آپی فاخرہ کی شادی پر پہننے کا ارادہ ہے)۔ سچے اور مخلص لوگ پسند ہیں (اپنے بابا کی طرح)۔ دھوکا دینے والے لوگ بہت برے لگتے ہیں' خزاں کا موسم پسند ہے' دسمبر کی شامیں اور بارش پسند ہے۔ گفٹ لینا اور دینا دونوں پسند ہیں' دوستی کا رشتہ پسند ہے' شعروشاعری سے بہت لگاؤ ہے۔ صبح کے وقت گھاس پر ننگے پاؤں چلنا پسند ہے' بزرگوں کی دعائیں اچھی لگتی ہیں۔ جی اب بات ہوجائے خوبیوں' خامیوں کی' ضدی ہوں' سنتی سب کی ہوں کرتی اپنی ہوں۔ غصہ بہت زیادہ آتا ہے غصے میں سخت لفظ بول جاتی ہوں بعد میں پچھتاتی ہوں۔ کسی سے ناراض ہوجاؤں تو جلدی راضی نہیں ہوتی (اپنے بابا جان کی طرح)۔ جہاں تک ممکن ہو دوسروں کی مدد کرنے کی کوشش کرتی ہوں' دل کی صاف ہوں لوگوں پر بہت جلد اعتبار کرلیتی ہوں' نماز کی پابند نہیں جلد باز ہوں۔ بہت سی فرینڈز ہیں فروا رانی' رمشاء جانی' مقدس' ماہ نور' خدیجہ عرف کٹو' شاہین' صباء' ثناء ہیں جو کہ سب بچھڑ گئی ہیں۔ یہ تھا میرا مختصر سا تعارف (آہم) آخر میں قارئین کے نام ایک چھوٹا سا پیغام' کسی رشتے کو توڑنے سے پہلے ایک بار یہ سوچ لو کہ اب تک اس رشتے کو نبھا کیوں رہے تھے اور کہ اب اجازت دیجیے اللہ نگہبان۔

رخ سخن

سباس گل

شمیم ناز صدیقی

السلام علیکم قارئین آج ہم آپ کی ملاقات جس شخصیت سے کرا رہے ہیں وہ ہیں آپ کی ہماری پسندیدہ رائٹر شمیم ناز صدیقی جو ہماری پرخلوص سی دوست بھی ہیں۔

جنہیں ہم بہت پیار سے آپی کہتے ہیں ان کو ہمارا آپی کہنا اچھا لگتا ہے یہ بھی تو محبت ہے ان کی شمیم ناز صدیقی کے انٹرویو آنچل پاکیزہ دوشیزہ وغیرہ میں آچکے ہیں قارئین جو آپ کی نظر سے ضرور گزریں ہوں گے مگر ہم نے ماہنامہ حجاب کے لیے جو انٹرویو لیا ہے وہ تفصیلی ہے بالکل مختلف کوشش ہے ان کی ذات کی پرتیں قارئین پر کھلیں۔ آیئے بات کرتے ہیں آپی شمیم ناز سے۔

حجاب: السلام علیکم کیسی ہیں آپ؟

شمیم ناز: وعلیکم اسلام اللہ کا شکر ہے ٹھیک ہوں تمام قارئین کو میرا خلوص بھرا اسلام۔ سباس گل میری طرف سے تمہیں بھی مبارکباد کہ تم ماہنامہ حجاب کے رخ سخن کی انچارج بن گئی ہو، اللہ تعالیٰ تمہیں بہت کامیابیاں عطا کرے، آمین۔

حجاب: شکریہ آپی جزاک اللہ۔ آپ کا نام اگر کوئی قلمی نام ہے تو بتایئے؟

شمیم ناز: شمیم اختر تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ قلمی نام شمیم ناز صدیقی اس نام نے شہرت پہچان دی۔

حجاب: آپ کس شہر میں پیدا ہوئیں ڈیٹ آف برتھ، اسٹار؟

شمیم ناز: شہر کراچی 27 مئی کو جب ہم نے دنیا میں آنکھ کھولی تو جھلستی گرمی اور گرم ہواؤں نے ہمارا استقبال کیا اس کے باوجود مزاج ہمارا ٹھنڈا ہی رہا شکر ہے مزاج پر گرم ہواؤں کا اثر نہیں ہوا، اسٹار جوزا (جیمنی)

حجاب: آپ کا بچپن کیسا گزرا کچھ باتیں یادیں بچپن کی؟

شمیم ناز: بچپن کا ایسا ہوتا ہے کہ جی چاہتا وہ بچپن کے بےفکری کے خوب صورت دن پلٹ آئیں مگر ممکن کہاں...... بچپن اچھا گزرا نہ میں بہت شریر تھی نہ بہت سیدھی کھیل کود میں مصروف رہتی خاص کر گڑیا گڈے اور بہت سارے کھیل پڑھائی میں بھی نارمل تھی۔ بچپن میں مجھے مختلف ناموں سے پکارا جاتا تھا ہم سے بڑے بھائی باجی ہمیں منی کہتے کچھ رشتے دار شمہ کہہ کر پکارتے محلے والوں نے ہمیں ٹارزن کے نام سے نواز رکھا تھا کیونکہ ہم اپنی عمر سے زیادہ بڑے بچوں کے ساتھ ریس کے مقابلے میں دوڑتے اس مقابلے میں ہمیشہ جیت ہماری ہوتی مگر منی کہنے پر ہمیں بڑا اعتراض تھا اور جب ہمارے چھوٹے بہن بھائیوں نے بھی ہمیں منی کہنا شروع کردیا تو ہم نے احتجاج کا دھرنا دینے کا اعلان کردیا کہ جو ہمیں منی کہہ کر پکارے گا ہم اس سے بات نہیں کریں گے ہماری اس دھمکی پر تبدیلی تو آئی تھی اور ایسی آئی کہ سب چھوٹے بہن بھائی ہمیں چھوٹی باجی کہنے لگے وہ بھی جب ہم شعور کی حدوں میں

قدم رکھ چکے تھے۔

حجاب: لکھنے کی تحریک اور جراثیم کب پیدا ہوئے؟

شمیم ناز: شعور کی حدوں میں پہنچنے سے پہلے ہی کہانیاں وغیرہ پڑھنے کا شوق یوں پیدا ہوا کہ بڑے بھائی کا شوق تھا ناول رسالے اور ابن صفی کی کہانیاں وغیرہ پڑھنے کا ہمارے گھر میں ڈائجسٹ کی انٹری انہی کے شوق سے ہوئی، پہلے بھائی سے چھپا کر پڑھتے تھے بعد میں خواتین کے ڈائجسٹ، پاکیزہ، آنچل، دوشیزہ وغیرہ ہم فرمائش کر کے منگوانے لگے پڑھنے کے ساتھ ذہن میں ایک ہی بات تھی کاش میں بھی افسانہ نگار بنوں میری بھی اپنی پہچان ہو لگن ہو تو تخلیق کا عمل بھی شروع ہو جاتا ہے اور کبھی کبھی ایک جملہ بھی لکھنے کی تحریک پیدا کر دیتا ہے۔

حجاب: آپ نے پہلی تحریر کب لکھی اور کہاں شائع ہوئی؟

شمیم ناز: میری پہلی تحریر آئیڈیل امن اخبار میں شائع ہوئی تو ابا جی کی نظر سے گزری۔ بولے تمہارے تایا بڑے ابا نے دیکھ لیا تو ناراض ہوں گے میں نے کہا ابا جی آپ تو ناراض نہیں ہیں وہ مسکرا دیے ان کی مسکراہٹ نے میرا حوصلہ بڑھایا اور میرا قلم چل پڑا۔

حجاب: آپ کا پہلا ناول پہلا افسانہ کس ڈائجسٹ میں شائع ہوا اس لمحے آپ کے احساسات؟

شمیم ناز: 84ء میں میرا پہلا افسانہ سزا ماہنامہ آنچل میں شائع ہوا تو خوشی سے میں ہوا میں اڑ رہی تھی مگر ابا جی کے نہ ہونے کا ملال بھی تھا پہلا مکمل ناول (سرخ گلابوں کے موسم) 2003ء میں آنچل میں شائع ہوا۔

حجاب: اس شوق میں آپ کا مددگار کون ثابت ہوا کیا مخالفت کا سامنا کرنا پڑا؟

شمیم ناز: ہم کہہ سکتے ہیں کہ میں اپنی مدد آپ کی قائل ہوں اور یہ بھی سچ ہے کہ شروع میں ابا جی ہی مددگار رہے کیونکہ وہ ہمارے خطوط آرٹیکل ہم جو لکھتے تھے وہ ابا جی درست کرتے تھے ہماری کامیابی میں بڑے

بھائی کا بھی حصہ ہے کیونکہ وہی کتابیں ناول رسالے لاتے تھے اور ہمارے اندر امنگ شروع ہوئی لکھنے کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا امی بہن بھائی سب ہی خوش تھے مگر ایک بات بتاتے چلیں کہ بڑے بھائی ڈائجسٹ ابھی تک پڑھتے ہیں لیکن خواتین کے نہیں انہوں نے ہماری کوئی تحریر نہیں پڑھی مگر ہماری کامیابی پر خوشی کا اظہار کرتے ہیں ہم نے کبھی کسی سے نہ سفارش کی نہ اصلاح لی جو کامیابی لی اپنی جدوجہد سے لگن سے آج اس مقام تک پہنچے ہیں۔

حجاب: کیا لکھنا آسان ہے آپ کی تخلیق کردہ کہانی پر آپ کی فیلنگ؟

شمیم ناز: کہانی کو تخلیق کرنا پھر ان کرداروں کے ساتھ ہنسنا رونا، ان کے دکھ درد کو اپنے اندر محسوس کر لینا اتنا آسان کہاں ہے۔ میری فیلنگز کچھ یوں ہوتی ہے کہ میں اتنا انوالو ہو جاتی ہوں کہ بھول جاتی ہوں کہ یہ میری ہی تخلیق کردہ کہانی ہے۔

حجاب: ناول افسانہ لکھنے کا پلان یا کہانی کی آمد کیسے ہوتی ہے کوئی خاص وقت؟

شمیم ناز: کوئی خاص وقت جگہ مقرر نہیں کچن میں کام کرتے ہوئے یا کسی سے بات کرتے ہوئے بھی تخلیق کا سلسلہ آمد جاری رہتا ہے۔

حجاب: آپ کا کون سا ناول آپ کے دل کے قریب ہے۔

شمیم ناز: مکمل ناول (محبت مستقل غم ہے) جو ماہنامہ ریشم میں شائع ہوا۔

حجاب: آپ کا کیا خیال ہے قارئین تخلیقی کہانی کو پسند کرتے ہیں یا سچی؟

شمیم ناز: افسانے کہانی چاہے تخلیقی ہوں یا بالکل سچے واقعات پر مگر زندگی کی حقیقتوں سے قریب قاری کو متاثر کرتے ہیں۔

حجاب: کیا آپ خواب دیکھتی ہیں؟

شمیم ناز: خواب دیکھتی ہوں تعبیر بھی پاتی ہوں میری اپنی کتاب ہو میری پہچان ہو اللہ کا شکر ہے مجھے میرے خوابوں نے سرخرو کیا۔

حجاب: آپ کی پہچان آپ کا کون سا ناول یا افسانہ بنا؟

شمیم ناز: پہچان کوئی ایک تحریر نہیں بلکہ کئی تحریریں ہیں جن سے میری پہچان بنتی سنورتی گئی۔ محبت مستقل غم ہے، یہ کیسا جیون، ایک خواب ایک آرزو، خاص کر 2004 میں آنچل میں شائع ہونے والا ناولٹ ملا بھی تو کیا ملا قارئین کے دلوں پر نقش ہے اور جس پر مرحومہ فرحت آپا نے مجھے فون کر کے کہا تھا کہ تمہاری تمام تحریروں میں یہ بہترین اور منفرد کہانی ہے۔

حجاب: کیا آپ کی تحریر کردہ کہانی انگریزی میں ترجمے کے لیے منتخب ہوئی؟

شمیم ناز: میری تحریر کردہ کہانی غم کا دریا پار کیا جو دہشت گردی پر لکھی تھی ایسے ماہنامہ دوشیزہ کے بانی سہام مرزا نے انگریزی کے ایک میگزین کے لیے منتخب کیا سچی کہانیاں سے لے کر جو 2001ء میں شائع ہوئی تھی سہام مرزا نے فون کر کے مجھے مبارک باد دی میرے لیے اعزاز سے کم نہیں۔

حجاب: آپ کا آئیڈیل؟

شمیم ناز: میری امی میرا آئیڈیل ہیں ان کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا وہ حیات نہیں ہیں مگر ہر لمحہ میرے ساتھ ہوتی ہیں۔

حجاب: اپنے بہن بھائی اور فیملی کے بارے میں بتائیں؟

شمیم ناز: ہم سات بہن بھائی چار بھائی تین بہنیں اپنے بہن بھائیوں میں تیسرے نمبر پر ہوں میرے ایک چھوٹے بھائی اخلاق علی کا انتقال ہو چکا ہے اس کی جدائی کی کسک تا زندگی رہے گی۔ ابا جی کو گزرے ایک عرصہ ہو گیا اور جب امی نے بھی رخت سفر باندھا تو ہمیں یوں لگا ماں کے سائے سے کیا جدا ہوئے کہ ہم تنہا ہو گئے۔

حجاب: زندگی کا خوشگوار لمحہ؟

شمیم ناز: جب میں 2013ء میں اچانک عمرے پر عثمان کے ساتھ گئی وہ لمحہ میری زندگی کا انمول لمحہ ہے۔

حجاب: زندگی کا دکھ اور تکلیف بھرا لمحہ؟

شمیم ناز: جب میری پیاری سی بہن شاہین شادی کے صرف پانچ سال بعد بیوہ ہو گئی اور وہ اس سنگدل دنیا میں تنہا ہو گئی اس دکھ نے مجھے غم کی گہرائیوں میں پھینک دیا جی چاہتا ہے اسے غم زندگی سے نکال کر دور بہاراں

میں لے آؤں میرے قارئین میرے دوست مجھے پکار رہے ہیں کہ میں منظر سے کہاں غائب ہوں میرا قلم کیوں خاموش ہے۔ فصیحہ کی محبت سبا س گل کی چاہت فریدہ فری کا پیار آپ سب انمول ہیں میرے لیے۔

حجاب: آپ کے افسانے ناول کو ایوارڈ سے نوازا گیا؟

شمیم ناز: اللہ کا شکر ہے مجھے پاکیزہ ایوارڈ مل چکا ہے اور پھر 2013ء میں میرے افسانے ایک خواب ایک آرزو کو ایوارڈ ملا۔ ریشم ایوارڈ لینے میں اسلام آباد گئی وہاں جو پزیرائی ملی وہ یادگار ہے۔

حجاب: آپ کی تحریر اصلاحی رنگ لیے ہوتی ہے کہانی میں کوئی نہ کوئی سبق ہوتا ہے؟

شمیم ناز: میری تحریر سے کسی قاری کا صرف وقت پاس ہو وہ کچھ حاصل نہ کرے تو وہ ایک بے مقصد تحریر ہوگی میری کوشش ہوتی ہے جو کچھ لکھوں اس میں کوئی سبق معاشرے کی اصلاح کا پہلو ہو۔

حجاب: آئینہ دیکھ کر کیا خیال آتا ہے؟

شمیم ناز: اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں اس نے مکمل بنایا۔

حجاب: انمول رشتہ آپ کی نظر میں؟

شمیم ناز: والدین کا۔

حجاب: سنا ہے دل کی چوٹ انسان کو شاعر یا ادیب بنا دیتی ہے؟

شمیم ناز: یہ اللہ کی طرف سے قدرتی صلاحیت ہوتی ہے ورنہ دل کی چوٹ کھانے والا ہر انسان ادیب یا شاعر ہوتا۔

حجاب: کیا اس دور میں سچی محبت کا حصول ممکن ہے؟

شمیم ناز: ہر دور میں ممکن رہا ہے بات ہے سچے جذبے کی۔

حجاب: آپ کی کتاب شائع ہو چکی وہ لمحہ آپ کو کیسا لگا۔

شمیم ناز: جب میری کتاب یہ کیسا جیون خوب صورت سرورق کے ساتھ میرے ہاتھ میں آئی مجھے یقین ہی نہیں آ رہا تھا میرا یہ خواب پورا ہو گیا ہے اللہ کا شکر ادا کیا اپنے بہن بھائیوں کو زبردست ڈنر کرا کے اس خوشی کو یادگار بنایا میرے سب بہن بھائیوں نے مجھے گفٹ دیے یہ سب میرے اپنے بہن بھائیوں کی محبت تھی کہ انہوں نے اس خوشی میں میرے ساتھ مل کر شرارت بھرے گیم کھیلے اور خوب ہلہ گلہ کیا وہ دن میری زندگی کا یادگار دن ہمیشہ یاد رہے گا۔

حجاب: آپ کی فیورٹ تحریر کون سی ہے؟

شمیم ناز: یہ کیسا جیون، اور ملا بھی تو کیا ملا ان دونوں کہانیوں یعنی ایک افسانہ ہے اور ایک ناولٹ دونوں کے اینڈ قاری کو چونکا دیتے ہیں اب تک میں ان کے حوالے سے داد تعریفی جملے سنتی ہوں مجھے بے انتہا پسند ہے اپنی اب تک کی تمام تحریروں میں۔

حجاب: کس موضوع پر لکھنا آپ کو پسند ہے؟

شمیم ناز: تخلیق کار ہر موضوع پر ڈوب کر لکھتا ہے چاہے موضوع عشق ہو یا معاشرتی گھریلو موضوع میں نے ہر موضوع پر لکھا ہے بے شمار افسانے ناولٹ موضوع بے شمار ہیں لیکن مجھے جو پسند ہے معاشرتی اور خانگی موضوعات پسند ہیں کیونکہ اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا۔

حجاب: رائٹر کا اثاثہ اس کی تحریر ہوتا ہے یا تحریر کو سراہنے والے قارئین؟

شمیم ناز: ظاہر ہے رائٹر کی کامیابی ہی اس کا سب سے بڑا اثاثہ ہوتی ہے۔ یہ بھی سچ ہے کہ تحریر کو سراہنے والے قارئین اور تحریر دونوں اثاثہ ہیں اس کے بغیر کامیابی ادھوری ہوتی ہے۔

حجاب: کوئی ناول کوئی افسانہ لکھنے کے لیے عنوان سوچتی ہیں یا پہلے کہانی تخلیق کرتی ہیں؟

شمیم ناز: اکثر ایسا ہوتا ہے میرے ذہن میں عنوان کی آمد پہلے ہوتی ہے اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ ناول یا افسانہ مکمل کرتے وقت عوان ہی بدل دیا میرا خیال ہے عنوان قاری کی پہلی نظر پڑتے ہی اپنی طرف کھینچتا ہے موضوع کے ساتھ ساتھ ناول یا افسانے کا عنوان بہت اہم ہوتا ہے۔

حجاب: آپ کے ناول افسانوں کے عنوان بہت خوب صورت متوجہ کرنے والے ہوتے ہیں آپ کو بہت پسند ہو وہ عنوان؟

شمیم ناز: گلاب آنکھوں کے خواب عذاب، تم اپنی محبت واپس لو مکمل ناول۔

حجاب: آپ کے پسندیدہ رائٹر اور کسی کا انداز تحریر پسند ہے؟

شمیم ناز: بشریٰ رحمان اور ان کا انداز تحریر خاص کر اللہ میاں جی، انجم انصار ان کا انداز گفتگو اور تحریر دونوں ہی ایسے کہ جواب نہیں، نگہت عبداللہ، بشریٰ مسرور، بانو قدسیہ، اشفاق احمد نواب محی الدین ہاجرہ مسرور وحیدہ نسیم میرے پسندیدہ رائٹر کی لسٹ میں نمایاں ہیں۔

حجاب: کیا کبھی ایسا ہوا کہ آپ کے کانوں نے صرف ایک جملہ سنا اور آپ نے فوری طور پر پوری کہانی تخلیق کر لی؟

شمیم ناز: مجھے سن تو یاد نہیں کافی عرصہ گزر گیا ایک جہاز گرنے کا حادثہ کراچی میں ہوا تھا میرا چھوٹا بھائی نوشاد علی گھر میں داخل ہوا امی سے کہنے لگا میں خود دیکھ کر آ رہا ہوں جلے ہوئے ہاتھ بکھرے پڑے ہیں جلے ہاتھ، اس جملے نے میرے دل و دماغ کو اٹیک کیا اور بھرم کے عنوان سے میں نے ایک منفرد سی کہانی لکھی جو سچی کہانیاں میں شائع ہوئی۔

حجاب: تخلیقی تحریروں کے علاوہ کیا آپ نے بالکل سچی کہانیاں لکھیں؟

شمیم ناز: دو کہانیاں ایک حادثے کی المیہ دوسری سچی کہانی محبت بین کرتی ہے، المیہ دوشیزہ میں اور محبت بین کرتی ہے آنچل میں شائع ہوئی ہے یہ میرے چھوٹے بھائی دلشاد علی نے سنائی تھی جسے میں نے بطور افسانہ خوب صورت الفاظ اور رنگوں سے سجا کر لکھا تھا۔

حجاب: دل کی سنتی ہیں یا دماغ کی؟

شمیم ناز: ہمیشہ دماغ کی سنی ہے کیونکہ دل تو پاگل ہے (مسکراتے ہوئے)

حجاب: زندگی آپ کی نظر میں کیا ہے؟

شمیم ناز: اللہ کی طرف سے ایک خوب صورت تحفہ جو اس کی امانت اسے بڑی دیانت داری اور اچھے اعمال کے ساتھ گزارنا چاہیے۔

حجاب: شہرت کیسی لگتی ہے؟

شمیم ناز: بہت اچھی لگتی ہے لوگوں کی محبت اپنائیت دیکھ کر اپنے رب کا شکر ادا کرتی ہوں میری کتاب یہ کیسا جیون نے میری شہرت میں اور پزیرائی میں اضافہ کیا اکثر اس کتاب کے حوالے سے پزیرائی ملتی ہے تعریفی جملے سننے کو ملتے ہیں تو دل سے یہی نکلتا ہے یہ سب تمہارا کرم ہے آقا کہ بات اب تک بنی ہوئی ہے۔

حجاب: کیا آپ اپنی تحریر پر تنقید برداشت کر لیتی ہیں؟

شمیم ناز: بہت کھلے دل سے برداشت کر سکتی ہوں پڑھنے والا قاری لکھنے والے سے زیادہ تیز نظر رکھتا ہے اور پھر یہ اس کا حق ہے کیونکہ پسند اپنی اپنی خیال اپنا اپنا یہ الگ بات کہ مجھے کبھی بھی تنقید کا سامنا نہیں کرنا پڑا یہ بالکل سچ ہے۔

حجاب: آپ نے ٹی وی کے لیے کچھ لکھا یا کوئی آفر آئی؟

شمیم ناز: میرے افسانے یہ کیسا جیون کا ڈرامہ بن چکا ہے جو انڈس سے آن ایئر ہوا تھا ایک عورت ایک کہانی کی آفر ہوئی تھی لکھنے کی مگر میری کاہلی کے لکھ نہیں سکی حال ہی میں جویریہ سعود سے ملاقات ہوئی انہوں نے بھی مجھ سے کہانی لکھنے کو کہا ہے۔

حجاب: اپنی شادی کے بارے میں بتائیں کیسے ہوئی؟

شمیم ناز: میری کتاب یہ کیسا جیون عثمان احمد کی نظر سے گزری میری تحریروں نے انہیں اتنا متاثر کیا انہوں مجھے اپنا جیون ساتھی بنانے کا فیصلہ کرلیا ان کا تعلق بھی قلم سے تھا وہ شاعر اور آرٹیکل نگار مجھے جس خوبی نے متاثر کیا وہ تھا ان کا قلم انداز گفتگو اور ان کی شخصیت میری شادی 19 اکتوبر 2003ء میں ہوئی۔

حجاب: شریک حیات کس حد تک معاون ہیں آپ کے اس شوق میں؟

شمیم ناز: خوش قسمتی ہے میری کہہ سکتی ہوں 99 فیصد معاون ہیں میں لکھ رہی ہوں تو کبھی ڈسٹرب نہیں کرتے رسالے کاغذ قلم لاکر دینا یا ایم ایس کرنا تحریروں کو رسالے میں سب سے پہلے یہی تلاش کرتے ہیں میں نے کیا لکھا ہے وہ معاون ہی نہیں قدر دان بھی ہیں۔

حجاب: آپ کے شریک حیات شاعر ہیں آپ نے کبھی شاعری کی؟

شمیم ناز: چھوٹے بھائی اخلاق مرحوم کے انتقال کے چند سال بعد اطلاع ملی کہ اس کی منگیتر کی شادی ہوگئی ہے میرا دل بھر آیا کیونکہ ان دونوں کی محبت بڑی بے مثال تھی اس کو پانے کے لیے میرے بھائی نے بڑی قربانی دی تھی اپنے دل کے درد اور احساس کو شعروں میں پرونے کی کوشش کی تو لفظ لفظ سے جڑتے چلے گئے آنسو میری آنکھ سے بہتے چلے گئے۔ نجانے کیسے جو کچھ کہا دل سے کہا لفظ بنتے بنتے شعروں میں ڈھلتے چلے گئے۔

نہ جانے دل کو یقیں کیوں نہیں آتا
تم شہر خموشاں میں جا بسے ہو
ابھی تو محبت کی فصل پر گلاب کھلنے تھے
وہ سارے گلاب تمہیں اپنے دامن میں بھرنے تھے
ابھی تو فصل گل آنی تھی
جشن بہاراں منانی تھی
مگر اس سے پہلے ہی جانے کیوں
تم شہر خموشاں میں جا بسے ہو
من میں ہوک اٹھتی ہے ہم تمہیں یاد کرتے ہیں
آنسو درد بن کر پلکوں کی منڈیریں پار کرتے ہیں
تمہاری محبت تمہاری چاہت کسی اور کی ہوگئی ہے
نئے ہم سفر کے سنگ نئی بہاروں میں کھوگئی ہے

حجاب: آپ ایک شاعر کی شریک حیات ہیں آپ کو ان کی شاعری کیسی لگتی ہے؟

شمیم ناز: مجھے ان کی شاعری اچھی لگتی ہے خاص کر ان کی غزل کے چند اشعار

اس وحشت جنوں سے ملا بھی تو کیا ملا
دامن رفو کیا تو گریباں پھٹا ملا
ڈھونڈا تمام عمر جسے میں نے جا بجا
میں جان سے گیا ہوں تو اس کا پتا ملا

حجاب: آپ کے بچے؟

شمیم ناز: میں عثمان احمد کے بچوں کی اسٹیپ مدر ہوں میں نے اپنے پرخلوص عمل سے سب بچوں کے دل جیتے یہی بچے میرے بچے ہیں جن کے دلوں میں میرے لیے عزت احترام خلوص اپنائیت سب کچھ ہے بیٹیاں بہت خیال رکھتی ہیں خاص کر نجمہ علی میرے بیٹے شکیل احمد نے جب مجھے عثمان کے ساتھ عمرے پر بھیجا تو میرے دل سے یہ احساس بھی جاتا رہا کہ میری کوئی

اولاد نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ سب بچوں کو حفظ و امان میں رکھے، آمین۔

حجاب: آپ کی کوئی اچھی عادت بری عادت؟
شمیم ناز: کسی کی بھی برائی کو درگزر کر کے صرف خوبی کو یاد رکھنا بری عادت اپنی ذات کا خیال نہ رکھنا۔

حجاب: کون سا گانا گنگناتی ہیں اکثر؟
شمیم ناز: نہ شکوہ ہے کوئی نہ کوئی گلہ ہے سلامت رہے تو یہ میری دعا ہے۔

حجاب: کیا میاں جی آپ کے لیے گنگناتے ہیں کوئی گانا؟
شمیم ناز: زندگی کے سفر میں اکیلے تھے ہم
آپ جیسا ہم سفر مل گیا۔

حجاب: آپ کی نظر میں میاں جی کی خوبی اور خامی۔
شمیم ناز: دل کے نرم ہیں کیئر کرنے والے خامی غصہ جلدی آ جاتا ہے۔ مگر صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ بھی جاتا ہے۔

حجاب: وہ آپ کی سنتے ہیں یا اپنی منواتے ہیں؟
شمیم ناز: موڈی ہیں اکثر سن بھی لیتے ہیں زیادہ اپنی منواتے ہیں۔

حجاب: آج کل کیا لکھ رہی ہیں؟
شمیم ناز: کئی افسانے ناولز ادھورے ہیں انہیں مکمل کرنے کی کوشش میں ہوں۔

حجاب: کوئی ایسی خواہش جس پر آپ کا دل مچل جاتا ہو۔
شمیم ناز: آہ...... کاش کہ میرے والدین حیات ہوتے میری کامیابی دیکھتے خاص کر ابا جی کیونکہ امی نے تو میرے ناول افسانے پڑھے ہیں مگر ابا جی اگر کاش حیات ہوتے تو بہت خوش ہوتے کیونکہ وہ کہا کرتے تھے تم نے کون سا پی ایچ ڈی کیا ہے جو افسانہ نگار بنوگی وہ اکثر یہی کہتے اور مسکرا دیتے۔

حجاب: بے مثال محبت آپ کی نظر میں؟
شمیم ناز: میری شاہین سے اور اس کی مجھ سے اللہ تعالیٰ ہم دونوں بہنوں کی بے مثال محبت کو ہمیشہ قائم رکھے، آمین۔

حجاب: آپ کی نظر میں آپ کی کائنات؟
شمیم ناز: میری بھتیجی اجالا جسے میں نے اپنی بیٹی بنایا ہوا ہے جو میرے خواب ہیں اس کے لیے رب میرے خوابوں کو سرخرو کرے آمین، میٹرک کا ایگزامز دیا ہے اللہ تعالیٰ اسے شاندار کامیابی عطا کرے، آمین۔

حجاب: موسم کون سا پسند ہے؟
شمیم ناز: سارے ہی موسم اچھے لگتے ہیں اگر دل کا موسم پر بہار ہو تو۔

حجاب: کوکنگ کرلیتی ہیں اور آپ کو کون سی ڈش پسند ہے؟
شمیم ناز: بہت اچھی کرلیتی ہوں ہمیشہ اپنے بچوں سے بہن بھائی سے داد وصول کی ہے میاں جی کو تو چائے سے لے کر ہر قسم کی ڈش میرے ہاتھ کی پسند ہے مجھے یخنی پلاؤ اور شامی کباب پسند ہے۔

حجاب: مشروب آپ کا پسندیدہ؟
شمیم ناز: ٹھنڈا یخ پانی اس سے بڑھ کر کچھ نہیں چاہیے سردی ہو یا گرمی۔

حجاب: ماہنامہ حجاب کے لیے کچھ کہنا چاہیں گی۔
شمیم ناز: سب سے پہلے تو میں حجاب کے شائع ہونے پر انکل مشتاق احمد قریشی، طاہر بھائی آپا قیصر آرا اور آنچل حجاب کے اسٹاف کو مبارکباد دینا چاہوں گی کہ حسین حجاب کا اجرا کیا۔ اتنی جلدی اپنے قدم جمائے ہیں اپنی پہچان بنالی ہے آنچل کی طرح حجاب بھی جگمگاتا ستارہ بنے آمین اب ہم بھی ساتھ رہیں گے ان شاء اللہ۔

حجاب: اپنے قارئین اور نئے لکھنے والوں کو کچھ کہنا

چاہیں گی؟

شمیم ناز: سب سے پہلے تو میں ان قارئین کی محبتوں کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گی جو ہماری تحریروں کو پسند کرتے ہیں ہمیں بنانے سنوارنے میں ان کا بڑا ہاتھ ہے ہمیں یاد کرنا ہماری کمی کو محسوس کرنا اور ہمیں آواز دینا رسالوں میں کہ ہم کہاں ہیں کیوں نظر نہیں آرہے خاص کر طیبہ نذیر آپا نگہت غفار، فصیحہ آصف، فرح طاہر، فریدہ فری اور دوسرے رسالوں کے قارئین آپ سب کی دعاؤں اور محبتوں کی مقروض ہوں میں جزاک اللہ نئے لکھنے والوں کے لیے یہی کہنا چاہوں گی آپ کی تحریروں میں کوئی سبق اور معاشرے کی اصلاح کا پہلو ہونا ضروری ہے جو لکھیں با مقصد لکھیں جدوجہد کبھی رائیگاں نہیں جاتی اور کامیابی آپ کے قدم چومنے لگتی ہے یہی میرا یقین ہے۔

حجاب قارئین آپ کو انٹرویو کیسا لگا آپ کی آرا کے منتظر رہیں گے آپی شمیم آپ کا شکریہ آپ نے اس انٹرویو کے لیے وقت نکالا۔ ارے نہیں سباس گل میں تمہاری مشکور ہوں تم نے مجھے اس قابل سمجھا خوش رہو آباد رہا۔

☆☆☆

کاشف شہزاد

مزاج آتشِ امکاں ہے خواب پر مائل
جمی ہے برف مقدر کے سائبانوں پر
سفر کا شوق نہیں پر اس سے ملنے کو
میں آدھی رات کو جاتا ہوں آسمانوں پر

شعر جذبات و احساسات کا آئینہ ہوتا ہے۔ جس طرح دل و جگر کا خون ہوتا ہے اور اس سے ایک قطرہ اشک بنتا ہے۔ اسی طرح ایک شعر کی تخلیق میں شاعر کا پورا وجدان حرکت میں رہتا ہے۔ شاعری ودیعت خداوندی ہے۔

آج ہم ایسے ہی ایک نامور شخصیت کا انٹرویو لینے جا رہے ہیں جو شاعر ہونے کے ساتھ ہمہ جہت شخصیت ہیں۔ سماجی کاموں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ انہوں نے اعلیٰ پائے کی غزلیں، نظمیں، ہائیکو، ترلیے، تروینی، قطعہ اور تنقیدی نظمیں لکھیں۔ ان کی شاعری میں سب سے منفرد رنگ جھلکتا ہے۔ ان کی شاعری میں ایک ردھم بھی ہے۔ جب وہ مشاعروں میں اپنے مخصوص انداز میں پڑھتے ہیں تو سامعین سحرزدہ ہو جاتے ہیں۔ ان کا اپنا ایک الگ انداز اور منفرد لہجہ ہے جو ان کی شناخت بن گیا۔ جینوئن شاعر کی یہی سب سے بڑی نشانی ہوتی ہے کہ اس کے ہاں کسی دوسرے شاعر کا رنگ نہیں ہوتا۔ وہ خود اپنا لہجہ اور رنگ خود تخلیق کرتا ہے۔ کچھ لوگ بہار کی طرح ہوتے ہیں۔

کاشف شہزاد کا نام بھی ان میں سے ایک ہے۔ وہ افسانے اور افسانچے پر اپنا جوہر دکھا چکے ہیں۔ خدمت خلق میں ہمیشہ آگے رہتے ہیں۔ ان کی سماجی خدمات گراں قدر ہیں۔ ان کی محبت اور خدمات کو مدنظر رکھتے ہوئے انہیں "جیون سانجھ" این جی او کے جنرل سیکریٹری منتخب کیا گیا۔ کاشف شہزاد ایک پروفیسر کی حیثیت سے بھی اپنی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ انہیں امامیہ کالج میں اردو پڑھاتے ہوئے ۲۳ سال کا عرصہ بیت گیا۔ مگر اس پیشے سے ان کی محبت، لگن اور جنون گزرتے وقت سے کم تو نہیں ہوئے

مگر بڑھتے چلے جارہے ہیں۔ جس کی وجہ سے انہیں امامیہ کالج ساہیوال کا اسٹاف سیکریٹری منتخب کیا گیا۔ کاشف شہزاد مزید جن فیلڈز میں اپنی خدمات سرانجام دے رہیں ہیں۔

وہ متعد ماہنامے ، سالنامے کے ایڈیٹر۔ مجید امجد اکیڈمی کے جوئنٹ سیکریٹری، سوشل ویلفیئر ڈیپارٹمنٹ، کمیونیٹی ڈیولپمنٹ، کمیونیٹی آرگنائزیشن اور ومن آرگنائزیشن اور ومن ڈیولپمنٹ ڈیپارٹمنٹ کے پروجیکشن اور ایونٹ ڈائریکٹر۔ مبصر، صدا کار، براڈ کاسٹر، ساہیوال ڈویژن کے پہلے ڈی جے، آر جے، آٹو پین میوزیکل بینڈ کے شاعر اور اینکر ، ریڈیو ڈرامہ آرٹسٹ، اسکرپٹ رائٹر۔

مزید میں ان کے بارے میں کچھ کہوں تو سورج کو چراغ دکھانے کے برابر ہوگا۔ سوچا آج انہیں حجاب فیملی سے ملوادیا جائے۔

تو آئیے پروفیسر کاشف شہزاد سے ملتے ہیں۔

سوال: سر آپ کی تاریخ پیدائش اور مقام؟

جواب: ۵ ستمبر ۱۹۷۰ ساہیوال

سوال: کاشف سر سب سے پہلے تو ہمارے اس سوال کا جواب دیجیے کہ آپ اتنی فیلڈز میں بیک وقت اپنی خدمات سرانجام دے رہیں ہیں۔ اتنا مصروف رہنے کی کوئی خاص وجہ؟

جواب: فراغت انسان کے شایان شان نہیں۔ ویسے بھی ایک دفعہ ملنے والی زندگی میں کئی زندگیاں جینا چاہتا ہوں۔

سوال: خود کے لیے کب وقت نکالتے ہیں؟

جواب: اپنے لیے وقت نکالنے کا وقت نہیں ملتا۔ ویسے بھی میں اپنے لیے زیادہ کانشس کبھی نہیں رہا۔

سوال: شدید تھکن میں کیا کرتے ہیں؟

جواب: شدید تھکن میں زیادہ کام کرتا ہوں۔

سوال: اپنی پروا نہ کرنے کی کوئی خاص وجہ؟

جواب: یہ میرے لیے زیادہ اہم نہیں۔

سوال: سر کام تو مشینیں بھی کرتی ہیں۔ تو کیا یہ کہنا بجا ہوگا کہ آپ خود کو ایک مشینی انسان تصور کرتے ہیں؟

جواب: ہماری جان پے دوہرا عذاب ہے محسن
کہ دیکھنا ہی نہیں، ہم نے سوچنا بھی نہیں ہے۔

مشین صرف کام کرتی ہے۔ انسان صرف کام نہیں کرتے۔ مشین کام کے دوران غلطی کرے تو کرتی ہی چلی جاتی ہے۔ انسان کام کے دوران بھی بہت کچھ سوچتا اور محسوس کرتا ہے۔ ویسے بھی مشین انسانی احکامات کے تابع ہے اور انسان اپنی سوچ کو تابع خود کرتا ہے۔

سوال: خوب، سر آپ کی کالیفکیشن کیا ہے؟

جواب: قلندر جز دو حرف لا الہ کچھ بھی نہیں رکھتا
فقیہہ شہر قارون لغت ہائے حجازی کا

میں نے ایم اے اردو، انگلش، ، فارسی کیا۔ فلسفہ، سیاسیات اور پنجابی ادھورے رہ گئے۔

سوال: کاشف شہزاد ایک ہمہ جہت شخصیت، آپ کو اپنی شخصیت کا کون سا روپ پسند ہے؟

جواب: دیکھیے سچ مجھے اپنا معلم ہونا ہی پسند ہے۔ کیونکہ یہ وہ واحد صفت ہے جس پر سرکار مدینہ نے خود پر فخر کیا۔

سوال: آپ کو کتنا عرصہ ہوگیا اس فیلڈ میں آئے؟

جواب: مجھے تیس سال ہوگئے اردو ادب پڑھاتے ہوئے۔ اللہ کا شکر اس وقت اٹھارہ گریڈ پر ہوں۔

سوال: ماشاء اللہ۔ اللہ آپ کو مزید کامیابیوں سے ہمکنار کرے آمین۔ آپ کا اپنے اسٹوڈنٹس سے رویہ کیسا ہوتا ہے، سختی کرتے ہیں یا نرمی اختیار کرتے ہیں؟

جواب: فرینڈلی اینڈ فادرلی ریلیشن۔

سوال: کیا آپ موجودہ تعلیمی نظام سے مطمئن

ہیں؟

جواب: موجودہ تعلیمی ماحول "نظام" کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔

سوال: طلبہ یونینز کے حق میں ہیں یا خلاف؟

جواب: آج کل طلباء یونین صرف سیاسی مفادات کے حصول کی سیڑھی ہے اور پڑھے بغیر خود کو معتبر بنانے کی کوشش کے علاوہ کچھ نہیں۔

سوال: آپ کی آواز ماشاء اللہ بہت اچھی ہے آر۔جے فیلڈ میں کب آئے آپ اور کس پوسٹ سے اسٹارٹ کیا تھا؟

جواب: نثرے اللہ نت نے مجھے ساہیوال کی تاریخ کا حصہ بنادیا۔ اس کا شکر ہے۔ میں ساہیوال ڈویژن کا پہلا ایف ایم براڈ کاسٹر ہوں۔ ۲۰۰۶ میں آغاز کیا تھا۔ ۱۲ اپریل کو دس سال ہوگئے۔

سوال: آر۔جے بننے کا تجربہ کیسا رہا؟

جواب: بہت دلچسپ اور حیرت بھرا تجربہ رہا۔ اللہ نے اتنی عزت ووقار، شہرت ومحبتوں سے نوازا کہ امکانات کے جانے کتنے جہاں دریافت ہوگئے۔ اس کا بے حد شکریہ۔

سوال: آج کل ریڈیو پر جو کالز آتی ہیں۔ ان میں سے اکثر بہت ہی ناقابل برداشت ہوتی ہے۔ ایسی صورتحال میں آپ کیا کرتے ہیں؟

جواب: میں لائیو کالز کے اس لیے خلاف ہوں نہیں لیتا۔

سوال: آپ اور آر۔جے کیا مماثلت ہے؟

جواب: آواز کا استعمال۔

سوال: سنا ہے کہ آپ نے افسانے بھی لکھے تھے؟

جواب: (مسکراتے ہوئے) کبھی لکھے تھے اب تو یہ بھی معلوم نہیں کہاں رکھے ہیں۔

سوال: آپ نے شاعری کی تمام اصناف پر لکھا، اسکرپٹ اور افسانے بھی لکھے تو ازراہ تفنن کبھی مزاح بھی لکھا؟

جواب: جی یہ "حرکت" بھی کبھی کبھی سرزد ہو ہی جاتی ہے۔

سوال: رائٹر بننا یہ بچپن سے آپ کا خواب تھا؟

جواب: دیکھیے کوئی نہیں جانتا کہ وہ مستقبل میں کیا بنے گا۔ الحمدللہ گھر کا ماحول ایسا علمی، ادبی، روحانی اور dimensionalMulti ملا کہ ادب اور روحانیت نے خود ہی اپنی آغوش میں لے لیا۔

سوال: کسی شخصیت سے متاثر ہو کر لکھنا شروع کیا؟

جواب: کسی سے متاثر ہو کر لکھنا میرے خیال میں مستحسن نہیں۔ غنچے سے خوشبو کو نکالنے کے لیے کوئی بیرونی کوشش درکار نہیں ہوتی۔

سوال: آپ نے ادب کی دنیا میں قدم کب رکھا؟

جواب: ساتویں یا آٹھویں کلاس میں۔

سوال: آپ کی پہلی تحریر/شاعری؟

جواب: اداس تنکے آشیاں کے چیخ چیخ اٹھے
گماں کے ہاتھ میں ہیں زرد خشک سے پتے
بہت تلاش کیا ساحلوں کی بستی میں
ملا سراغ نہ کوئی ادھوری زندگی کا

سوال: واہ واہ۔ سب سے پہلے کس میگزین/نیوز پیپر میں لکھا؟

جواب: بچپن میں بچوں کے میگزین پھول اور ہمدرد میں لکھتا رہا۔

سوال: سب سے پہلا آرٹیکل کون سا تھا؟ کس میگزین/نیوز پیپر میں شائع ہوا؟

جواب: اسکول و کالج کے میگزینز میں آرٹیکل پبلش ہوتے رہے پھر یونیورسٹی کیمپس اوراق، فنون، قندیل، ماہ نو، انڈیا کے میگزین شاعر میں اور بہت سے۔

سوال: بچپن میں کیا بننا چاہتے تھے؟

جواب: بچپن میں سلطان نورالدین زنگی بننا چاہتا تھا۔

سوال: کن علوم پر آپ کو عبور حاصل اور کونسی کونسی زبان بول اور سمجھ سکتے ہیں؟

جواب: اردو، فارسی، ہندی، پوربی اور انگلش بچپن سے ہی گھر میں سیکھتا رہا۔ والدہ، خالہ، ماموں، چچا، نانا، نانی سب نے مجھ پر ہی فوکس کیا۔ پھر بعد میں مزید بہتر ہوتا گیا۔ پنجابی بھی گھر کی زبان تھی اس لیے وہ بھی ساتھ رہی۔

سوال: اسکول وکالج کے زمانے میں کیسے طالب علم تھے، اس دوران ایسا واقعہ جواب بھی یاد ہو؟

جواب: زیادہ محنتی طالب علم نہیں تھا۔ ایم۔ اے میں دل لگا کر پڑھا اور یونیورسٹی میں تیسری پوزیشن لی۔ بہت سے واقعات یادگار ہیں۔ مگر ایم۔ اے کا سیرو سیاحت کا سفر بہت مزے کا تھا۔

سوال: کون سی کتاب ہے جو مجھے یا سب کو بار بار پڑھنی چاہیے؟

جواب: قرآن مجید بار بار پڑھنے میں عافیت ہے۔

سوال: بیشک، کوئی ایسی کتاب (قرآن مجید) کے علاوہ جو آپ کی موسٹ فیورٹ ہے۔ اور بار بار ریڈ کر سکتے ہیں؟

جواب: دیوان غالب۔

سوال: کون سے رائیٹر اور شاعر کو پڑھ کے لگا کہ اس نے قلم سے جہاد کا حق ادا کر دیا؟

جواب: کوئی ایک نہیں، کافی ہیں۔ شاعر بھی، نثر نگار بھی۔ الگ الگ پہلوؤں سے اپنا فرض ادا کرنے والے۔ درد سے فرحت عباس شاہ تک اور میر امن سے لے کر اسلم سحاب تک۔

سوال: آپ کے خیال میں قلم کسی قوم کی سوچ، حالات بدلنے میں کتنا مددگار ہے؟

جواب: قلم معجزہ دکھاتا ہے۔ تاریخ میں بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ قدیم یونان سے لے کر روم تک۔

سوال: نئے لکھنے والوں کے لیے کوئی مشورہ جن سے ان کے کام میں بہتری آئے؟

جواب: نئے لکھنے والے اگر دماغ کی بجائے دل کا ہاتھ پکڑ کر چلیں۔ دردمندی کو رہنما بنائیں تو قلم لکھنا بھی پراثر ہوگا۔

سوال: جو لوگ دل کی سنتے ہیں اس کا مطلب وہ دماغ کی سننے والوں سے بہتر ہیں؟

جواب: اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبان عقل، لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے۔

سوال: آپ کی ایسی کون سی خواہش ہے۔ جو آپ چاہتے ہیں پوری ہو؟

جواب: خواہشات کا نہ ہونا بھی ایک خواہش ہی ہوتی ہے۔ کتنی بھی پوری ہو جائیں۔۔ پھر بھی فہرست طویل تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ البتہ ایک خواہش ہے کہ میرا اللہ مجھ سے راضی ہو جائے۔ بس

سوال: گڈ۔ خواہشات دو قسم کے لوگ نہیں رکھتے۔ ایک وہ جس نے سب کچھ پالیا ہو۔ دوسرے وہ جنہیں مانگنے کا سلیقہ نہیں آتا۔ آپ خود کو کون سے ٹائپ کے لوگوں میں شمار کرتے ہیں؟

جواب: کچھ پانا، مانگنا۔ ان سے بھی ماورا بہت کچھ ہے۔ جن کو اللہ سے مانگنے کا سلیقہ نہیں شاید ان کا احساس ندامت ان لوگوں سے بہتر ہے جو یہ سمجھتے ہیں انہوں نے سب پالیا۔ مانگنے کا سلیقہ بھی وہی دیتا ہے اور احساس نارسائی کی لذت بھی وہی عطا کرتا ہے۔ میں ان سے کمتر ہوں۔ مانگنے کے لیے کچھ نہیں جو اس کا حکم جو اس کی رضا۔

سوال: گڈ بہت اچھی سوچ، زندگی آپ کے لیے کیا ہے؟

جواب: زندگی تلاش ذات کی کھڑکی سے کائناتی مشاہدے سے پختگی پا کر درد سمیٹنے اور محبتیں تقسیم کرنے کا نام ہے۔

سوال: زندگی میں اب تک جو ملا اس پر کتنے فیصد مطمئن ہیں؟

جواب: دیکھیے سپاس گل زندگی میں جو کچھ انسان کو ملتا ہے اسے اس پر مطمئن ہونا ہی چاہیے کیونکہ جو کچھ ملا، اگر اتنا بھی نہ ملتا تو کیا ہوتا؟ اس لیے ناشکری کی بجائے قناعت وغنیمت کو وجہ تسکین بنانا بہتر ہے۔

سوال: کیا زندگی کبھی بوجھ لگی، آخری بار کب روئے؟

جواب: زندگی اللہ تعالیٰ کی رحمت اور امانت ہے۔ کبھی بوجھ نہیں لگی۔ طبیعت حساس تو اتنی ہے کہ پلکیں نم اور آنکھیں سرخ ہی رہتی ہیں۔

سوال: زندگی کو کیسے بیان کریں گے؟

جواب: زندگی دردمندی ہے۔ اپنے لیے جی جانے والی زندگی نہیں۔

سوال: ایسا کوئی واقعہ جس نے آپ کو بدل دیا ہو؟

جواب: صرف ایک واقعہ زندگی کو کم بدلتا ہے۔ شاید جزوی طور پے در پے مگر روزانہ کئی واقعات، مناظر، معمولات ایسے ہوتے ہیں جو برق رفتاری سے احساسات کی ترجمانی کے زاویے بدلتے چلے جاتے ہیں۔ مجھے لحہ بہ لحہ تبدیلی زیادہ بھاتی ہے۔ کم وقت میں زیادہ تبدیلی کے امکانات سے شخصیت زندگی کے مختصر عرصے میں خود شناسی اور خود احتسابی کے زیادہ مرحلے طے کر لیتی ہے۔

سوال: آپ کی زندگی میں آنے والا شخص جس نے آپ کی زندگی کو بدل دیا؟

جواب: ایک نہیں کئی احباب نے مل کر بہت بدلا ہے۔

سوال: زندگی کا حسن کس چیز میں ہے؟

جواب: زندگی کا حسن احساس ذمہ داری میں ہے۔

حجاب: آپ کے خیال میں زندگی گزارنے کے تین اصول؟

جواب: اللہ پر بھروسہ، خود پر اعتماد اور مثبت سوچ۔

سوال: زندگی میں مشکل حالات میں آپ کیا کرتے ہیں؟ کیسے نبٹتے ہیں؟

جواب: جب تدبیر کام نہ کرے تو سب اللہ کے سپرد۔

سوال: زندگی کا کوئی خوب صورت اور بدصورت فیز جو ہمیشہ یاد رہے گا؟

جواب: یونیورسٹی دور۔

سوال: کوئی قابل فخر لحہ؟

جواب: میرے لیے وہ لحہ قابل فخر ہے جو مجھے احساس دلائے کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر مہربان ہے۔ ویسے یہ قابل تشکر لمحے ہوتے ہیں۔ فخر وغرور کا ماخذ جو اللہ کو پسند نہیں۔

سوال: فرض کریں اگر دوبارہ زندگی ملی تو کیا بننا پسند کریں گے؟

جواب: زندگی دوبارہ ملی تو کاشف شہزاد بننا ہی پسند کروں گا۔

سوال: کوئی خواب جن کی تعبیر چاہتے ہیں؟

جواب: خواب میں خود کو ہوا میں اڑتے ہوئے بہت دیکھتا ہوں۔ تعبیر کی بجائے یہ ممکن ہو تو کمال ہے۔

سوال: کیا چاندنی راتیں آپ کو پیغام دیتی ہیں، اس کا فسوں آپ پر بھی چلتا ہے؟

جواب: چاندنی رات چپ کی زبان سے بہت باتیں کرتی ہے بچپن سے ہے۔

سوال: کیا چاندنی راتوں کا شاعر کے مزاج پے اثر

ہوتا ہے؟

جواب: صرف چاندنی راتوں کا ہی نہیں، تپتی دوپہروں کا بھی ہوتا ہے۔ طبیعت کی حساسیت جس قدر شدید ہوگی۔ مناظر، موسم، لوگ، جملے، ماضی، حال، مستقبل، معاملات زندگی کے نشیب وفراز اسی شدت سے اثر انداز ہوں گے۔ کبھی کبھی تو الفاظ کا دہانہ چھوٹا پڑ جاتا ہے احساسات کے پیچیدہ بہاؤ کے آگے۔ جیسے ایک چھوٹے سے دروازے میں سے سینکڑوں افراد ایک دفعہ گزرنے کی کوشش کریں۔

سوال: زبردست سر۔ شعر میں آپ کو درد دل کہنا آسان لگتا ہے؟

جواب: کچھ باتیں لفظوں کے پیراہن سے الجھتی بھی ہیں۔ سو ایسے میں صرف مسکرانے پر اکتفا کرنا چاہیے۔

سوال: کہتے ہیں کہ جو محبت کرتے ہیں شاعری بھی وہی کر سکتے ہیں؟ کیا آپ کو کسی سے محبت ہوئی؟

جواب: مجھے کسی سے محبت نہیں کسی کے سوا
میں ہر کسی سے محبت کروں کسی کے لیے

حجاب: واہ، محبت کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب: محبت کے بارے میں میں وہی کہوں گا جو وہ میرے بارے میں کہتی ہے۔

میں محبت ہوں، مجھے آتا ہے نفرت کا علاج
تم ہر اک شخص کے سینے میں میرا دل رکھ دو۔

سوال: محبت پہ یقین رکھتے ہیں؟

جواب: محبت پے یقین کرنا نہیں پڑتا۔ یہ اپنا یقین خود دلا دیتی ہے۔

سوال: آپ کا پسندیدہ شعر؟

جواب: بہت سے شعر پسند ہیں۔ ایک یہ ہے۔۔۔
تماشا ختم ہوا اور ایسے ختم ہوا
کہ لوگ رونے لگے تالیاں بجاتے ہوئے۔

سوال: خود کو ایک شعر میں سمیٹیں؟

جواب: زندگی ہے صدف، قطرہ نیساں ہے خودی
وہ صدف کیا ہے؟ جو قطرے کو گہر کر نہ سکے
ہو اگر خود نگر و خود گر و خود گیر خودی
یہ بھی ممکن ہے کہ تو موت سے بھی مر نہ سکے

سوال: اپنی کوئی نظم، یا شعر جو آپ کو لگتا ہو کہ بس کمال کی آمد ہوگئی تھی؟

جواب: ہنوز منتظر ہوں۔ ابھی سفر میں ایسا کوئی موڑ نہیں آیا۔

سوال: شاعری کس کو سوچ کر کرتے ہیں؟

جواب: شاعری کسی ایک سوچ کی مرہون منت نہیں ہوتی۔ ہر سوچ شاعری کا سانچہ اور لہجہ خود ہی تراش لیتی ہے۔

سوال: آپ کی شاعری موسٹلی چائے پے ہوتی ہے کوئی خاص وجہ؟

جواب: شاید اس لیے کہ چائے کافی پسند ہے اور میں ان شاعروں میں سے نہیں جو شعر و ادب کے لیے شراب کے محتاج ہیں۔ اللہ کا شکر ہے سو صرف اتنا ہی کہوں گا۔

چائے
ہائے

سوال: کیا آپ شعر سے معاشرے کی اصلاح کا کام لے سکتے ہیں؟

جواب: بالکل لیا جا سکتا ہے۔ بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ یونان کے سولن سے لے کر اقبال و فیض تک۔ سعدی سے لے کر حالی تک۔

سوال: سر ماشاء اللہ آپ نے ہر صنف میں شاعری کی ہے مگر سب سے زیادہ کس صنف میں لکھتے ہیں؟

جواب: غزل اور نظم لکھتا ہوں۔

سوال: آپ کی شاعری کا مرکزی خیال کیا ہے؟
جواب: ہر خیال اپنی صنف خود طے کرتا ہے۔
سوال: سر کبھی ایسا ہوا کہ آپ بہت کچھ لکھنا چاہتے ہوں مگر قلم نہ تھام پاتے ہوں، ایسا کبھی ہوا الفاظ نے آپ کا ساتھ چھوڑا ہو، ایسی صورت حال میں ایک لکھاری کو کیا کرنا چاہیے؟
جواب: ایک دو دفعہ ایسا ہوا۔ ایسے میں اللہ سے توبہ کرنی چاہیے کہ اس کی رحمت کیوں کم ہوئی۔
سوال: ایک لکھاری کا کیا فرض ہے؟
لکھاری کا سب سے پہلا فرض یہی ہے کہ وہ لکھے اور اصلاحی پہلو پر لکھے۔
سوال: اگر آپ سے قلم چھین لیا جائے تو؟
جواب: قلم چھن جانے پہ وہی کہوں گا جو فیض نے کہا تھا۔
"متاع لوح و قلم چھن گئی تو کیا غم ہے
کہ خون دل میں ڈبو لی ہیں انگلیاں میں نے
سوال: کاشف سر آپ سماجی بہبود کے لیے بھی سرگرم رہتے ہیں اور ایسے کئی اداروں سے آپ وابستہ بھی ہیں۔ دکھی انسانیت کی خدمت کا جذبہ کیسے پروان چڑھا؟ کسی ضرورت مند کی مدد کر کے جو خوشی ملتی ہے اسے کن لفظوں میں بیان کریں گے؟
جواب: بچپن میں یہی سمجھایا گیا کہ عبادت کی قضا ہوتی ہے مگر خدمت کی کوئی قضا نہیں۔ اس لیے یہی فطرت ثانیہ بن گئی۔ اس خوشی کو بیان نہیں کیا جاسکتا محسوس کیا جاسکتا ہے۔
سوال: ماشاء اللہ۔ بیشک، کون سی چیز آپ کو متاثر کرتی ہے؟
جواب: دھیمے مزاج کے لوگ متاثر کرتے ہیں۔ صاف گو، منکسر المزاج۔
سوال: آپ کی پسندیدہ شخصیت؟
جواب: سرکار دو عالم اور محبوب رب کائنات۔
سوال: جب کسی کو پہلی بار دیکھیں یا ملیں تو کیا نوٹ کرتے ہیں؟
جواب: کتابوں سے زیادہ چہرے پڑھے ہیں۔ اس لیے پہلی ملاقات میں چہرے ہی پڑھتا ہوں۔
سوال: کسی بات پر غصہ آ جاتا ہے، اور کس بات سے فوراً چلا جاتا ہے؟
جواب: نماز سے دھیان ہٹ جائے یا کسی پر ظلم ہوتے دیکھوں تو بہت غصہ آتا ہے۔ پھر خود کو ڈانٹتا ہوں تو ٹھیک ہو جاتا ہوں۔
سوال: کوئی ایسی بات جس سے چڑ ہے؟
جواب: جب کوئی میرے جذبوں پر شک کرے۔
سوال: اچھی یا بری عادت؟
جواب: ایک ہی بری عادت ہے سب پر بہت جلد اعتبار کر لیتا ہوں۔
سوال: کوئی ایسی بات جس پر پچھتاوا ہوا؟
جواب: کچھ ذاتی فیصلوں پر پچھتاوا ہے۔
سوال: کسی کی بری بات یا عادت دیکھیں تو منہ پر کہہ دیتے ہیں یا نہیں، بس دل میں ہی غصہ کیے جاؤ؟
جواب: سمجھاتا ضرور ہوں۔ باقی سب اپنے اپنے مزاج کے پابند ہیں۔ ان کی اپنی مجبوری۔
سوال: فارغ وقت میں کیا کرتے ہیں؟
جواب: فارغ وقت میں بہت سوچتا ہوں۔
سوال: آج کل کیا مصروفیات ہیں؟
جواب: آج کل کچھ ذاتی معاملات کو ترتیب دے رہا ہوں۔
سوال: آپ کہاں کہاں کی سیر کر چکے ہیں، کون سا مقام آپ کو زیادہ پسند؟
جواب: بہت گھوما لیکن بہت آوارگی کی۔ مگر احساس

وتخیل کی ٹائم مشین کے ذریعے ذات اور کائنات میں امکانات اور حقائق کے جزیرے دریافت کرنا پسند ہے۔

سوال: کون سا ملک پسند ہے؟

جواب: اپنا پیارا پاکستان۔

سوال: کون سے سفر سے آپ کو ڈر لگتا ہے؟

جواب: ہر اس سفر میں جس میں اللہ کی رحمت شامل نہ ہو۔ ڈر لگتا ہے۔

سوال: کون سی دعا ہر وقت آپ کے لبوں پر رہتی ہے

جواب: ورد ہیں دو تین وہی حرز جاں رہتے ہیں۔

سوال: آپ کا پسندیدہ جملہ؟

جواب: من عرفہ نفس فقد عرف ربہ۔

سوال: صبح دم آئینہ کیا آپ سے ہم کلام ہوتا ہے؟

جواب: صبح دم آئینہ کہتا ہے کہ اے اجنبی تم جانے پہچانے سے لگتے ہو۔

سوال: دنیا کا خوب صورت ترین رشتہ؟

جواب: ماں اور اولاد۔

سوال: آپ کا قیمتی اثاثہ؟

جواب: میرا ایمان اور فیملی۔

سوال: بہن بھائیوں میں کوئی ایسا جسے علمی وادبی حوالے سے اپنی کاپی سمجھتے ہوں؟

جواب: سب کے اپنے اپنے رنگ ہیں۔ مگر میرے بچوں میں میرے ذوق جھلکتے ہیں۔

سوال: آپ کی وجہ شہرت کیا ہے ؟شاعری/ ریڈیو اسکرپٹ رائٹر؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے ہر شعبے میں یکساں عزت سے نوازا۔ اس لیے اس کی رحمتوں کی نمبرنگ نہیں کرتا۔

سوال: کہا جاتا ہے ہر کامیابی کے پیچھے عورت کا ہاتھ ہوتا ہے۔ کیا آپ ایگری ہیں اس بات سے آپ کی کامیابی کا راز؟

جواب: اللہ کی خصوصی رحمت اور ماں کی دعائیں۔

سوال: کوئی آپ سے آپ کی قیمتی چیز مانگے اور آپ نہ دینا چاہیں تو؟

جواب: اگر میرے پاس واضح دلیل ہوگی قیمتی چیز نہیں دوں گا اور اگر سوالی کے پاس مضبوط دعویٰ ہوگا تو بصد احترام دے دوں گا۔

سوال: واہ! زبردست، آپ کا پسندیدہ پھول، پھل اور خوشبو؟

جواب: پسندیدہ پھول ٹیولپ، پھل آم اور بارش کے بعد کی مہک پسند ہے۔

سوال: کھانا اور لباس میں کیا پسند ہے؟

جواب: کھانا گھر کا پسند ہے جو بھی ہو، لباس سیاہ رنگ میں پسند ہے۔

سوال: آپ کا فیورٹ کلر/ موسم؟

جواب: موسم سرما/ کلر سیاہ۔

سوال: سر کاشف یہ بتائیں کہ ہماری نئی جنریشن کی کس حد تک ادب میں دلچسپی ہے؟

جواب: نئی نسل ادب سے کوسوں دور ہے۔ مگر جو لگاؤ رکھتے ہیں وہ قابل تعریف ہے۔

سوال: سر آپ نے ابھی تک اپنی کتاب پبلش کیوں نہیں کروائی؟

جواب: دیکھیے۔ چاہتا تو اب تک کئی بکس پبلش کروا لیتا۔ مگر اپنی بے پناہ مصروفیت کی وجہ سے کچھ ادھوری نظمیں ہیں نامکمل غزلیں ہیں۔ جو کسی لمحہ تکمیل کے منتظر ہیں ان کو راستے میں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔

سوال: اچھا لکھنے کے لیے زیادہ مطالعہ ضروری ہے یا یہ ایک قدرتی صلاحیت ہے؟

جواب: قدرتی صلاحیت نہ ہو تو دنیا بھر کی کتب کا مطالعہ کسی کام کا نہیں۔
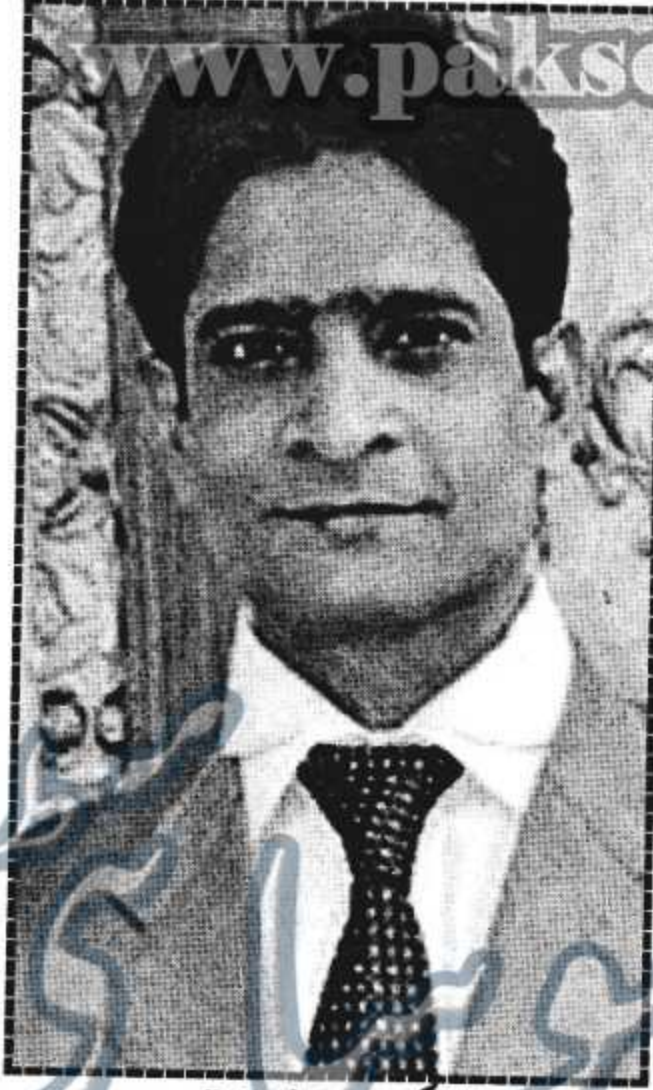
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

سوال: سر آخری سوال ہماری نئی جنریشن اور لکھاریوں کے لیے کوئی میسج؟

جواب: نئے لکھنے والوں کو یہی کہوں گا کہ جو لکھیں خود پر محسوس کر کے لکھیں۔ تحریر و مصنف شاعری و تخلیق کار مشہور نہ بھی ہوں تب بھی حق ادا کر جائیں۔

سوال: بالکل سر۔ حجاب قارئین کے لیے آپ کا پیغام؟

جواب: میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے۔

حجاب ایک دیدہ زیب اور معیاری تحریروں کا میگزین ہے جو علم و ادب کے لیے گراں قدر خدمات سر انجام دے رہا ہے۔ سب کو چاہیے کہ اس کی تحریروں سے استفادہ کریں، کیونکہ اس میں تحریریں ادب کے معیار کے برابر ہیں۔

سوال: جزاک اللہ سر۔ مجھے بہت خوشی ہوئی کہ آپ نے "حجاب" کے لیے اپنا انٹرویو کرنے کا موقع فراہم کیا اور اپنی مصروفیت سے ہمارے لیے وقت نکالا۔

جواب: سپاس گل آپ کا بھی شکریہ آپ نے مجھے "حجاب فیملی" سے ملاقات کا موقع دیا۔ آپ کی سلامتی کے لیے ڈھیروں دعائیں۔

سوال: اس کے ساتھ ہی ہم نے کاشف شہزاد سے اجازت چاہی۔

قارئین حجاب کے لیے کاشف شہزاد کی کچھ شاعری پیش خدمت ہے۔

......☆☆......

ابھی سویا ہی تھا، کہ اس کی آہٹ پھر سنائی دی
جو نیند اتری تھی آنکھوں میں وہ پھر آنگن میں جا نکلی
ابھی کچھ دیر پہلے تو اسے دل سے نکالا تھا
ابھی تو ذہن سے اس کا ہر اک وعدہ مٹایا تھا
ابھی تو اس کی خواہش کو دعاؤں سے نکالا تھا

ذرا سی دیر گزری، ساغر ہستی اچھالا تھا
ابھی اک نظم اس کے حسن پر لکھ کر جلائی تھی
بجھا کر آخری سگریٹ، میں کتنا کھل کر رویا تھا
اسے اب بھول جانے کا ارادہ کر کے سویا تھا
ابھی سویا ہی تھا، کہ اس کی آہٹ پھر سنائی دی

......☆☆......

تمہیں اچھا کوئی مل جائے شاید
تیری خاطر برا ہونا پڑا ہے

......☆☆......

چاند کی راہ گزر سے آگے
کوئی تو ہے، جو صرف میرا ہے

آغوشِ مادر

ماں کے حوالے سے خیالات

حوا قریشی

انتہائی عقیدت، انتہائی محبت، انتہائی چاہت کے ساتھ آج ایک لفظ "ماں" کا مفہوم مجھ پر واضح ہوا ہے۔ اس ایک لفظ میں اس قدر لذت کا شیرہ ہے کہ میرے الفاظ اپنی مٹھاس سے مجروح ہو ہی نہیں سکتے۔ مجھ سے جو کوئی پوچھے کون ہے یہ ہستی؟ تو میں قلم پکڑے بس اس ایک سوال کا ہی جواب لکھتی رہوں کہ اس لفظ میں چھپی اچھائی بذات خود فضیلت ہے کہ جس کو گر حروف تہجی کے مداروں میں بانٹ کر لکھوں تو مطالب کچھ یوں ہو جائیں۔

الف سے ارم کا روپ، ب سے بارانِ رحمت، پ سے پیارا (بوجھل، رفیق، بے قرار)، ت سے تبسم گل، ٹ سے ٹیلنٹین (ہر ہنر میں ماہر)، ث سے ثمر (محبتوں کا)، ج سے جاں کش، چ سے چراغ، ح سے حب، خ سے خارا شگاف (با سبب تاثیر دعا کے)، د سے دمید گی (خوشبو کا پھیلنا)، ڈ سے ڈھارس، ذ سے ذی شان، ر سے راحتِ جاں، ڑ سے پہاڑ (جرأتوں کا)، ز سے زربخت (کمخواب)، ژ سے ژرف نگاہ (گہری نظر والی)، س سے سادہ، ش سے شجر سایہ دار، ص سے صراح (خالص شے)، ض سے ضابطہ (حفاظت میں رکھنے والی)، ط سے طاب (خوشبودار، پاک)، ظ سے ظل (سایہ)، ع سے عجز و انکساری کا پرتو، غ سے غنی، ف سے فلاح، ق سے قدسی، ک سے کائنات، گ سے گرگ باراں دیدہ (تجربہ کار)، ل سے لمحہ (روشنی)، م سے ماہِ کامل (پورا چاند)، ن سے ناصح، و سے واجب التعظیم، ہ سے ہیبت گلاب کی، ی سے یار بارش (ملنسار)۔

میں ہنوز محسوس کرتی ہوں گزشتہ کئی برسوں اور سالوں سے "ماں" کے حوالے سے خیالات اور محسوسات کو بیان کرنے کی کوئی حد ہو سکتی ہے۔ جواب آتا "نہیں" پھر "کیوں" بھی اپنا مقدمہ لیے کھڑا ہو جاتا ہے کہ اس کا ثبوت بھی فراہم کرو تو جواز حاضر ہے۔ اس بات کو ماننے میں مجھے قطعی کوئی قباحت نہیں، کوئی نقطہ گراں نہیں کہ اس ذات کی محبت لافانی ہے، دائمی ہے اور پھر میری لسان تو یہی محسوس کرتی ہے، سوچتی ہے اور لکھتی ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ دولت ہی اس فرد کے پاس ہے جس کی ماں زندہ ہے (پھر چاہے بیٹا تو غریب ہوا ناں) اور پھر جب روٹیاں تین ہوں اور کھانے والے چار تب صرف ماں ہی کہتی ہے کہ مجھے بھوک نہیں۔ مزید وضاحت کروں تو جب صبح سے شام تک سخت محنت کے بعد بیٹا گھر آتا ہے تو بھابی پوچھتی ہے "آج کیا کمایا؟" بیوی کہتی ہے "آج کیا بچایا؟" صرف ایک ماں یہ کہتی ہے "بیٹا دن میں کچھ کھایا؟"

غزل چشم سے نکل، غزالہ کے لالہ رخ پر بہنے والے غم کے آنسو کے موتیوں کو چن چن کر، سکھ کی لڑیوں میں پرونے والی پُر وقار ہاتھوں کی تمگسار انگلیوں کے پُر اثر لمس کو شاید "ماں" کہتے ہیں۔

سخت راتوں میں آسان سفر ہے
سب میری ماں کی دعاؤں کا اثر ہے

پھر جن کے پاس یہ قیمتی شے ہے ناں جسے ماں بطورِ اعلیٰ ترین ہستی کے مخاطب کرتے ہیں۔ انہیں چاہیے اس سے محبت کریں۔ اس کی قدر کریں کہ اس ماں کی پریشانی تو تھی سبب جس کے اللہ عزوجل نے صفا مروہ کو حج کا رکن بنا دیا پھر اگر یہ پاس ہے آپ کے اور اس ہستی کی کوئی معمولی سی خواہش ہے اور اس خواہش کو اگر آپ پورا کر دیتے ہیں تو یہ تحفۂ خداوندی بن جاتا ہے آپ کے لیے نظر ہو اس کی جانب ہو آپ کی ایک پیار بھری تو جنت کی بشارت ہو جاتی ہے کہ جس کا لمس اگر بھوک ہو آپ کی تو روح اس کے قدسی خمیر سے لبریز ہو جاتی ہے۔ میں اس کی عظمتوں کو جو دہراؤں تو کتنے ہی محنت کش اپنی کامیابیوں، اپنی رفعتوں، اپنے اوج کا عروج محض اس کی ایک ذات کو لکھ دیں گے۔

ملاحظہ کیجیے ویلس کہتا ہے "وہ ہاتھ جو جھولا ہلاتا ہے ساری دنیا پر حکمرانی کرتا ہے۔" ہمیس کا نقطہ نظر یہ ہے "اس مطلبی بے مہر اور کھوکھلی دنیا میں کوئی چشمہ اتنا میٹھا، مضبوط اور مستقل نہیں جتنا وہ چشمہ جو ماں کے دل میں موجزن ہوتا ہے، محبت کا چشمہ۔" فریڈریکس کا تصور کیا خوب ہے "جس گھر میں تعلیم یافتہ نیک ماں ہوتی ہے وہ گھر ادب کی یونیورسٹی ہے۔" ہونگ نے کہا جب تو حوا نے بھی ہاں میں ہاں ملائی (وجہ؟ خیالات کی مماثلت) "مجھے فخر ہے کہ مری

ان پڑھ ماں نے مجھے تعلیم یافتہ اور مہذب بنایا۔" ٹیلر کا جذبہ قابل دید حقائق کے قریب تر ہے۔ "وہ کون سی عظیم ہستی ہے جس نے بچپن میں گرتے وقت بے تحاشا دوڑ کر مجھے سہارا دیا؟ وہ کون سی مقدس ہستی تھی جس نے مری چوٹ کو چوما تا کہ وہ چوٹ جلدی سے اچھی ہوجائے؟ ماں صرف مری مہربان ماں۔" ملر نے ماں کی بہادری کو کیا ہی خوب صورت لفظوں کا پیرہن عطا کیا ہے کہتا ہے "میں تمہیں بتاؤں کہ دنیا کی عظیم جنگیں کس نے لڑیں؟ ان کی تفصیل تمہیں دیواروں پر لٹکے ہوئے نقشوں میں نہیں ملے گی۔ انہیں دنیا کی بہادر ماؤں نے لڑا ہے۔" ایڈمر نے حرا کے دل کی بات من وعن سامنے رکھ دی ہے "میں جو کچھ ہوں اس کا باعث مری ماں ہے۔"

لڑکا اپنی مرحوم ماں کو یاد کر کے روتا ہے اور کہتا ہے "میں وہ درخت ہوں جسے کوئی پانی نہیں دیتا۔" منشی پریم چند اور حرا اپنا کہتا ہے "ماں اگرچہ گل سربسد ہے مگر اس سے زیادہ نرم، مہربان، محبتوں سے پُر اور خوب صورت کوئی نہیں...... کوئی نہیں ہے۔ احمد ندیم قاسمی کی شاہکار تحریر "ماما" ماں کے انتہائی جذبات کی خالص ترجمان ہے۔ افسانے میں ایک پنجابی نوجوان کا ذکر ہے۔ جو بھرتی ہوکر ہانگ کانگ میں آتا ہے اس کی بوڑھی ماں نے رو رو کر اپنی محبت اور اس کی زندگی کا واسطہ دے کر روکنے کی کوشش کی تھی مگر وہ ایک حاکمانہ تصور کے ساتھ ہانگ کانگ پہنچ گیا۔ ہانگ کانگ پہنچتے ہی فضا میں یہی سرگوشیاں جھلک رہی تھیں کہ جنگ چھڑنے والی ہے۔ متوقع جنگ کے پیش نظر ہر جگہ مورچے کھد رہے تھے وہ پریڈ کے بعد جب اپنی بیرک میں آرام کرتا تو اسے جنگ سے انتہائی خوف محسوس ہوتا۔

اسے ماں کی یاد آتی تو تڑپ تڑپ کر روتا اور اسے ہر چہرہ کسی نہ کسی ماں کی تلاش اور یاد لیے ہوئے محسوس ہوتا۔ وقت رخصت ماں کی آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کی ندی اسے بے چین کر دیتی اور سڑکوں پر افق کی طرف تکنے والی چینی پناہ گزینوں کی آنکھوں میں بھی اسے اپنی ماں کا انتظار، خوف اور پیار نظر آتا ہے۔ آخر وہ گھڑی آپہنچی جاپانی جہازوں نے ہانگ کانگ کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور وہ جاپانیوں کے ساتھوں جنگی قیدی بن گیا۔ وہ خوب رویا اسے یوں لگا جیسے اب اس کی ماں کا ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھوٹ گیا ہے۔ معمولی لغزشوں پر ان کی گولیوں اور وحشیانہ تھپڑوں کا نشانہ بننا پڑتا تھا۔ اس کی قمیص کے بٹن ٹوٹ گئے تھے اس نے ایک جاپانی سے ایک بٹن کی بھیک مانگی۔ اس نے اس کے سینے کے بالوں کا ایک گچھا جھٹکے سے توڑ کر اس کے ہاتھ میں دے دیا کہ اس سے باندھ لو' کچھ دنوں کے بعد ہانگ کانگ کے ایک ساحلی جزیرے پر حملہ کرنے کا پروگرام بنا کیونکہ وہاں کے مچھیرے باغی ہو رہے تھے یہ نوجوان بھی ان میں شامل تھا وہ اس جزیرے میں پہنچے وہاں کچھ جھونپڑے تھے مکمل سناٹا تھا انہوں نے فائرنگ کی اور جاپانی افسر نے چینی زبان میں وہاں کے رہنے والوں کو باہر آنے کا حکم دیا۔ ان سے مردوں' بچوں' بوڑھوں اور لڑکیوں کے بارے میں پوچھا گیا تو ایک نے بتایا کہ مرد تو مچھلیاں پکڑنے گئے ہوئے ہیں۔ اسی دوران میں ایک چینی عورت پہلے ڈرتے ڈرتے بیٹھی' بعد ازاں وہ عورت زاروقطار رو رہی تھی اس ہندوستانی سپاہی کو اپنی ماں کے آنسو بھی یاد آئے اور اپنی بے بسی بھی چونکہ اس کا گریبان بٹنوں کے بغیر تھا اور وہ انتہائی سردی محسوس کر رہا تھا پھر جاپانیوں نے عورتوں کو کھانے پکانا کا حکم دیا۔ شدید سردی میں اسے اپنی ماں کے آنسو یاد آگئے کہ وہ کیسے اسے سردی سے سینے کو بچانے کی تلقین کیا کرتی تھی۔ اتنے میں وہی عورت چپتی بچاتی اس تک پہنچی اس نے اس سے پوچھا کہ قیدی ہو؟ اس نے سر ہلا دیا اس نے کہا تمہاری طرح میرے بیٹے کی قمیص میں بھی بٹن نہیں تھے۔ میں پکارتی رہی اور وہ چلا گیا تمہاری بھی ماں ہوگی۔ قیدی یہ سن کر بچوں کی طرح رونے لگ گیا' اس نے آگے بڑھ کر اس کی قمیص میں بٹن ٹانک دیئے' کچھ دور شراب پیتے اور شور مچاتے جاپانیوں کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے اسے چوما' اس کی قمیص سے آنسو پونچھے اور واپس چلی گئی۔

اے صاحب عظمت

اے صاحب ثروت

چلو جو سنگ تیرے پاپیادہ

تھام کے مری انگلی فلک چلے

زمین کے فرش پر تارے

گل آفریں بہار رت میں...... شوخ ہوائیں

ہتھیلیوں پر مری اک حسین قیمتی...... تاج رکھ جائیں

فاتحِ تسخیرِ زیست کے "تاج" رکھ جائیں
تیری پر ہر پکار پہ لبیک کہتی "مری آنکھیں"
اک ایسا سجدہ رقم کریں
جسے کرنیں آفتاب کی
صدائیں ماہتاب کی
سلام پیش کریں......
ساعتیں مری چھپا کر تیرے معتبر دل کو
باادب، دوزانو...... قیام پیش کریں
سن اے گل لالہ!
لب تیرے جب پیشانی پر مری
"بوسے" ثبت کرتے ہیں
دن بھر...... شب بھر...... سہ پہر......
سرب عالم کی تاب...... ہتھیلیوں پر مری ٹھہری سی جاتی ہے
رابطہ روح کا، دن کا، جسد خاکی کا...... جلترنگ سماں سا بنتا ہے
میٹھی میٹھی سانسیں تیری
جب بے قرار و تشنہ
میرے اندر اترتی ہیں
سچ کہوں تو "ماں"
گلاب جذبات کی گرمی
یوں ہوتی ہے جاوداں
گویا......
طلسم والہام کی ابتداء
لوگ کہتے ہیں......
نہ ہو پھول ڈالیوں سے جدا (ماں سے بچے کے ملاپ کی تشبیہ)
یوں حیات ارضی جنت مرے قدموں میں دان کرتی ہے
محبت بادشاہت کا ایک نیا اعلان کرتی ہے......!

"ماں ایک نعمت ہے، نایاب نعمت! اس کا نعم البدل ناممکن ہے، زمیں کی گہرائیوں اس خواہر کو اگلنے کے ناقابل اور آسماں ایسا فرشتۂ رحمت بھیجنے سے قاصر۔" از جبران داستان محبت "ٹوٹے ہوئے پر" جبران کو اپنی ماں کی یاد دلاتا رہتا ہے۔ اس کی ماں نے اسے ایک دفعہ کہا تھا کہ "تو اگر دنیا میں نہ آتا تو ایک فرشتہ ہوتا۔" جبران نے جواب دیا "میں تو اب بھی فرشتہ ہوں۔" ماں نے کہا "تو پھر تمہارے پر کہاں ہیں؟" جبران نے اپنے شانوں پر بازو پھیلاتے ہوئے کہا "یہ ہیں میرے پر۔" ماں نے ہنس کر کہا "بیٹا! یہ تو اب ٹوٹے ہوئے ہیں۔"

جو میں اپنی عظیم ماں کی بابت کروں تو میں کچھ نہیں! ہاں اندر مری ذات کے جو گوہر نایاب ہیں وہ صرف ماں کے ودیعت کردہ ہیں۔ ایک ایسی ماں جو حسن کا مرقع بھی تھی۔ داد و ستائش کا پیام بھی تھی، جرأت و ہمت کے ستارے بھی جس کی ذات میں یکجا تھے۔ جسے نہ صرف اردو، پنجابی بلکہ اپنی ملتانی زبان پر بھی بلا کی فوقیت حاصل تھی۔ کیا امور خانہ داری، کیا کڑھائی، کیا سلائی، کیا مہمان داری، کیا خدمت گزاری، کیا حوصلہ افزائی، کیا کشیدہ کاری، کیا کتائی اور بونائی کے فنون ہر ایک فن میں اعلیٰ و یکتا، بے مثال تھی وہ ذات بس عین وقت مرگ سے قبل بھی اور بعد میں تو گویا بیماریوں کا نہ ختم ہونے والا مجموعہ اس کے واحد جسم میں جمع ہوگیا۔

اولاد ہو، باپ ہو، بھائی ہو، بیٹا ہو، بہن ہو یا بھائی کوئی بھی عزیز ہر ایک کے لیے ہمدردی اور ڈھارس اور مسائل کا حل پیش کردینے والی ہستی جس قدر بھی جتنا بھی اس کی ذات سے ممکن ہوسکے پھر جب گئی تو وقت کے ساتھ بہت چلا گیا۔

بس رہ گئی تو آہ...... خود کو ایک چٹیل میدان میں پایا جب والدہ اس دارِ فانی سے کوچ کر گئیں، سبک رفتار سسکیوں کا تلاطم برپا تھا۔ ہر بندہ عدو معلوم ہوتا تھا، کیا بتائیں ناقابل بیان سی حالت زار تھی۔ زار زار بکھرا تھا جسد خاکی یوں لگا تھا منجنیق سر پر دھری گئی ہو، قوت سامعہ مفلوج ہوگئی ہو، بہت سی باتیں ان کہی رہ گئیں، بہت سی ساعتیں ویران ہوگئیں گویا کہ قیمتی سامان لٹ گیا۔ ایک ہارے ہوئے جواری کی طرح تھے، قدم بوسی کی بھی مہلت عطا نہ ہوئی زیادہ عرصے......

اور کیا کہوں کہ بس...... "دنیا کی تمام مسرتیں "ماں" اس سہ حرفی لفظ میں مجتمع ہیں۔ کائنات کی تمام مسرتوں کا امرت بھی اس ایک لفظ میں پنہاں ہے اس لیے بس یہی کہوں گی "ماں" تو وہ مقدس ترین ہستی ہے جس کا وجود

شب دیجور میں بھی سب کو اپنی سمت متوجہ کرلیتا تھا اور حرا کے لیے تو ظاہر و باطن کی صفات سے لیس پائیدار ہتھیار تھا۔ بے شک تیرا وجود نہیں مگر تیری تربیت' تیری یاد' تیری ناصح مجھے از سر نو تازگی حیات عطا کرتی ہے۔

پھیلی ہے خوشبو "ماما" کی ابھی کہیں
کیا ہوا جو حرا کی ماں نہیں

☆......☆......☆......☆

جویریہ وسمی

مجھے عادت ہے رات کے وقت لکھنے کی' میں حجاب سے دس بج کر پانچ منٹ پر محو گفتگو ہوں کیونکہ الفاظ کا جوڑ توڑ رات کی فسوں خیز خاموشی دونوں مل کر الفاظوں کو بہترین انداز میں مرتب کرنے میں میرے معاون ثابت ہوتے ہیں۔ رات کی پُر سکوں خاموشیاں احساسات میں تلاطم خیز موجوں کو پیدا کر دیتی ہیں انہی احساسات کے تلاطم سے الفاظ ٹکراتے ہوئے قلم سے ہوکر اوراق کی زینت بنتے ہیں۔ آئیے اب اصل موضوع کی جانب بڑھتے ہیں کائنات کا سب سے خوب صورت رشتہ اور حسین چیز ماں ہے' خوش نصیب ہیں وہ عورتیں جو ماں کہلاتی ہیں۔

کہتے ہیں کہ عورت مکمل تب ہوتی ہے جب وہ ماں بنتی ہے۔ ماں دنیا کی وہ واحد ہستی ہے جس کی لغت میں اولاد سے ناراضگی کا لفظ ہی موجود نہیں اس کی ناراضگی میں بھی پیار پوشیدہ ہوتا ہے یا کوئی بھلائی مخفی ہوتی ہے اولاد ماں کو صرف ایک دفعہ پیار سے بلائے تو ماں نہال ہوجاتی ہے۔ اولاد کی نافرمانی کو بھول کر اسے اپنے سینے میں سمو لیتی ہے۔

ماں وہ ہستی ہے کہ اس کی محبت آسمان کی وسعتوں کو چھو لیتی ہے ماں کی محبت ایسی ہے کہ وہ زمین پر چلتی ہے تو اس کی آہٹیں آسمان سے آتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔

ماں میری تمام کامیابیوں کا راز آپ کی دعاؤں میں پنہاں ہے بقول شاعر کہ......

گر پیار کرتا ہے نیازی زمانہ مجھ سے
یہ میری ماں کی دعاؤں کا اثر لگتا ہے

ماں میں میں اپنی ہر مشکل ہر الجھن کا حل تیری باتوں میں پالیتی ہوں اور تیرے ہاتھوں کی روٹی اکثر بھوک سے زیادہ کھالیتی ہوں۔ تھک ہار کے تیرے آنچل کے نیچے بے فکر سو جاتی ہوں' آغوش مادر تپتے صحرا میں ظل بہار ہے۔ ماں وہ احساس ہے جو روح کی تسکین' آنکھوں کی ٹھنڈک' دل کا چین' سانسوں کا قرار ہے۔ وہ انمول نگینہ جس کی دنیا میں کوئی قیمت نہیں وہ ہستی جو صبر و تحمل' ایثار و قربانی' شفقت و محبت کا نمونہ ہے وہ دعا جو دل کا سفینہ رحمتوں کا خزینہ' جو رد نہ ہو عرش بریں سے وہی بے مثل قرینہ ہے وہ جزا جس کا کوئی نعم البدل نہیں۔ وہ جیون جس کے بغیر جینا تو زندگی بھی زندگی نہیں۔

بوعلی سینا کہتے ہیں اپنی زندگی میں محبت کی سب سے اعلیٰ مثال میں نے اپنی ماں کی صورت میں دیکھی جب سیب چار تھے اور ہم پانچ تھے تب میری ماں نے کہا مجھے سیب پسند نہیں۔ ماں وہ ہستی ہے جو اپنے بچوں میں تفریق کے نام سے ہی ناآشنا ہے آغوش مادر تاریکی میں روشنی کا باب ہے۔ آغوش مادر اضطرابی کیفیت میں اطمینان کا نام ہے دنیا میں آغوش مادر نام ہے اولاد کے لیے جنت کا۔

ماں ایک ایسا رشتہ ہے جو آپ کی ان کہی باتوں کو بنا پوچھے ہی جان لے۔ ماں نام ہے زندگی کا' آغوش مادر پر کیا کیا لکھوں؟ دنیا کی جتنی لائبریریاں ہیں ان میں جتنی کتابیں ہیں اور ان کتابوں میں جتنے الفاظ ہیں اگر آغوش مادر پر لکھنے لگوں تو وہ سب بھی کم پڑ جائیں۔ قلم خشک ہوسکتے ہیں اوراق ختم ہوسکتے ہیں مگر آغوش مادر پر لکھے جانے والے الفاظ کا سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوسکتا۔

اللہ پاک ہم سب کی ماؤں کو لمبی زندگی عطا فرمائے اور ان کو صحت کاملہ عاجلہ عطا فرمائے' ان کا سایہ ہم سب پر تادیر قائم فرمائے اور جن ماؤں جنہوں کی ماں ان کو داغ مفارقت دے گئی ہیں ان کے درجات کو بلند فرمائے اور ان کو باغ رحمت میں سکونت عطا فرما۔ ان کی اقرباء کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ عائشہ پرویز صدیقی' مسز نگہت غفاری کی ام کے لیے اگر وہ حیات ہیں تو ڈھیروں دلی دعائیں اور نیک تمنائیں' دونوں کو میری جانب سے ڈھیروں سلام' ان الفاظ کے ساتھ چاہوں گی آپ سے اجازت' دعاؤں میں یاد رکھیے گا' فی امان اللہ۔

مسیحا آ ہی جائے

تحسین انجم انصاری

جب وہ سفید پتھروں سے بنے اس خوب صورت گھر میں داخل ہوئی تو وسیع وعریض لاؤنج میں بھاری قیمتی صوفوں پہ بیٹھے نفوس نے بے اختیار اس کا جائزہ لیا۔ وہ شہریار کے ساتھ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی وقار اور تمکنت سے چل رہی تھی۔ پنک کاٹن کے سادہ سوٹ میں جس کے دوپٹے پہ ریشمی ربن نے اسے تھوڑا قابل قبول بنادیا تھا۔ اس نے اپنے اطراف کا جائزہ لیا۔

قالین پہ صوفے کی بیک سے ٹیک لگائے کاشی کاروں سے متعلق کسی میگزین کا مطالعہ کررہا تھا' رسالے سے نظریں ہٹا کر انہیں دیکھا تو چہرے پہ مسکراہٹ آ گئی۔ عرشی ٹیلی ویژن پہ کھانا پکانے سے متعلق کوئی پروگرام دیکھ رہی تھی اس نے اسکرین سے نظریں ہٹا کر ادھر دیکھا' عرشی کی نظروں میں ستائش تھی اور وہ پروگرام چھوڑ کر پر جوش انداز میں ان کی طرف بڑھی۔ صوفے پہ مغرور انداز میں بیٹھی نازنین نے اپنے ناخن سنوارتے ہوئے تیوری چڑھا کر دیکھا اور ایک جھٹکے سے کھڑی ہوگئی' بڑی بڑی آنکھوں میں ناگواری تھی۔

''یہ تم کسے ساتھ لے آئے شہری......؟'' نازنین کے انداز پہ زرینہ نے ناول سے نظریں ہٹا کر تیکھی نظروں سے آنے والوں کا جائزہ لیا۔ اپنی بیٹی کا غصہ جائز لگا تو دوبارہ ناول میں غرق ہوگئیں۔

''السلام علیکم...... یہ سرینا ہیں' میرے بہت عزیز دوست کی بہن۔''

''وہ تو ٹھیک ہے۔'' وہ بے نیازی سے بولی۔ ''یہ تمہارے ساتھ کیوں ہے؟''

عرشی نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''میرا نام عرشی ہے اور مجھے آپ سے دوستی کر کے خوشی ہوگی۔''

''جی نہیں مجھے زیادہ خوشی ہوگی......'' کاشی اسے پیچھے کر کے آگے بڑھا۔

سرینا کے چہرے پر ایک دم مسکراہٹ کی کرن چمکی۔ اس کا پورا چہرہ روشن ہوگیا۔ نازنین نے کینہ توز نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ لائٹ براؤن بادامی آنکھیں جن پہ بے حد گھنیری پلکیں جھالر کی صورت میں دلکش لگ رہی تھیں۔ لائٹ براؤن بال جو پشت پہ نیچے تک آتے تھے چوٹی گندھی ہوئی تھی اور گالوں پہ پڑے ڈمپل اس کی مسکراہٹ کو دلکش بنارہے تھے۔ نازنین کی آنکھوں میں حسد کے مارے جلن سی ہونے لگی۔ وہ بل کھاتی ناگن کی طرح پھنکاری۔

''اب یہ بھی بتادو آخر یہ تمہارے ساتھ کیوں ہے؟''

سرینا چونکی...... نازنین کو دیکھا اور سوچا اس لڑکی کو سب سے زیادہ فرق اس بات سے پڑرہا ہے کہ میں شہریار کے ساتھ کیوں ہوں...... وری انٹرسٹنگ......!

''سرینا میرے ایک بہت اچھے دوست کی بہن ہے۔ وہ چھ ماہ کے لیے ایک کورس اٹینڈ کرنے امریکہ جارہا ہے' تب تک یہ ہمارے ساتھ ہی رہے گی۔''

''کیوں اس کے گھر میں کوئی اور نہیں ہے......؟'' وہ چبھتے ہوئے لہجے میں بولی۔

''نہیں...... شہریار نے تنبیہی انداز میں اسے گھورا۔

''اور اگر اب تمہارے سوال ختم ہوگئے ہوں تو عرشی سرینا کو اس کا کمرہ دکھادو......؟''

''ہونہہ...... اس نے نخوت سے ہنکارا بھرا...... ''مجھے

کیا ضرورت ہے سوال کرنے کی۔"

سرینا عرشی کے ساتھ سیڑھیاں چڑھنے لگی تو کاشی کی آواز آئی۔

"میں بھی آؤں گرلز.....؟"

"تم کیوں؟ تمہارا کیا کام ہے یہاں....." عرشی چمک کر بولی۔

"ان کیس..... کہیں سے چھپکلی آجائے تو.....؟"

عرشی نے گھور کر دیکھا تو وہ دوبارہ وہیں بیٹھ کر Linix کا مطالعہ کرنے لگا۔

کمرے میں آکر عرشی کے واپس جاتے ہی اس نے دروازہ بند کیا اور جہازی سائز کے بیڈ پر بیٹھ گئی آنسو ایک دم سے آنکھوں سے نکلے اور گالوں پہ ڈھلک آئے.....اور کچھ دیر بعد وہ سسکیوں سے رو رہی تھی۔

❀.....❀.....❀

وہ نہا دھو کر فارغ ہوئی تھی کہ رانی اسے بلانے آ گئی۔ نیچے سب چائے پہ اس کا انتظار کر رہے تھے۔

وہ سیڑھیاں اتر رہی تھی کہ اس کی نظر لاؤنج میں صوفے پہ بیٹھے اس شخص پر جم کر رہ گئی.....قدم ایک لمحے کے لیے وہیں رک گئے.....پلکوں کی جھالر بھیگنا شروع ہوگئی۔

"آؤ سرینا..... ہم چائے پہ تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔" وہ خود کو سنبھالتے ہوئے پروقار قدموں سے چلتی لاؤنج کی طرف آئی۔

"پہلے اس گھر کے دو بڑوں سے آپ کا تعارف کروادوں....." شہریار مسکرایا۔

"یہ میرے بابا جان ہیں بختیار بیگ اور یہ چچا میاں ہیں اختیار بیگ نام ہے ان کا....."

بختیار صاحب نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھا.....تو اس نے آہستہ سے آداب کہہ کر اختیار بیگ کی طرف دیکھا۔ چائے کے کپ کی طرف جاتا اختیار بیگ کا ہاتھ وہیں رک گیا اور نظر اس کے چہرے پہ جم کر رہ گئی۔ سرینا کے چہرے پہ سایہ سا لہرا گیا۔ ان کا ہاتھ بختیار بیگ کی طرح اس کے سر تک نہ جاسکا..... وہ بس اس کے چہرے کی طرف دیکھ رہے تھے اور ان کے چہرے پہ درد کی ایک موہوم سی کیفیت تھی۔

"پاپا ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں.....؟" کاشی نے پوچھا تو انہوں نے چونک کر اس کے چہرے سے نظر ہٹائی۔

سرینا کو دیکھ کر کچھ یاد آ گیا تھا۔ ایسے لگتا ہے پہلے بھی یہ چہرہ کہیں دیکھا ہے۔ وہ سوچوں میں گم لگ رہے تھے۔ زرینہ بیگم نے تیوری چڑھا کر ان کی طرف دیکھا۔ انہوں نے کوئی توجہ نہیں دی اور نازنین کی طرف دیکھا وہ کچھ غصے میں تھی۔

"غصے میں کیوں ہے ہماری بیٹی.....؟" اختیار بیگ نے نازنین کی طرف پیار سے دیکھا تو وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

"پاپا! میں نے آپ سے کہا تھا مجھے فلاور ارینجمنٹ کی کلاس میں ایڈمیشن دلوادیں' آپ نے کچھ نہیں کیا ابھی تک....."

"ارے ناراض کیوں ہوتی ہو....." ابھی انتظام کیے دیتے ہیں۔"

"یو آر گریٹ پاپا.....اس نے ان کے گلے میں بازو ڈال کر کہا تو زرینہ مسکرادیں.....سرینا کے کپ والے ہاتھ میں ذرا سی لرزش ہوئی اور کپ سائڈ پہ رکھ کر ایک دم اٹھ گئی۔ شہریار بھی اسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"آئیے سرینا آپ کو دادی جان سے ملواؤں....."

"دادی جان سے....." وہ اشتیاق سے بولی۔

"وہ تمہاری دادی جان نہیں ہیں....." نازنین نے غرور سے سرینا کی طرف دیکھا..... "تم انہیں دادی جان نہیں کہوگی۔" سرینا نے خاموش نظروں سے نازنین کی طرف دیکھا۔ نازنین کو جانے کیوں سرینا کی خاموش نظروں سے گھبراہٹ ہوئی تھی جس کا اظہار وہ غصے کی صورت میں کر رہی تھی۔

"چلیں شہریار....." اس نے نازنین کو قطعاً

نظر انداز کردیا اور شہریار کے ساتھ اندر کے دروازے کی طرف مڑ گئی۔
"پاپا دیکھا آپ نے......؟شی اگنورڈ می......"
"تو بیٹا کیا کہے وہ آپ کو...... قصور آپ کا ہے۔ گھر آئے مہمان سے اس طرح سلوک کرتے ہیں؟"
"شی از ناٹ اے گیسٹ پاپا...... ہم نے اسے انوائٹ نہیں کیا۔"
"تو شہریار نے کیا ہے...... وہ بھی اسی گھر کا فرد ہے۔"
"میں کچھ نہیں جانتی۔ آئی جسٹ ڈونٹ لائک ہر۔"
دادی جان کے دروازے پر دستک دے کر وہ سرینا کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔
سرینا نے دیکھا سفید بیڈ شیٹس اور سفید پردوں والی بڑی سی مسہری پہ سفید بالوں اور سفید نرم و ملائم چہرے والی ضعیف خاتون تکیوں کے سہارے نیم دراز تھیں۔ سورج کی روشنی چھن چھن کر اندر آرہی تھی۔ سرینا کو اس کمرے کا ماحول انتہائی پاکیزہ اور پرسکون لگا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے یہاں آ کر اس کے دل کو قرار آ گیا ہو۔ ایک ملازمہ ان کو چمچ سے سوپ پلا رہی تھی۔ سرینا کی آنکھوں میں بیگم مہرالنساء ذوالفقار کو دیکھ کر نرم سی روشنی جل اٹھی۔
"السلام علیکم دادی جان۔ دیکھیے تو میں کس کو آپ سے ملوانے لایا ہوں......"
سرینا نے بڑی پیاری مسکراہٹ کے ساتھ ان کی طرف دیکھا...... جس سے اس کے گالوں کے ڈمپل بھی مسکرا اٹھے۔ اس نے جھک کر انہیں سلام کیا۔
دادی جان نے اچنبھے سے اس کے چہرے پہ نظر ڈالی۔
"وعلیکم السلام بیٹا...... یہ کون ہیں شہری......؟"
"دادی جان......" شہریار نے پیار سے ان کا ہاتھ تھام لیا۔
"میں نے جاتے ہوئے آپ کو بتایا تھا کہ میں پرستان جارہا ہوں اور وہاں سے پریوں کی شہزادی کو لے کر آؤں گا جو آپ کے ساتھ رہے گی۔"

"اور بیٹا میں نے بھی تو کہا تھا کہ پریوں کی شہزادی میرے ساتھ رہنے کیوں آنے لگی.......؟"

"لیکن دیکھ لیجیے نا آ گئی پریوں کی شہزادی......"

سرینا نے ٹھٹک کر حیرت سے شہریار کی طرف دیکھا......اس کا چہرہ گلابی ہوگیا' اس نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے لیکن شہریار نے ہونٹوں پہ انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

"اچھا تو تمہاری شہزادی کا نام کیا ہے......؟" دادی جان کی آنکھوں میں چمک سی پیدا ہوئی۔

"اس کا نام سرینا ہے۔"

"سرینا ادھر آؤ بیٹا میرے پاس بیٹھو......" دادی نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے پاس بٹھالیا۔ اس کے ہاتھوں میں دادی جان کے ہاتھ کے لمس سے لرزش سی پیدا ہوئی اسے یوں لگا جیسے صدیوں سے اس لمس کو پہچانتی ہو۔ انہوں نے پاس بٹھا کر اس کا چہرہ اپنی طرف کیا اور غور سے اسے دیکھا۔

"میری بیٹی واقعی پریوں کی شہزادی ہے۔" انہوں نے محبت سے اس کا ماتھا چوما۔

"تم نے بالکل صحیح کہا شہری لیکن تمہیں پرستان میں اس کے گھر کا پتا کس نے دیا؟" ان کی آنکھوں میں شرارت تھی۔

"دادی جان ڈھونڈنے والے ڈھونڈ ہی لیتے ہیں چاہے کوئی سات پردوں میں چھپ جائے۔" انہوں نے معنی خیز نظروں سے سرینا کی طرف دیکھا۔

"بیٹا رخشندہ کب تک واپس آئے گی......؟"

"دادی جان ابھی تو ایک ہفتہ وہیں رہیں گی......کیوں آپ اداس ہوگئیں......؟"

"تمہیں تو پتا ہے بیٹا ایک وہی ہے جس سے میں دل کی بات کہہ سکتی ہوں۔ زرینہ تو بہت بے نیاز اور بے پرواہ ہے۔"

"تو یہ عرشی کس لیے ہے دادی جان......اسے بٹھایا کریں پاس......آج میں اسے ڈانٹتا ہوں۔ اگر وہ آپ کے پاس بیٹھا کرے تو آپ بور نہ ہوں۔"

"خبردار جو تم نے کچھ کہا بچی کو...... وہ مجھے کافی دیر بہلاتی ہے اب بچی ہے اس کے اپنے کام بھی ہیں۔"

"دادی جان......آپ فکر نہ کریں......اب میں آ گئی ہوں نا......میں آپ کو کمپنی دوں گی......اور آپ مجھ سے دل کی ہر بات کہہ سکتی ہیں......ہر راز بتا سکتی ہیں۔ میں راز کو راز رکھنے میں خاصی ماہر ہوں۔"

"یہ تو جانتے ہیں ہم......" شہریار زیر لب بولا تو وہ چونک گئی۔

"کیا مطلب ہے آپ کا......میں سمجھی نہیں؟" اس نے حیرت سے اپنی گھنیری پلکیں اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔

"مطلب پھر کبھی سہی......" وہ ایک دم اٹھ گیا۔

"دادی جان میں چلتا ہوں' آپ سرینا سے باتیں کریں......میں پھر آؤں گا......" وہ کہہ کر کمرے سے نکل گیا اور وہ دیکھتی رہ گئی۔

"تو دادی جان بتائیں کیا کروں آپ کے لیے...... آپ کو اخبار پڑھ کر سناؤں......؟"

"وہ پھر کبھی کر لینا......اس وقت تو تم میرے پاس بیٹھو......میرا دل چاہ رہا ہے تم سے باتیں کروں۔"

"دادی جان آپ تھک تو نہیں گئیں۔ آپ ٹیک لگا کر بیٹھ جائیں۔ میں ادھر کرسی پہ بیٹھ جاؤں گی۔" سرینا نے ان کو تکیوں کے سہارے لگایا اور پھر بیڈ کے پاس رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"بیٹا شہری بتا رہا تھا تمہارا بھائی کسی کورس کے لیے امریکہ گیا ہے۔ اور تم اکیلی ہو......مجھے اپنی ماں کے بارے میں کچھ بتاؤ کیسی تھی وہ......؟"

سرینا نے سر جھکا لیا......آنکھوں سے آنسو نکل کر گالوں پہ ڈھلک گئے......اور جسم ہولے ہولے کانپنے لگا۔

"نہیں بیٹا......بہادر لوگ روتے نہیں ہیں......مجھے اس کے بارے میں بتاؤ اس طرح تمہارے دل کا بوجھ بھی ہلکا ہوجائے گا اور مجھے بھی پتا چلے گا کتنی اچھی عورت تھی

جس نے تم جیسی بیٹی کو جنم دیا...... کیا نام تھا ان کا......؟"

"فارینہ......" سرینا نے اپنی آنکھیں پونچھ کر دھیرے سے کہا۔

"اب مجھے فارینہ کے بارے میں کچھ بتاؤ......" انہوں نے پیار سے کہا۔

"کیا بتاؤں آپ کو ان کے بارے میں...... میں نے ان جیسی اور کوئی خاتون نہیں دیکھی اپنی زندگی میں...... وہ پیار ومحبت کا مجسمہ تھیں ایثار و وفا کی تصویر...... انہوں نے اپنی ساری زندگی ہمارے لیے قربان کردی۔ ہمیں کسی چیز کی کمی محسوس نہ ہونے دی۔ زمانے سے دھوکا کھایا...... لیکن کبھی شکایت نہ کی...... ایک مرد پہ اعتبار کیا...... اس سے محبت کی شادی بھی کی...... لیکن وہ مرد بھی ان سے وفا نہ کرسکا...... لیکن انہوں نے اپنے لبوں پہ کبھی بھی اس کے خلاف شکایت نہیں آنے دی...... ہمیشہ ہمیں یہی کہا...... کہ تمہارے باپ کو غلط فہمی ہوگئی تھی یا اس کی کوئی مجبوری ہوگی۔"

کتنی ہی دیر بیٹھی اپنی ماں کی باتیں کرتی رہی...... دادی جان نے اس کو بالکل نہ روکا...... وہ خاموش بیٹھی سنتی رہیں اور واقعی سرینا کا دل ہلکا ہوگیا۔ اپنی ماں کے بارے میں پہلی بار وہ کسی سے اتنی تفصیل سے گفتگو کررہی تھی اور اس گفتگو نے اس کو واقعی ہلکا پھلکا کردیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد رانی کھانے کے لیے بلانے آگئی۔

"دادی جان میں آپ کے ساتھ کھانا کھاؤں گی۔"

"نہیں بیٹا...... میں نے تو ابھی ابھی سوپ پیا ہے...... میں اب سونے سے پہلے صرف دودھ کا گلاس لوں گی...... تم جاؤ سب کے ساتھ بیٹھو...... اس طرح سب سے واقف ہوجاؤ گی اور یہاں رہنے میں آسانی پیدا ہوگی۔ جاؤ شاباش۔"

"پھر آپ میرے آنے سے پہلے سوئیے گا نہیں۔ میں کھانا کھا کر آتی ہوں۔" وہ اٹھ گئی۔

باہر آئی تو شہریار مل گئے۔

"آئیے...... ڈائننگ روم میں چلتے ہیں۔" وہ ان کے ساتھ چلتے ہوئے اندر آئی تو سب اپنی اپنی جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔ انہیں دیکھ کر نازنین کے چہرے کا زاویہ بدل گیا۔ شہریار نے اس کے لیے ایک کرسی باہر کھینچی اور اس کے بیٹھنے کے بعد اپنی کرسی کی طرف چلے گئے۔ شہریار کے اس طرح کرنے سے نازنین نے غصے سے پہلو بدلا۔ سب کھانے میں مشغول ہوگئے سرینا نے اپنی پلیٹ میں تھوڑے سے چاول ڈالے اور خاموشی سے بیٹھ گئی۔

"اے لڑکی...... کھا کیوں نہیں رہیں۔" زرمینہ بیگم نے گھور کر اسے دیکھا...... سرینا نے خاموش نظروں سے ان کے چہرے کی طرف دیکھا اور دھیرے سے بولی۔

"میرا نام سرینا ہے۔"

"جو بھی ہے...... کھا کیوں نہیں رہیں؟"

"میں اصل میں بگھارے بینگنوں کا انتظار کررہی ہوں......" اس نے اس ڈونگے کی طرف دیکھا جو اس وقت شہریار کے تصرف میں تھا...... شہریار نے جلدی سے پلیٹ میں تھوڑا سا سالن ڈال کر ڈونگا اس کی طرف بڑھا دیا۔

"آپ کو بینگن پسند ہیں سرینا باجی......"

"کیوں تمہیں پسند نہیں۔"

"مجھے کوئی خاص اچھے نہیں لگتے۔ آپ کو پتا ہے زیادہ تر لوگوں کو بینگن پسند نہیں ہوتے۔"

"مجھے بہت پسند ہیں...... ماما کہتی تھیں کھانے کے معاملے میں میری پسند میرے پاپا پر گئی ہے۔" اس نے کنکھیوں سے اختیار بیگ کی پلیٹ کی طرف دیکھا...... انہوں نے بھی ٹھٹک کر اسے دیکھا...... اور پھر اپنی پلیٹ پہ ان کی نظر رک گئی۔

وہ خاموشی سے کھانا کھاتی رہی...... عرشی اور کاشی بہت باتیں کررہے تھے...... جبکہ نازنین کھانا کم کھا رہی تھی اور غصہ زیادہ کھا رہی تھی۔

❀ ❀ ❀

سب لاؤنج میں بیٹھے تھے جب وہ سیڑھیاں اتر کر نیچے آئی۔ اس نے زرد کاٹن کا شلوار سوٹ پہن رکھا تھا جس پہ زرد ہی دھاگے سے کڑھائی کی گئی تھی۔ دوپٹے کے پلو پہ

بھی زرد ریشمی دھاگے سے کڑھائی کی گئی تھی۔ یہ اس کی ماما کا سوٹ تھا' جو اسے بہت پسند تھا۔ ماما کہتی تھیں کہ یہ اس کے پاپا نے بڑے شوق سے ان کے لیے بنوایا تھا۔ اور ان سے کہتے تھے تم ان کپڑوں میں بالکل گلاب کی زرد کلی لگتی ہو۔ ماما نے اسی لیے یہ سوٹ بہت سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔

نیچے آئی تو جیسے ہی اختیار بیگ کی نظر اس پہ پڑی ان کے ہاتھ میں موجود بزنس میگزین چھوٹ کر ان کی گود میں آ گرا...... اور وہ ایک دم سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ ان کے چہرے پہ سایہ سا لہرا گیا...... انہوں نے بے قراری سے پہلو بدلا...... اور پھر غور سے اس کی طرف دیکھا...... وہی سوٹ تھا' اس سوٹ کو وہ کیسے بھول سکتے تھے۔ زندگی میں پہلی بار اتنی محبت سے انہوں نے کسی کے لیے کچھ بنوایا تھا۔ اپنے شوق سے...... اور سرینا کو دیکھ کر وہ کیوں یاد آئی تھی۔ کچھ تو تھا اس لڑکی میں...... شاید اس کے بالوں اور آنکھوں کی رنگت اس سے ملتی ہے...... یا پھر اس کی آنکھیں...... کچھ تو ہے جس کی وجہ سے ایک بھولی بسری یاد دل کے کونوں کھدروں سے جھانکنے لگی تھی۔

کاشی اپنے سامنے کتاب رکھے جز بز ہو رہا تھا۔

''کیا بات ہے کاشی...... کوئی مسئلہ ہے؟'' اس نے نرمی سے پوچھا تو اس نے ایک کتاب اس کے آگے کر دی۔

''مسئلہ کیا ہونا تھا باجی...... یہ حضرت میتھ میرے لیے ہمیشہ سے مسئلہ رہے ہیں...... آپ کو پتا ہے پاپا کیا کہتے ہیں...... پاپا کہتے ہیں میتھ کے معاملے میں تم نے اپنی ماں کا دماغ لیا ہے۔''

''اچھا...... تمہیں ایک انٹرسٹنگ بات بتاؤں......''

''کیا......؟'' وہ اشتیاق سے بولا۔

''میری ماما کہتی ہیں میں نے میتھس کے معاملے میں اپنے پاپا کا دماغ لیا ہے......'' وہ بہت پیارے انداز میں مسکرائی۔

''اور جناب میں میتھس میں تمہارا ہر مسئلہ حل کر سکتی ہوں۔ میں نے میتھس میں ماسٹرز کیا ہے۔''

''آپ تو چھپی رستم نکلیں...... آپ نے بتایا نہیں آپ ماسٹرز...... آپ تو چھوٹی سی لگتی ہیں۔''

''اتنی چھوٹی بھی نہیں ہوں۔ اگر انسان فیل نہ ہو تو بائیس تیئیس سال کی عمر میں ماسٹرز کر لیتا ہے۔'' سرینا نے اس کا مسئلہ منٹوں میں حل کر دیا۔ تو عرشی بھی بولی۔

''اس کا مطلب ہے میں بھی آپ سے مدد لے سکتی ہوں؟''

''کیوں نہیں ضرور......''

''باجی اگر پڑھائی ختم ہو گئی ہو تو ٹینس نہ ہو جائے۔''

''ایک شرط ہے......؟'' وہ مسکرائی۔

''فرمایئے۔''

''اگر میں جیت گئی تو میری ایک بات ماننی پڑے گی۔''

''وہ کیا......؟''

''یہ میں بعد میں بتاؤں گی۔''

''دس از ناٹ فیئر باجی...... چلو خیر جیت تو نہیں سکتیں آپ۔ میری ٹینس بہت اچھی ہے۔''

''ایوری باڈی......'' کاشی نے سب کو متوجہ کیا۔ ''سب باہر آ جائیں...... گریٹ چیمپنز کا میچ ہونے لگا ہے...... آپ سب آ کر میچ کی شان کو دوبالا کریں۔''

''میں تو نہیں جاؤں گی......'' نازنین نخوت سے بولی۔

''مجھے بھی معاف کریں...... میں اس وقت اپنا ناول ختم کرنا چاہوں گی۔'' زرمینہ بیگم بھی بے نیازی سے بولیں۔

''پاپا آپ تو آئیں گے نا......'' کاشی امید بھری نظروں سے انہیں دیکھ کر بولا۔

''کیوں نہیں......'' وہ فوراً اٹھے۔

نازنین کی آنکھوں میں غصے سے آگ بھڑکنے لگی تھی لیکن کاشی کی وجہ سے وہ انہیں روک نہ سکی۔

اور جہاں اختیار بیگ اس کی پھرتی اور مہارت دیکھ کر حیران ہوئے وہاں کاشی کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

اتنا اچھا کھیل سکتی ہیں۔"

"آپ تو مجھے چیمپئن لگ رہی ہیں۔" عرشی بھی متاثر لگ رہی تھی۔

"اور میچ ہار کر جب وہ اس کے ساتھ اندر آیا تو سرینا کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

"آپ نے کس سے سیکھا یہ سب سرینا باجی۔"

"میری ماما کہتی تھیں کہ میرے پاپا ٹینس کے چیمپئن تھے...... بہت اچھا کھیلتے تھے...... میں نے یہ ٹیلنٹ ان سے ہی لیا ہے...... اصل میں میں نے اپنی ساری عادتیں ان سے ہی لی ہیں۔"

"تو پھر تو آپ کے اتنے ٹیلنٹڈ پاپا سے ملاقات کرنی پڑے گی۔"

"ضرور کرواؤں گی...... بس کچھ دن انتظار کرو......"

"کہاں ہیں وہ آج کل۔"

"بس یہیں کہیں ہیں...... اسی دنیا میں۔" اس نے بے حد سنجیدگی سے کہا اور اٹھ گئی۔

"میں ابھی چینج کر کے آتی ہوں۔"

......☆☆☆......

اگلے دن صبح اس کے کالج جانے سے پہلے اسے جالیا۔

"تمہیں اپنی شرط یاد ہے نا......؟"

"جی فرمائیے کس چیز کی قربانی دینی پڑے گی......" اس نے مسکین سی شکل بنائی۔

"ایک عدد جاب دلوا دو اپنے پاپا کے آفس میں۔"

"جاب......؟ آپ کو جاب کی کیا ضرورت ہے؟" وہ حیران ہوا۔

"ہے نا...... مجھے اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے پیسے چاہئیں۔"

"لیکن......؟"

"لیکن ویکن کچھ نہیں بھائی...... تم نے وعدہ کیا تھا...... یوں بھی میں سارا دن فارغ کیا کروں......؟"

"ٹھیک ہے میں کہتا ہوں......" وہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔ "آپ نے مجھے بھائی کہا ہے...... اس لیے کوشش کروں گا...... ورنہ مجھے آپ کا جاب کرنا اچھا نہیں لگے گا۔"

"دیکھا...... یہ بات کہہ کر تم نے بھائی ہونے کا ثبوت دیا ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

شام کو وہ دادی جان کے کمرے میں ان کو اخبار پڑھ کر سنا رہی تھی کہ شہریار آ گئے۔ وہ انہیں دیکھ کر مسکرائی اور پھر پڑھنے میں مصروف ہو گئی...... شہریار تھوڑی دیر انتظار کرتے رہے تو اس نے اخبار ایک طرف رکھ دیا۔

"کیسے ہیں آپ؟"

"میں تو ٹھیک ہوں...... لیکن یہ آپ کو جاب کی کیا سوجھی سرینا......؟" انہوں نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

"اس میں برائی بھی کیا ہے؟ وقت آسانی سے گزر جائے گا...... اور تجربہ بھی حاصل ہو جائے گا۔" سرینا نے تھوڑا جھجک کر ان سے کہا تو مہر النساء بیگم نے بھی تشویش سے اس کو دیکھا۔

"بیٹا تمہیں یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہے...... اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو بلا جھجک کہو...... اگر رقم کی ضرورت ہو تو جو چاہیے مجھے کہو...... میں ہوں نا......"

"نہیں دادی جان یہ بات نہیں ہے......" اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"بس...... یہ مجھے ضروری کرنا ہے...... ہر قیمت پر...... آپ تو سمجھتے ہیں نا شہریار۔ پھر کیوں پوچھ رہے ہیں......؟" اس کی آنکھوں میں شکوہ تھا۔

"ٹھیک ہے سرینا...... آئم سوری...... تم صبح تیار رہنا...... میں آفس جاتے ہوئے تمہیں ڈراپ کر دیا کروں گا۔"

"لیکن ابھی کاشی نے بات نہیں کی ہوگی۔" وہ بولی۔

"میرے ہوتے ہوئے کاشی کو بات کرنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"صبح انکل کے ساتھ ہی نہیں جا سکتی میں...... روزانہ آپ کہاں تکلیف کریں گے......؟"

"انکل کے ساتھ جانے میں چچی جان اور نازنین کے ساتھ جنگ شروع ہوجائے گی اُس کا مقابلہ کیسے کروگی؟"

"وہ جنگ آپ کے ساتھ جانے سے زیادہ تباہ کن نہیں ہوگی..... کیا خیال ہے؟" وہ ذرا شرارت سے بولی۔

"میری فکر نہ کرو..... میں حالات سے مقابلہ کرلوں گا..... لیکن چند دن تک اگر تمہارے اوپر ان کی عنایات کی بارش نہ ہوتو اچھا ہے۔"

اس کی بات پر اس نے مسکرا کر گردن اثبات میں ہلا دی۔

❁.....❁.....❁

آفس نہایت شاندار تھا..... اور جب سرینا اندر داخل ہوئی تو کرسی کے پیچھے بیٹھے ہوئے اختیار بیگ کی شخصیت اس کو آفس سے بھی زیادہ شاندار محسوس ہوئی..... بلیک سوٹ میں دبلے پتلے لمبے قد کے ساتھ کھڑے..... کنپٹیوں پہ تھوڑے سفید بال ان کی وجاہت میں اضافہ کررہے تھے..... فون پہ بات کرتے ہوئے اسے دیکھ کر وہ چونکے..... وہ فائل ہاتھ میں تھامے ان کے قریب آگئی تو اس کے پرپل سوٹ کے ہائی نیک گلے کے اوپر والے بٹن کی جگہ لگے ہوئے بروچ پہ ان کی نظر جم کررہ گئی۔ ماضی کے کچھ خوابوں کی ٹوٹی ہوئی کرچیاں ان کی آنکھوں میں چبھی تھیں۔ لیکن وہ اس بروچ پر سے نظریں نہ ہٹاسکے۔ سر میں درد کی لہر ابھری تو انہوں نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

"انکل..... آپ ٹھیک تو ہیں.....؟" وہ بے قرار ہوئی۔ انہوں نے کوئی جواب نہ دیا تو وہ جلدی سے ایک گلاس میں پانی ڈال کرلائی۔

"انکل..... پلیز پانی پی لیں....." انہوں نے چونک کر سر اٹھایا..... اور ان کی نظریں پھر سے بروچ میں اٹک کررہ گئیں۔ وہ ایک ٹک اسے دیکھتے ہوئے ماضی میں پہنچ گئے۔

"ہیپی برتھ ڈے فارو....." انہوں نے بروچ اس کے سرخ کوٹ کے کالر پہ لگایا تو اس کی آنکھیں ستاروں کی طرح دمک اٹھیں۔

"کتنا خوب صورت..... کس قدر نفیس ہے یہ اختیار۔"

"نہ تو تم سے زیادہ خوب صورت ہے اور نہ ہی تم سے زیادہ نفیس....." انہوں نے اس کے گرد بازو پھیلائے تو وہ شرما گئی۔

"آپ سے باتوں میں تو کوئی جیت نہیں سکتا۔ ٹینس کی طرح آپ باتوں کے بھی چیمپئن ہیں۔"

"تمہیں پتا ہے ہمیں سب سے زیادہ خوشی کس چیز کے چیمپئن ہونے پہ ہے.....؟"

"نہیں..... آپ ہی بتادیجیے۔"

"ہم نے تمہیں جیت لیا ہے..... تمہاری محبت کو جیت لیا ہے..... ہم تمہارے اور تمہاری محبت کے چیمپئن ہیں اور یہ ہماری سب سے بڑی جیت ہے۔"

"میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ آپ سے باتوں میں کوئی نہیں جیت سکتا۔"

"انکل..... انکل..... آپ ٹھیک تو ہیں.....؟" سرینا نے نرمی سے ان کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ وہ چونک کر حال میں آگئے۔ اور اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ سے پانی کا گلاس لے کر منہ سے لگالیا اور ایک ہی سانس میں خالی کردیا۔

"میں ٹھیک ہوں بیٹا۔" انہوں نے خود کو سنبھالا۔

"یہ تین چار فائلیں ہیں ان کو ٹائپ کرکے لے آئیں۔ پھر میرے سائن ہوجائیں گے تو ان کو میل کردیں..... آج ہی۔"

"ٹھیک ہے انکل....." وہ خاموشی سے باہر نکل گئی۔

❁.....❁.....❁

رات کے بارہ بج گئے لیکن اختیار بیگ کی آنکھوں سے نیند کسی روٹھی ہوئی محبوبہ کی طرح غائب تھی۔ زرینہ کے سوجانے کے بعد وہ بیڈ سے اٹھے اور کھڑکی میں آ کر کھڑے ہوگئے۔ باہر چودھویں کا چاند پوری آب وتاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔ لان میں ہر چیز دودھ میں نہائی

ہوئی لگ رہی تھی۔ پھر وہ چونک گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ کوئی اتنی رات گئے چاندنی سے نہائے لان میں دھیرے دھیرے چہل قدمی کررہا تھا۔ اس کے چلنے کے انداز سے انہوں نے جان لیا کہ وہ سرینا تھی بنا کچھ سوچے سمجھے بے اختیار ہی ان کے قدم سیڑھیوں سے نیچے آ کر بیرونی دروازے کی طرف اٹھ گئے۔ وہ لان میں پہنچے تو وہ ایک آرائشی بینچ پر بیٹھ چکی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک واک مین تھا۔ اس نے اسے بینچ پہ رکھا اور پھر بٹن دبا دیا...... دھیمی دھیمی سی آواز ہوا کی لہروں کے ساتھ بہنے لگی...... اس نے جان بوجھ کر آواز آہستہ رکھی تھی تاکہ لوگ ڈسٹرب نہ ہوں لیکن رات کی خاموشی کی وجہ سے آواز ان کے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔

موتی ہو کہ شیشہ، جام کہ در
جو ٹوٹ گیا سو ٹوٹ گیا
کب اشکوں سے جڑ سکتا ہے
جو ٹوٹ گیا سو چھوٹ گیا
تم ناحق ٹکڑے چن چن کر
دامن میں چھپائے بیٹھے ہو
شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں
کیا آس لگائے بیٹھے ہو

اختیار بیگ کے ذہن میں جھماکا سا ہوا...... یہ تو وہی آواز تھی...... بالکل وہی...... جو کبھی انہوں نے بڑی وارفتگی سے سنی تھی...... جس کا مدھر لوچ اور سریلا پن ان کو مدہوش کردیا کرتا تھا۔ انہوں نے بڑے اصرار سے ایک کیسٹ پہ یہ نظم ریکارڈ کروائی تھی۔ پہلے تو وہ مانتی نہیں تھی...... لیکن جب اسے معلوم ہوا کہ یہ ان کے دل کی خواہش ہے تو وہ ان کے دل کی خواہش سے انکار کردیتی یہ تو ممکن ہی نہ تھا۔ لیکن یہ کیسٹ سرینا کے پاس کیسے آگئی...... سرینا کون ہے؟ کیا لگتی تھی اس کی...... کیا رشتہ تھا سرینا کا اس سے کیا وہ ان کی...... نہیں نہیں وہ ان کی بیٹی کیسے ہوسکتی ہے۔ اگر وہ بیٹی ہوتی تو فاروا اس سے کبھی نہ چھپاتی انہیں ضرور بتاتی۔

❁......❁......❁

بابا نے جب اختیار بیگ کو آفس جوائن کرنے کے لیے کہا تو وہ گھبرا گئے...... ابھی وہ آزادرہ کر کچھ وقت گزارنا چاہتے تھے...... ابھی سے اتنی بڑی ذمہ داری اٹھانے سے ان کا دل خوف کھاتا تھا...... جاب کرلیتے تو پھر امی ان کی شادی زرینہ سے کروا دیتیں اور زرینہ سے شادی......؟ اور وہ بھی اتنی جلدی...... اس زہر سے بھی زیادہ کڑوی لڑکی کا سوچ کر ہی ان کے جسم میں کڑواہٹ گھل گئی...... شادی تو ان کو زرینہ سے کرنی ہی تھی تو پھر جتنا زیادہ اسے ٹال سکتے تھے ٹال رہے تھے لیکن بابا نے اب الٹی میٹم دے دیا تھا کہ اگر انہوں نے اس سال جوائن نہ کیا تو وہ اپنا بندوبست کرلیں...... اور وہ انہیں خرچے کے نام پہ ایک آنہ بھی نہیں دیں گے...... تب بختیار بیگ جو بہت کامیابی سے فرم کو چلا رہے تھے آگے بڑھے اور سمجھایا۔

”دیکھو اختیار...... اس بار بابا نے تہیہ کرلیا ہے اس لیے تمہیں ماننا ہی ہے...... اور پھر آخر کب تک ٹالتے رہو گے تمہیں ایم بی اے کیے بھی دو سال گزر گئے ہیں آخر کو آفس جوائن کرنا ہے...... کل کرنا ہے تو آج ہی کرلو۔“

”اور پھر زرینہ سے شادی کرنی پڑے گی اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں آپ......؟“

”وہ بھی آج نہیں تو کل کرنی پڑے گی...... شادی کے بعد سب ٹھیک ہوجائے گا...... دیکھو میں بھی کتنا خوش ہوں تمہاری بھابی اور شہریار کے ساتھ......“

”بھابی سے مت ملائیں اس زہر کی پڑیا کو......“ انہوں نے برا سا منہ بنایا تو بختیار بیگ نے قہقہہ لگایا۔

پھر بابا کے سامنے انہوں نے آفس جوائن کرنے کی یہ شرط رکھی کہ انہیں صرف دو ماہ دیئے جائیں، وہ دو ماہ کشمیر کی حسین وادیوں میں گزار کر اپنے دماغ کو تروتازہ کرکے پھر آفس جوائن کریں گے۔

کشمیر آکر ان کی روح کو سکون آگیا۔ وہ اکیلے ہی آئے تھے...... بختیار بیگ نے بہت کہا کہ کسی دوست کو ساتھ لے جاؤ لیکن اختیار کا یہ نظریہ تھا کہ اگر قدرتی

نظاروں کی سیر کے لیے جاؤ تو اکیلے جاؤ تاکہ حسن کی فراوانی میں مدہوش ہوسکو...... ایسے میں کسی کی بات یا کسی کی رائے نہ سنائی دے۔

ایسے ہی ایک خوب صورت دن پہاڑی کی ایک ڈھلان پہ وسیع وعریض سبزہ زار کو دیکھ کران کا من مچل اٹھا اور وہ سرور میں آ کراس بھاگتے چلے گئے...... ہوا چہرے سے ٹکرارہی تھی تو ان کو بہت بھلا لگ رہا تھا...... بھاگتے بھاگتے تھک کرایک جگہ رک کے تو تھک گئے...... انہوں نے بھاگ کرتقریباً تمام فاصلہ طے کرلیا تھا اور وہ اب دوسرے سرے پہ تھے اور وہاں ایک بڑے سے پتھر پہ دونوں بازوؤں میں سر دیئے وہ زاروقطار رورہی تھی...... اس نے سفید ریشم کا لباس پہن رکھا تھا...... اس کے لائٹ براؤن بال ہوا میں اڑ رہے تھے۔

وہ چند لمحے کھڑے دیکھتے رہے اور پھر اس کے قریب آ گئے...... اسی وقت روتے روتے اس نے سر اٹھایا۔ اس کی لائٹ براؤن بادامی آنکھیں آنسوؤں سے تر تھیں۔

"کیا بات ہے خاتون......؟" وہ بہت نرمی سے بولے۔ "کوئی مسئلہ ہے کیا؟"

اس نے گھبرا کران کی طرف دیکھا اور پھر حیران ہوگئی۔

"آپ کیسے ایک دم سے یہاں آ گئے؟ ابھی تو میں نے دیکھا تھا یہاں کوئی نہیں تھا؟"

"تو آپ نے ادھر ادھر دیکھ کر رونے کا پروگرام بنایا تھا۔ آئم سوری میں نے آپ کا پروگرام خراب کردیا۔" وہ شرارت سے بولے تو وہ خفت سے مسکرائی۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے...... میں رو تو نہیں رہی تھی...... آنکھوں میں شاید کوئی تنکا......"

ابھی اس نے بات پوری نہیں کی تھی کہ اختیار کا فلک شگاف قہقہہ سن کر رک گئی...... اور ششدر رہ گئی۔

"آپ مجھ پر ہنس رہے ہیں......؟" وہ برا مان گئی۔

"نہیں تو...... مجھے تو کسی نے لطیفہ سنایا تھا اس لیے ہنس رہا ہوں......" وہ مسکراہٹ دبا کر بولے تو اس نے گھبرا کران کی طرف دیکھا۔

"آپ جھوٹ بھی بول لیتے ہیں......؟"

"جب آپ جھوٹ بول سکتی ہیں تو مجھ پہ کیا پابندی ہے؟" انہوں نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا تو وہ چپ سی ہوگئی...... ایک لمحے کے لیے اس کی آنکھوں میں درد کی کیفیت آئی اور چلی گئی...... وہ سنجیدہ ہوگئی۔

اختیار اس کے قریب دوسرے بڑے پتھر پہ بیٹھ گئے۔

"بعض اوقات کسی سے اپنا مسئلہ شیئر کرلیں تو دل کا بوجھ ہلکا ہوجاتا ہے۔"

لڑکی نے سر جھکالیا۔ آنسوؤں کے چند قطرے اس کے گالوں پہ ڈھلکے۔

"اور مجھے مسئلہ بتانے میں ایک اور فائدہ بھی ہے۔"

"وہ کیا......؟" اس نے سادگی سے کہا۔

"میں اس شہر میں اجنبی ہوں...... یہاں سے چلا ہی جاؤں گا۔ آپ کو ڈر بھی نہیں رہے گا کہ میں آپ کا راز کسی کو بتا نہ دوں......"

"آپ ٹورسٹ ہیں......"

"ہاں...... پھر کیا خیال ہے؟"

"میرا ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے...... جو میں اجنبی لوگوں کو بتاتی پھروں......" وہ اٹھ کر چل دی تو وہ خاموشی سے وہیں بیٹھے دیکھتے رہے۔ کوئی بات تھی اس لڑکی کے چہرے پہ کہ وہ اسے اپنے تصور سے ہٹا نہیں پائے تھے۔ باقی کی ساری شام اس کا چہرہ اور آنسوؤں سے لبریز آنکھیں ان کے تصور میں آ کر ہلچل مچاتی رہیں۔ رات کو خواب میں کتنی بار اسے دیکھا...... صبح اٹھے تو بے چین ہوگئے۔ یہ کیا بات تھی' چند لمحوں کی ملاقات تھی اور ایسا نشان چھوڑ گئی تھی کہ بھلائے نہیں بھول رہی تھی۔ کسی کام میں جی نہیں لگ رہا تھا۔

اس دن وہ دعائیں کرتے رہے کہ اس سے پھر ملاقات ہوجائے...... شام کو وہ اسی بے قراری میں جھیل کے کنارے ٹہل رہے تھے کہ درخت کے پیچھے سے ایک جوڑے کے جھگڑے کی آوازیں آنے لگیں۔

"میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں اعتزاز کہ میں تمہارا یہ مطالبہ اپنی ماں تک نہیں پہنچا سکتی' اگر وہ اپنا گھر تمہارے نام کردیں گی تو خود کہاں جائیں گی' اور اتنی مہنگی موٹر سائیکل کے لیے وہ کسی سے قرض لینا پسند نہیں کریں گی۔ ان کے کچھ اصول ہیں۔"

"وہ ہمارے ساتھ رہ سکتی ہیں...... اور گھر میرے نام کردیں' تو میں موٹر سائیکل کے مطالبے سے دستبردار ہوجاؤں گا...... لوگ تو دامادوں کے لیے اتنا کچھ کرتے ہیں؟"

"نہیں اعتزاز...... وہ گھر بابا کی نشانی ہے امی اسے کبھی کسی اور کے نام نہیں کریں گی اور وہ گھر چھوڑ کر بیٹی اور داماد کے گھر رہنے میں بے عزتی محسوس کریں گی۔"

"افوہ...... تم اور تمہاری ماں کے یہ نام نہاد فضول نظریات...... آج کل بیٹی اور بیٹے میں کیا فرق ہے...... بیٹی کے ساتھ رہنے میں آخر کیا حرج ہے......؟"

"بات یہ نہیں اعتزاز کہ بیٹی کے ساتھ رہنے میں حرج ہے یا نہیں...... بات یہ ہے کہ تمہیں اپنی قوت بازو پہ بھروسہ نہیں ہے...... تم محنت کرکے اپنے اور میرے لیے گھر کیوں نہیں بناسکتے...... تم موٹر سائیکل کا مطالبہ کرکے میری توہین کررہے ہو...... مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے تم مکان اور موٹر سائیکل کی صورت میں میری قیمت لگارہے ہو۔"

"تو تم انکار کررہی ہو......؟"

"ہم لوگ اتنی استطاعت نہیں رکھتے...... اور یوں بھی مجھے یہ بات بالکل پسند نہیں ہے' جو لوگ دوسروں کی طرف دیکھتے ہیں نا اپنی ضروریات کے لیے...... وہ اچھے انسان نہیں ہوتے...... مجھے ایسا شوہر چاہیے جو میری ماں سے کہے کہ اسے جہیز کے نام پہ کچھ بھی نہیں چاہیے' صرف آپ کی بیٹی چاہیے...... اور تم......" وہ خاموش ہوگئی۔

"تو تم انکار کررہی ہو......؟" اس کا لہجہ زہریلا تھا۔

"پلیز اعتزاز......" وہ لجاجت سے بولی۔

"ہاں یا نہ......" وہ گرجا۔

لڑکی ہچکیوں سے رو رہی تھی۔

"یہ آنسو بہانا بند کرو اور ہاں یا نہ میں جواب دو...... تم میری بات مان رہی ہو یا نہیں......؟"

لڑکی روتے روتے چپ ہوگئی اور سنجیدگی سے بولی۔

"نہیں اعتزاز میں تمہاری یہ بات نہیں مان سکتی۔"

"چاہے میں شادی سے انکار کردوں......؟"

"ہاں چاہے تم شادی سے انکار کردو......" وہ اٹل لہجے میں بولی...... اور اعتزاز غصے میں پاؤں پٹختا ہوا مڑا اور مڑ کر بولا۔

"تو میں شادی سے انکار کرتا ہوں...... میرا انتظار نہیں کرنا......" وہ غصے میں چلتا ہوا اسی طرف مڑ گیا جدھر اختیار کھڑے تھے۔ اختیار نے گزرتے ہوئے قریب سے اس کی شکل دیکھی...... جانے وہ کب تک ادھر ہی دیکھتے رہتے کہ ہچکیوں سے اس کے رونے کی آواز آئی تو وہ جلدی سے آگے بڑھے...... درخت کے اس طرف بنچ پہ بیٹھی وہ اپنے دل کا درد آنسوؤں میں بہارہی تھی کہ اس کے جھٹکے کھاتے جسم کو دیکھ کر اختیار کے دل کو چوٹ سی لگی۔ ان کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس ٹوٹے دل والی غم زدہ لڑکی کو اپنے بازوؤں میں چھپا کر اس کا سارا درد لے لیں اور اس کے بدلے زندگی کی ساری خوشیاں اسے سونپ دیں کہ آج کے بعد اس کی آنکھوں میں کبھی آنسو نہ آئیں۔

کافی دیر تک اختیار نے اس کے چپ ہونے کا انتظار کیا اور جب اس کی ہچکیوں میں ذرا کمی آئی تو بے حد نرم آواز میں بولے۔

"اتنا اچھا اور بہادری کا فیصلہ کرنے کے بعد اتنی اچھی لڑکی کو اس طرح رونا نہیں چاہیے۔"

اس نے چونک کر سر اٹھایا...... اور پھر زہریلے لہجے میں بولی۔ "اگر یہ اتنا ہی اچھا فیصلہ ہے تو میرے دل کو اتنی تکلیف کیوں ہورہی ہے......"

"تو یہ کس نے کہا ہے کہ سیدھے راستے پہ چلنا آسان ہوتا ہے...... سچائی اور اخلاقیات کا راستہ تو ہمیشہ کانٹوں سے پر ہوتا ہے۔"

"میں نے اس راہ پہ چل کر سب کچھ کھو دیا ہے۔"

"اس وقت آپ کا دل دکھا ہوا ہے...... اس لیے آپ کو یوں محسوس ہو رہا ہے...... اس میں کوئی مصلحت ضرور ہوگی۔ خدا کے ہر کام میں کوئی مصلحت ہوتی ہے۔"

"میں اس وقت کوئی نصیحت نہیں سننا چاہتی...... نفرت ہے مجھے نصیحتوں سے۔ حقیقت کی دنیا میں ان کی کوئی جگہ نہیں ہے...... اور نہ ہی ان سے کبھی خوشی ملتی ہے خود کو......"

"اگر آپ اتنی ہی ناخوش ہیں تو آپ مان لیتیں اس کی بات......"

"مان لیتی......" وہ حیرت سے انہیں دیکھ رہی تھی

"کیسے مان لیتی...... یہ بالکل میرے نظریات کے خلاف ہے۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔"

"تو پھر اپنے اصولوں کے مطابق فیصلہ کر کے آپ کو اتنا افسوس کیوں ہو رہا ہے؟"

"افسوس اس لیے ہو رہا ہے کہ اگر وہ اس روز بارات لے کر ہمارے گھر نہ آیا تو میری ماں کی کتنی بے عزتی ہوگی۔ اور ہمارے سب جاننے والے کیا کیا باتیں نہیں بنائیں گے......؟" وہ زہر بھرے لہجے میں بولی۔

اوہ...... اختیار کے سینے سے سکون بھری ایک سانس خارج ہوئی۔

"میں تو سمجھ رہا تھا کہ آپ اس کی محبت کی وجہ سے اتنی غم زدہ ہو رہی ہیں، تو آپ اپنی ماں کو بتا دیں......"

"کیسے بتا دوں......؟ میں یہ بات کیسے کہہ سکتی ہوں ماما سے......؟" اس کی نظریں جھک گئیں۔ "انہیں تکلیف ہوگی۔"

"یہ بات بھی ٹھیک ہے۔ کب ہے شادی؟"

"اگلے ہفتے...... پورے سات دن بعد......"

"سات دن بعد......" وہ حیران ہوئے۔ "صرف ایک ہفتہ یہ تو سراسر بلیک میلنگ ہے۔"

فارینہ کی نظریں جھک گئیں۔ اور چہرہ سرخ ہو گیا۔

"اصل میں یہ بات نہیں ہے۔"

"تو پھر......؟"

"اپنے دوستوں میں شیخی بگھارنے کے لیے...... وہ بتانا چاہتا ہے کہ لڑکی اور اس کے گھر والے دونوں اس کی مٹھی میں ہیں۔"

"لاحول ولاقوۃ...... پھر تو وہ انسان آپ جیسی لڑکی کے قابل ہی نہیں ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن ماما کا کیا ہوگا......" وہ بے حد پریشان تھی۔ ان کا دل چاہا اسی وقت کہہ دیں۔

"تم بالکل فکر نہ کرو...... میں کروں گا تم سے شادی...... اور یہ میری خوش قسمتی ہوگی......" لیکن جانے کیوں نہ کہہ سکے۔

اگلے چھ دن انہوں نے دن رات سوچتے میں گزارے...... محبت کا شکار تو وہ ہو ہی گئے تھے اور اس کے بغیر جینے کا تصور کرنا بھی محال لگ رہا تھا...... لیکن وہاں ماما اور بابا نے جوان کا رشتہ زرینہ سے طے کر رکھا تھا اس کا کیا ہوگا؟

ایک دن رہ گیا تھا...... وہ پریشان حال اسی جھیل کے کنارے نکل آئے...... تو انہوں نے دیکھا وہ وہاں بے قراری سے ٹہل رہی تھی...... آنسو تواتر سے گالوں پہ بہہ رہے تھے...... انہوں نے جلدی سے آگے بڑھ کر اس کو کندھوں سے تھام لیا اور جو فیصلہ وہ پچھلے چھ روز میں نہیں کر سکے تھے وہ اسی لمحے ہو گیا۔

"مجھے اپنے گھر لے چلو فارینہ...... میں تمہاری ماما سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"کیوں......؟"

"میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں...... اور میں یہ تم پہ ترس کھا کر نہیں کہہ رہا...... بلکہ میں تم سے محبت کرتا ہوں...... اور میں خوش قسمت ہوں کہ اعتزاز نے تم سے ایسا مطالبہ کیا...... ورنہ تمہاری شادی مجھ سے کیسے ہوتی......؟"

وہ ششدر ہو کر اسے دیکھتی رہ گئی...... آنسو وہیں تھم گئے۔

"لیکن میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں...... کہ ہماری زندگی بھی آسان نہیں ہوگی...... ماما اور بابا نے میری شادی اپنی بھانجی زرینہ سے طے کی ہوئی ہے...... ہوسکتا ہے وہ میری شادی کو قبول نہ کریں...... ہوسکتا ہے وہ گھر میں تمہیں جگہ نہ دیں۔ ہوسکتا ہے میں ان کو منالوں...... لیکن میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا...... آپ اگر ہماری عزت بچالیں گے تو میں اس کے لیے قربانی دینے سے دریغ نہیں کروں گی' آپ کی ماما اگر چاہیں تو آپ زرینہ سے شادی کرلیں...... مجھے وہ بھی قبول ہے۔"

پھر وہ اس کی ماما سے ملے اور انہیں ساری صورت حال بتائی اور اپنی درخواست پیش کی تو اس کی ماما حیران ہوگئیں اور پھر وہ ان کا شکریہ ادا کرتے نہیں تھک رہی تھیں کہ وہ ان کی عزت کی حفاظت کررہا تھا۔ اس طرح فارینہ اختیار کی دلہن بن گئی...... شادی کی رات انہوں نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر کہا۔

"میں دنیا کا خوش قسمت ترین انسان ہوں جس کو ایسی لڑکی ملی جو اپنی عزت نفس کی حفاظت کرنا جانتی ہے اور اس کی خاطر اپنی قیمتی چیز بھی قربان کرنے کو تیار ہوتی ہے۔ مجھے تمہارے اصولوں پہ ناز ہے...... میں سوچتا ہوں کہ اعتزاز کتنا بدقسمت ہے کہ تم جیسا ہیرا اس کے دامن کی زینت بننے والا تھا اور اس نے اس کی قدر کرنے کی بجائے اسے کسی اور کے دامن میں پھینک دیا...... میں بہت خوش قسمت ہوں...... اور سب سے بڑھ کر مجھے تم سے بہت محبت ہے۔"

وہ تو فارینہ سے محبت کرتے تھے لیکن فارینہ نے اسی دن سے ان کی پوجا شروع کردی تھی...... ان کے دن اور رات اتنی تیزی سے خوشیوں کی برسات میں گزر رہے تھے کہ وقت گزرنے کا پتا نہ چل رہا تھا۔ اس روز اختیار کو پتا چلا کہ اس کی سالگرہ ہے تو وہ اسے وہیں چھوڑ کر مارکیٹ گئے اور خوب صورت بروچ خرید کرلائے۔

"ہیپی برتھ ڈے فارو۔" انہوں نے بروچ اس کے سرخ کوٹ کے کالر میں لگایا تو اس کی آنکھیں ستاروں کی طرح دمک اٹھیں۔

"کتنا خوب صورت ہے اور کس قدر نفیس بھی۔"

"نہ تو تم سے زیادہ خوب صورت ہے اور نہ ہی تم سے زیادہ نفیس......" انہوں نے اس کے گرد پیار سے بازو لپیٹے تو وہ شرما گئی۔

"آپ سے باتوں میں تو کوئی جیت نہیں سکتا...... ٹینس کی طرح آپ باتوں کے بھی چمپئن ہیں۔"

"تمہیں پتا ہے ہمیں سب سے زیادہ خوشی کس چیز کے چمپئن ہونے کی ہے؟"

"نہیں آپ ہی بتادیجیے۔" وہ بڑے ناز سے مسکرائی۔

"ہم نے تمہیں جیت لیا ہے' تمہاری محبت کو جیت لیا ہے' ہم تمہارے چمپئن ہیں۔" انہوں نے بڑے پیار سے کہا تو فارینہ کی آنکھیں اتنی محبت پر مغرور ہوگئیں۔

"میں نے کہا تھا کہ باتوں میں آپ سے کوئی نہیں جیت سکتا......" وہ بڑے ناز سے مسکرائی اور پھر اختیار کی طرف دیکھا۔

"آپ واپس لاہور کب جارہے ہیں......؟"

"تم ہمیں واپس بھیجنا چاہتی ہو اتنی جلدی......؟"

"کیسی باتیں کرتے ہیں۔" اس نے ان کے منہ پہ ہاتھ رکھ دیا۔ "میرا بس چلے تو ایک منٹ کے لیے آپ کو آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دوں۔"

"تو پھر کیوں بھیج رہی ہو؟"

"میں چاہتی تھی آپ واپس جاکر اپنی ماما سے اپنی شادی کا ذکر کریں...... اور پھر شاید میں اپنے گھر جاسکوں......" اس کی آنکھوں میں امید اور ناامیدی کی ملی جلی کیفیت دیکھ کر اختیار کے دل کو کچھ ہوا انہوں نے بے اختیار اسے سینے سے لگالیا۔

"تم فکر کیوں کرتی ہو میری جان...... تم وہاں ضرور جاؤ گی...... ماما تمہیں ریجیکٹ کرہی نہیں سکتیں۔ تم اتنی پیاری ہو...... ان کے بیٹے سے محبت کرتی ہو...... ان کا بیٹا تم سے محبت کرتا ہے...... پھر وہ تمہیں کیسے ریجیکٹ

کرسکتی ہیں؟"

"پھر بھی...... میرے دل پہ بوجھ سا ہے...... کہ میں نے آپ کو ان کی بھانجی سے چھین لیا ہے۔"

"تم نے نہیں چھینا مجھے...... میں تو خود ہی مقناطیس کی طرح کھنچتا چلا آیا ہوں تمہاری طرف...... تمہیں پتا ہے پہلے دن جب میں نے تمہیں دیکھا تو ساری رات خواب میں تمہیں ہی دیکھتا رہا...... پھر اگلی صبح سارا دن تمہیں ڈھونڈتا رہا۔ خدا کو ہمارا ملنا منظور تھا اسی لیے تو اس نے مجھے کشمیر بھیجا...... اسی لیے اعتزاز کو تم سے دور کیا' اسی لیے تمہارا اتنا اچھا روپ میرے سامنے لایا کہ مجھے محبت ہوگئی تم سے۔"

"لیکن اگر آپ کی ماما نے آپ کو مجبور کیا کہ زرینہ سے شادی ضرور کرنی ہے تو پلیز انکار مت کیجیے گا...... میرے لیے اتنا ہی کافی ہے جتنا مجھے مل گیا...... میں نے آپ کو پالیا یہی بہت ہے...... زرینہ کو بھی حق ہے آپ کو پانے کا۔ صرف اس وجہ سے کہ میں غیر ارادی طور پہ آپ کے رستے میں آگئی ہوں...... اسے ساری عمر نارسائی کا دکھ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔"

اور اختیار اس کو دیکھ کر رہ گئے۔ کوئی عورت ایسا نہیں چاہ سکتی۔ کوئی عورت دوسری عورت کا دکھ جھیلنے کو خود سے تیار نہیں ہوتی۔

"امیزنگ......" وہ اسے دیکھ کر مسکرائے۔ "تم واقعی اس زمین کی مخلوق نہیں ہو۔"

"اب زیادہ تعریفیں کر کے میرا دماغ ساتویں آسمان پہ مت پہنچائیں...... پھر کب جارہے ہیں لاہور؟"

"دیکھو میری جان...... ابھی دو ماہ کے لیے تو میں اجازت لے کر آیا ہوں...... دو ماہ تو ہمیں کسی بھی خطرے کے خوف سے اپنی خوشی برباد کرنے کا حق نہیں ہے...... دو ماہ گزر جائیں پھر سوچوں گا جانے کے بارے میں...... اور پھر پروگرام بنائیں گے کہ کیسے ہینڈل کیا جائے ماما اور بابا جان کو...... اور ان دو ماہ میں ہم آپ کو مزید مغرور بنائیں گے' آپ کے اتنے زیادہ ناز اٹھائیں گے کہ ہمارے بغیر آپ کو سانس لینا بھی مشکل ہو جائے...... اور ہمارے جانے کے بعد آپ ہمارے نام کی مالا جپتی رہیں۔"

"بہت برے ہیں آپ...... اچھا یہ بتائیں دوپہر کو کیا کھائیں گے......؟"

"مجھے قیمہ اور کچنار بہت پسند ہے...... اگر تمہیں بنانا آتا ہے تو......"

"جناب مجھے سب کچھ آتا ہے بنانا...... آپ نام لیں ہم حاضر کریں گے......" وہ جاتے جاتے بولی اور وہ اسے پیار سے دیکھتے رہ گئے...... تھوڑی دیر بعد بور ہو کر اس کے پیچھے ہی کچن میں آگئے...... لیکن دروازے پہ ہی ٹھٹک کر رک گئے۔ وہ کام کرتے کرتے ہر چیز سے بے خبر گا رہی تھی۔

موتی ہو کہ شیشہ جام کہ در
جو ٹوٹ گیا سو ٹوٹ گیا......
کب اشکوں سے جڑ سکتا ہے
جو ٹوٹ گیا سو چھوٹ گیا
تم ناحق ٹکڑے چن چن کر
دامن میں چھپائے بیٹھے ہو
شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں
کیا آس لگائے بیٹھے ہو

اتنی خوب صورت آواز تھی اس کی...... سریلی...... مدھر اور لوچ دار...... وہ کھوئے کھوئے وہیں کھڑے رہے...... نظم ختم کر کے وہ کام کرتے کرتے مڑی تو ان کو دیکھ کر مسکرا دی۔

"اور کیا کیا راز رکھا ہوا ہے ہم سے......؟ اتنی اچھی اچھی خوبیاں...... اتنی پیاری عادتیں' آج ہی کھل کر سامنے آجاؤ۔"

"آپ نے سنا نہیں وہ جو کہاوت ہے اس کے بارے میں......" وہ شوخی سے بولی۔

"کون سی کہاوت؟"

"کہ مرد دریافت کا پرندہ ہے' اس کے سامنے ایک ایک کر کے پرت کھولو تو اس کی دلچسپی اور محبت قائم رہتی ہے

......ورنہ وہ کسی اور طرف دیکھنے لگتا ہے۔"

"ہوں......" انہوں نے مسکرا کر اسے دیکھا۔"تو یہ خیالات ہیں تمہارے میرے بارے میں......؟"

"میں آپ کی بات کب کررہی ہوں؟" وہ مزید شوخ ہوگئی۔

"کیوں میں مرد نہیں ہوں؟"

"آپ تو میرے سرتاج ہیں...... میرے مجازی خدا ہیں...... آپ دوسرے مردوں کی طرح تھوڑی ہیں......؟" وہ کھنکتی آواز کے ساتھ ان کے ساتھ جا لگی...... اختیار نے بازو اس کے گرد حمائل کردیے۔

"اتنا مان ہے مجھ پہ......؟"

"خود سے بھی زیادہ...... آپ تو میرے ٹوٹے ہوئے دل کے شیشے کے لیے مسیحا بن کر آئے ہیں...... لیکن اگر آپ کے ہاتھوں یہ شیشہ ٹوٹا تو پھر کبھی نہیں جڑے گا...... ہوسکتا ہے میں پھر بھی زندہ رہوں...... لیکن میری روح مرجائے گی۔"

وہ رو رہی تھی...... اور وہ اس کو چپ کرانے کی ہمت نہ کرسکے۔

"میں اگر تمہارا مسیحا ہوں تو میں یہ دل توڑنے کی ہمت کیسے کرسکتا ہوں...... میں تمہیں توڑنے سے پہلے خود ٹوٹ جاؤں گا...... مجھ پہ اعتبار ہے نا تمہیں...... اس لیے یوں دل توڑنے والی باتیں کیوں کرتی ہو......؟"

وہ روتے روتے ہنس پڑی۔

"ایسے ہی کبھی کبھی دل ڈرنے لگتا ہے...... اتنی بڑی خوشی ملی ہے کہ سنبھالے نہیں سنبھل رہی...... مجھے معاف کردیں۔"

"تم نے وہ کہاوت نہیں سنی جن سے پیار کیا جاتا ہے ان سے معافی نہیں مانگی جاتی۔"

"آئم سوری......" وہ بے اختیار کہہ اٹھی تو وہ ہنسنے لگے۔

"انگریزی میں بھی نہیں......"

"چلیے آپ اندر تھوڑی دیر میں کھانا پک جائے گا تو وہیں لے آؤں گی۔"

"نہیں میں بھی یہیں بیٹھوں گا۔"

"اندر جائیں نا...... ماما کیا کہیں گی......؟"

"کیا کہیں گی...... ارے بابا ہمارا ہنی مون ہے یہ اس عرصے میں میاں بیوی کو کچھ نہیں کہا جاتا۔"

"آپ نہیں سمجھیں گے......" وہ بے اختیار مسکرائی۔

❀......❀......❀

اس روز وہ کشتی میں سیر کے لیے گئے تو وہ بہت اداس ہورہی تھی...... خوشیوں بھرے سات دن میں دو ماہ گزرنے کا پتا بھی نہ چلا تھا اور اختیار کے جانے کے دن قریب آرہے تھے۔

"آپ لاہور جا کر مجھے یاد کریں گے نا......؟"

"ہرگز نہیں"

"کیوں......؟" وہ شاکڈ تھی۔

"تمہیں بھولوں گا تو یاد کروں گا نا...... تم بتاؤ تم کتنا یاد کروگی مجھے......؟"

"جتنی بار سانس لوں گی...... ہر سانس کے ساتھ آپ کو یاد کروں گی۔" اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔

"اگر تم روئیں تو میں ناراض ہوجاؤں گا......" انہوں نے دھمکی دی۔

اس نے خاموشی سے آنکھیں پونچھ لیں...... اور پھر چپ بیٹھی رہی۔

اگلے دن انہیں واپس جانا تھا...... وہ صبح ہی گھر سے نکلے کہ میں مارکیٹ جارہا ہوں...... تمہارے لیے ایک سرپرائز لینے کے لیے...... ماما بھی خالہ زہرہ کے گھر ان کی مزاج پرسی کے لیے گئی ہوئی تھیں کہ دروازے پہ دستک ہوئی...... اس نے کھولا تو سامنے ہی اعتزاز کھڑا تھا...... اس نے نفرت سے دروازہ بند کرنا چاہا تو اس نے زور لگا کر کھولا اور اندر آگیا۔ سر سے پاؤں تک معنی خیز نظروں سے اسے دیکھا۔

"ہوں...... تو یہ ٹھاٹ ہیں......" کہتا ہوا اندر کی جانب چل دیا...... وہ گھبرا کر اس کے پیچھے لپکی۔

"اعتزاز کہاں جارہے ہو...... تمہیں جرأت کیسے ہوئی یہاں آنے کی......؟"

لیکن وہ تیز قدموں سے چلتے ہوئے اس کے کمرے کی طرف بڑھا۔

"اعتزاز ادھر کیوں جارہے ہو...... کیا چاہیے تمہیں......؟"

وہ کمرے کے عین وسط میں کھڑا کینہ توز نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"میرے ساتھ کہیں جاتے ہوئے تمہیں شریعت یاد آجاتی تھی...... اور اس اجنبی کے ساتھ تو خوب گھومے اڑا رہی ہو...... اس وقت تمہیں خیال نہیں آرہا مذہب کا؟"

"کچھ خدا کا خوف کرو اعتزاز...... میں نے شادی کی ہے اس سے۔"

"شادی کی ہے......؟" اس نے اس کا بازو پکڑ کر کھینچا...... بے شمار چوڑیاں ٹوٹ کر بستر پر جا گریں۔

"تم اس کو شادی کہتی ہو......" اس نے اس کے بالوں سے پونی کھینچ کر اس کے بال بکھیر دیے اور دھکا دے کر اسے بیڈ پر گرا دیا۔

"یہ چار دن کی چاندنی شادی نہیں کہلاتی میری جان...... دیکھ لینا کل کو رفو چکر ہوجائے گا اور پھر شکل نہیں دکھائے گا...... میری بات مان لیتیں تو عیش کرتیں ساری عمر عیش۔"

فارینہ نے ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پہ دے مارا...... وہ غصے سے بے قابو اسے کندھوں سے پکڑ کر جھنجوڑ ڈالنا چاہتا تھا کہ باہر سے زوردار کھٹکے کی آواز آئی وہ اسے چھوڑ کر باہر بھاگ آیا۔ اتنے میں فارینہ نے ایک موٹی سی لکڑی پکڑ لی...... باہر ایک بلی کے کودنے سے لکڑی کا ایک تختہ نیچے گرا تھا۔

"اگر تم میرے قریب آئے تو میں سر پھاڑ دوں گی تمہارا......؟" اس نے لکڑی اس کے آگے کر کے اسے دھمکایا۔

"تم سمجھتی ہو تم بچ جاؤ گی مجھ سے...... وہ کم بخت چلا جائے گا تو پکڑ لاؤں گا...... میں نے بڑی مدت سے نظر رکھی ہوئی ہے تم پہ......" اور اعتزاز اپنا شکار ہاتھ سے کہیں نہیں جانے دیتا...... کبھی نہیں۔"

وہ غصے سے کہتا دروازے کی طرف بڑھا...... اور وہ اپنی پھولی سانسیں درست کرنے کے لیے کچھ دیر وہیں صحن میں کھڑی رہی۔

❁......❁......❁

اختیار جیپ میں فارینہ کے لیے تحفے ڈالے خوش خوش گلی کے موڑ تک پہنچے تو انہوں نے گھر سے اعتزاز کو نکلتے دیکھا۔ ان کا خون کھول گیا...... انہوں نے اسے کندھوں سے پکڑ کر روک لیا۔

"تم کیوں گئے تھے اندر......؟ تمہیں جرأت کیسے ہوئی......؟" ان کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔

"کیوں...... وہ تمہاری پراپرٹی ہے کیا......؟ اور یہ کوئی پہلی بار تو نہیں جو میں اندر گیا ہوں......" اس کے چہرے پر بڑی خبیث ہنسی تھی۔ اختیار کا زوردار تھپڑ اس کے چہرے پہ پڑا۔

"میری بیوی ہے وہ اور میں نے شادی کی ہے اس سے...... پراپرٹی کا لفظ تم جیسے حیوان استعمال کرتے ہیں۔"

"ارے بڑی دیکھی ہیں ایسی شادیاں...... تم جیسے ہزاروں نوجوان آتے ہیں یہاں اور شادیاں کر کے چھوڑ کر چلے جاتے ہیں...... اور پھر لڑکیوں کے لیے یہی راستہ رہ جاتا ہے......" اختیار نے بے قابو ہو کر پھر ایک تھپڑ اس کے منہ پہ رسید کیا...... تو وہ خباثت سے مسکرایا۔

"تم سمجھتے ہو...... بڑی پاک باز ہے وہ......"

"اگر پاک باز نہ ہوتی تو عزت محفوظ نہ رکھتی۔ اور تمہاری بے جا فرمائشیں مان لیتی۔" وہ غصے سے بولے تو اعتزاز نے زور کا قہقہہ لگایا۔

"ارے وہ تو ڈرامہ تھا تمہیں دکھانے کے لیے کیا تھا...... ہمیں معلوم تھا تم وہاں موجود ہو...... اگر تمہیں مجھ پہ اعتبار نہ ہو تو اندر جاؤ اور تمہاری بیوی بستر سے ٹوٹی

چوڑیاں اور اپنے بکھرے بال نہ سمیٹ رہی ہوتو پھر جو چند کی سزا وہ میری......" وہ کہہ کر چلا گیا۔ تو وہ مردہ قدموں سے گھر کی طرف چل دیے۔ اور سیدھے بیڈ روم میں داخل ہوئے۔ فاریہ بیڈ سے چوڑیاں سمیٹ رہی تھی...... چوڑیاں اٹھا کر اس نے ڈسٹ بن میں ڈالیں...... تو ان پہ نظر پڑی۔

"ارے آ گئے آپ......" وہ اپنے بال سمیٹ کر کیچر میں جکڑ کر مسکرائی...... تو افتخار کی ٹانگوں سے جان نکل گئی...... وہ وہیں کرسی پر بیٹھ گئے۔

"کیا بات ہے...... طبیعت تو ٹھیک ہے......؟" وہ ان کے پاس ہی دوزانو ہو کر بیٹھ گئی...... انہوں نے زخمی نظروں سے اسے دیکھا۔

"بس جانا ہے تاتو اداس ہو رہا ہوں...... کوئی آیا تو نہیں تھا میرے پیچھے......"

"نہیں تو......" اس نے جان بوجھ کر اعتزاز کا نام لینے سے گریز کیا تاکہ جاتے جاتے وہ غصے کا شکار ہو کر نہ جائیں لیکن اس کے جواب سے افتخار کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ وہ ایک جھٹکے سے اسے پرے دھکیل کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"کب سے چل رہا ہے یہ کھیل......؟" وہ زور سے دھاڑے تو وہ پتھر کا بت بن گئی۔ بے یقینی سے ان کی طرف دیکھا۔

"تم نے مجھ سے جھوٹ بولا...... اس خبیث انسان کی خاطر...... میں تمہیں پاکیزہ سمجھتا رہا اور تم اندر سے کیا نکلیں؛ اتنی بدصورت ہو تم اندر سے...... تم دونوں نے میرے سامنے ڈرامہ کیا...... مجھے پھانسنے کے لیے...... یہ ٹوٹی چوڑیاں اور یہ بکھرے بال......" انہوں نے جھپٹ کر اس کا کیچر اتارا جس سے اس کے بال پھر بکھر گئے۔

"یہ کون سی داستان سنا رہے ہیں...... یہ چیخ چیخ کر کہہ رہے ہیں کہ تم جھوٹی ہو...... تم ڈرامے باز ہو تم انتہائی بدصورت ہو تم پاکیزہ نہیں ہو......"

"بتاؤ کیا چاہیے تھا مجھ سے تمہیں تم دونوں کو کیا چاہیے...... کیا مجھے میرے خاندان کو بلیک میل کرنا چاہتے ہو...... تو بتاؤ کتنا روپیہ چاہیے تم لوگوں کو...... بتاؤ کتنا مال چاہیے تمہیں......؟"

وہ غیظ و غضب میں چیخ رہے تھے۔ انہیں خود خبر نہیں تھی کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں...... اور فاریہ اگر اس کے منہ میں بھی زبان تھی بھی تو آج وہ اپنے آپ کو گونگی سمجھ رہی تھی...... بولنا تو در کنار...... وہ اس جگہ سے ہلنے کی طاقت بھی نہیں پا رہی تھی...... پھر وہ خود کو ڈیفنڈ کیسے کرتی......؟

"میں نے تمہیں اپنی زندگی سے بڑھ کر چاہا تھا۔ اپنا سب کچھ ہار دیا تھا تمہارے آگے...... اتنا چاہا تھا تمہیں کہ بعض اوقات اس چاہت کی زیادتی سے درد ہونے لگتا تھا میرے دل میں...... تمہارے وجود نے میرے ادھورے وجود کو مکمل کیا تھا...... لیکن تم نے کیا کیا میرے ساتھ...... مجھے بالکل تہی دامن کر دیا...... میری زندگی چھین لی...... میری عزت نفس چھین لی...... میرے دل کے شیشے کو توڑ کر چور چور کر دیا تم نے...... بولو کیوں کیا تم نے یہ سب میرے ساتھ...... میں نے کیا چھینا تھا تم سے...... میں نے کیا لیا تھا تمہارا...... کیوں برباد کر دیا مجھے بولو...... کیوں کیا ایسا......؟" انہوں نے اسے جھنجوڑ ڈالا...... لیکن وہ ابھی بھی زبان کھولنے کے قابل نہ ہو گی۔ اس کا دل تو نیچے ہی نیچے بیٹھتا چلا جا رہا تھا...... اس کی خاموشی سے ان کے تمام تر شک کو تقویت مل رہی تھی......

اعتزاز کا حربہ کامیاب ہو رہا تھا۔

"میں جا تو رہا ہوں...... اب کبھی تمہاری منحوس صورت دیکھنے نہیں آؤں گا...... میں تمہیں آزاد کر کے جا رہا ہوں...... میرے جانے کے بعد جتنے گل کھلانا چاہو کھلا لینا...... میں تمہیں طلاق دیتا ہوں......"

"نہیں......" وہ ایک دم چیخ کر آگے بڑھی...... لیکن انہوں نے اپنی زبان نہ روکی جب تک تین بار وہ تین حرف نہ کہہ لیے...... فاریہ کو یوں لگا اس کے کانوں میں کسی نے پگھلا ہوا سیسہ ڈال دیا ہو...... انہوں نے جیب سے ایک ڈبا نکالا اور اس کے قدموں میں پھینک دیا۔

"تمہارے لیے سرپرائز لینے گیا تھا...... لیکن جو سرپرائز تم نے مجھے دی ہے...... تم تو بازی لے گئیں مجھ سے......"

وہ انہی قدموں سے واپس لوٹ گئے...... وہ ان کے پیچھے بھاگنا چاہتی تھی...... لیکن اس کے حواسوں نے ساتھ نہ دیا...... اور وہ وہیں بے ہوش ہو کر گر گئی۔

❁......❁......❁

وہ لٹ لٹا کر واپس آ گئے...... خاموش سنجیدہ اور غم زدہ...... آتے ہی اگلے دن انہوں نے آفس جوائن کر لیا اور خود کو کاموں میں غرق کر لیا...... سب حیران تھے کہ شوخ شریر اور چلبلا اختیار بیگ کو کیا ہو گیا ہے۔

آفس جوائن کرتے ہی ماما نے شادی کا تقاضا شروع کر دیا...... انہوں نے اس پہ بھی اعتراض نہ کیا اور چپکے سے ان کی بات مان لی...... زرینہ دلہن بن کر ان کے گھر آ گئی...... ان کو بھی اس کے دل سے کوئی تعلق محسوس نہیں ہوا تھا...... وہ اس کی ضروریات پوری کرتے اور وہ ان کی ضرورت پوری کرتی...... وہ میاں بیوی تو بن گئے تھے لیکن ہم سفر نہ بن سکے...... دکھ سکھ کے ساتھی نہ بن سکے......

ابھی ان کی شادی کو ایک ماہ ہی ہوا تھا کہ زرینہ نے یہ گھر بدلنے کا تقاضا شروع کر دیا...... یہ علاقہ اسے پسند نہ تھا...... بابا جان بھی اس لیے مان گئے کہ خاندان نے بڑھنا تھا تو بڑے گھر کی ضرورت پڑنی تھی...... یوں بھی کاروبار وسیع ہو رہا تھا اور ان کے پاس اب اتنی دولت تھی کہ اچھے علاقے میں محل نما گھر بھی لے سکتے تھے۔ چنانچہ وہ شہر کے سب سے مہنگے علاقے میں شفٹ ہو گئے۔

اختیار بیگ کی زندگی بس مجبوراً زندہ رہنے کا نام تھی۔ ان کا دل مر چکا تھا...... وہ جانے کس لیے زندگی کی ڈور کھینچے چلے جا رہے تھے...... قارینہ کو یاد کیے بغیر اب بھی ان کا دن نہیں گزرتا تھا...... ابھی تک پھانس بن کر ان کے دل میں چبھی ہوئی تھی۔ نہ نکلی تھی اور نہ ہی ان کو چین آتا تھا۔ ان کے علم میں شاید نہ ہو لیکن ان کے لاشعور میں احساس جرم تھا جو ناسور بن کر ان کی رگوں میں سلیا ہوا تھا...... ایک بار ان کے دوست کی شادی کی غلط فہمی کی وجہ سے ٹوٹ گئی تھی تو ان کے دل میں خیال پیدا ہوا تھا کہ شاید ان کو بھی غلط فہمی ہوئی ہو...... بعض اوقات آنکھوں دیکھا اور کانوں سنا بھی غلط ہو سکتا ہے...... ہو سکتا ہے انہوں نے بھی غلط دیکھا ہو...... اور انہوں نے تو کچھ ایسا دیکھا بھی نہ تھا...... ایک خبیث انسان کے دیے ہوئے چند خود ساختہ اور شیطانی اشاروں کو بنیاد بنا کر اپنی اور قارینہ کی زندگی تباہ کر دی...... انہوں نے تو اس کو اپنے دفاع کا موقع بھی نہ دیا...... غصے نے ان کو اندھا کر دیا تھا...... اسی لیے تو اسلام نے غصے کو حرام قرار دیا ہے۔ غصے کے اثرات کس قدر تباہ کن ہوتے ہیں؛ یہ ان کو آج معلوم ہوا تھا۔ اپنے دل کی جلن کے ہاتھوں وہ مجبور ہو کر دوبارہ کشمیر گئے تھے کہ دیکھیں تو سہی وہ دشمن جاں کس حال میں ہے...... وہ اعتزاز کے کہنے کے مطابق عیاشی کی زندگی بسر کر رہی ہے یا ان کے نام پہ بیٹھی ہے...... لیکن ہمسایوں سے پتا چلا کہ وہ تو ان کے جانے کے ہفتے کے اندر اندر شہر چھوڑ کر چلے گئے اور پھر ان کو کچھ خبر نہیں تھی کہ وہ کہاں گئے......؟ اور سربینا کو دیکھ کر ان کے زخموں کے ٹانکے پھر سے کھل گئے تھے۔ اس لڑکی میں ان کو قارینہ کی جھلک نظر آتی تھی لیکن وہ اس سے پوچھنے کی جرأت نہ کر سکے کہ قارینہ اس کی کیا لگتی تھی؟ اگر اس نے قارینہ کے بارے میں کچھ ایسا بتا دیا جس نے ان کا رہا سہا سکون بھی چھین لیا تو کیا ہوگا...... جانے اس پہ کیا گزری ہوگی...... جانے اس نے کس طرح ان کی باتیں برداشت کی ہوں گی...... کیسے زندگی گزاری ہوگی...... کاش وہ جان سکتے کہ وہ کہاں ہے......؟ کس حال میں ہے......؟ زرینہ کے بارے میں سوچ کر ان کا حلق پھر کڑوا ہو گیا...... یہ نہیں تھا کہ قارینہ زیادہ خوب صورت تھی...... زرینہ قارینہ سے کہیں زیادہ خوب صورت تھی لیکن قارینہ کے چہرے پہ کچھ ایسا تھا کہ نظر وہاں رک جاتی تھی...... اس کے چہرے سے نظر ہٹانا بہت مشکل تھا اور پھر محبت تو محبت ہوتی ہے۔ وہ چہرے کی خوب صورتی دیکھ کر نہیں کی جاتی...... اور انہیں تو اس کے

دل سے محبت ہوئی تھی۔

اذان کی آواز کے ساتھ انہیں احساس ہوا کہ انہوں نے ساری رات یادوں کے شکستہ مزار پہ پھول چڑھاتے گزار دی تھی...... وہ دھیرے سے اندر آئے اور خاموشی سے بستر پر لیٹ گئے۔

❀......❀......❀

آج چھٹی کا دن تھا۔ اس لیے سب دیر سے اٹھے تھے۔ ناشتے کے بعد اختیار بیگ تو اخبار دیکھ رہے تھے زرینہ اور نازنین ٹی وی پہ کوئی ڈرامہ دیکھ رہی تھیں اور عرشی بھی اخبار سے اپنے لیے مرضی کا صفحہ نکال لائی تھی۔ بختیار بیگ آج گھر میں نہیں تھے وہ رخشندہ کے پاس گئے تھے اور رخشندہ نے ان کے ساتھ ہی واپس آنا تھا۔ تبھی کاشی اپنی کتابیں اٹھائے سیڑھیاں اتر کر نیچے آیا۔

"عرشی سرینا باجی کہاں ہیں......؟"

"وہ تو آج کچن میں ہیں...... کوئی اسپیشل ڈش تیار کررہی ہیں۔"

"اچھا مجھے تو ان سے میتھس کے پرابلمز پوچھنے تھے......" وہ تھوڑا سا مایوس ہوا تو نازنین نے تیوری چڑھا کر دیکھا۔

"سرینا سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے...... پاپا ہیں نا ان سے پوچھو۔"

"ایک ہی بات ہے۔ سرینا سے پوچھوں یا پاپا سے۔"

"کیوں ایک بات کیوں ہے......؟"

"دونوں کا میتھس ایک جیسا اچھا ہے...... بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ سرینا باجی کا میتھس پاپا سے بھی زیادہ اچھا ہے۔ پاپا کا نالج ذرا اولڈ ہوگیا ہے...... جبکہ وہ ماڈرن میتھس میں بھی ایکسیلنٹ ہیں۔"

اختیار بیگ کے چہرے پہ مسکراہٹ کی کرن سی چمکی...... جیسے ان کو اس بات پر فخر ہو...... لیکن پھر وہ سنجیدہ ہوگئے۔

"میں کیوں خوش ہورہا ہوں...... جانے اس کا فارینہ سے کیا رشتہ تھا...... اتنے میں عرشی بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کاشی میں بھی اپنی کتاب لے آؤں...... مجھے بھی چند پرابلمز کے بارے میں پوچھنا ہے...... وہ آئیں تو میرا انتظار کرنا......"

"تمہارا انتظار کیوں کروں......؟ میں اپنے ٹائم میں سے تمہیں ایک سیکنڈ بھی نہیں دوں گا۔"

"یہ تمہارا ٹائم کہاں سے آگیا...... کیا تم نے ان کے ٹائم پہ اجارہ داری قائم کی ہوئی ہے۔" وہ تیزی سے بولی۔

اسی وقت شہریار اندر داخل ہوئے۔

"تم دونوں کس بات پر جھگڑ رہے ہو؟"

"یہ تو اپنی مہمان سے پوچھو...... وہی ہے جھگڑے کی وجہ...... جانے خود کو کیا سمجھتی ہے......؟" نازنین نے اپنا غبار نکالا تو شہریار نے کنفیوز ہوکر اسے دیکھا۔

"سرینا ہے کہاں ابھی وے......"

"کچن میں ہیں...... کوئی خاص ڈش تیار کررہی ہیں۔"

شہریار وہیں سے کچن کی طرف مڑ گئے...... نازنین بل کھا کررہ گئی...... شہریار کچن میں آئے تو وہ ایپرن باندھے اپنے کام میں مشغول تھی۔ آگ کی گرمی سے چہرہ گلابی ہورہا تھا اور براؤن بالوں کی لٹیں باہر نکل کر گالوں پہ چپکی ہوئی تھیں۔

"سرینا آپ کو کیا ضرورت ہے کچن میں آنے کی...... آپ کا جو دل چاہے رافی اور نذیراں کو بتادیا کریں...... وہ بنادیں گی۔"

سرینا نے چونک کر دیکھا اور پھر دلنشین انداز میں مسکرائی۔

"آپ کب آئے......؟" پھر خود ہی بولی۔ "میں تو دادی جان کے لیے سوپ بنانے آئی تھی...... اور پھر ایک خاص ڈش بھی تیار کرنی تھی...... مجھے کچن میں کام کرنا اچھا لگتا ہے...... اور مجھے کھانا پکانے کا بہت شوق ہے۔ ماما نے مجھے ہر اچھی ڈش میں طاق کیا ہوا تھا...... اگر آپ کو کوئی کھانا بہت زیادہ پسند ہے تو مجھے بتایئے گا...... میں وہ بھی بنادوں گی۔"

شہریار نے اشتیاق سے اسے دیکھا...... عام سے حلیے

میں ایپرن باندھے یوں کھانا پکاتے ہوئے وہ کتنی اچھی لگ رہی تھی۔ کچھ ایسا ہی منظر وہ اکثر تصور میں دیکھتے تھے۔انہوں نے بے اختیار نظر چرالی۔

"دادی جان کیسی ہیں؟"

"صبح ناشتے کے وقت بالکل ٹھیک تھیں..... میں نے ان کے لیے دلیہ بنایا تھا۔اور ہاں دادی جان نے آج مجھے خاص تحفہ بھی دیا ہے۔ تحفہ تو نہیں کہنا چاہیے' کئی ایک ملبوسات ہیں.....کیا آپ نے خریدے تھے؟"

"ہاں.....انہوں نے مجھ سے ہی کہا تھا..... پسند آئے؟"

"آپ کی چوائس بہت عمدہ ہے..... بہت نفیس ہے....." اس نے کھل کر تعریف کی تو وہ پرسوچ نظروں سے دیکھتے ہوئے سوچنے لگے۔

ٹھیک ہی کہتی ہو تم..... لیکن چوائس کتنی بھی عمدہ کتنی بھی نفیس کیوں نہ ہو.....اس کے حصول پہ تو اختیار نہیں ہوتا نا۔

"کیا سوچنے لگے.....؟"

"کبھی کسی جینٹل مین سے اس کی سوچوں کے بارے میں مت پوچھیے....." وہ ذرا شرارتی لہجے میں بولے۔

"ہوسکتا ہے آپ کے لیے شاکنگ ہو....."

"تو میں تو آپ سے پوچھ رہی تھی....." وہ بھی شرارت سے بولی تو وہ محظوظ ہوتے ہوئے کچن سے نکل آئے۔ لاؤنج میں پہنچے تو ابھی تک مسکراہٹ کی ننھی سی کرن ان کے چہرے پہ باقی تھی۔ نازنین کے سینے پہ سانپ لوٹنے لگے۔

"تمہاری کیوں بتیسی نکل رہی ہے.....؟" وہ چمک کر بولی تو اختیار بیگ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"نازو..... تمیز کے دائرے میں رہ کر گفتگو کرو....." انہوں نے ناگواری سے کہا تو زرمینہ بیگم نے تیکھی نظر اپنے شوہر پر ڈالی۔

"آج آپ اپنی لاڈلی بیٹی سے کیوں اتنا ناراض ہو رہے ہیں؟"

"لاڈ پیار کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بڑوں کی موجودگی کا بھی لحاظ نہ رہے۔"

اسی وقت سرینا مسکراتی ہوئی اندر داخل ہوئی لیکن ماحول کو ٹینس دیکھ کر فوراً اندر کی طرف مڑ گئی۔

لنچ ٹائم پہ سب ڈائننگ ٹیبل کے گرد بیٹھے تو کاشی نے پوچھا۔

"آپ کی اسپیشل ڈش کہاں ہے باجی؟"

"رانی لا رہی ہوگی۔"

"ویسے ہے کیا یہ اسپیشل ڈش۔"

"قیمہ اور کچنار....." اس نے فخر سے جانے کیوں اختیار بیگ کی طرف دیکھا۔

"میں نے اپنی ماما سے پکانا سیکھا تھا..... میری ماما جیسا کچنار قیمہ اور کوئی نہیں بنا سکتا.....ماما کہتی تھیں کہ پاپا کی پسندیدہ ڈش تھی اور وہ بڑے شوق سے پکاتی تھیں..... جب میں نے شروع کیا تو ماما کہتی تھیں میرے ہاتھ میں ان کا ذائقہ ہے۔"

"میرے پاپا کو تو نفرت ہے کچنار سے....." نازنین نخوت سے بولی۔ "پاپا کہتے ہیں اس ٹیبل پر کبھی قیمہ اور کچنار کی ڈش نہیں آنی چاہیے۔ تمہاری محنت تو غارت گئی۔" نازنین نے دل کی حسرت نکالی۔

اختیار بیگ نے بے اختیار سرینا کی طرف دیکھا..... اس کا چہرہ ایک دم زرد سا ہوگیا.....اس نے نہ جانے کن نظروں سے ان کی طرف دیکھا کہ وہ شرمندگی محسوس کرنے لگے۔

"آپ کو قیمہ اور کچنار پسند نہیں ہے انکل.....کیوں؟"

"ہوگی ماضی کی کوئی تلخ یاد اس سے وابستہ کہ ان کو نفرت ہوگئی۔" زرمینہ بیگم نے بے نیازی سے اپنی پلیٹ میں کھانا نکالا۔

"بیٹا تم رانی سے کہو تمہاری ڈش لائے آج ہم کھائیں گے۔"

"پاپا.....؟" نازنین نے احتجاج کیا۔

"رئیلی انکل.....؟" وہ ایک دم خوشی سے آبدیدہ

ہوگئی۔ شہریار نے گہری نگاہوں سے اس لڑکی کی طرف دیکھا جو چند لمحوں پہلے ایک دم مرجھا گئی تھی اور اب کھلے ہوئے پھول کی مانند تروتازہ تھی اور جانے کیوں ان کے دل میں درد سا ہونے لگا...... کاش تم ہمیشہ اسی طرح خوش رہ سکو۔

اختیار بیگ نے پہلا لقمہ لیا تو نوالہ جیسے ان کے حلق میں اٹکنے لگا۔ آنکھیں نم ہوگئیں...... ماضی کی ایک تصویر نظروں کے سامنے آ گئی۔ فارینہ کی امید و ناامیدی کے بیچ میں نظریں ان کے چہرے پہ تھیں۔

”کیسا پکا ہے......؟“ وہ بے حد اشتیاق سے ان کے چہرے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ان کو شرارت سوجھی۔ ”ایک دم بدمزہ......“ انہوں نے منہ بنایا۔ ”میں نے اس سے بدمزہ کھانا آج تک نہیں کھایا۔“

فارینہ کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ اور وہ رونے والی ہو رہی تھی۔

”لیکن اختیار...... میں نے تو اتنی محبت اور محنت سے پکایا تھا...... بدمزہ کیسے ہوسکتا ہے؟“

”محبت سے پکایا تھا؟“

”ہاں...... بہت زیادہ محبت سے۔“

”اسی لیے تو اتنا مزے دار ہے میری جان۔“ انہوں نے کھینچ کر اسے پاس بٹھالیا۔ ”میں نے اتنا مزے دار کچنار کبھی زندگی میں نہیں کھایا۔ لاؤ میں ان ہاتھوں کو چوم لوں جن سے تم نے بنایا ہے۔“

”جناب آرام سے کھانا کھائیے......“ وہ بڑے ناز سے اترا کر بولی۔

”چچا جان......“ شہریار نے ان کا کندھا ہلایا۔ ”کہاں پہنچ گئے آپ...... سرینا کچھ پوچھ رہی ہے؟“

وہ چونک کر حقیقت کی دنیا میں آ گئے۔

”کیسا بنا ہے انکل......؟“ اس نے چہرے پہ وہی امید و ناامیدی کی کیفیت لیے پوچھا۔

”ایک دم فرسٹ کلاس......“ وہ مسکرائے۔ ”بہت مزے دار ہے...... بالکل وہی ذائقہ......“ وہ بے اختیار کہہ اٹھے۔ زرمینہ کا ہاتھ وہیں پلیٹ میں رک گیا۔

”اور آج سے آفیشلی یہ ڈش بھی اس میز کی زینت بنا کرے گی۔ اور ہم کھایا کریں گے۔“

”ہرا۔“ کاشی نے کھڑے ہو کر مکا ہوا میں لہرایا۔ نازنین کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

”پاپا دس از ناٹ فیئر...... ہمیں کچنار بالکل پسند نہیں ہے۔“

”تو بیٹا آپ کچھ اور لے لیں۔ کچنار ان لوگوں کے لیے چھوڑ دیں جن کو پسند ہے۔“ انہوں نے نرمی سے کہا۔ زرمینہ نے گہری نظروں سے شوہر کی طرف دیکھا۔ اور دوبارہ پلیٹ کی طرف متوجہ ہوگئیں۔

❁......❁......❁

وہ سیڑھیاں چڑھ کر اپنے کمرے کی طرف جارہی تھی کہ زرمینہ بیگم نے اسے بازو سے پکڑا اور کھینچ کر دیوار کی آڑ میں لے گئیں۔ وہ حیرت سے انہیں دیکھتی رہ گئی۔

”کون ہو تم...... اور کہاں سے آئی ہو......؟“

”شہریار نے اس روز بتایا تو تھا آپ سب کو......“ وہ خائف ہوئے بغیر بڑے آرام سے بولی۔

”میں سچائی کی بات کررہی ہوں...... اس کہانی کی بات نہیں کررہی جو تم دونوں نے مل کر ہمیں سنائی تھی۔“ وہ زہریلے لہجے میں بولیں تو سرینا نے سنجیدگی سے ان کی آنکھوں میں دیکھا۔

”آپ کو کیوں لگ رہا ہے کہ وہ کہانی ہے سچ نہیں ہے؟“

”میں یہ سب خرافات نہیں جانتی......“ وہ سرد لہجے میں بولیں۔ ”اگر تمہارا تعلق میرے شوہر کے ماضی کے افیئرز میں سے کسی افیئر سے ہے تو چپ چاپ واپس لوٹ جاؤ تو اچھا ہے۔“

”تو آپ کو اپنے شوہر پہ اعتبار نہیں ہے...... اور کتنے افیئرز آپ کے علم میں ہیں...... ذرا میں بھی تو جانوں......“ وہ ڈری نہیں بلکہ بے باکی سے ان کی آنکھوں میں دیکھا۔

خاص موضوع، خاص ماحول اور خاص وقت میں جنم لینے والی ایک ناقابل فراموش کہانی
حقیقی کرداروں کی سانس لیتی اور نشوونما پاتی ایک دلچسپ تحریر
ملک کی معروف مصنفہ عشنا کوثر سردار کے نوک قلم سے 69 برس قبل جنم لینے والی ایک
دلکش اور رومانی اور محبت سے لبریز داستان
نئے افق کے صفحات پر سلسلے وار
ایک سو سولہ چاند کی راتیں
انڈو پاک کی تقسیم کے وقت اس محبت کی کہانی کا سفر شروع ہوا جہاں ایک پاک سرزمین کی تاریخ رقم ہوئی، زمین ٹکڑوں میں تقسیم ہوئی تو محبت دو دلوں کو جوڑ رہی تھی۔ زمین کی تقسیم نے دلوں کو تقسیم نہیں ہونے دیا۔ پاکستان بننے کے دوران جن مشکلات اور مصائب سے وہ لوگ گزرے ہیں ان کا ہماری آج کی نسل کو احساس نہیں، لوگوں کی ہجرت ہی نہیں ہوئی بلکہ ان کی زندگی ختم ہوگئی۔
افسانوی، رومانوی لفظوں میں گندھی ناقابل فراموش حسین کہانی
محبت سے لبریز حسین چاندنی راتوں اور لمحوں کا ذکر محبت کرنے والوں کا احوال خاص
اپنی کاپی آج ہی سے بک کرائیں۔ رابطہ نئے افق 03008264242

"ڈیکوریٹی......"

"میں نے پہلے بھی بتایا تھا کہ میرا نام سرینا ہے۔......"

"تمہارا جو بھی نام ہے میں تمہیں وارن کررہی ہوں کہ اس گھر کے سکون میں کنکر پھینکنے کی کوشش مت کرنا۔ میرا نام زرینہ ہے اور میں اس طرح کی چالوں کو ناکام بنانا جانتی ہوں۔"

"تو اس کا مطلب ہے آپ پہلے بھی یہ کام کرچکی ہیں۔" وہ محظوظ ہوتے ہوئے مسکرائی۔ "لیکن آپ بے فکر رہیے۔ میری طرف سے کنکر پھینکنے کی کوئی کوشش نہیں ہوگی۔ البتہ......" وہ ذرا سا رکی۔ "آپ کے شوہر کی طرف سے کوئی گارنٹی میں نہیں دے سکتی......وہ گارنٹی آپ کو ان ہی سے مانگنی ہوگی......" وہ مسکراتی ہوئی وہاں سے پلٹ کر اپنے کمرے میں آگئی اور زرینہ بیگم زہریلی ناگن کی طرح بل کھاتی اپنے کمرے کی طرف چلی گئیں۔ اندر آکر انہوں نے اپنے پرس سے چابی نکالی اور الماری کا پٹ کھول کر ایک دراز کا قفل کھولا......اس میں سے کاغذات نکال کر ان کا جائزہ لیا......اور پھر ان کو اطمینان سے واپس رکھ کر دراز لاک کردی۔

❀......❀......❀

اگر تمہارا تعلق میرے شوہر کے ماضی کے کسی افیئر سے ہے میں اس طرح کی چالوں کو ناکام بنانا جانتی ہوں......سرینا نے پیچھے ہوکر کرسی سے سر ٹکا کر آنکھیں بند کرلیں......اور دونوں ہاتھوں سے اپنی کنپٹیوں کو دبانے لگی......کل جب سے زرینہ نے اپنے دل کا زہر اس پہ انڈیلا تھا وہ متعدد بار اس کی آوازوں کو اپنے سر سے ٹکراتا محسوس کررہی تھی۔ اور آج اپنے آفس میں بیٹھ کر بھی وہ ان جملوں کی بازگشت سے پیچھا چھڑانے میں ناکام رہی تھی......زرینہ بیگم نے تو شاید اسے ڈرانے کے لیے وارننگ دی تھی لیکن اس کے لیے سوچوں کے نئے دروازے کھل گئے تھے۔

زرینہ بیگم اختیار بیگ کے ماضی کے افیئرز کے بارے میں کیسے جانتی ہیں......؟ کیا اختیار بیگ نے خود ہی ان کو اپنے راز سے آگاہ کیا تھا؟ کیا کسی اور ذریعے سے ان کو معلوم ہوا تھا؟ یہ اور ذریعہ کیا ہوسکتا ہے......؟ انہوں نے کون سی چالوں کو ناکام بنایا ہے؟ کس کی چالوں کو ناکام بنایا ہے......؟ کیا اختیار بیگ کے ایک سے زیادہ افیئرز تھے......؟ کیا اختیار بیگ دل پھینک قسم کے آدمی تھے......؟ یہ آخری سوال اس کے دل کو مضطرب کرگیا۔

وہ اٹھ کر کمرے میں بے چینی سے چکر لگانے لگی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے......بے قراری تھی کہ بڑھتی جارہی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ دھاڑیں مار مار کر روئے تاکہ دل کا سارا غبار نکل جائے لیکن وہ ایسا نہیں کرسکتی تھی......بے اختیار اس کے لبوں پہ اپنی ماما کے پسندیدہ اشعار آگئے۔

موتی ہو کہ شیشہ جام کہ دُر
جو ٹوٹ گیا سو ٹوٹ گیا
کب اشکوں سے جڑ سکتا ہے
جو ٹوٹ گیا سو چھوٹ گیا
تم ناحق ٹکڑے چن چن کر
دامن میں چھپائے بیٹھے ہو
شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں
کیا آس لگائے بیٹھے ہو

اس کی آنکھیں بند تھیں......اور ان میں سے آنسو نکل نکل کر گالوں پہ ڈھلک رہے تھے اور وہ ہچکیوں سے رونے لگی۔

تبھی اسے اپنے سر پہ کسی کے ہاتھ کا لمس محسوس ہوا۔ اس نے گھبرا کر آنکھیں کھولیں......اختیار بیگ اس کے اتنے قریب کھڑے تھے......ان کی آنکھوں میں جانے کیا تھا کہ وہ اک ٹک انہیں دیکھے گئی......پھر فوراً سنبھل گئی۔

"آئم سوری سر......مجھے خود پہ قابو نہیں رہا......آئم سوری آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔"

"تمہیں سوری کرنے کی ضرورت نہیں ہے بیٹا......کیا

بات ہے طبیعت خراب ہے؟''
''سر میں درد تھا بہت......'' وہ بے اختیار کہہ اٹھی۔
''تم یہیں رکو......'' وہ ایکدم آفس سے نکل کر اپنے آفس کی طرف گئے جب واپس آئے تو ان کے ہاتھ میں ٹیبلیٹ تھیں...... انہوں نے گلاس میں پانی ڈالا...... اور اس کی طرف بڑھا دیا۔
''یہ لو...... فوراً کھالو......'' وہ ایک ٹرانس کے عالم میں انہیں دیکھتے ہوئے کسی معمول کی طرح عمل کرنے لگی۔
''اب بیٹھ جاؤ کرسی پہ...... میں چائے کا آرڈر دیتا ہوں۔'' انہوں نے بیل بجائی اور ملازم کے آنے پہ دو کپ چائے کا آرڈر دیا اور میز کے سامنے پڑی کرسی پر بیٹھ گئے۔ سرینا بس حیرت سے ان کو دیکھتی جارہی تھی۔ اگر وہ چاہتے تو اپنے آفس میں جاکر ملازم کے ہاتھ ٹیبلٹس اور چائے بھیج سکتے تھے لیکن وہ خود جاکر لائے تھے اپنے ہاتھوں سے اس کو کھلائی تھی اور اس کے آفس میں اپنے لیے بھی چائے منگوائی تھی...... اور ابھی تک وہیں بیٹھے تھے۔ اس کا مطلب ہے انہیں اس کی پروا تھی۔ چائے آئی تو اس کے سامنے کپ رکھ کر انہوں نے پوچھا۔
''اب بتاؤ کیا مسئلہ ہے......؟''
''مسئلہ......؟'' اس نے سر جھکا لیا۔ ''مسئلہ تو کوئی نہیں سر......''
''اگر طبیعت زیادہ خراب ہے تو گھر چلی جاؤ...... میں ڈرائیور سے کہتا ہوں چھوڑ آئے......''
''نو سر میں ابھی ٹھیک ہوجاؤں گی۔ آپ فکر نہ کریں...... ابھی چائے ختم ہوگی تو میرا سر درد یوں بھاگ جائے گا۔'' اس نے چٹکی بجائی۔ تو اختیار بیگ اسے دیکھتے رہ گئے۔ پھر اٹھ کھڑے ہوئے۔
''اچھا پھر درد ٹھیک ہوجائے تو ہاشم انڈسٹریز کی فائل لے کر میرے آفس آجانا......''
''اوکے سر...... میں پانچ منٹ میں آجاؤں گی۔''
وہ فائل لے کر ان کے آفس میں داخل ہوئی تو وہ کرسی پہ بیٹھے سوچوں میں کھوئے ہوئے تھے۔ اسے دیکھ کر دھیرے سے مسکرائے...... وہ ان کے سامنے میز کی دوسری طرف کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر فائل کے کاغذات ترتیب سے رکھ کر کھڑی ہوئی اور پھر آگے کو جھک کر فائل کا رخ ان کی طرف کرکے ان کے سامنے رکھی...... ایسے میں اس کا لاکٹ آگے کو پھسل گیا...... اور اختیار بیگ کی نظروہیں فریز ہوگئیں۔ آنکھوں میں گزرے وقت کی دھول اڑنے لگی۔
ان کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے سرینا کے لیے بھی وقت جیسے تھم سا گیا۔
کتنے سارے جاں گسل لمحے یونہی گزر گئے...... اس لاکٹ کو وہ کیسے بھول سکتے تھے...... یہ انہوں نے کتنی چاہت سے تیار کروایا تھا...... آتے ہوئے اسے سرپرائز دینا چاہتے تھے یہ اس طرح کا کھلنے اور بند ہونے والا لاکٹ تھا جس میں انہوں نے ایک سائیڈ پہ اپنی اور دوسری سائڈ پہ فارینہ کی تصویر لگائی تھی۔ لیکن اس کے ساتھ جو کربناک اور زہریلی یاد جڑی ہوئی تھی انہوں نے اس یاد کی وجہ سے پچھلے چوبیس سال کس کرب میں گزارے تھے وہ ان کے علاوہ کوئی اور نہیں جان سکتا تھا...... وہ بہت بے چینی سے کمرے میں ادھر سے ادھر چکر لگارہے تھے۔
اور وہ خاموشی سے کرسی پہ بیٹھی آنکھوں میں درد کی پرچھائیاں لیے انہیں دیکھ دیکھ کر بے قرار ہورہی تھی۔
آخر وہ اس کے قریب رکے...... اسے کندھوں سے پکڑ کر اٹھایا...... اور اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولے۔
''تم کون ہو...... اور فارینہ سے تمہارا کیا تعلق ہے......؟''
''میں سرینا ہوں اور فارینہ سے میرا وہی تعلق ہے جو آپ سے ہے......'' وہ نہایت خاموشی اور سادگی سے بولی۔
اس بات کا انہیں کافی دیر سے شک تھا...... لیکن جب یہ اس کی زبان سے سنا تو وہ ساکت رہ گئے۔
''تم......؟'' وہ کانپتی جذبات سے پُر آواز میں

بولے۔ ”تم ہماری بیٹی ہو...... میری اور فارینہ کی بیٹی......؟“

”ہاں پاپا......“ اس کے آنسو پوری سرعت سے گالوں پہ ڈھلک آئے۔

”میں آپ کی بیٹی ہوں...... میں آپ کی وہ بدنصیب بیٹی ہوں...... جس کو کبھی آپ کا پیار نہیں ملا...... جس نے کبھی آپ کو نہیں دیکھا تھا میں نے ساری عادتیں اور تمام پسند وناپسند آپ سے لی...... لیکن آپ کو نہ پایا...... اور نازنین نے کوئی عادت اور کوئی پسند آپ سے نہیں لی...... لیکن اس نے آپ کو پایا...... ہے نا قسمت کی ستم ظریفی...... میں کس قدر بدنصیب ہوں کہ میں باپ کے ہوتے ہوئے بھی یتیموں کی طرح پلی...... میں تمام نعمتوں کے ہوتے ہوئے بھی چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لیے ترستی رہی...... ہم نے ساری عمر نانی کی بہن کے گھر گزاردی...... ہمارا اس عالی شان گھر میں رہنے کا حق تھا لیکن ہم بے سروسامانی کی حالت میں کبھی اور کے گھر میں پلتے رہے...... ماما ایک بے جان مورتی کی طرح ہماری ساری ضروریات پوری کرتی رہیں، ہماری تعلیم کے اخراجات پورے کرتی رہیں...... لیکن ان کے دل میں کوئی امنگ اور کوئی خوشی ہم نے نہیں دیکھی...... وہ ایک روبوٹ کی مانند اپنی ذمہ داریاں نبھاتی تھیں۔ ہم سے پیار بھی مشینی انداز میں کرتی تھیں لیکن جب بھی ہم نے آپ کے بارے میں پوچھا تو ان کے ہونٹوں پہ ایک چپ ہوتی تھی اور آنکھوں میں درد کے سائے...... وہ ہمارے کسی سوال کا جواب نہیں دیتی تھیں لیکن جب ہم آپ پہ غصہ کرتے تھے تو وہ برداشت نہیں کرتی تھیں...... اس حالت میں بھی وہ آپ کے خلاف کوئی بات نہیں سننا چاہتی تھیں...... آپ نے ان کے ساتھ ایسا کیوں کیا......؟ وہ تو ایثار و وفا اور پیار ومحبت کی دیوی تھیں آپ نے کیوں ان کا دل توڑ کر ریزہ ریزہ کردیا...... وہ تو آپ کو مسیحا سمجھتی تھیں لیکن آپ نے مسیحا بن کر ان کے دل کا شیشہ اس طرح توڑا کہ وہ کسی طرح بھی جڑنے کے قابل نہ رہا...... اور انہوں نے اسی ہمارے لیے...... بعض اوقات مجھے غصہ آتا تھا ہمارے اوپر کہ ہم کیوں ان کی راہ کی رکاوٹ بنے...... کاش ہم نہ ہوتے تو وہ سکون سے مرتو سکتی تھیں لیکن آپ نے بہت ظلم کیا ان پہ، میں تو ماما کے سامنے پھر بھی چپ ہوجاتی تھی لیکن بھائی......!“

”بھائی......؟“ اختیار صاحب حیرت سے بولے۔ ”کون بھائی......؟“

”میں اسفند یار کی بات کررہی ہوں...... ہم جڑواں بہن بھائی ہیں نا۔“

”جڑواں بہن بھائی......؟“ وہ وہیں دوبارہ کرسی پہ گر سے گئے...... اور دونوں ہاتھوں میں سر کو تھام لیا۔

”میرے دو بچے تھے اور اس نے مجھے اس قابل بھی نہیں سمجھا کہ مجھے اطلاع دے دیتی۔“

”ماما نے اطلاع دی تھی آپ کو......“ وہ زور دے کر بولی۔ ”انہوں نے کتنے ہی خط لکھے تھے لیکن آپ پھر بھی نہیں آئے، آپ نے کوئی پرواہ نہیں کی...... آپ نے کسی خط کا جواب نہیں دیا۔“

”مجھے کوئی خط نہیں ملا۔“ وہ جیسے خواب میں بول رہے تھے۔ ”یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ میں اپنی اولاد کو اس طرح اگنور کرتا...... ان کو ان کا حق نہ دیتا۔“

وہ پھر اٹھ کر ٹہلنے لگے۔ ساتھ ساتھ بے چینی سے بالوں میں ہاتھ پھیرتے جارہے تھے...... پھر چلتے چلتے ایک دم اس کے پاس رکے۔

”اور تمہارا بھائی...... وہ کہاں ہے......؟“

”وہ الیکٹریکل انجینئر ہے اور جس کمپنی میں جاب کرتا ہے اس نے اسے اسپیشل کورس کے لیے امریکہ بھیجا ہے۔“

ان کے چہرے پہ رنگ سا آگیا۔ وہ کس قدر بدنصیب تھے کہ اپنے ہیروں کو اس طرح پھینک کر چلے آئے تھے اور پھر بھی خوش نصیب تھے کہ فارینہ نے ان کو تراش خراش کرا تنا نفیس رنگ دیا تھا۔

”ایک بات اور پوچھنی تھی۔“ تھوڑی دیر بعد وہ جھجکتے

ہوئے انداز میں بولے لیکن پوچھنے کی ہمت نہیں کر پارہے تھے۔
"ماما کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہیں......؟" وہ ان کی ہی ذہین بیٹی تھی...... فوراً جان گئی۔ اس کی آنکھوں سے ڈھیر سارے آنسو نکل کر گالوں پہ بکھر گئے...... اس نے دھیرے سے اپنا پرس کھولا...... اس میں سے ایک چھوٹی سی ڈائری نکالی اوران کی طرف بڑھادی۔
"ماما تواب اس دنیا میں نہیں ہیں...... چند ماہ پہلے ان کی وفات ہوگئی...... اب آپ کی ملاقات ان سے صرف ان صفحات کے ذریعے ہی ہوسکتی ہے۔"
انہوں نے کانپتے ہاتھوں سے ڈائری تھام لی...... اور خالی خالی نظروں سے اس کی طرف دیکھا سرینا اٹھ گئی۔
"میں اپنے آفس میں جاتی ہوں...... آپ کو شاید تنہائی کی ضرورت ہو۔" وہ ابھی دروازے تک نہیں پہنچی تھی کہ ان کی آواز آئی۔
"سرینا......" وہ بے اختیار مڑی...... "پاپا کے گلے نہیں لگوگی......" انہوں نے حسرت سے اپنے بازو پھیلادیئے...... وہ تڑپ کر پلٹی اور بھاگتے ہوئے ان بازوؤں میں سماگئی۔
"آپ کونہیں پتا پاپا میں نے کتنی بار خواب میں یہ منظر دیکھا ہے۔ اور کتنی بار اس خواب کے پورا ہونے کی تمنا کی ہے...... اور آج...... آج مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ یہ بھی کہیں خواب نہ ہو۔" وہ ہچکیوں سے روتے ہوئے کہہ رہی تھی اور اختیار بیگ کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ انہوں نے کتنی خوب صورت زندگی کو ٹھوکر ماردی تھی۔
"نہیں...... یہ خواب نہیں ہے...... اور اب جب تم اپنے پاپا کے پاس پہنچ گئی ہو تو اب میں کبھی تمہیں خود سے جدا نہیں ہونے دوں گا۔ کاش میں نے تمہیں پہلے جانا ہوتا...... تم تو میرا اصلی ولی عہد ہو تم نے میرے ٹینس کا شوق مجھ سے لیا ہے...... تم نے میتھس میں میرے جیسا دماغ لیا ہے۔ تمہیں وہ چیزیں پسند ہیں جو تمہارے پاپا کو پسند ہیں۔ تم ہی میرا اصلی ولی عہد ہو۔"
"نہیں پاپا اسفند نے بھی آپ کا دماغ لیا ہے اسے بھی میتھس بہت پسند ہے۔ اسے بھی ٹینس میں مہارت حاصل ہے اور اسے بھی قیمہ اور کچنار کے علاوہ بگھارے بینگن بہت پسند ہیں۔"
آج وہ ہواؤں میں اڑ رہی تھی۔ خوشی سے قدم زمین پہ نہیں ٹک رہے تھے۔
اختیار بیگ وہ ڈائری اپنے سامنے رکھے سوچ رہے تھے کہ وہ کس طرح اسے کھولنے کی ہمت کریں۔

❀......❀......❀

دادی جان کے کمرے میں آ کر سرینا بھاگ کر ان سے لپٹ گئی۔
"دادی جان...... میں آج کتنی خوش ہوں...... میں آپ کو بتا نہیں سکتی...... میرا دل چاہ رہا ہے ساری دنیا کو پھولوں سے سجادوں...... تاروں سے بھردوں۔"
"کیا بات ہے...... میری بیٹی کو آج کیا مل گیا......؟"
"آج مجھے کل کائنات کی دولت مل گئی ہے۔ آج میرا سب سے بڑا خواب پورا ہوگیا ہے۔ آج میں نے وہ پالیا ہے جس کی بچپن سے تمنا کی تھی۔ جس کی حسرت میں پہروں رویا کرتی تھی۔"
"اللہ تمہیں تمہارے خواب مبارک کرے۔" انہوں نے اس کا سر اپنے سینے سے لگا کر چوم لیا۔ "آج میرے دل کو بھی سکون نصیب ہوا ہے۔ میں چاہتی تھی تمہیں وہ ساری خوشیاں ملیں جن کی تم حق دار ہو اور تمہارے سارے غم میں اپنے دامن میں سمیٹ لوں۔ خدا کا شکر ہے آج میری خواہش پوری ہوگئی۔"
"آپ جانتی تھیں دادی اماں؟" اس نے حیرت سے سر اٹھالیا۔
"ہاں بیٹا...... شہریار نے سب سے پہلے مجھے ہی بتایا تھا...... اور میرے کہنے پہ ہی تمہیں ادھر لے کر آیا تھا۔" دادی اماں نے محبت سے کہا تو وہ دوبارہ ان سے لپٹ گئی۔
"اور آج میں بہت خوش ہوں کہ آپ اصل میں میری اپنی دادی اماں ہیں۔"

"اور جس نے تمہیں جنم دیا ہے وہ ماں بہت خوش نصیب ہے...... کاش میں اپنی بہو سے مل سکتی۔" دادی اماں کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ سرینا کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔

"اور جن پھولوں سے تم اس دنیا کو بھر دینا چاہتی ہو...... وہ اس وقت تمہارے گالوں پہ کھل رہے ہیں اور وہ ستارے تمہاری آنکھوں میں چمک رہے ہیں۔"

"دادی پوتی میں کیا راز و نیاز ہو رہے ہیں......؟"

اسی وقت شہریار اندر آئے اور سرینا کی کیفیت دیکھ کر حیران رہ گئے...... خوشی نے اسے ایک انوکھا خوب صورت رنگ دیا تھا۔

"رازوں کا وقت ختم ہو گیا شہریار......؟" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "اب تو یہ سب کچھ کھلنے کا وقت آ گیا ہے۔"

"سب کچھ کھلنے کا......؟" انہوں نے معنی خیز انداز سے ان کی طرف دیکھا تو وہ خفیف سی ہو کر مسکرا دی۔

"دادی جان...... آج آپ بھی باہر چلیں...... سب کے درمیان بیٹھیں...... آپ کو مزا آئے گا۔"

پھر وہ دادی جان کو وہیل چیئر میں بٹھا کر شہریار کی مدد سے باہر لے کر آئی تو سب نے تعجب سے دیکھا۔ شہریار نے ان کی چیئر صوفے کے بالکل ساتھ لگا دی...... عرشی اور کاشی بھی ان کے ساتھ قالین پہ بیٹھ گئے۔ رانی اور نذیراں چائے کی ٹرالی دھکیلتی ہوئی ادھر ہی لے آئیں...... زرینہ بیگم اور نازنین ابھی اوپر سے نہیں آئی تھیں اس لیے کھل کر آپس میں ہنسی مزاح کر رہے تھے۔ شہریار نے چائے کا کپ سرینا کی طرف بڑھایا تو اس نے مسکرا کر شکریہ کہتے ہوئے کپ تھام لیا۔ اسی وقت زرینہ اور نازنین سیڑھیوں سے اتر رہی تھیں...... نیچے کا منظر دیکھ کر اور سب کو اس قدر خوش گپیوں میں مصروف دیکھ کر دونوں آگ بگولا ہو گئیں۔

"یہ کیا ہو رہا ہے...... اور یہ خالہ جان آج باہر کیا کر رہی ہیں......؟"

"آج دادی جان کا باہر بیٹھنے کا موڈ ہو رہا تھا چچی جان...... تو میں انہیں باہر لے آیا...... ان کی صحت پہ اچھا اثر پڑے گا......" شہریار نے سرینا کے بولنے سے پہلے ہی کہہ دیا تو وہ خاموش ہو گئی۔ لیکن پھر کچھ سوچ کر بولی۔

"دادی جان آپ روز اسی طرح یہاں لاؤنج میں بیٹھا کریں...... اس طرح آپ بور نہیں ہوں گی۔"

"اے لڑکی...... تم اپنے مشورے اپنے پاس ہی رکھو اور ہمارے گھریلو معاملات میں دخل اندازی مت کرو۔"

"معاف کیجیے آنٹی...... میں آپ کے گھریلو معاملے میں ہرگز مداخلت نہیں کر رہی...... میں تو اپنی دادی جان کے بارے میں بات کر رہی ہوں۔" وہ سنجیدگی سے بولی تو نازنین چیخ پڑی۔

"وہ تمہاری دادی جان نہیں ہیں۔"

"پلیز نازنین مجھ سے اس طرح چیخ کر بات مت کرو...... یہ ایٹی کیٹس کے خلاف ہے۔"

"اوہ یو...... یو مڈل کلاس گرل...... تم خود کو کیا سمجھتی ہو......؟ اگر شہریار تمہیں یہاں لے آیا ہے تو تم مجھ سے مقابلہ کرنے لگی ہو...... تم سمجھتی ہو شہریار تمہاری حمایت کرے گا...... ہرگز نہیں وہ میرا منگیتر ہے اور میں اسے اس بات کی اجازت نہیں دوں گی کہ تم جیسی لڑکیوں کے منہ لگے۔"

شہریار کا چہرہ سرخ ہو گیا...... وہ ایک دم کھڑا ہو گیا۔

"نازنین بی ہیو یور سیلف...... سرینا میری مہمان ہے اور اس گھر کی یہ روایت ہے کہ مہمان کی عزت کی جاتی ہے۔"

"مہمان...... مائی فٹ......" وہ بے انتہا تنفر سے بولی۔

"تم ہرا یرے غیرے کو کہیں سے اٹھا کر لے آؤ گے تو میں اس کی عزت کرنے لگوں گی اور تم اس کی سائیڈ لے رہے ہو......؟"

"شہریار......" زرینہ نے ذرا تحمل سے کہا۔ "بیٹا مجھے امید نہیں تھی کہ تم یوں نازنین کی انسلٹ کرو گے۔"

"چچی جان آپ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی اس کی

حمایت کررہی ہیں۔۔۔۔۔ہمیں ہرقسم کے حالات میں اپنے جذبات کو اپنے کنٹرول میں رکھنا ہے۔۔۔۔۔اور اس کو یہ سبق ابھی سے سیکھنا پڑے گا۔"

"تم مجھے سبق سکھانے والے کون ہوتے ہو۔۔۔۔۔؟"

"ابھی تو تم نے بتایا تھا کہ میں تمہارا کون ہوتا ہوں۔۔۔۔۔" انہوں نے تمسخر سے اس کی آنکھوں میں دیکھا تو وہ کچھ کہنے کے قابل نہ رہی۔

"شہریار دادی جان کو اندر نہ لے چلیں۔۔۔۔۔؟" سرینا نے جان بوجھ کر اسے مخاطب کرتے ہوئے معصومیت سے کہا تو شہریار نے بے اختیار ہونٹوں پہ آنے والی مسکراہٹ کو بڑی مشکل سے دانتوں میں دبایا ورنہ بڑا طوفان کھڑا ہوجاتا۔

"سرینا آپ شرارت سے باز نہیں آئیں گی۔۔۔۔۔ آپ کو نازنین کو بھڑکانے میں مزہ آتا ہے۔۔۔۔۔؟" اندر آکر وہ مسکرایا۔

"بہت۔۔۔۔۔" وہ خوشی سے ہنسی۔۔۔۔۔ "آپ کو بہت برا لگتا ہے؟ آفٹر آل وہ منگیتر ہے آپ کی۔۔۔۔۔"

شہریار نے بے بسی سے اس کی طرف دیکھا۔ "اپنی اپنی قسمت ہے۔۔۔۔۔ ہر کوئی آپ کی طرح خوش قسمت تو نہیں ہوتا۔"

"کیا آپ نے میری قسمت میں کوئی شہزادہ گلفام دیکھ لیا ہے۔۔۔۔۔؟"

"ہاں ایک شہزادہ ہے تو۔۔۔۔۔ جو بہت چاہتا ہے آپ کو۔۔۔۔۔"

"کون۔۔۔۔۔ کیا نام ہے اس کا۔۔۔۔۔؟" وہ کنفیوز ہوکر انہیں دیکھنے لگی۔

"گلفام ہی ہے۔۔۔۔۔ اصل میں اس کی آنکھوں میں آج کل ہر وقت پھول کھلے رہتے ہیں کسی کے تصور سے۔۔۔۔۔ اس لیے گلفام ہی ہوا نا۔۔۔۔۔"

"اوہ۔۔۔۔۔ وہ سمجھ کر مسکرائی۔۔۔۔۔ اور پھر دادی جان کی طرف متوجہ ہوئی۔۔۔۔۔" دادی جان ذرا پوچھیے گا کون خوش قسمت ہے وہ جس کے تصور سے پھول مہکتے ہیں۔۔۔۔۔ شہزادہ گلفام کے دل میں۔"

"بیٹا تم دونوں اپنی گفتگو میں مجھ بوڑھی کو کیوں لاتے ہو بیچ میں۔"

"میں بتاتا ہوں دادی جان ایسا کیوں ہے۔۔۔۔۔؟" شہریار نے گہری نظروں سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔

"بعض لوگ بہت بزدل ہوتے ہیں۔۔۔۔۔ وہ اپنے راز کو راز رکھنے میں ماہر ہوتے ہیں۔۔۔۔۔ آپ کو یاد ہے سرینا پہلے دن جب آپ دادی جان سے ملنے آئی تھیں تو آپ نے کیا کہا تھا۔۔۔۔۔؟"

"نہیں تو۔۔۔۔۔؟" وہ حیران ہوئی۔

"آپ نے کہا تھا دادی جان آپ اپنا ہر راز مجھے بتا سکتی ہیں۔۔۔۔۔ میں راز کو راز رکھنے میں ماہر ہوں۔"

"ہوں۔۔۔۔۔ اور آپ نے کہا تھا یہ تو ہم جانتے ہیں۔۔۔۔۔ اور میں نے پوچھا تھا کہ کیا مطلب ہے آپ کا۔۔۔۔۔؟"

"اور میں نے کہا تھا پھر کبھی سہی۔۔۔۔۔ مطلب پھر کبھی سہی۔۔۔۔۔ تو میں بھی تو عرض کررہا تھا کہ بعض لوگ راز کو راز رکھنے میں ماہر ہوتے ہیں۔۔۔۔۔ دل کی بات زبان پہ نہیں لاتے۔"

سرینا نے جلدی سے رخ موڑ لیا۔

"جب دل کی بات زبان پہ لانے سے رسوائی کے علاوہ کسی چیز کی توقع نہ ہو تو پھر وہ بات راز ہی رہنی چاہیے۔"

"اور یوں بھی۔۔۔۔۔" اس نے واپس رخ موڑ کر اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ "کسی اور کی چیز پہ نظر نہیں رکھنی چاہیے۔"

دادی جان نے لیٹ کر آنکھیں بند کرلی تھیں شاید وہ جان بوجھ کر سوتی بن گئی تھیں کہ وہ دونوں دل کی بات آرام سے کرسکیں۔

"میں نہ تو کوئی چیز ہوں۔۔۔۔۔ اور نہ ہی کسی کی جائیداد ہوں۔۔۔۔۔" وہ انتہائی سنجیدگی اور متانت سے بولے۔

"میں وہی کروں گا جو چاہوں گا اور جو میرے دل کی مرضی ہوگی...... چاہے آپ اس معاملے میں کوئی بھی رائے رکھتی ہوں...... میں چچا جان کی طرح خود کو قربانی کے لیے پیش نہیں کروں گا...... مجھے صرف یہی کہنا ہے......" وہ تیزی سے کمرے سے نکل گئے اور وہ دم بخود کھڑی رہ گئی۔

❀ ❀ ❀

اختیار بیگ نے ڈائری کا پہلا صفحہ کھولا تو ان کی ساری حسیات آنکھوں میں سمٹ آئیں۔

"میں اتنے دنوں سے یہی سوچ رہی تھی کہ اختیار کے منہ سے وہ ہولناک اور تباہ کن باتیں سننے کے بعد میں زندہ کس طرح رہی...... زندہ کیوں رہی......؟ وہ جب اپنے دل کا سارا زہر میرے کانوں میں انڈیل رہے تھے تو میری تمام حسیں جیسے منجمد ہوکر رہ گئی تھیں...... میں نہ تو ہل سکتی تھی نہ بول سکتی تھی' اور نہ ہی قدم اٹھا کر آگے بڑھ سکتی تھی۔ اگر میں بول سکتی تو انہیں چیخ کر وہیں روک دیتی...... اگر میں چل سکتی تو بڑھ کر ان کے منہ پہ ہاتھ رکھ دیتی...... لیکن مجھے تو یہ شاک اپنی جگہ سے ملنے نہیں دے رہا تھا کہ اختیار یہ سب کچھ مجھ سے کیسے کہہ سکتے ہیں...... مجھے یقین نہیں آرہا تھا کہ اختیار اتنے سفاک ہوسکتے ہیں؟ اس بات نے میرے جسم سے جان ہی نکال دی تھی...... انہوں نے دو ماہ مجھے ہر طرح سے دیکھا تھا' میرے ساتھ سارا وقت گزارا تھا مجھے اندر باہر سے ہر طرح سے جانتے تھے پھر وہ مجھ سے وہ ساری باتیں کس طرح کہہ سکتے تھے' لیکن جب وہ اس حد سے آگے بڑھے...... اور ان کی زبان پہ طلاق کا نام آیا تو میں پوری قوت سے چیخ پڑی لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا...... اور وہ ایک چھوٹا سا ڈبا پھینک کر ہمیشہ کے لیے نکل گئے...... میں نے ان کے پیچھے جانا چاہا لیکن میرے قدموں نے ساتھ نہ دیا...... میں وہیں بے ہوش ہوگئی۔"

اختیار نے میز پہ اپنا سر رکھ دیا اور بچوں کی طرح رو پڑے...... ان کے دل سے غم لاوے کی طرح ابل کر آنکھوں کے راستے باہر آرہا تھا' آگے اس نے تفصیل لکھی تھی کہ اصل میں کیا ہوا تھا...... اختیار کا دل چاہ رہا تھا کہ زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں سما جائیں...... انہوں نے کتنی سفاکی سے اس کے شفاف دامن پہ گندگی کے چھینٹے دے مارے تھے...... اور وہ بھی صرف اس کینہ پرور خبیث آدمی کے کہنے پر۔

"آج مجھے معلوم ہوا کہ خدا نے مجھے کیوں زندہ رکھا...... میں ڈاکٹر کے پاس گئی تو اس نے بتایا کہ میں ماں بننے والی ہوں...... میرا دل غم سے کچھ اور بوجھل ہوگیا...... میں اس ننھی جان کو دنیا میں لاکر کیا کروں گی...... جس کی دنیا پہلے ہی اجڑ گئی ہے...... میں اسے اچھی زندگی کیسے دوں گی...... اس کا باپ کہاں سے مہیا کروں گی...... لیکن یہ تو میرے اور اختیار کے پیار کی نشانی ہے...... اختیار نے میرے ساتھ جو بھی کیا اس کے باوجود میں تو اس سے محبت کرتی ہوں۔ کچھ بھی ہو مجھے تو اسے جنم دینا ہی ہے لیکن اختیار کو بتانا بھی ضروری ہے۔ یہ ان کی اولاد ہے اور اس کے بارے میں جاننا ان کا حق ہے۔

"اختیار نے مجھے جو ایڈریس دیا تھا...... آج میں نے اس پہ خط لکھ دیا ہے اور ان کو بتا دیا ہے کہ وہ باپ بننے والے ہیں۔ شاید اس خبر سے وہ واپس آجائیں۔"

اعتزاز نے اختیار کے جانے کے بعد بلا خوف گھر آنا شروع کردیا ہے...... میں آج تک ماما کی وجہ سے بچی ہوئی ہوں لیکن میں اس وقت سے ڈرتی ہوں اگر وہ کبھی ماما کی غیر موجودگی میں آگیا تو میں اپنی حفاظت کیسے کروں گی...... میں نے ماما سے کہہ دیا ہے کہ ہم خالہ کے پاس ملتان چلے جاتے ہیں...... خالہ کا بڑا سا گھر ہے...... اور وہ اکیلی ہوتی ہیں...... پہلے تو ماما نہیں مانتی تھیں لیکن جب میں نے اعتزاز کے ارادوں کے بارے میں بتایا تو راضی ہوگئیں...... ملتان پہنچتے ہی میں نے دوبارہ اختیار کو خط لکھا اور اطلاع دی...... ساتھ میں ملتان کا ایڈریس بھی لکھ دیا...... لیکن ان کا کوئی جواب نہیں آیا۔"

"آج تین ماہ ہوگئے ہیں...... لیکن اختیار نے میرے کسی خط کا جواب نہیں دیا...... اب مجھے یقین ہوگیا

ہے کہ وہ کبھی مجھے معاف نہیں کریں گے...... اور کبھی میری پاکیزگی پہ یقین نہیں کریں گے...... کبھی میرا دل چاہتا ہے کہ ان کے دیئے ہوئے ایڈریس پہ خود ہی پہنچ جاؤں...... شاید مجھے دیکھ کران کی محبت جاگ جائے لیکن اگر انہوں نے سب کے سامنے میری بے عزتی کردی اور گھر سے نکل جانے کو کہا تو...... میرے پاس کیا بچے گا......؟

"آج میں نے آخری بار اختیار کو خط لکھا...... اس بار میں چیک اپ کے لیے گئی تو ڈاکٹر نے بتایا کہ میں جڑواں بچوں کی ماں بنوں گی تو میں نے سوچا اختیار کو حق ہے یہ جاننے کا کہ وہ جڑواں بچوں کے باپ بن رہے ہیں...... لیکن خط واپس آ گیا...... لفافے پہ لکھا تھا کہ ایڈریس چینج ہوگیا ہے...... شاید اختیار نے گھر بدل لیا۔"

"سرینا اور اسفند میری آنکھوں کی روشنی ہیں...... اگر اختیار ایک بار انہیں دیکھ لیتے تو ان کی محبت میں گرفتار ہوجاتے لیکن ان بچوں کی قسمت میں شاید باپ کی محبت نہیں لکھی۔"

"سرینا اور اسفند جڑواں ہیں اس لیے ان کی عادتیں بہت ملتی ہیں اور یہ دیکھ کر میرے دل کو سکون نصیب ہوتا ہے کہ دونوں نے اپنا ٹینس کا ٹیلنٹ اپنے باپ سے لیا ہے...... دونوں کا میتھ غضب کا ہے بالکل اختیار کی طرح...... دونوں کو قدرتی طور پہ وہی کھانے پسند ہیں جو ان کے باپ کو پسند تھے...... کاش اختیار انہیں دیکھ سکتے۔"

"دونوں بہن بھائی بڑے ہوگئے ہیں اور اپنے باپ کے بارے میں پوچھتے ہیں لیکن میں کیا بتاؤں...... خاموش ہوجاتی ہوں...... میں نے اپنا زیور سنبھال کر رکھا تھا...... وہ میں نے صرف اور صرف ان دونوں کی تعلیم کے لیے رکھا ہوا ہے...... اختیار کے بچوں کو اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونا چاہیے...... بالکل اپنے باپ کی طرح۔"

"سرینا میں میری بہت زیادہ جھلک ہے لیکن اسفند کو دیکھ کر مجھے اختیار کی یاد آتی ہے...... وہ باپ سے بہت ملتا ہے...... میں جب بھی اسے یہ بات کہتی ہوں وہ غصہ ہوجاتا ہے...... اپنے باپ کے بارے میں کچھ بھی سننا نہیں چاہتا اور میرا دل اس بات سے افسردہ ہوجاتا ہے...... اس کے برعکس سرینا ہر وقت مجھ سے اپنے باپ کے بارے میں سننا چاہتی ہے۔ میں اپنی حسرت اس سے باتیں کرکے پوری کرلیتی ہوں۔ وہ اپنے باپ کی ہر چھوٹی چھوٹی بات جانتی ہے جو میرے علم میں تھی۔ اسے بہت خواہش ہے اختیار سے ملنے کی...... وہ واحد تصویر جو اختیار نے مجھے دی تھی اس نے فریم کروا کے سنبھال کر رکھی ہوئی ہے اور اکثر اسے دیکھتی رہتی ہے...... اور میں سوچتی ہوں کاش اختیار اسے دیکھ سکتے تو اس پہ فخر کرتے۔"

"آج سرینا الماری سے میرے لیے کپڑے نکال رہی تھی کہ وہ چھوٹا سا ڈبا نیچے گر پڑا...... اس نے جلدی سے اٹھا کر اسے کھولا اور لاکٹ نکال کر میرے سامنے کیا۔

"یہ کیا ہے ماما...... یہ کس کا ہے......؟" وہ اشتیاق سے بولی...... میری اس لاکٹ پہ نظر پڑی تو میری سانس رک گئی۔

"اسے واپس رکھ دو سرینا...... اور آئندہ اس کو ہاتھ مت لگانا؟"

"کیوں ماما......؟" وہ حیرت زدہ تھی۔

"بس میں نے کہہ دیا ہے...... اتنا ہی کافی ہے۔"

"اوکے ماما......" وہ الجھن سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ "ویسے ہے بڑی خوب صورت چیز...... اور قیمتی بھی......"

اس کی قیمت کا اندازہ وہ کیا جانے...... یہ تو میری زندگی کے سیاہ ترین دن کی یادگار تھی۔ اسے روشنی کا پیغام بننا تھا مگر یہ اندھیروں کا نشان تھی۔ کس نفرت سے اختیار نے اسے میرے قدموں میں پھینکا تھا۔ مجھے لگا تھا یہ چھوٹا سا ڈبا مجھے ڈس لے گا۔ میں اسے کھول کر دیکھنے کی جرأت نہ کرسکی۔ ماما نے اسے اٹھا کر الماری میں رکھ دیا۔ تب سے وہیں پڑا تھا...... اور میں اسے کبھی دیکھنا نہیں چاہتی تھی...... ماما نے مرنے سے پہلے اسے سرینا کے حوالے کردیا کہ یہ تمہارے باپ کی نشانی ہے۔

"سرینا اور اسفند دونوں اپنی منزل پہ پہنچ گئے ہیں...... میں چاہتی تھی کہ جانے سے پہلے سرینا کی شادی کردوں تاکہ سکون سے مرسکوں...... لیکن یہ شاید میری قسمت میں نہیں ہے...... میں نے اسفند سے وعدہ لیا ہے کہ جلد از جلد اس کی شادی کے فرض سے سبکدوش ہو...... اور اگر کبھی اختیار سے آمنا سامنا ہو تو اس سے عزت سے پیش آئے اور انہیں بتائے کہ ان کی ماں بے قصور تھی۔"

ڈائری ختم ہوگئی تھی...... لیکن وہ اندھیرے میں کتنے گھنٹوں سے بیٹھے تھے...... یوں لگ رہا تھا جیسے زندگی بے کار ہوگئی ہے...... زندہ رہنے کی کوئی وجہ نہ ہو...... وہ اسی طرح بے جان جسم اور غم سے چور ہوا دل لیے بیٹھے رہے۔ ان کا دل چاہ رہا تھا کہ خود کو ایسی سزا دیں جس سے دل کو تھوڑا سکون نصیب ہو اور ان کے احساس جرم میں تھوڑی کمی آئے...... لیکن انہوں نے زرینہ کے ساتھ جو زندگی گزاری تھی وہ بھی کسی سزا سے کم تو نہیں تھی۔ اس نے کبھی ان کا غم جاننے کی کوشش نہیں کی تھی...... ان کے زخموں پہ مرہم رکھنے کے بارے میں کبھی نہ سوچا تھا۔

زرینہ ان کے زخموں پہ کیا مرہم رکھتیں انہیں اختیار کی طرف سے جو زخم ملے تھے وہ خود مرہم کے طلبگار تھے لیکن ان پہ مرہم رکھنے والا کوئی نہ تھا۔ وہ شروع سے اختیار سے منسوب تھیں اور ان کے حوالے سے انہوں نے بے شمار خواب دیکھے تھے لیکن جب یہ خواب پورا ہونے کا وقت آیا تو ان پہ یہ انکشاف ہوا کہ یہ خواب صرف خواب ہی تھے ان میں اختیار کا تو کوئی حصہ نہیں تھا...... وہ دلہن بن کر اپنے دل میں ارمانوں کے ہزاروں گلاب کھلا کر لائی تھی لیکن پہلی ہی رات اختیار کے سرد رویے نے ان کا دل توڑ دیا...... ان کے ارمانوں کا گلا گھونٹ دیا۔ وہ تو سمجھ رہی تھیں کہ ان کی طرح اختیار بھی ان سے محبت کرتے ہوں گے لیکن ان کا دل ٹوٹ گیا...... اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے رخشندہ اور مہر النساء بیگم سے بھی کنارہ کشی کرلی...... ان کے ساتھ بھی سرد رویہ اختیار کرلیا...... وہ بس اپنی ہی ذات میں گم رہتی تھیں اور ایک روز جب ڈاک پہ انہوں نے سرسری سی نظر ڈالی تو کشمیر سے آئے ایک خط نے ان کی توجہ کھینچ لی۔ انہیں پتا تھا کہ اختیار کشمیر گئے تھے اور دو ماہ وہاں گزار کر آئے تھے...... تجسس سے مجبور ہو کر انہوں نے چپکے سے وہ لفافہ چھپالیا اور اپنے کمرے میں جا کر دروازہ لاک کر کے پڑھا تو اختیار کے تمام رویوں کی وجہ ان کی سمجھ میں آگئی تو یہ بات ہے...... اختیار کشمیر میں اپنا دل ہار کر اور شادی کر کے آئے تھے...... اور اب بچے کے باپ بھی بننے والے تھے۔ فارینہ نے رو رو کر اپنی ساری داستان بھی ساتھ لکھی تھی اور اپنی صفائی بھی پیش کی تھی۔

یہ خط اختیار سے چھپانا لازمی تھا۔ بچے کی خبر سن کر اختیار کا رکنا ناممکن تھا...... انہوں نے اسے اپنے لاکڈ دراز میں منتقل کردیا...... اب وہ ہمیشہ ڈاک آنے کے وقت صحیح جگہ پہ موجود رہتیں تاکہ اگر اور خط آئے تو اختیار کے ہاتھ نہ لگے...... پھر انہیں خطرہ لاحق ہوگیا کہ اگر خط کا جواب نہ ملنے کی صورت میں خود ہی وہ آگئی تو کیا ہوگا؟ پھر وہ اختیار کو اس کے پنجے سے کیسے چھڑا ئیں گی؟ تب انہوں نے بابا جان سے گھر بدلنے کی ضد شروع کردی۔

بابا جان کا خود بھی یہی خیال تھا کہ بچوں کی اولادیں ہوں گی تو گھر چھوٹا پڑ جائے گا...... اس لیے وہ گھر جو شاید کچھ عرصے بعد خریدا جاتا وہ جلدی خریدا گیا...... اور وہاں منتقل ہو کر زرینہ نے سکون کا سانس لیا...... اور اس کے بعد کوئی خط نہ آیا...... اور جب وہ امید سے ہوئیں گھر بھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی...... بختیار احمد نے اختیار بیگ کو یاد دلایا......

"تمہیں اپنا وعدہ یاد ہے نا اختیار کہ اگر تمہاری پہلی بیٹی ہوئی تو اس کی نسبت میرے شہریار سے طے ہوگی......؟"

"یاد ہے بھائی...... یاد ہے فکر نہ کرو...... میری پہلی بیٹی تمہارے شہریار کی دلہن ہی بنے گی۔"

بیٹی کی پیدائش پہ اختیار بیٹی کی طرف تو مائل ہوگئے لیکن زرینہ کے ساتھ ان کا رویہ سرد ہی رہا۔ پھر کاشی پیدا ہوا تو بھی انہیں کوئی خاص فرق نہ پڑا...... بعض اوقات زرینہ اس پتھر دل انسان کی سنگدلی پہ حیران بھی ہوتیں

......کہ کیسا مرد ہے اتنی خوب صورت بیوی گھر میں موجود ہے لیکن وہ ہر وقت ماضی کی راکھ میں گم رہتا ہے...... وہ کیا جانیں یہ تو دل کے معاملات ہوتے ہیں...... لیکن خود دار وہ بھی تھیں محبت کی بھیک مانگنا ان کو بھی گوارا نہیں تھا...... اگر زندگی اسی طرح کٹنی ہے تو کٹ جائے...... وہ بھی اس پتھر کے ساتھ سر نہیں پھوڑیں گی۔

❀......❀......❀

آفس آنے کے لیے وہ شہریار کی گاڑی میں بیٹھی تو فوراً ہی اسے محسوس ہوا کہ وہ غیر معمولی طور پر سنجیدہ تھے۔ وہ ان کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔

"موڈ کچھ خراب لگ رہا ہے۔"

"کس کا......؟"

"ظاہر ہے آپ کا......اور تو کوئی نہیں اس گاڑی میں......" وہ اس کی بات پہ خاموش رہے تو وہ بولی۔

"کسی سے خفا ہیں کیا......؟" شہریار نے گردن موڑ کر شکوہ بھری نظروں سے اسے دیکھا اور پھر سڑک کی طرف دیکھنے لگے۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے...... آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"آپ مجھ سے تو خفا نہیں ہیں نا؟ وہ چند لمحے کچھ سوچتے رہے۔

"ہو بھی سکتا ہوں۔"

"تو اس کا مطلب ہے، مجھ سے ہی خفا ہیں آپ...... لیکن کیوں؟"

شہریار نے گہری سانس لی اور خاموش رہے...... تب ہی آفس آ گیا تو بات وہیں ختم ہو گئی۔ اس کے اترتے ہی انہوں نے گاڑی آگے بڑھا دی...... خدا حافظ بھی نہ کہا تو سرینا کے دل میں ملال اتر آیا۔ اندر آتے ہی وہ سیدھی اختیار بیگ کے آفس میں آ گئی۔

"السلام علیکم پاپا......" اس کے تر و تازہ چہرے پہ مسکراہٹوں کے پھول کھل رہے تھے۔ اختیار بیگ بے اختیار اٹھے اور اسے گلے سے لگا لیا۔

"کہاں رہی ہماری بیٹی کل سارا وقت...... گھر میں سارا وقت میری نظریں تمہیں ہی ڈھونڈتی رہیں۔"

"پاپا...... میں سارا وقت اپنے کمرے میں اگلا دن طلوع ہونے کا انتظار کرتی رہی۔ تاکہ آفس آ سکوں اور آپ کو پھر سے پاپا کہہ سکوں...... نیچے بھی اسی لیے نہیں آئی کہ آپ کو دیکھ کر انکل کہنا اب میرے لیے قابل قبول نہیں رہا۔"

"تو ہم آج شام ہی گھر میں باقاعدہ اعلان کروا دیتے ہیں کہ آپ ہماری بیٹی ہیں۔"

"ریئلی......" اس کی آنکھیں حیرت سے کھل گئیں۔ "لیکن...... لیکن زرمینہ آنٹی اور نازنین وہ کیا سوچیں گی؟ انہیں تو بہت بڑا شاک لگے گا...... اور نازنین کو بہت غصہ آئے گا پاپا۔"

"تو کیا تم چاہتی ہو میں اسے راز رکھوں......؟"

"نہیں پاپا...... میں تو ساری دنیا کو بتا دینا چاہتی ہوں لیکن کسی کو دکھ بھی نہیں دینا چاہتی۔"

"بیٹا بات یہ ہے کہ جب بھی ان کو اس حقیقت کا پتا چلے گا۔ شاک پہنچے گا اس لیے جتنی جلدی سچائی ظاہر ہو جائے اتنا ہی اچھا ہے آخر تو سب کو بتانا ہے نا۔"

❀......❀......❀

ساری شام وہ بے حد مضطرب رہی...... سب لاؤنج میں چائے پی رہے تھے لیکن وہ سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھی...... شہریار کی گہری نظریں بار بار اس کے بے چین چہرے کی طرف اٹھ رہی تھیں...... دادی جان بھی آج ویل چیئر پر باہر ہی بیٹھی تھیں۔ عرشی ان کے پاس کارپٹ پہ بیٹھی مزے مزے کی باتیں کر کے دل بہلا رہی تھی۔ دادی جان نے سرینا کی طرف دیکھا...... اس کا کپ جوں کا توں رکھا تھا...... انہوں نے اس کی توجہ اس کی طرف مبذول کروائی تو اس نے چونک کر کپ اٹھایا...... اور جانے کیسے اس کا ہاتھ کانپا اور چائے نازنین کے اوپر گر گئی...... وہ تڑپ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ہائے یو جاہل گنوار...... تم مجھے جلانا چاہتی ہو۔"

"آئی ایم سوری نازنین...... غلطی سے گر گئی۔"
"سوری کی بچی...... غلطی سے یہ سب نہیں ہوا...... تم نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے......"
"آئی سوئیر نازنین......"
"اوشٹ اپ......" اس کا چہرہ غصے سے لال ہو رہا تھا۔ زرینہ بیگم سب کچھ دیکھ رہی تھیں لیکن انہوں نے ایک بار بھی اسے منع کرنے کی کوشش نہیں کی...... تو دادی جان نے اسے سمجھانا چاہا۔
"نازو بیٹا...... ایسے نہیں کہتے ...... سرینا مہمان ہے...... اور مہمانوں سے اس طرح بی ہیو نہیں کرتے۔"
"مہمان...... مہمان......" اس نے غصے سے پاؤں زمین پہ مارا......"میں تنگ آ گئی ہوں اس مہمان سے اسے کہیں چلی جائے اب یہاں سے بہت رہ لیا۔"
"نازنین...... تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا۔"
"تم مجھے ڈانٹ رہے ہو اس کی وجہ سے...... کیوں اٹھا لائے ہو تم اس مصیبت کو ادھر۔"
سرینا کا چہرہ سرخ ہو گیا۔
"میں نے سوری کر دیا ہے نازنین اتنا کافی ہے...... اس کا یہ مطلب نہیں تم میری انسلٹ کرو۔"
"انسلٹ ان کی ہوتی ہے جن کی کوئی عزت ہو...... اتنی ہی عزت پیاری ہے تو کیوں ہمارے گھر میں اس طرح پڑی ہو چلی کیوں نہیں جاتیں؟"
"اس لیے کہ یہ میرا بھی گھر ہے......" اس نے غصے سے اپنی آنکھیں نازنین کی آنکھوں میں ڈالیں۔
"اچھا......" وہ استہزائیہ انداز میں ہنسی......"کل کو تم یہ بھی کہو گی کہ میرے پاپا تمہارے بھی پاپا ہیں۔"
"کل کیوں......؟" وہ اسی طرح بے باکی سے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولی۔"میں آج ہی کہہ رہی ہو کہ تمہارے پاپا میرے بھی پاپا ہیں۔ ان فیکٹ وہ میرے پاپا پہلے بنے تھے۔"
سب بت بن کر ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔
"اوہ یو شٹ اپ......" غصے کی زیادتی سے نازنین چلائی اور اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا...... سرینا کو تھپڑ مارنے کے لیے...... لیکن اس ہاتھ کو کسی آہنی گرفت نے تھام لیا...... نازنین نے حیرت سے مڑ کر دیکھا اور اختیار بیگ کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئی۔
"سرینا ٹھیک کہہ رہی ہے نازو...... وہ میری بیٹی ہے۔"
نازنین پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان کی طرف دیکھتی رہی...... کتنی ہی دیر کچھ بول نہ سکی...... پھر آہستہ سے بولی۔
"پاپا...... آپ مذاق کر رہے ہیں......؟"
"نہیں بیٹا...... یہ ایک بہت بڑی سچائی ہے......"
زرینہ بیگم خواب کی سی کیفیت میں چلتی ہوئی ان کے قریب آئیں...... اور شعلہ برساتی نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔
"آئی ہیٹ یو اختیار...... میں جس دن سے ڈرتی تھی آخر وہ دن آ گیا میری زندگی میں...... آئی ہیٹ یو۔"
"تم جانتی تھیں کہ سرینا......"
"نہیں سرینا کے بارے میں تو نہیں جانتی تھی" ان کا لہجہ زہر آلود تھا۔"لیکن اتنا ضرور پتا تھا کہ اس دنیا میں کہیں تمہاری دوسری اولاد بھی ہے۔"
اختیار بیگ ششدر ان کے چہرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ انہیں یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔
"کیسے جانتی تھیں تم......؟"
"کیسے جانتی تھی......؟ انہوں نے چھوٹا سا قہقہہ لگایا جس پہ رونے کا گمان ہوتا تھا۔"تمہاری اس چہیتی کے خطوط میں ہی وصول کرتی تھی...... اور پڑھ کر سنبھال لیے تھے...... یہ گھر بھی میری ضد پہ اسی لیے بدلا گیا تھا کہ تم خط کا جواب تو دے نہیں سکتے تھے اس لیے مجھے خدشہ تھا کہ وہ کہیں گھر ہی نہ پہنچ جائے۔"
"کیوں...... کیوں کیا تم نے ایسا......؟"
"کیوں کیا......؟" ان کے لہجے میں تمسخر کے ساتھ اجڑی ہوئی تمناؤں کی راکھ بھی تھی۔

"تم بتاؤ تم نے میرے ساتھ جو کیا وہ کیوں کیا...... تم نے مجھے کیا دیا...... ساری عمر کی نارسائی...... تم نے مجھے سچ بتایا کبھی؟ تم نے مجھے بتایا کہ تم اپنا دل پہلے ہی ہار چکے ہو...... اس لیے میرے لیے کچھ نہیں تمہارے پاس......؟ بولو تم بزدل انسان تم میں سچ بولنے کی ہمت تھی......؟ تم نے کبھی مجھے محبت کے ایک بول کے قابل نہیں سمجھا تو کیا میں تمہیں سزا نہ دیتی......؟"

"تم کون ہوتی ہو سزا دینے والی؟"

"تو تم نے کیا سوچ کر مجھے سزا دی تھی۔ تم نے بھی تو ایک بار یہ نہیں سوچا کہ میرا کیا قصور تھا...... جس کی سزا مجھے مل رہی ہے۔ بولو...... آج مجھے ساری عمر کی بے نیازی اور سرد مہری کا حساب چاہیے ہے تم سے...... کسی اور کی سزا تم نے مجھے کیوں دی......؟"

دادی جان نے اختیار بیگ کے جھکے سر کو دیکھا...... اور انہیں ان دونوں پہ ترس آیا...... دونوں اپنے اپنے خول میں بند رہے تھے۔ دونوں تکلیفیں جھیلتے رہے تھے اپنی اپنی آگ میں جلتے رہے تھے لیکن آرام اور سکون کے لیے دونوں نے ہی ایک دوسرے کی طرف نہ دیکھا تھا۔ ایک کے احساس جرم نے انہیں چین نہ لینے دیا تھا اور دوسرے کی انا راستے میں دیوار بن کر کھڑی رہی تھی...... اور اتنے سارے سال بے نیل و مرام گزار دیئے تھے...... کتنا بڑا نقصان کیا تھا انہوں نے...... کاشی چپکے سے سرینا کے پاس آیا۔

"ہیلو نیو سسٹر...... مجھے بہت خوشی ہے کہ میں آپ کا بھائی ہوں۔"

"اور مجھے بھی بہت خوشی ہے کہ تم میرے اپنے بھائی ہو......" وہ بھی بڑے پیار سے بولی۔ عرشی بھی مسکراتی ہوئی اس کے قریب آئی۔

"ہیلو کزن......" سرینا نے اسے لپٹا لیا۔

"مجھے نہیں گلے لگایا آپ نے...... میں تو بھائی ہوں آپ کا۔" کاشی نے شکوہ کیا تو اس نے اسے گلے سے لگا لیا۔

شہریار نے بھی پاس آ کر کہا۔ "ہیلو کزن...... ویلکم ٹو دا فیملی......" تو کاشی شرارت سے بولا۔

"اب آپ میرے والا شکوہ مت دہرا دیجیے گا شہریار بھائی...... وہی گلے لگانے والا......" تو سرینا بری طرح جھینپ گئی۔ شہریار کے چہرے پہ بھی رنگ سا آ گیا۔

زرینہ بیگم اور نازنین اوپر جا چکی تھیں۔

"پاپا...... دادی جان...... آج تو سیلیبریٹ کرنے کی ضرورت ہے۔ کیوں شہریار بھائی......؟"

سرینا اختیار بیگ کے پاس کارپٹ پہ دوزانو بیٹھ گئی۔

"پاپا...... زرینہ آنٹی اور نازنین کے دل دکھے ہوئے ہیں...... پلیز آپ جایئے نا ان کے پاس۔"

اختیار بیگ نے بے حد پیار سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"تم واقعی فارینہ کی بیٹی ہو...... معاف کر دینے والی...... محبت کرنے والی...... تم فکر نہ کرو...... ابھی دونوں کو ہی تنہائی چاہیے ہے...... میں انہیں سمجھا دوں گا...... اور تم دیکھ لینا ہم سب ایک اچھی فیملی کی طرح رہیں گے۔ تم یہ بتاؤ اسفند کب تک آ رہا ہے......؟"

"ابھی تو دو ماہ باقی ہیں ان کے آنے میں۔ اور میں آپ کو وارن کرتی ہوں پاپا...... ان سے ڈیل کرنا آسان نہیں ہوگا آپ کے لیے...... وہ ماما کے لاڈلے تھے اور انہیں آپ سے ہزاروں شکایات ہیں۔"

"تم کیوں فکر کرتی ہو بیٹا...... میں قصوروار ہوں اس لیے اس کا غصہ سہنے کے لیے تیار ہوں۔ جس طرح مجھے نازنین کا غصہ سہنا ہے...... زرینہ کو مطمئن کرنا ہے...... اس طرح اس کو بھی کر لوں گا۔"

❀...... ❀...... ❀

سرینا کے دل میں زرینہ کے لیے سافٹ کارنر پیدا ہو گیا تھا۔ اسے ان پہ ترس آتا تھا وہ ساری عمر نہ صرف اپنے شوہر کی محبت سے محروم رہی تھیں بلکہ ان خطوط کی وجہ سے ایک آگ میں جلتی رہی تھیں یہ الگ بات تھی کہ ان کی وجہ سے ہی وہ دونوں اپنے پاپا کی محبت سے محروم رہے تھے لیکن اس کی سزا انہوں نے ساری عمر بھگتی تھی اور اب

تو ماما ہی نہیں تھیں اور اس کے پاپا کو بھی اب خوشی چاہیے تھی ان کو بھی دکھ سکھ کی ساتھی کی ضرورت تھی...... تاکہ وہ کم از کم باقی کی عمر تو سکون سے گزار سکیں۔ اس لیے سرینا نے ان کے ساتھ اپنا رویہ بہت اچھا کرلیا تھا...... کبھی کبھی ان سے خود ہی گفتگو شروع کردیتی۔ ان کے بالوں کی ان کی خوب صورتی کی تعریف کردیتی...... ان کی پسند اور ناپسند کے متعلق پوچھ لیتی۔

زرینہ چونک جاتیں۔ اسے تو مجھ سے ناراض ہونا چاہیے کہ میری وجہ سے دونوں بہن بھائی اپنے باپ سے جدا رہے ہیں۔ وہ نہیں جانتی تھیں کہ سرینا فطرتاً محبت کرنے والی اور معاف کردینے والی لڑکی ہے۔ اگر وہ جانتیں تو شاید اتنا حیران نہ ہوتیں لیکن روز بروز سرینا کے یہ اوصاف کھل کر ان کے سامنے آرہے تھے۔ اور ان کی کدورت میں معمولی سی کمی آئی تھی۔ لیکن نزنین کی وجہ سے وہ اس سے بات کرتے ہوئے ڈرتی تھیں۔

کیونکہ جب سے نازنین کو معلوم ہوا کہ سرینا اختیار بیگ کی بیٹی ہے وہ اپنے خول میں سمٹ گئی تھی۔ زیادہ تر اپنے کمرے میں بند رہتی...... اختیار بیگ نے بہت کوشش کی اسے اس حصار سے باہر لانے کی لیکن وہ تو اپنے پاپا سے شدید ناراض تھی لیکن وقت چونکہ ہر زخم کا مرہم ہوتا ہے اس لیے وہ بھی اس صورت حال کی عادی ہوگئی تھی۔ وہ زبان سے تسلیم نہیں کرتی تھی لیکن دل سے اس نے تسلیم کرلیا تھا کہ اب سرینا کہیں نہیں جانے والی اسے اسی گھر میں رہنا ہے۔

اختیار بیگ نے جب سے زرینہ بیگم کی طرف توجہ دینی شروع کی تھی، ان کی شخصیت بھی بدلنا شروع ہوگئی۔ اب ان کے چہرے پر بھی مسکراہٹ آتی تھی...... اب ان کی آنکھوں نے شعلے برسانا چھوڑ دیا تھا۔ سرینا سے زیادہ بات تو نہیں کرتی تھیں لیکن جب بھی کرتیں نرمی سے ہی کرتیں...... اب تو زرینہ بیگم اور اختیار بیگ کے درمیان میاں بیوی والی چھوٹی چھوٹی نوک جھونک بھی ہوتی تھی۔ اکثر شام کو دونوں باہر بھی جاتے تھے...... سرینا کے دل کو سکون سا مل گیا...... اس کے پاپا خوش تھے تو وہ خوش تھی۔ ساری عمر ماما کو غمزدہ دیکھنے کے بعد وہ اب پاپا کو بھی اسی موڈ میں دیکھتے رہنا گوارا نہیں کرسکتی تھی۔

پھر ایک روز بختیار بیگ رخشندہ کے ساتھ واپس آگئے۔ انہوں نے آتے ہی گھر کے ماحول میں حیرت انگیز تبدیلیاں دیکھیں...... اور نئی سرپرائز سے دونوں کے چہرے خوشی سے چمکنے لگے۔ رخشندہ سرینا کو دیکھ کر بہت خوش ہوئیں۔ اس کی شخصیت اور پیاری عادتیں دیکھ کر وہ بہت متاثر ہوئیں...... لیکن ایک بات ان کی سمجھ میں نہیں آئی تھی...... کہ شہریار کو کیا ہوگیا تھا...... وہ سنجیدہ اور خاموش کیوں ہوگیا تھا؟ انہوں نے بڑے پیار سے پاس بٹھا کر اس سے پوچھا بھی لیکن اس نے ان کو کسی چیز کی ہوا بھی نہ لگنے دی...... وہ مضطرب اور بے چین ہوگئیں...... ہر وقت الگ تھلگ بیٹھ کر سوچوں میں گم رہنا...... سب کے ساتھ ہنسی مذاق میں شامل نہ ہونا...... کوئی بات تو تھی جو اسے اندر ہی اندر کھائے جارہی تھی...... ایک دن یونہی جب سرینا نے سب سے ان کی پسند پوچھ کر اپنے ہاتھوں سے شاندار لنچ تیار کیا تھا...... تو سب اس کی تعریفوں کے پل باندھ رہے تھے۔ رخشندہ کو بھی سب چیزیں بہت پسند آئی تھیں۔ رخشندہ نے ازراہ مذاق سرینا کی طرف دیکھا۔

"پتا نہیں وہ کون سا خوش قسمت گھر ہوگا جہاں میری بیٹی جاکر روشنی کرے گی۔" تو یونہی ان کی نظر شہریار پر پڑ گئی...... اس کے چہرے پہ سایہ سا لہرا گیا...... رخشندہ ٹھٹک گئیں۔

"کیوں شہریار...... اچھا کھانا پکایا ہے نا سرینا نے......؟"

"ٹھیک ہے۔" اس نے کہا اور اٹھ کر باہر نکل گیا۔ رخشندہ نے بے اختیار سرینا کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پہ تاریک سائے تھے...... اور آنکھیں نم تھیں...... رخشندہ نے بے اختیار اپنا چمچہ پلیٹ میں رکھ دیا۔ ان کا دل دھک سے رہ گیا۔ تو یہ بات تھی...... ان کا بیٹا سرینا کی محبت میں گرفتار ہوگیا تھا۔ اور جانتا تھا کہ وہ اس

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

کا مقدر نہیں بن سکتی...... کیونکہ اس کے مقدر کا ستارہ نازنین نے بننا تھا۔ ان کا دل کٹ کر رہ گیا۔ تو کیا ان کا بیٹا ساری عمر نامراد ہی رہے گا۔

❁......❁......❁

سرینا بے قراری سے اپنے کمرے میں ٹہل رہی تھی۔ اسے شہریار کی دل گرفتہ اور سنجیدہ شکل دیکھ کر بے چینی ہو رہی تھی۔ کاش وہ اس کے لیے کچھ کر سکتی۔ وہ اس کے دل کی دھڑکن بن گیا تھا۔ وہ بھی اس سے محبت کرنے لگی تھی۔ بلکہ وہ تو اس دن ہی اس سے متاثر ہو گئی تھی جب پہلی بار اسے دیکھا تھا۔ ان دنوں اسفند امریکہ جانے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ اور اسے کچھ کاغذات نہیں مل رہے تھے اس نے بڑی مشکل سے کاغذات ڈھونڈے اور ڈرائنگ روم کی طرف بھاگی۔

"اسفند...... یہ لو مل گئے تمہارے کاغذات......" وہ بھاگ کر اندر داخل ہوئی اور وہیں ٹھٹک گئی...... اندر کوئی اجنبی صوفے پہ بیٹھا اسفند سے بات کر رہا تھا۔

"سوری......"

"او! کوئی بات نہیں سرینا......" اسفند ہنس کر بولا۔

"ادھر آؤ تمہارا تعارف کرواؤں...... یہ شہریار ہیں ہماری کمپنی کی لاہور والی برانچ میں کام کرتے ہیں۔ ان دنوں چند روزہ کانفرنس کے سلسلے میں ان سے ملاقات ہوئی تو پہلی ملاقات میں ہی دوستی ہو گئی۔ شہریار...... یہ میری جڑواں بہن سرینا ہے۔"

شہریار ایک دم کھڑے ہو گئے...... بلیک سوٹ کے ساتھ وائٹ شرٹ اور گرے اینڈ گرین ٹائی میں کھڑے وہ انتہائی شاندار لگ رہے تھے...... ان کی آنکھوں میں اسے دیکھ کر ایک خاص چمک سی پیدا ہوئی۔ جس سے وہ بے اختیار جھینپ گئی۔

"نائس ٹو میٹ یو...... اینڈ آئی ریئلی مین اٹ......"

"آپ بیٹھیے میں آپ کے لیے چائے کا انتظام کرتی ہوں۔" وہ جلدی سے باہر نکل گئی...... باہر آ کر اپنی سانسوں کو ہموار کیا...... دل تھا کہ دھڑک دھڑک کر دیوانہ ہو رہا تھا۔ وہ پہلی نظر میں ہی اس کے دل میں جگہ بنا گیا تھا...... اور جب چائے کی ٹرالی لے کر وہ اندر داخل ہوئی تو اسفند کمرے میں نہیں تھا۔ اور وہ شیلف پر رکھی پاپا کی تصویر کے سامنے کھڑا محویت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ آہٹ پہ مڑا تو اس کی آنکھوں میں کنفیوز سے تاثرات تھے۔ وہ تصویر ہاتھ میں لے کر مڑا۔

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں یہ کس کی تصویر ہے؟" اس نے پوچھا اتنے میں اسفند بھی آ گیا اور وہیں کھڑا ہو گیا۔

"یہ میرے پاپا کی تصویر ہے۔" وہ بڑے پیار سے بولی تو وہ اور بھی حیران ہوا۔

"کیا نام ہے تمہارے پاپا کا......؟" وہ بے چین تھا جاننے کے لیے۔

"اختیار بیگ نام ہے ان کا...... آپ جانتے ہیں انہیں......؟" وہ امید بھری نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی اور شہریار ایک دم ایکسائیٹڈ ہو گیا۔

"یہ میرے چچا ہیں...... لیکن میں کچھ سمجھا نہیں...... اگر آپ لوگ چچا کی اولاد ہیں...... تو اس کا مطلب ہے انہوں نے دوسری شادی کر رکھی ہے۔"

"نہیں دوست...... بدقسمتی سے وہ تمہارے چچا کی پہلی شادی تھی...... جو انہوں نے کشمیر میں کی تھی اور......" اسفند کا لہجہ زہریلا ہو گیا...... پھر شہریار کے اصرار پر ساری کہانی شہریار کو سنائی تو وہ حیران رہ گئے۔

"لیکن اسفند تمہارے امریکہ جانے کے بعد سرینا کہاں رہے گی؟"

"میرے ایک دوست کی فیملی کے ساتھ۔"

شہریار نے چند لمحے کچھ سوچا۔

"تمہارا وہ دوست میں نہیں ہو سکتا کیا؟ اس طرح سرینا اپنی فیملی کے ساتھ ہی رہے گی۔"

"نہیں...... کبھی نہیں...... سرینا وہاں نہیں جائے گی۔" اسفند اٹل لہجے میں بولا۔

"دیکھو یار...... پہلے اچھی طرح سوچ لو......" شہریار

نے سنجیدگی سے کہا۔ ”جہاں تک چچا جان کو میں جانتا ہوں وہ اس قسم کے انسان نہیں ہیں کہ انہیں اپنے بچوں کی موجودگی کا علم ہو اور وہ ان کو نظر انداز کریں۔ ان کا حق نہ دیں...... بیچ میں کچھ گڑبڑ ضرور ہے۔ جو وہیں پہ جا کر معلوم ہوسکتی ہے۔ یوں بھی سرینا کا حق ہے اس گھر پہ اتنا ہی حق ہے جتنا...... میرا یا نازنین اور کاشف کا ہے۔“

پھر شہریار کو اسے کنوینس کرنے میں تین چار دن لگے اور وہ اس شرط پہ مانا کہ جیسے ہی وہ واپس آئے گا سرینا کو فوراً واپس لے آئے گا۔ اور سرینا خوشی سے بے قابو ہو رہی تھی۔

لاہور آ کر ہی اسے معلوم ہوا تھا کہ جس شخص کے سامنے وہ پہلی ملاقات میں ہی دل ہار گئی تھی وہ تو کسی اور کا مقدر تھا...... اور ان دونوں کے درمیان رشتہ بھی ایسا تھا کہ اسے محبت میں اور آگے بڑھنے کا کوئی حق نہ تھا۔ اسے تو ہر قدم بہت احتیاط سے رکھنا تھا۔ لیکن اس کی تمام احتیاطوں کے باوجود وہ زبردستی اندر گھستا چلا آیا تھا......

اسے دل پہ تو اختیار ہی نہ رہا تھا لیکن اس نے دل کے اس راز کو دل کے اندر ہی رکھا ہوا تھا۔ نہ تو وہ شہریار کو بتانے کی جرأت کرسکتی تھی اور نہ ہی کسی اور کو۔ ادھر شہریار کی سنجیدگی اور افسردگی دیکھ کر اس کا دل کڑھتا تھا۔ اور دوسرے شہریار کا اسے اگنور کرنا اسے تکلیف دے رہا تھا۔ شہریار کو معلوم تو تھا کہ وہ کتنے نازک موڑ پر کھڑی ہے پھر اسے اس سے شکوہ کیوں تھا...... وہ تو اس کی مجبوریوں کو سمجھتا تھا...... پھر اپنے عمل سے اس کے دل کو تکلیف کیوں دے رہا تھا...... اس کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آ گئے۔ اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

❀......❀......❀
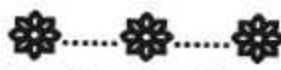
رخشندہ نے کتاب بختیار بیگ کے ہاتھ سے لے کر بیڈ پہ رکھی اور انہیں اپنی طرف متوجہ کیا۔

”آپ نے دیکھا انہیں شہریار خاموش اور افسردہ رہنے لگا ہے؟“

”ہاں نوٹ تو کیا ہے میں نے...... کیا کوئی خاص وجہ ہے؟“

”بڑی گڑبڑ ہو جائے گی بختیار...... مجھے تو اس گھر کی فضاؤں میں طوفان کے آثار نظر آ رہے ہیں۔“

”کیوں بھئی......“ وہ چونک گئے...... ”ایسی کیا بات ہوگئی......؟“

”آپ کو علم ہے نا شہریار بچپن سے نازو سے منسوب ہے۔“

”ہاں سب کو معلوم ہے۔“

”لیکن شہریار شاید اس سے شادی نہ کرنا چاہے۔“

”کیوں......؟“

”سرینا کی وجہ سے...... وہ سرینا سے محبت کرنے لگا ہے۔ اور مجھے تو لگتا ہے سرینا بھی۔“

بختیار بیگ نے اپنی عینک اتار کر سائیڈ ٹیبل پہ رکھی اور سنجیدگی سے رخشندہ کی طرف دیکھا۔

”یہ تو واقعی سیریس بات ہے۔“

❀......❀......❀

”شہریار، ہم سوچ رہے ہیں اب تمہاری شادی کردیں...... تمہیں جاب شروع کیے بھی کافی دیر ہوگئی ہے اور خیر سے نازو نے بھی بی اے کرلیا ہے......“ رخشندہ نے شہریار کے کمرے میں آ کر ان سے بات کی تو وہ پریشانی سے کھڑے ہوگئے چہرہ ایک دم تاریک ہوگیا...... رخشندہ کے دل پہ چوٹ سی پڑی۔

”اتنی جلدی کیا ہے امی...... وہ بے چینی سے بولے...... ان کی آنکھوں میں سرخ ڈورے شب بیداری کے غماز تھے۔

”دیر کی بھی تو کوئی وجہ نہیں ہے۔ اگر تم کہیں اور انٹرسٹڈ ہو تو بتادو......؟“

”ایسی بات نہیں ہے امی...... اگر ہوں بھی تو کیا کرلیں گی آپ...... کیا چچا جان اور چچی جان کو ناراض کرسکتی ہیں؟“

”دیکھو بیٹا...... تمہاری خوشی کے لیے میں کچھ بھی کرسکتی ہوں۔“

”ہاں...... لیکن کیا فائدہ......؟ وہ نہیں مانے گی۔“

"تمہارا مطلب ہے سرینا کو اعتراض ہے......" رخشندہ نے کہا تو وہ حیران رہ گیا۔

"آپ کو کیسے پتا؟"

"بیٹا میں ماں ہوں تمہاری...... اور آنکھیں کھلی رکھتی ہوں۔"

"مجھے چند دن کی مہلت دیں امی...... میں آپ کو جلد بتادوں گا۔"

❀......❀......❀

سب لاؤنج میں بیٹھے اپنے اپنے مشاغل میں مصروف تھے کہ فون کی گھنٹی بجی...... فون اختیار بیگ کے صوفے کے پاس ٹیبل پہ تھا۔

"ہیلو......" انہوں نے فون اٹھالیا۔

"ہیلو...... میں اسفند یار بول رہا ہوں۔ کیا آپ مہربانی سے سرینا سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ تیار رہے میں اسے پک کرنے آدھے گھنٹے میں پہنچ رہا ہوں۔"

"اسفند......" بے اختیار ان کے منہ سے نکلا سب نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"جی...... پلیز انہیں میرا پیغام دے دیں...... تھینک یو......" کہہ کر اس نے سلسلہ منقطع کردیا۔ اختیار بیگ ریسیور کو گھورتے رہ گئے۔ سرینا جلدی سے اٹھ کر ان کے پاس آئی اور دوزانو ہوکر قالین پہ بیٹھ گئی۔

"پاپا اسفند کا فون تھا؟"

"ہاں...... وہ کہہ رہا تھا وہ تمہیں لینے آ رہا ہے۔ تم چلی جاؤ گی اس کے ساتھ......؟" وہ بے چینی سے بولے...... تو وہ کچھ بھی تو نہ کہہ سکی...... اسے یہ علم نہ تھا کہ اسفند کس طرح ری ایکٹ کرے گا اس لیے سر جھکالیا۔

"آپ فکر کیوں کرتے ہیں چچا جان اسے آنے تو دیجیے۔ پھر دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔"

اور آدھے گھنٹے کے بعد وہ دروازے پہ موجود تھا۔ سب نے اشتیاق سے دیکھا...... ڈارک براؤن سوٹ میں ملبوس اپنے لمبے قد کے ساتھ پروقار انداز میں چلتا وہ اندر آیا تو اختیار بیگ کی سانس جیسے سینے میں اٹکنے لگی...... وہ ان سے بہت زیادہ مشابہت رکھتا تھا...... شہریار نے آگے بڑھ کر اسے گلے سے لگایا۔

"سرینا تم ریڈی ہونا......" اس نے سوال کیا تو اس نے گھبرا کر شہریار کی طرف دیکھا۔

"یار اتنی جلدی کیا ہے...... ذرا دم تو لو...... کیا کچھ کھائے پیے بغیر ہی چلے جاؤ گے...... تم ہماری مہمان نوازی پہ داغ لگانا چاہتے ہو...... اور ابھی تو تمہارا تعارف بھی نہیں ہوا کسی سے۔"

"سوری شہریار...... میرے لیے ایک ایک لمحہ بھاری ہے اس گھر میں...... میں کسی سے ملنا نہیں چاہتا......" اسفند نے اتنا کہا تھا کہ کسی نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ دیا۔

"کیا اپنے باپ سے بھی نہیں ملو گے......؟" اسفند یار پتھر کا بت بن گیا...... بہت آہستہ آہستہ گھوم کر وہ ان کی طرف مڑا اور چند لمحے آنکھوں میں اضطراب اور تاسف لیے ان کی طرف دیکھتا رہا۔

"آپ سے تو ضرور ملنا چاہوں گا سر اختیار بیگ......" وہ طنزیہ انداز میں بولا۔ "کیونکہ میں اس شخص کو دیکھنا چاہتا تھا جس نے میری ماں جیسی باوفا اور فرشتوں کی مانند پاکیزہ عورت کا دل چور چور کردیا اور پھر اس میں اتنی ہمت بھی نہ تھی کہ وہ پلٹ کر دیکھتا کہ ٹوٹے ہوئے شیشوں کے اس ڈھیر نے اس کی روح تک کو کیسے زخمی کیا...... اس میں اتنی جرأت نہ تھی کہ اپنے دونوں بچوں کے سر پہ ہاتھ رکھ کر ان کا حق ان کو دے سکتا...... آپ تو دیکھنے لائق چیز ہیں...... آپ کو دیکھے بغیر میں کیسے جاسکتا ہوں...... لیکن اب یہ بھی دیکھ لیا ہے...... اس لیے چلتا ہوں...... چلو سرینا۔"

شہریار نے اسے کندھوں سے پکڑ کر روک لیا۔

"پلیز اسفند...... میں مانتا ہوں تم بہت غصے میں ہو...... لیکن چند گھنٹے یہاں رک جانے سے تمہیں تو شاید کوئی فرق نہ پڑے...... لیکن یہ سب لوگ جو بڑے اشتیاق سے تم سے ملنے کے منتظر ہیں ان کا دل ٹوٹ

جائے گا۔" اسفند نے بے اختیار سب کی طرف دیکھا۔

"یہ میری امی اور بابا جان ہیں...... یعنی تمہارے تایا جان...... یہ ادھر میری بہن عرشی ہے...... اور یہ دونوں تمہارے بہن بھائی ہیں کاشی اور نازنین۔" کاشی بے اختیار اس کے گلے لگ گیا۔

"مجھے آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی بھائی جان...... آئی ہوپ کہ آپ کا میتھ بھی سرینا باجی کی طرح بہت اچھا ہوگا...... اور ٹینس میں آپ بھی مجھے اسی طرح ہرا سکیں گے کیونکہ ہم دونوں بہن بھائیوں کا میتھ اور ٹینس دونوں صفر ہیں۔"

اسفند کے چہرے پہ مسکراہٹ آ گئی۔ کاشی کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں چمک آ گئی تھی۔ تایا جان اور تائی جان نے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا...... سب ہی اس کی شخصیت سے مرعوب نظر آ رہے تھے...... سب سے مل کر وہ پھر سرینا کی طرف مڑا تو سرینا اس کے قریب آئی اور اس کا ہاتھ تھام لیا اور اس کی آنکھوں میں منت بھرے انداز سے دیکھ کر بولی۔

"پلیز اسفی...... میری خاطر تھوڑی دیر تو رکو......"

جانے کیوں ان دونوں کو اس طرح دیکھ کر شہریار کے چہرے پہ مسکراہٹ بکھر گئی...... دونوں بہن بھائی بہت خوب صورت تصور پیش کر رہے تھے...... اختیار بیگ نے حسرت سے ان دونوں کی طرف دیکھا...... انہوں نے کتنا قیمتی وقت گنوایا تھا۔

"دیکھو سرینا...... میں نے تمہیں اس وعدے پہ چھوڑا تھا کہ واپسی پہ تم فوراً میرے ساتھ چلو گی...... اب تم ٹال مٹول سے کام لے رہی ہو اور مجھے یہ بات بالکل پسند نہیں ہے...... میں اس گھر میں ایک منٹ بھی رکنا نہیں چاہتا...... ماما کی روح کو ہمیں یہاں دیکھ کر کتنی تکلیف ہو رہی ہوگی...... جس گھر میں ان کے لیے جگہ نہ تھی وہ ہمارے لیے قابل قبول نہیں ہونا چاہیے۔"

"لیکن پاپا کا کیا ہوگا...... میں پاپا کو نہیں چھوڑنا چاہتی...... اور تم یہ غلط کہہ رہے ہو...... ماما کی روح آج بہت خوش ہوگی کہ ہمارا جس گھر میں پلنے کا حق تھا ہم وہاں پہنچ گئے ہیں۔"

"سرینا...... میں یہاں نہیں رکوں گا......" اسفند فیصلہ کن انداز میں بولے تو سرینا نے بے بسی سے پاپا کی طرف دیکھا۔

"یہ تمہارا گھر ہے...... تم میرے پوتے ہو...... اور تم یہاں سے کہیں نہیں جاؤ گے...... یہ میرا حکم ہے اسفند۔" اسفند نے بے اختیار مڑ کر دیکھا...... وہیل چیئر پہ سفید بالوں، سفید لباس اور سفید نرم چہرے کے ساتھ دادی جان کوئی آسمانی مخلوق معلوم ہو رہی تھیں...... وہ دھیرے دھیرے ان کی طرف کھنچتا چلا گیا اور پھر بے اختیار دوزانو ہو کر پاس بیٹھ گیا۔ جانے کیوں انہیں دیکھ کر اس کا دل پگھل رہا تھا اور آنکھیں نم ہو رہی تھیں۔

"تم اپنی دادی سے ملے بغیر ہی جا رہے تھے...... بڑے افسوس کی بات ہے...... میری بہو نے تمہیں یہ تو نہیں سکھایا ہوگا؟"

"نہیں دادی جان...... وہ ایسا سبق کیسے سکھا سکتی ہیں...... اور میں آپ کے بارے میں تو جانتا ہی نہیں تھا۔" اس نے ان کا ہاتھ پکڑ کر آنکھوں سے لگایا تو سب کی آنکھیں نم ہو گئیں...... سرینا بھی قریب آ کر دوزانو ہو گئی۔

"میں نے آپ سے کہا تھا نا دادی جان...... میرے بھائی جیسا اور کوئی نہیں ہے۔"

"یہ آپ مجھ سے بے وفائی کر رہی ہیں سرینا باجی۔" کاشی شرارت سے بولا...... "کون ہے جو مجھ سے مقابلہ کر سکے......؟"

سب کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

"پھر تم رک رہے ہونا......؟" دادی جان نے کہا تو اسفند کے چہرے پہ سایہ سا لہرا گیا۔ اس کی نظر اختیار بیگ پہ پڑی بھی زرمینہ بیگم اس کے قریب آ گئیں۔

"تمہیں تمہارے پاپا سے دور رکھنے میں سارا قصور میرا ہے اسفند۔ اس میں تمہارے پاپا کا تو کوئی قصور نہیں ہے۔

وہ تم دونوں کے بارے میں جانتے تک نہیں تھے...... میں تمہاری مجرم ہوں...... سزا کی حق دار بھی میں ہی ہوں۔“
انہوں نے خطوط کے بارے میں ساری تفصیل اس کو سنائی تو وہ بہت زیادہ بے چین ہو گیا۔
”پاپا نے جس بری طرح سے ماما کا دل توڑا...... وہ بھلانا میرے لیے بہت مشکل ہے۔ میں جب بھی اس بارے میں سوچتا ہوں میرے دل میں غصے سے ابال اٹھتے ہیں...... یہ قسمت کی کتنی ستم ظریفی ہے کہ اگر عورت کسی وجہ سے مرد سے طلاق لینا چاہے تو ہزاروں دلیلیں اس کے خلاف دینے کے لیے ہزاروں لوگ ہوتے ہیں یہاں تک کہتے ہیں کہ خدا کے نزدیک طلاق کا فعل سب سے زیادہ ناپسندیدہ فعل ہے لیکن جب مرد اپنی خود ساختہ وجوہات کی بناء پر عورت کو طلاق دینا چاہتا ہے تو تب کوئی اس طرح نہیں سوچتا...... مرد تو تین حرف کہنے میں تین سیکنڈ بھی نہیں لگاتے...... یہ کہاں کا انصاف ہے......؟“
کسی کے پاس اس کا جواب نہیں تھا...... سب کے سر جھکے ہوئے تھے۔ محفل کی فضا بوجھل ہو گئی تھی...... اسفند یار نے سب کی طرف دیکھا......
”ٹھیک ہے میں چند دن یہاں ٹھہرنے کو تیار ہوں۔“
سب کے چہروں پہ خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

❁ ❁ ❁

شہریار نے سرینا سے بات کی تھی۔ اپنا دل اور اپنے دل کے جذبات بھی اس کے سامنے رکھے تھے لیکن سرینا نے بھیگی آنکھوں سے اسے ایک ہی جواب دیا تھا......
”میں اگر ایسا چاہوں بھی تو نہیں کر سکتی شہریار...... نازو بچپن سے آپ سے منسوب ہے اس نے آپ کے حوالے سے ہزاروں خواب دیکھے ہوں گے...... میں کیسے وہ خواب اس کی آنکھوں سے نوچ لوں...... میں کیسے اس خاندان کو ایک بار پھر غم سے ہمکنار کروں...... انہوں نے کتنی مشکل سے مجھے قبول کیا ہے...... پھر نازو میری بہن ہے...... میں اس کا دل توڑ کر اس کی جگہ لینے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔“
”اس کا مطلب ہے تمہارے دل میں میرے لیے کوئی جگہ نہیں ہے......؟“ ان کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔
”میرے دل میں آپ کی جگہ......؟“ وہ پھیکی سی ہنسی کے ساتھ بولی۔ ”آپ کی میرے دل میں جو جگہ ہے وہ کسی اور کی نہیں ہو سکتی شہریار اور نہ ہی ہو گی...... اس کے باوجود آپ نازو کا مقدر ہی بنیں گے...... کیونکہ وہ آپ سے بہت محبت کرتی ہے۔“ شہریار نے سکون سے اس کی طرف دیکھا۔
”اگر وہ اس کی قسمت میں نہیں تو نہ سہی ان کے لیے زندگی گزارنے کے لیے یہ احساس ہی کافی ہے کہ وہ بھی ان سے محبت کرتی ہے۔“
پھر دونوں طرف شادی کی تیاریاں زور و شور سے شروع ہو گئیں۔ دادی جان نے اسفند کو بھی زبردستی روک لیا تھا۔ وہ دو دن کے لیے ملتان گئے اور کمپنی میں حاضری دے کر چھٹیاں لے کر آ گئے۔ نازنین یکسر بدل گئی تھی اب اس کی ناک پہ ہر وقت غصہ نہیں دھرا رہتا تھا۔ بہت آرام سے بات کرتی' بڑوں کے ساتھ بھی تمیز سے بات کرتی' کبھی کبھی سرینا اور اسفند کو مخاطب کر کے بھی کوئی بات کر لیتی...... اس روز وہ پہلی بار اس کے کمرے میں آئی تو سرینا حیران رہ گئی۔
”چلو میرے ساتھ شاپنگ کے لیے...... سارا دن کمرے میں گھسی رہتی ہو...... تمہیں پتا نہیں تمہاری بہن کی شادی ہے۔ اور تمہیں تیاریوں میں حصہ لینا ہے۔“ وہ خوشگوار حیرت سے اٹھ کھڑی ہوئی۔
”اصل میں مجھے اپنی پسند پہ اعتبار نہیں ہے...... سوچا تم مشورہ دو گی تو اچھی خریداری ہو گی۔“
وہ کسی معمول کی طرح اس کے ساتھ چل پڑی۔ اس دن انہوں نے ڈھیر ساری شاپنگ کی۔ پھر دونوں زری کے کام کے لیے بڑی سی دکان پہ گئے...... تو نازنین نے اس کا ناپ بھی دلوایا۔
”تمہارے تینوں دن کے جوڑے میں خود بنوا رہی ہوں اور تمہیں کسی پہ اعتراض نہیں کرنا۔“

وہ خاموش بیٹھی رہی...... مہندی کے جوڑے پہ وہ خاموش رہی لیکن شادی کے دن والے سوٹ پہ وہ بے اختیار بول اٹھی۔

”یہ کیسے پہنوں گی نازو...... اتنا برائٹ لہنگا اور پھر اتنا کام......؟“

”چپ بیٹھی رہو...... تم دلہن کی بہن ہو...... تمہارا جوڑا بہت اچھا ہونا چاہیے۔“

اور وہ خاموش ہوگئی...... اتنی مشکل سے تو نازنین راستے پہ آئی تھی اس لیے اسے ناراض کرنے کی ہمت وہ نہ کرسکی۔

اسی عرصے میں شہریار نے اسفند اور اختیار بیگ کے درمیان جمی برف کو توڑنے کی بھرپور کوشش کی، بختیار بیگ نے بھی بھتیجے سے بے پناہ پیار کا اظہار کیا...... اور پھر اختیار بیگ نے بھی پوری کوشش کی کہ بیٹے کے دل کا میل دور کرسکیں...... وہ اسے اپنے آفس لے گئے اور اسے اپنی کرسی پہ بٹھادیا...... سارے اسٹاف سے اپنے بیٹے کی حیثیت سے اس کا تعارف کروایا اور ایسا کرتے ہوئے ان کے چہرے پہ جو فخر تھا وہ اسفند سے پوشیدہ نہ رہ سکا۔ اس کا دل تھوڑا تھوڑا پگھلنے لگا۔

دادی جان کا دل اسے ایک لمحہ بھی اپنی نظروں سے دور کرنے کو نہیں چاہتا تھا اور اصل میں اسفند کے رکنے کی بڑی وجہ بھی مہر النساء بیگم تھیں۔ وہ اپنی دادی جان کا پہلی نظر میں ہی گرویدہ ہوگیا تھا۔

مہندی والے دن زرد جوڑے میں سرینا بہت اچھی لگ رہی تھی...... نازنین نے اورنج اور ریڈ امتزاج والے ڈریس کو منتخب کیا تھا...... سرینا نے اسے خود سجایا تھا۔ ان آنسوؤں کو اس نے پیچھے ہی روک کر ہونٹوں پہ مسکراہٹیں سجائی تھیں...... نازنین کی نظر سارا وقت اس کے چہرے پہ رہی تھی۔ جو ضبط گریہ سے کندن کی طرح دمک رہا تھا۔

جب نازنین اور شہریار ساتھ ساتھ بیٹھے تو سرینا کا دل دھڑکنے لگا۔

کاشی شرارت سے بولا۔ ”سرینا باجی اصل میں پیلا جوڑا تو آپ نے پہنا ہے لگتا ہے نازنین باجی کی نہیں آپ کی مہندی ہے......“ وہ خفت سے جھینپ گئی۔ نازو نے گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور پھر شہریار کی طرف گردن موڑی...... اس کا چہرہ تاریک ہو رہا تھا۔

اس نے بڑی مشکل سے کانپتے ہاتھوں سے شہریار اور نازو کو مہندی لگائی۔ رات کو فنکشن ختم ہوا تو بزرگوں کی اگلے دن کے فنکشن کے لیے لمبی میٹنگ ہوئی۔

اگلے دن دلہن تیار کرنے کے لیے ماہر خاتون کو گھر ہی بلایا گیا۔ اس نے نازنین کو تیار کردیا تو نازنین نے اسے بھی آگے کردیا...... وہ بہت زیادہ گھبرائی بہت انکار کیا لیکن نازنین کے آگے اس کی ایک نہ چلی...... وہ آئینے میں اپنی صورت دیکھ کر حیران رہ گئی۔

”میں اس طرح نیچے نہیں جاؤں گی نازو...... مجھے شرم آتی ہے...... پاپا کیا کہیں گے اور اسفند کیا سوچے گا؟“

”کوئی کچھ نہیں کہے گا...... تم تو پاگل ہو...... شادی بیاہ کے موقعوں پہ سبھی میک اپ کرتے ہیں۔“

باہر خوب صورت لائٹوں اور دیدہ زیب آرائش کے ساتھ لان میں اسٹیج کا اہتمام کیا گیا تھا لیکن نکاح اندر لاؤنج میں ہی ہونا تھا۔ اس کے صوفے کو بہت خوب صورت کپڑے اور پھولوں سے آراستہ کیا گیا تھا۔ شہریار کو بٹھادیا گیا تھا۔ وہ آف وائٹ شیروانی اور سر پہ خوب صورت کلاہ پہنے بہت ہینڈسم لگ رہا تھا...... سب ان کا انتظار کررہے تھے...... لیکن سرینا اس طرح نیچے جانے پہ راضی نہ ہو رہی تھی۔

”تو تم مجھے نیچے نہیں لے کر جاؤ گی سرینا...... میں اکیلی جاتی اچھی لگوں گی......؟“ بادل نخواستہ وہ اسے ساتھ لے کر سیڑھیوں کی طرف آئی تو سب کی نظریں اوپر اٹھ گئیں۔ سرینا کا دم نکلنے لگا یوں لگ رہا تھا وہ سیڑھیوں سے گرجائے گی...... بڑی مشکل سے وہ اسے لے کر نیچے آئی...... اور ایک صوفے کی طرف لائی۔ نازنین نے اسے بھی ساتھ ہی بٹھالیا...... اور دوپٹہ سر سے اتار کر کندھے پہ سجا کر بیٹھ گئی۔

"یہ کیا کررہی ہو...... دوپٹہ سر پہ ہی رکھو نازو...... سب کیا کہیں گے......؟"

"کہنے دو...... آج کل یہی رواج ہے...... اس طرح تصویریں اچھی آتی ہیں۔" وہ گھبرا کر سب کی طرف دیکھنے لگی...... شہریار کی نظریں مسلسل اس کے چہرے پہ تھیں جس کی وجہ سے اسے اور بھی گھبراہٹ ہورہی تھی۔ تبھی مولوی صاحب نے نکاح پڑھانا شروع کردیا۔

"مسٹر شہریار ولد بختیار بیگ کیا تمہیں سرینا ولد اختیار بیگ سے......"

سر جھکائے ہوئے سرینا نے چونک کر مولوی صاحب کی طرف دیکھا اور پھر نازنین کے چہرے کی طرف...... نازنین نے شرارت سے مسکراتے ہوئے دوپٹہ اس کے سر پہ اوڑھا کر گھونگٹ نکال دیا...... اس نے غصے سے دوپٹہ اتار کر شہریار کی طرف دیکھا...... وہ بھی حیران نظروں سے مولوی صاحب کی طرف دیکھ رہا تھا۔

سرینا نے ششدر ہو کر باقی سب چہروں پہ نظر دوڑائی...... سب کے چہروں پہ مسکراہٹ تھی۔

"مولوی صاحب آپ کو شاید غلطی......"

"میاں صاحبزادے......" مولوی صاحب ہنسے "مجھے تو یہی دونوں نام دیئے گئے ہیں...... غلطی شاید آپ کے بزرگوں کو لگی ہو...... ان سے پوچھو۔"

"باباجان...... یہ سب کیا ہے؟"

"یہ تو تم بعد میں پوچھنا...... پہلے مولوی صاحب کو جواب دو قبول ہے یا نہیں۔"

"ولیکن باباجان......" اس نے گھبرا کر سرینا کی طرف دیکھا...... جو لگتا تھا بے ہوش ہونے والی ہو...... اس کی آنکھیں بند ہورہی تھیں...... رخشندہ اسے اٹھا کر دادی ماں کے کمرے میں لے آئیں...... مولوی صاحب کے سامنے تماشا نہیں بنایا جاسکتا تھا۔ سب پیچھے پیچھے اندر آگئے...... اندر آتے ہی سرینا کھڑی ہوگئی۔

"ایسا نہیں ہوسکتا پاپا...... میں نازو کے حق پہ ڈاکا نہیں ڈال سکتی...... میں ایسا نہیں کرسکتی۔"

"تم کون سے حق کی بات کررہی ہو سرینا......" نازو ایک دم تن کر کھڑی ہوگئی۔ "شہریار مجھ سے محبت نہیں کرتا اور میں ایک ایسے شخص کی بیوی بننا پسند نہیں کرتی جو مجھ سے محبت نہ کرے...... جس کے دل میں کوئی اور بستا ہو...... میرا ظرف اتنا بڑا نہیں ہے کہ میں ساری زندگی محبت کی بھیک مانگتے گزار دوں یہ جانتے ہوئے بھی کہ میری جھولی ہمیشہ خالی رہے گی۔ میں ماما اور پاپا کی تاریخ نہیں دہرانا چاہتی...... اس ساتھی کا ساتھ بہت کربناک ہوتا ہے۔ جس سے آپ کو چاہت نہ ملے...... اور میری انا یہ گوارا نہیں کرتی...... کبھی نہیں کرے گی...... میں اپنی عزت نفس قربان نہیں کرسکتی...... تم اگر شہریار سے شادی نہیں کروگی تو پھر بھی میں اس سے شادی نہیں کروں گی۔"

"لیکن نازو کیا تمہیں ذرا بھی تکلیف نہیں ہورہی...... اور پھر یہ رشتہ برسوں پہلے بزرگوں نے طے کیا تھا۔"

"بزرگوں نے طے ضرور کیا تھا لیکن کیا طے کیا تھا ذرا یہ بزرگوں سے بھی تو پوچھو......؟" سرینا نے اپنی گھبرائی نظروں سے بزرگوں کی طرف دیکھا۔

"بیٹا ہم نے یہ طے کیا تھا کہ شہریار کی شادی اختیار بیگ کی پہلی بیٹی سے ہوگی اور اس کی پہلی بیٹی کون ہے...... تم ہی تو ہو......" سرینا کا چہرہ ایک دم گلابی ہوگیا۔ اختیار بیگ نے بے اختیار نازنین کو گلے سے لگایا۔

"مجھے تم پہ فخر ہے کہ تم میری بیٹی ہو۔" ان کے چہرے پہ آسودہ مسکراہٹ تھی۔

"میں سرینا سے اکیلے میں بات کرنا چاہتا ہوں......" شہریار نے سنجیدگی سے کہا تو سرینا کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔

اسفند کے چہرے پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔ رات بزرگوں نے نازنین کے کہنے پہ ہی تو طے کیا تھا اور اختیار بیگ نے خاص طور پہ اسفندیار سے اجازت طلب کی تھی جس نے اسفند کے دل کو جیت لیا تھا۔

کمرہ خالی ہوا تو شہریار اس کے قریب آگیا...... سرینا نے دھڑکتے دل کے ساتھ اس کی طرف دیکھا...... وہ آخر

اتنا سنجیدہ..... اور اتنے غصے میں کیوں تھا؟

"مجھے معلوم ہے سرینا..... تم اس رشتے کو قبول نہیں کرنا چاہتیں..... اس لیے تمہیں مروت میں آ کر اپنی قربانی نہیں دینی چاہیے۔ تم فکر نہ کرو..... میں خود چچا جان سے انکار کردوں گا۔"

سرینا کی ٹانگوں سے جان ہی نکل گئی اس نے خوفزدہ نظروں سے شہریار کی طرف دیکھا..... شہریار باہر کی طرف بڑھنے لگے تو سرینا بے اختیار ان کے پیچھے لپکی۔

"شہریار....." اس نے جلدی سے ان کا بازو پکڑ لیا..... "کس نے کہا مجھے یہ رشتہ قبول نہیں ہے؟"

"میں جانتا ہوں..... تم دل سے راضی نہیں ہو۔"

"آپ کو کیسے پتا.....؟ آپ جانتے کیا ہیں میرے بارے میں.....؟"

شہریار مڑے اور اس کی آنکھوں میں براہ راست دیکھا۔

"اتنا تو جانتا ہوں کہ مجھے پہلی بار دیکھنے کے بعد ہی اپنا دل ہار بیٹھی تھیں....." وہ ایک دم شرما گئی۔

"اب ایسی بھی کوئی بات نہیں..... پہلی بار دیکھنے کے بعد تو نہیں....."

"پھر کب.....؟"

"جب میں آپ کو بٹھا کر چائے لے کر آئی تھی تب۔" وہ شرارت سے بولی۔ تو وہ قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔ اور پھر سنجیدگی سے بولا۔

"لیکن میں تو تبھی تم سے متاثر ہوگیا تھا جب تم اسفند کو پکارتی ہوئی اندر آئی تھیں اور میری نظر اس پیارے چہرے پہ پڑی تھی۔ میں نظریں ہٹانا بھول گیا تھا۔"

"اب آپ جائیے پلیز..... سب کیا سوچ رہے ہوں گے۔" شہریار کوئی جواب دینا چاہتا تھا لیکن پھر اسے دیکھتا ہوا باہر نکل گیا..... دل کی حکایتیں سنانے کے لیے وقت جلدی آنے والا تھا۔ اس کے باہر نکلتے ہی سب ہنستے ہوئے اندر داخل ہوگئے۔

❀ ❀ ❀

"پاپا میری ایک خواہش ہے.....؟" سرینا اختیار بیگ کے قریب کارپٹ پہ بیٹھ کر ان کے گھٹنوں پہ پیار سے ٹھوڑی رکھ کر بولی تو اختیار بیگ اس پہ نثار ہوگئے۔ شہریار مسکرایا اور اسفند حیران ہوا۔

"اینی تھنگ مائی ڈارلنگ۔"

"میں چاہتی ہوں شادی سے پہلے آپ کو ماما کی قبر پہ لے کر جاؤں..... تاکہ ان کی روح کو کچھ سکون ملے..... اس طرح میرا دل بھی مطمئن ہوجائے گا۔ مجھے بھی سکون ملے گا..... یہ میری بہت بڑی خواہش تھی۔"

اختیار بیگ کے چہرے پہ سایہ سا لہرا گیا۔ بہت بڑا امتحان ہوگا یہ ان کے لیے۔ وہ قبر میں سو چکی تھی ہمیشہ کے لیے، لیکن وہ اس کی قبر کا سامنا کرنے کی ہمت بھی نہیں پاتے تھے۔ کس منہ سے وہ وہاں جائیں گے کیسے مٹی کی اس ڈھیری کو دیکھیں گے جس کے اندر ان کی زندگی کا حاصل سب سے قیمتی ہیرا دفن تھا۔ اس سے کیا کہیں گے..... وہ اپنی سوچوں میں گم تھے..... اسفند انہیں خاموش دیکھ کر بے چین ہوگیا۔ سب کی نظریں ان پہ جمی تھیں۔ اس سے پہلے کہ اسفند کوئی سخت بات کہتا وہ دھیمے لہجے میں بولے۔

"کیوں نہیں..... تم دونوں کی ہر خواہش پوری کرنا میرا فرض ہے..... اور یہ خواہش، اس سے تو میری زندگی کی ڈور بندھی ہے، مجھے وہاں جانا ہے، ضرور جانا ہے، اس سے معافی مانگنی ہے اور اس کے ہر اذیت ناک لمحے کا حساب دینا ہے۔"

"ہم سب جائیں گے۔ دادی جان بھی۔"

اور جب وہ سب وہاں پہنچے تو اختیار بیگ کے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔ دل کا درد ان کی آنکھوں سے ظاہر تھا..... وہ ٹکٹکی باندھ کر مٹی کی اس ڈھیری کو دیکھ رہے تھے جس کے چاروں طرف زرد گلاب کے پودے لگے تھے اور کتبے پہ فارینہ اختیار بڑے خوب صورت حروف میں چمک رہا تھا۔

"زرد گلاب....." انہوں نے زیر لب دہرایا تو دل بھر

بھر آرہا تھا۔

"ہاں ماما نے وصیت کی تھی کہ ان کی قبر کے گرد زرد گلاب کے پودے لگائے جائیں کیونکہ آپ کو زرد گلاب بہت پسند تھے۔ یوں انہیں آپ کی موجودگی کا احساس رہے گا۔"

"اوہ فارینہ......" وہ بے اختیار رو پڑے۔ "تم وفا کی دیوی اور ......اور میں میں کیا ہوں۔" انہوں نے غم کی انتہاؤں کو چھوتے ہوئے سب کی طرف دیکھا۔

"پلیز مجھے تھوڑی دیر یہاں تنہا چھوڑ دیا جائے۔" سب وہاں سے ہٹ گئے۔

اختیار بیگ دوزانو ہو کر قبر کے پاس بیٹھ گئے اور اشکوں کے بے بہا موتی قبر کی مٹی میں جذب ہونے لگے۔

"فارینہ...... میں بہت برا ہوں میں نے تمہارے ساتھ بہت برا کیا ہے۔ میں نے تمہارا پھولوں جیسا دل توڑا......اور بے دردی سے توڑا...... ایسے توڑا کہ پھر وہ کبھی جڑ نہ سکا تم ٹوٹا دل لیے اپنے فرائض پورے کرتی رہیں۔ میرے ساتھ پھر بھی برا نہیں کیا...... میری سنگدلی کے بدلے مجھے دو ہیرے تحفے میں دیے...... تم ٹھیک کہتی تھیں، شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں۔ ٹوٹے شیشے اور ٹوٹے دل کوئی نہیں جوڑ سکتا۔ تم کیا جانو دل میرا بھی ٹوٹا تھا ٹکڑے ٹکڑے ہوا تھا...... وہ بھی آج تک نہیں جڑ سکا اس لیے کہ شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں ہے۔ میرے اردگرد ہزاروں لوگ ہیں میری بیوی ہے میرے بچے ہیں لیکن میرا دل جڑ نہ سکا اسے سکون نہ آسکا۔ اب سکون آیا ہے تو تمہارے ہی دل کے ٹکڑوں سے۔ سرینا اور اسفند...... جو میرے اور تمہارے مشترکہ ٹکڑے ہیں۔ انہوں نے ہی میری شخصیت کو جوڑا ہے کیونکہ ان میں تمہارا عکس ہے۔ اور میرے دل کے ٹکڑے...... میں کیا کہوں ان کے بارے میں...... ہر ٹکڑے پہ آج بھی تمہارا نام لکھا ہے۔

تمہاری عزت کا موتی ہمیشہ آب و تاب سے میرے دل میں چمکتا رہے گا۔ میرے اور تمہارے بچوں کو اس کی روشنی راستہ دکھاتی رہے گی۔ مجھے جینے کا حوصلہ دیتی رہے گی۔ پلیز مجھے معاف کر دینا...... مجھے معاف کر دینا...... میں باقی زندگی پچھتاوے میں ہی گزاروں گا۔"

وہ پھوٹ پھوٹ کر بچوں کی طرح رو دیے...... تبھی ان کے کندھے پہ کسی نے ہاتھ رکھ دیا...... وہ دھیرے سے پلٹے......اور حیران رہ گئے وہاں کوئی نہیں تھا...... لیکن ہاتھ کا لمس ابھی بھی باقی تھا۔ انہوں نے بے اختیار کندھے پہ ہاتھ رکھا لمس محسوس ہو رہا تھا لیکن وہاں ہاتھ نہیں تھا...... فارینہ ان کی حالت پہ بے چین تھی اس کی روح ان کے آس پاس ہی منڈلا رہی تھی۔

"شکریہ فارینہ...... شکریہ میری جان مجھے معاف کر دینے کا شکریہ۔ مجھے اپنی موجودگی کا احساس دلانے کا شکریہ۔ تم واقعی انمول ہو تمہاری محبت نایاب ہے اور میں ہمیشہ تمہیں یاد رکھوں گا تم ہمیشہ اس دل کی مکین رہو گی۔"

پھر وہ لمس ختم ہو گیا دونوں کو ہی قرار آ گیا تھا۔ اور جب وہ سب کے پاس واپس آئے تو سب نے ہی دیکھا کہ ان کے چہرے پہ بے تحاشا سکون اور الوہی چمک تھی۔ انہوں نے سوچ لیا تھا کہ وہ کثرت سے قبر پہ آیا کریں گے اور فارینہ سے باتیں کیا کریں گے اتنا تو ان کا حق بنتا تھا۔

کانٹا

اقبال بانو

"آج تم چپ چاپ سی کیوں ہو مینا؟" احسن نے اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں تو۔" مینا نے ٹالنا چاہا۔

"نہیں، کوئی بات تو ہے مجھے نہیں بتاؤ گی۔" احسن کا لہجہ محبت کی شیرینی میں گھلا ہوا تھا۔

"اب کیا بتاؤں؟" مینا نے آہ بھر کر کہا۔

"چلو تم مت بتاؤ میں مس فیروزہ سے پوچھ لیتا ہوں، آپ بتایئے؟" احسن نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس پر کبھی کبھی اداسی کے دورے پڑتے ہیں۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"مگر میرے پاس آ کر تو سب اداسی کافور ہو جانی چاہیے۔" احسن نے شوخی سے کہا۔

"تم تو بے تکی باتیں کرتے ہو۔" مینا جھینپی۔

"ہاں بتاؤ اداس کیوں ہو یار اپنوں سے کیا چھپانا؟"

"احسن! میری کلاس فیلو کی ذرا سی بات پر منگنی ٹوٹ گئی ہے آج وہ بے تحاشا رو رہی تھی دکھ تو ہوتا ہی ہے نا کسی کو دکھی دیکھ کر۔" مینا کے لہجے میں دکھ تھا۔

"کوئی وجہ تو ہوگی منگنی ٹوٹنے کی۔"

"صرف برقعہ۔" میں ہنس پڑی۔

"برقعہ؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں بھئی اس کے سسرال والے چاہتے تھے کہ وہ برقعہ اوڑھے...... خصوصاً لڑکے کی خواہش تھی جب کہ عذرا نے سوچا جب سسرال جائے گی تو ان کے کہنے پر عمل کر لے گی۔ ابھی کیا ضرورت ہے...... لڑکے نے ایک روز کالج جاتے ہوئے اسے بغیر برقعہ کے دیکھ لیا اور وہ لوگ انگوٹھی واپس کر گئے۔

"آج وہ بے چاری لڑکی رو رو کر پاگل ہو رہی تھی کہ لوگ کیا کہیں گے۔" میں نے پوری تفصیل بتا دی۔

"عجیب تنگ دل لڑکا ہے وہ۔" احسن نے ٹیبل کی سطح کو کھرچتے ہوئے کہا۔

"مرد کبھی بھی وسیع القلب وسیع النظر نہیں ہو سکتا۔" میں نے اپنی بات میں وزن پیدا کرتے ہوئے جلدی سے کہا۔

"آپ غلط کہہ رہی ہیں مس فیروزہ، ہر لڑکا اس لڑکے کی طرح نہیں ہو سکتا جس نے صرف برقع کا بہانہ کر کے منگنی توڑ دی۔ نہایت ہی گھٹیا ذہنیت ہوگی اس کی۔ آپ میری مثال لیجیے میں چاہتا ہوں کہ میری بیوی ورکنگ ویمن ہو۔"

"یہ تو آپ مینا کی وجہ سے کہہ رہے ہیں کیونکہ بی ایس سی کے بعد اس کی شدید ترین خواہش ہے جاب کرنے کی۔" میں نے کہا۔

"آپ غلط سمجھیں۔ میرے تو شروع سے یہی خیالات ہیں، مینا سے تو چند ماہ ہوئے ملاقات ہوئی ہے۔" احسن نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ میں جو بڑی بولڈنیس سے بات کر رہی تھی گڑبڑا کر رہ گئی اور احسن کہہ رہا تھا۔

"اس کے علاوہ میں یہ بھی چاہوں گا کہ میری وائف ہر نیا فیشن کرے۔" اس بات پر میں اپنی زبان نہ روک سکی تھی تو اس کی بات کاٹ کر میں نے کہا۔

"چاہے لوگوں کی نظر میں عریانی ہی کیوں نہ ہو؟"

"بالکل۔" احسن ہاتھ پر ہاتھ مار کر بولا۔ "بننا سنورنا عورت کا پیدائشی حق ہے اور فیشن صرف

فیشن ہے پھر عورت اپنا دل کیوں مارے اپنے حق سے کیوں محروم رہے۔ اگر وہ درجنوں مردوں میں بیٹھی ہوگی تو میں کبھی شک نہ کروں گا فرض کرو وہ میرے دوستوں کے ساتھ گھومے پھرے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔" احسن بڑے جوش سے بول رہا تھا جونہی وہ رکا تو میں نے کہا۔

"مسٹر احسن معاف کیجئے گا آپ سب کچھ فرض ہی کررہے ہیں تو یہ بھی فرض کیجئے کہ آپ کی بیوی آپ کے بہت ہی اچھے دوست کے ساتھ چلی جائے اور رات بھر گھر نہ آئے؟"

"اب اتنی بھی اجازت نہیں اور نہ اس قدر فرض کرسکتا ہوں۔" وہ ہنس دیا۔

"تو بس یہ جان لیجئے کہ مرد کی گھٹی میں شک رچا بسا ہے۔ وہ عورت کی طرح اعلیٰ ظرف نہیں جو کہ کیچڑ میں لتھڑے مرد کو بھی اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر پناہ دے دیتی ہے۔ جب کہ عورت کیچڑ کے قریب سے بھی گزر جائے تو مرد یہ شک ضرور کرتا ہے کہ چھینٹے ضرور پڑے ہوں گے۔ خواہ عورت کی چنری کتنی ہی بے داغ کیوں نہ ہو۔" میں نہایت مضبوط لہجے میں بول رہی تھی۔ "مرد ہمیشہ ایسی عورت کو پسند کرتا ہے جو سو پردوں میں رہی ہو اور خود بے شک ہزاروں پر نظروں سے کمندیں ڈالتا پھرے کوئی پروا نہیں۔" احسن سوچ رہا تھا یہ تم لڑکیاں اتنی گہرائی میں کیوں چلی جاتی ہو ہمارے دلوں تک کے راز کیوں جان لیتی ہو۔

"مگر مس فیروزہ تم جیسی چند ایک ہی لڑکیاں ہوتی ہیں۔ جو دل کی عمیق گہرائیوں تک پہنچ جاتی ہیں۔ مینا جیسی سطحی لڑکیاں صرف زبان سے ادا ہونے والے جملوں پر اعتبار کرتی ہیں بات کو سچ یا جھوٹ سمجھنے کی ان میں حس ہی نہیں ہوتی۔"

"ہاں تو احسن صاحب آپ مان لیجئے کہ مرد کبھی وسیع القلب نہیں ہوتا اور آپ اپنے یہ خیالات بدل دیجئے کہ آپ کی بیوی ورکنگ ویمن ہو۔ آپ کے یہی خیالات رہے تو ساری زندگی روتے رہیں گے۔ اتنی آزاد خیالی بھی اچھی نہیں ہوتی۔" میرا جی تو چاہا آگے یہ بھی کہہ دوں کہ ایسی ہی لچھے دار باتوں سے آپ لڑکیوں کے دلوں میں گھر کرلیتے ہیں۔

"چلئے جی مان لیا کہ مرد وسیع القلب نہیں ہوتا بس۔" احسن نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کبھی تو ہار ہی جاتے ہو۔" مینا جو بڑی دلچسپی سے ہم دونوں کی بحث سن رہی تھی احسن سے بولی تو اس نے کہا۔

"کبھی کبھی ہارنا بھی پڑتا ہے اور ایسی ہار میں بھی بڑا مزا آتا ہے۔"

"تھینکس۔" میں زور سے ہنس دی کہ ذرا سی بحث سے میں نے ساڑھے چھ فٹ کے مرد کو ہرا دیا ہے اور تب ہی کافی شاپ کے خوابناک سے ماحول میں احسن نے میری طرف جھکتے ہوئے خمار آلود لہجے میں کہا۔

"آپ کے گال میں پڑنے والا ڈمپل بہت خوب صورت ہے۔" میرے کھلے کھلے ہونٹ ایک دم بھینچ

گئے۔ جیت کا نشہ ہرن ہوگیا مارے غصے کے میرے گال دہک اٹھے۔ میں نے کڑی نظروں سے سامنے کے صوفے پر احسن کے ساتھ بیٹھی مینا کو دیکھا جو ہنستے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"احسن اس کے ڈمپل تو بہت مشہور ہیں۔"

"کیا مطلب؟" احسن نے حیرت سے پوچھا۔

"ہماری کلاس کی لڑکیاں اسے زبردستی ہنساتی ہیں محض اس کے ڈمپل دیکھنے کے لیے کلاس میں کوئی اسے فیروزہ نہیں کہتی سب نے ڈمپل والی نام رکھ چھوڑا ہے۔" مینا بتارہی تھی اور میرا جی چاہ رہا تھا اس بولتی مینا کے منہ پر ہاتھ رکھ دوں۔

"تو یہ جان بوجھ کر اتنے خوب صورت ڈمپل ڈالتی ہے سچ مینا! میں نے پہلی بار گالوں میں اتنے خوب صورت ڈمپل دیکھے ہیں۔" احسن کے لہجے میں شوخی تھی اور وہ میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"میں درست کہہ رہا ہوں نا؟" میں کچھ نہ بولی مگر مجھے اس کی آنکھوں میں ایک جال نظر آیا۔ خوب صورت سنہری تنا ہوا بنا ہوا جال اور میں جان گئی کہ وہ یہ جال مجھ پر پھینکنا چاہتا ہے اور سوچ رہا ہے کیسے پھینکوں۔ تبھی تو اس کی آنکھوں کی چمک اور شوخی بڑھ رہی تھی مجھے اس کی نظروں سے سخت الجھن ہونے لگی اور بیٹھنا دوبھر ہونے لگا۔ میں نے ٹیبل پر رکھی کتابیں اٹھائیں اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"مینا چلو بہت دیر ہوگئی ہے۔"

"اتنی جلدی۔" احسن نے کہا اس کی آنکھوں میں واضح طور پر لکھا تھا۔

"رک جاؤ نا۔"

"اب چلنے ہی جانا چاہیے ہمیں۔" میں کسی صورت بھی مزید رکنا نہ چاہتی تھی۔ میرے لہجے کی سختی کو مینا نے بھی محسوس کیا اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آئندہ ہفتے کا پروگرام تو طے کرلو نا؟" احسن نے لہجے میں بے قراری پیدا کرتے ہوئے بظاہر مینا سے کہا مگر اس کی تمام تر توجہ میری طرف تھی۔ میں نے منہ پھیر لیا اور مینا اسے بتانے لگی کہ آئندہ ہفتے کہاں اور کس وقت ملنا ہے۔ چند ماہ قبل ہی تو مینا کی احسن سے ملاقات ہوئی تھی۔ مینا کی خالہ زاد شائستہ آپا کی شادی تھی اور احسن ہر رسم میں شریک رہا کیونکہ وہ شائستہ کے بھائی شیراز کا گہرا دوست تھا اور کلاس فیلو بھی شیراز کے ہاں اس کا بہت آنا جانا تھا اور شائستہ کو بھی بڑی بہن کی طرح چاہتا تھا۔ ویسے والے دن تک مینا سے اس وجیہہ اور ہنس مکھ احسن کی خاصی دوستی ہوچکی تھی وہ مقامی یونیورسٹی میں جی ای فائنل ایئر کا طالب علم تھا۔ ماں باپ خان پور میں رہتے تھے احسن نے بتایا تھا کہ اس کے والد بہت بڑے زمیندار ہیں۔ وہ غریبوں کا خون چوستے تھے اور بیٹا یہاں عیاشیاں کرتا پھرتا تھا۔

واللہ اعلم یہ سب سچ تھا یا جھوٹ وہ تو باتوں میں اڑانے والا بندہ تھا۔ لفظوں کی بوندیں بھی ساون کی بارش کی طرح اس تواتر سے برساتا تھا کہ انسان کا پور پور بھیگ جائے۔ مینا اسے کبھی کبھی ہاسٹل فون کرکے گپیں مار لیا کرتی تھی پھر احسن نے ملنے پر اصرار کیا' تب وہ ہار گئی' دوستی ہی دوستی میں وہ احسن کو پسند کرنے لگی تھی اور جس سے محبت کی جائے اس کی بات نہیں ٹالی جاتی مینا نے اپنی محبت کا راز داں مجھے بنایا۔

"میں اس سے خود بھی ملنا چاہتی ہوں فیروزہ۔"

"تو شوق سے ملو اپنے آپ کو برباد کرلو۔" میں نے تڑخ کر جواب دیا۔

"برباد؟"

"دیکھو ڈیئر! ایسے دھندے لڑکیوں کو اچھے نہیں لگتے۔ ہمیشہ خود کو ان دیکھے شوہر کی امانت سمجھنا چاہیے۔" میں نے سمجھانا چاہا۔

"کیا خبر قدرت احسن ہی کو......" مینا نے جملہ ادھورا چھوڑا۔

"مجھے تو نہیں لگتا......صاف فراڈیا ہے وہ۔" میں نے تنگ کر کہا۔

"تمہیں کس نے بتایا؟" مینا نے پوچھا۔

"میرا اندر کہتا ہے اور دل کی گواہیاں سچی ہوتی ہیں۔"

میں وثوق سے بولی۔
"میرا دل بھی کہتا ہے کہ وہ مجھے چاہتا ہے تو کیا میرا دل جھوٹا ہے۔" مینا نے کہا۔
"ہاں......" میں نے وثوق سے کہا۔
"واہ تمہارے دل کی گواہی سچی ہے اور میرے دل کی نہیں۔ عجیب منطق ہے۔" مینا تمسخر سے بولی اور پھر میں مینا کے مجبور کرنے پر اس کے ساتھ احسن سے ملنے جانے لگی۔ وہ دونوں کسی بھی ریسٹورنٹ میں جاتے تو میں الگ کونے میں بیٹھ جاتی وہ خوب گپیں لگاتے۔
احسن مجھے عجیب نظروں سے دیکھتا۔ کئی بار میں نے مینا سے کہا بھی کہ میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی مگر وہ منتیں کر کے مجبور کر دیتی کہ اس کے ساتھ رہوں۔ ایک روز احسن نے کہا۔
"مس فیروزہ آپ بور تو ہوتی ہوں گی میرا دوست ہے اسفند آپ اس سے دوستی کر لیں۔"
"جی نہیں۔"
"ارے احسن تم کیوں کہہ رہے ہو اس کی آل ریڈی دوستی ہے۔"
"کس سے؟" وہ حیرت سے بولا۔
"اس کے پڑوس میں رہتا ہے نوید نام ہے۔" مینا نے ہنس کر بتایا۔
"پھر ملاقات ہوتی ہے۔" احسن نے پوچھا۔
"ہاں ابھی کل ہی تو ملے تھے دونوں۔"
"تم ساتھ جاتی ہو۔"
"ظاہر ہے یہ میرے ساتھ آتی ہے تو مجھے بھی جانا پڑتا ہے۔" مینا نے کہا تو میں اس کے جھوٹ پر اسے منع بھی نہ کر سکی نہ میں نے تردید کی۔ مجھے احسن سے کیا ڈرنا تھا۔ بلکہ انجانے میں اس وقت بے وقوفی کی انتہا پر تھی کہ جو غلطی میں نہیں کر رہی تھی جو جرم میں نے کیا نہیں تھا نہایت آرام سے مجرم بن گئی تھی۔ یونہی بہت دن گزر گئے۔ مینا نے اب احسن سے شادی کا تقاضا کیا تھا کہ وہ والدین کو بھیجے مگر وہ ٹال مٹول کر رہا تھا۔

کبھی کوئی بہانہ اور کبھی کوئی......اور پھر یہ ہوا کہ احسن نے اسے چھوڑ دیا۔ فون نہ سنتا تھا پھر اس کے دوست اسفند نے مینا کو بتایا کہ وہ شہر چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ مینا بہت روئی تڑپی اور پھر سنبھل گئی۔ بی اے کے بعد اس نے پڑھائی چھوڑ دی۔ میں نے ایم اے میں داخلہ لے لیا اور ہماری ملاقاتیں بھی کم ہوتی گئیں۔ جلد اس کی شادی ہو گئی اور وہ اسلام آباد چلی گئی۔ پھر وہ اپنی زندگی میں مگن ہو گئی اور میں اپنی پڑھائی میں مصروف۔ میں نے نہایت صاف ستھری زندگی گزاری۔ یونیورسٹی میں بھی صرف عالیہ میری دوست تھی ہم دونوں سب سے الگ تھلگ رہتے تھے۔
کبھی بھی میرے نام کے ساتھ کسی لڑکے کا نام نہیں لیا گیا۔ میرا کوئی اسکینڈل نہ بنا اور میں نے دل پر کسی کی پرچھائیں ڈالے بغیر ہی اپنی تعلیم مکمل کر لی۔ میری بہت خواہش تھی کہ میں لیکچرار شپ کروں مگر ابا میاں تو میرے یونیورسٹی میں پڑھنے کے مخالف تھے۔ انہیں یہ پسند نہ تھا کہ میں لڑکوں کے ساتھ پڑھوں مگر بڑے بھیا اور منجھلے بھیا کی پُرزور سفارش کی وجہ سے میں نے ایم ایس سی کر لیا۔ مگر جاب کی بات تھی تو دونوں بھائی ابا میاں کے حامی بن گئے۔
"تمہیں گھر میں کسی چیز کی کمی ہے؟" بڑے بھیا نے گھر کا۔
"کمی تو کسی چیز کی نہیں ہے بس میرا شوق ہے۔" میں نے بتایا۔
"سارے شوق سسرال جا کر پورے کرنا۔" عامرہ بھابی نے ننھے کو کندھے پر تھپکتے ہوئے شوخی سے کہا تو میں کانوں کی لوؤں تک سرخ ہو گئی۔ بڑے بھیا کے سامنے مجھے بے حد شرم آئی۔ میں جلدی سے کمرے سے نکل آئی۔
پھر انہی دنوں بڑی آپا راولپنڈی سے آئیں تو وہ ایک رشتہ بھی میرے لیے لیتی آئیں۔ ان کے سسرالی رشتہ داروں میں لڑکا تھا دو سال سے لیبیا میں مقیم تھا۔ بہت شریف النفس اور نجانے کیا کیا۔ اب وہ آنے والا تھا تو والدین چاہتے تھے کہ جب وہ آئے تو فوراً شادی کر دی

جائے تاکہ واپسی پر وہ بیوی کو بھی ساتھ لیتا جائے۔ ابا میاں نے بابر حیات کو دیکھا ہوا تھا اور اس کی ساری فیملی سے بھی واقف تھے۔ دوسری بات یہ کہ بابر کی ماں نے خود بڑی آپا سے کہا تھا کہ وہ مجھے بہو بنانا چاہتی ہیں۔ میں چھٹیاں گزارنے پنڈی آپا کے پاس گئی تھی تو وہیں انہوں نے مجھے دیکھا اور پسند کرلیا تھا۔ بڑی آپا بہت خوش ہوئیں بابر حیات بہت پسند آیا تھا۔ حالانکہ ایک دو بار ہی ملی تھیں مگر خاصی امپریس تھیں۔

بڑی آپا نے فون کرکے بابر کی ماں کو بلوایا اور وہ آ کر نہایت سادگی سے اپنے شگون پورے کر گئیں۔ میرے دائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں سرخ نگینے کی بڑی خوب صورت سی انگوٹھی پہنا کر بابر کے نام کی مہر ثبت کردی گئی۔ شادی دو ماہ بعد ہونا قرار پائی۔

اتنی جلدی سب طے ہوا کہ مجھے یہ سب خواب لگتا۔ گھر میں چہل پہل ہوگئی تھی۔ کبھی جیولرز کے پاس جانا ہوتا اور کبھی جوڑے سل رہے ہوتے۔ میں اپنی سپنوں بھری آنکھوں سے یہ سب دیکھتی رہتی اور میرے اندر کہکشاں سی اترنے لگی۔ انجانے سے مرد کے خیالات نے میری تنہائیوں کو گدگدا دیا تھا۔

"نجانے وہ کیسا ہوگا؟"

حتیٰ کہ میں نے بابر کی تصویر بھی نہیں دیکھی تھی۔ نہ ابا میاں نے تصویر مانگی تھی اور نہ ہی میرا فوٹو دیا گیا تھا۔ معاملہ بڑوں ہی کے درمیان طے پایا تھا۔ شادی سے صرف چار روز پہلے ہی بابر لیبیا سے واپس آ گیا تھا۔

اس کی فیملی پہلے ہی بمعہ براتیوں کے کراچی آ گئی تھی۔ وہ سب بابر کے بڑے ماموں سعید احمد کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ تمام رسمیں ہو رہی تھیں۔ اس روز مایوں کی رسم تھی بابر ہمارے ہاں آیا۔ صرف تھوڑی دیر کے لیے پھر چلا گیا مگر اپنا ذکر چھوڑ گیا۔ ہر ایک کی زبان پر اسی کا نام تھا۔ عامرہ بھابی کہہ رہی تھی۔

"فیروزہ...... تو بہت خوش قسمت ہے بابر حیات بہت سوبر ہیں بالکل آئیڈیل مرد۔" اور میں نے اپنی بے ترتیب دھڑکنوں کو سنبھالتے ہوئے شدت سے خواہش کی کہ وہ جلد بارات لے کر آئے اور مجھے لے جائے تاکہ میں بھی اس آئیڈیل شخص کو دیکھ سکوں۔ سب نے اسے دیکھ لیا تھا اور میں جو اس کی زندگی کی ساتھی بننے والی تھی وہ جو صرف میرا تھا' میں نے ایک جھلک بھی نہ دیکھی تھی اس کی۔

O......O......O......O

حجلہ عروسی میں' میں دھک دھک کرتے دل کے ساتھ بابر کی منتظر تھی۔ ابھی چند لمحے پیشتر ہی تو میری نند دوبارہ میرا میک اپ کرکے گئی تھی۔ وہ مجھے بنا سنوار کر بھائی کو پیش کرنا چاہتی تھی۔

"یہ بہنیں بھی کیا ہوتی ہیں۔"

بھاری قدموں کی آواز پر میں چونکی۔ میرا جھکا سر مزید جھک گیا اور میں بالکل ہی اپنے آپ میں سمٹ کر گٹھڑی بن کر رہ گئی۔ میرا دل دھڑک دھڑک کر بے حال ہو رہا تھا جیسے کہ پسلیاں توڑ کر ابھی باہر آ جائے گا۔ اف خدا جب منزل قریب ہو تو سانس کیوں پھولنے لگتا ہے۔ قدموں کی آواز چھپر کھٹ کے قریب آ کر رک گئی اور پھر وہ پھولوں سے سجی سیج پر آ کر بیٹھ گیا۔ یہ بابر تھا میرا مجازی خدا کتنے ہی لمحے خاموشی کی نذر ہوگئے۔ شاید وہ کچھ کہنے کے لیے دل ہی دل میں الفاظ ترتیب دے رہا تھا۔ پھر کمرے کے سکوت میں نہایت ہی گھمبیر آواز ابھری۔

"فیروزہ جی! بہت خواہش تھی آپ کو دیکھنے کی اور اب جب کہ اس خواہش کے پورے ہونے میں تھوڑا سا وقت رہ گیا ہے تو نجانے دل کیوں قابو میں نہ رہا۔ بہنوں سے بہت تعریفیں سنی ہیں آپ کی اور یہ بہنیں تو جذبہ شوق کو اور ہوا دیتی ہیں۔ بہت سی باتیں سوچی تھیں آپ سے کرنے کو مگر کمرے میں داخل ہوتے ہی سب کچھ بھول گیا۔" آواز میں گھمبیرتا کے ساتھ شوخی بھی تھی۔ تب میری زبان پر یہ جملہ مچلنے لگا۔

"یادداشت بہت کمزور ہے آپ کی۔" مگر میں نے ہونٹ دانتوں تلے دبا لیے کہ آواز نہ نکل جائے۔

پھر دو مضبوط ہاتھ میرے گھونگھٹ کی جانب بڑھے

اور چند سیکنڈ بعد میرا گھونگھٹ الٹا جا چکا تھا اور پھر بابر ایک دم ہی مسہری سے اٹھ کھڑا ہوا۔

”آپ......؟“ یہ کیا لہجہ تھا جس میں حیرت اور اجنبیت تھی وہ شہلا آ گئیں لہجہ نجانے کہاں کھو گیا تھا۔

میں نے بوجھل آنکھیں کھول دیں اور پھر اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی میری سانسیں الجھنے لگیں۔ میرے لبوں پر ایک لفظ پھسلا۔

”احسن......!“

”احسن!“ وہ تمسخر سے ہنسا۔

”شکر ہے آپ نے پہچان لیا مگر میرا نام تو بابر ہے صرف بابر حیات۔“

”مگر......“ میری آنکھوں کے سامنے تارے ناچنے لگے۔

”ہاں میں کسی کے لیے طارق ہوں کوئی لڑکی مجھے فاروق کے نام سے جانتی ہے۔ کسی کو تین نام بتایا تھا اور آپ احسن کے نام سے جانتی ہیں۔“ وہ نہایت ڈھٹائی سے اعتراف کر رہا تھا۔

”مگر میرا اصل نام کسی کو معلوم نہیں فیروزہ بیگم...... کیونکہ یہ نام لینے کا حق صرف اور صرف میری بیوی کو تھا میں کسی بھی اڑتی تتلی کی زبان سے اپنا یہ نام کہلوانا پسند نہیں کرسکتا تھا۔“ بابر سپاٹ لہجے میں بول رہا تھا۔

”اتنے روپ۔“ میں نے تھوک نگل کر کہا مگر میری آواز نہ نکل سکی۔

”سوری فیروزہ، ہم نے ابھی سفر بھی شروع نہیں کیا کہ راستہ بدلنے کا موڑ آ گیا ہے۔“

”میں نے کبھی زندگی کے سفر میں آپ جیسے ساتھی کی تمنا نہیں کی۔“

”جی......!“ میری تحیر آمیز آواز نکلی۔

”اگر پاؤں میں کانٹا چبھ جائے تو فوراً نکال دیا جاتا ہے۔ تو بھلا میں زندگی بھر اپنے سینے میں کانٹے کی چبھن کیوں برداشت کروں۔ میں آپ کو طلاق......“

”نہیں......“ میں بابر کی بات مکمل ہونے سے پہلے

ہی چیخ پڑی۔ ”نہیں...... نہیں ...... نہیں۔“ میرا رواں رواں کانپ رہا تھا۔ میں مسہری سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”آپ میری بات بھی توسنیں۔“

”صفائی پیش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے مجھے آپ کے بارے میں سب علم ہے اور آنکھوں دیکھی مکھی نہیں نگل سکتا۔“

”یہی کہ تم اپنی دوست کے ساتھ مجھ سے ملنے آتی تھیں اور جب تمہاری ڈیٹ ہوتی تھی تو وہ......“

”اس نے غلط نہیں بتایا تھا۔“ بابر حیات نے وثوق سے کہا۔

”بخدا...... میں نے خود اسے کہا تھا کہ آپ میرے بارے میں پوچھیں تو وہ یہی کہہ دے۔ مجھے...... مجھے نہیں علم تھا کہ اس مذاق کی بات کا یہ خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔“ میں نے کہا۔

”آپ نے میرے ساتھ گل چھرے اڑائے فیروزہ...... اسی طرح آپ کسی اور کے ساتھ بھی جاتی ہوں گی اور......“ بابر کی خود بھی سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا بے ربط جملہ بول رہا ہے۔ زبردست شاک لگا تھا اسے تو اور وہ ابھی تک سنبھل نہ پایا تھا۔ ایسا تو اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا شاید۔

”آپ میرے کریکٹر کے بارے میں مینا سے پوچھ سکتے ہیں۔“ ڈوبنے والے کو تنکے کا سہارا کے مصداق میں نے کہا۔

”مینا کوئی کسوٹی نہیں ہے اور یوں بھی انسان اپنے دوستوں سے پہچانا جاتا ہے۔“ بابر کے لہجے میں تلوار کی سی کاٹ تھی۔

”میں آپ کے ساتھ ایک منٹ نہیں گزار سکتا۔“

”بابر مجھے ناکردہ گناہوں کی سزا مت دیجیے۔“ میرا لہجہ ملتجی تھا۔

”ناکردہ گناہ۔“ بابر ہنس دیا۔ اس کی ہنسی برچھیوں کی طرح میرے دل میں اتر گئی۔

”یاد ہے آپ ہی نے تو کہا تھا کہ مرد کبھی وسیع القلب نہیں ہو سکتا اور......“

”مگر آپ تو بہت وسیع القلب......“

”نہیں رہا فیروزہ جی!“ بابر نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

”میں نے امی جی سے کہا تھا کہ میری بیوی پڑھی لکھی ضرور ہو مگر ورکنگ ویمن نہ ہو۔ آپ پر ہی ان کی نظر انتخاب پڑی ہونہہ کیا تھرڈ کلاس پسند ہے ان کی۔“ بابر کے لہجے میں نفرت ہی نفرت تھی۔

”بابر میں صرف کیچڑ کے قریب سے گزری ہوں مگر خدا گواہ ہے میرے دامن پر ایک بھی چھینٹ نہیں ہے۔“ میری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ میں پہلی رات کی دلہن آنسو بہا رہی تھی۔

”یہ بھی آپ ہی کے الفاظ ہیں کہ عورت کیچڑ میں لتھڑے مرد کو اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر پناہ دے سکتی ہے مگر مرد ہاں فیروزہ میں عورت کی طرح اعلیٰ ظرف نہیں ہوں بلکہ کوئی بھی مرد ایسا نہیں ہے۔ اب تم اپنی ہی مثال لو۔ میرے گزشتہ کرتوتوں کے بارے میں جانتے ہوئے بھی تم میرے ساتھ رہنے کو تیار ہو گئیں...... میں تو یہ تصور بھی نہیں کر سکتا کہ اس لڑکی کے ساتھ زندگی کا سفر شروع کروں جو کسی اور کی محبوبہ رہ چکی ہے۔“

”یہ غلط ہے...... جھوٹ ہے۔“ میں چیخ پڑی۔

”صبح آپ کو طلاق کے کاغذات مل جائیں گے اب آپ آرام کریں۔“ بابر نے نہایت سفاکی سے کہا تو مجھے لگا جیسے میرا سہاگ کا جوڑا جلنے لگا ہو۔

”پلیز بابر!“ میں بابر کے قدموں میں جھک گئی۔

”مجھے معاف کردو جو گناہ میں نے نہیں کیا اس کی معافی مانگ رہی ہوں آپ سے۔“

”تم یقیناً بے گناہ ہو گی فیروزہ، مگر میں اس پھانس کا کیا کروں جو میرے سینے میں پھنسی ہوئی ہے اور اگر میں نے اسے نہ نکالا تو میرا دم گھٹ جائے گا اور میں اس پھانس کو کل نکال دوں گا۔“

”کیا...... کیا ہمارے درمیان کوئی معاہدہ نہیں

ہوسکتا؟" میں نے پوچھا۔

"کیسا معاہدہ؟" بابر نے میرے ہاتھوں کے نیچے سے اپنے پاؤں کھینچ لیے۔

"میرے والدین بہت عزت دار لوگ ہیں۔"

"تو کیا میں بے غیرت ہوں۔" بابر بھڑکا۔

"آپ تو بہت غیرت مند ہیں صرف شک کی وجہ سے مجھے اپنانے کو تیار نہیں ہیں۔" نا چاہتے ہوئے بھی میرا لہجہ تلخ ہوگیا۔

بابر کی ضد اور ہٹ دھرمی سے مجھے علم ہوگیا تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے ضرور کر گزرے گا اور اب رونا' گڑگڑانا فضول ہی تھا۔

"کیسا معاہدہ کرنا چاہتی ہیں آپ؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"میں چاہتی ہوں کہ آپ کل طلاق نامہ دینے کے بجائے ملک سے باہر جا کر بھیجیں تاکہ...... تاکہ میں بے غیرتی کی بھٹی میں نہ جھونکی جاؤں۔ پلیز بابر یہ احسان مجھ پر میرے خاندان پر کردیجیے۔ صرف کچھ ماہ بعد اپنی ارادے کو عملی جامعہ پہنائیے گا۔" بابر نے چند لمحے کچھ سوچا اور پھر بولا۔

"ٹھیک ہے مگر آپ یہ نہ سمجھیے گا کہ آپ اتنے دن میرے ساتھ رہیں گی اور میں آپ کو اپنالوں گا۔ میں نے آپ کو طلاق دی' طلاق دی' طلاق دی۔" بابر نے تین لفظوں کا شعلہ میری طرف پھینک کر مجھے جلا ڈالا۔ مجھے کچھ ہوش نہ رہا میں چکرا کر گر پڑی اور جب ہوش آیا تو میں مسہری پر آڑھی ترچھی لیٹی ہوئی تھی۔ میں نے یونہی نظر گھما کر دیکھا تو سامنے صوفے پر کشن سر تلے رکھے بازو سینے پر لپیٹے وہ ظالم پتھر دل انسان سویا ہوا تھا۔

جس کے سینے میں گوشت پوست کا دل نہیں پتھر تھا۔ جسے میرے آنسو بھی نہ پگھلا سکے تھے۔ وہ جذبے لٹاتی چمکتی آنکھیں جو پلکوں تلے بند تھیں اور خوب صورت خمیدہ لب مونچھوں تلے مسکرا رہے تھے۔

"مجھے یقین ہے بابر تم کوئی بہت ہی حسین سپنا دیکھ رہے ہوگے۔"

میں اٹھ بیٹھی۔ "اور نہ جانے سپنے میں تمہارے ساتھ مینا ہے یا......"

مینا کے نام پر میرے حلق میں کڑواہٹ گھل گئی۔ اس کی وجہ سے مجھے یہ دن دیکھنے پڑے ہیں۔

"کاش...... کاش مینا میں تمہارے ساتھ نہ جاتی تو آج میری سہاگ رات ایسے چپ چاپ تو نہ گزرتی۔ مقدر کس نے دیکھا ہے۔

آنے والے پل کی کسے خبر ہے۔ نجانے کون سا لمحہ کون سی ساعت ایسی ہوتی ہے جب ناکردہ گناہوں کی سزا بھی مل جاتی ہے اور سزا پا کر بھی زندہ رہنا پڑتا ہے۔ اپنی عزت کی خاطر لب سینے پڑتے ہیں۔

"ہونہہ! مرد اور وسیع القلب۔" بابر حیات یونہی دعوے کرتا تھا۔ انسان کو اتنے بلند و بانگ دعوے نہیں کرنے چاہئیں۔ اپنا قول و فعل ایک سا رکھنا چاہیے۔ مگر نہیں بابر حیات اگر تمہارا قول و فعل ایک ہوجائے تو ہماری زندگی برباد ہونے کے بجائے تمہاری نہ ہوجائے اور ہر کوئی آگ سے اپنا دامن بچانا چاہتا ہے اور بابر حیات تم بھی ایسے ہی لوگوں میں سے ہو۔" جو آگ لگا کر تماشہ بھی دیکھتے ہیں اور چھپتے بھی پھرتے ہیں کہ پکڑے نہ جائیں۔

"پچھتاوے میرا مقدر تھے۔" کیونکہ طلاق کا کانٹا مجھے پہلی رات ہی چبھ گیا تھا۔

نادیہ فاطمہ رضوی

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

زرمینہ کی مشکوک حرکتیں زرتاشہ کو الجھا دیتی ہیں جب ہی وہ اس سے اصل حقیقت جاننا چاہتی ہے لیکن زرمینہ لالہ رخ کے کہنے پر اسے تمام حقیقت سے بے خبر رکھتی ہے اور فراز کے ساتھ مل کر اپنے اور اس کے مری جانے کا بندوبست کرتی ہے۔ کامش شاہ ٹریننگ کے بعد گھر لوٹتا ہے تو سب اسے دیکھ کر بے حد مسرور نظر آتے ہیں اور ایسے میں ساحرہ جلد از جلد اپنے بیٹوں کی شادی کے لیے متفکر نظر آتی ہیں اور سونیا کو بطور بہو پسند کر لیتی ہیں۔ زرتاشہ ابا کی خراب طبیعت پر بے حد متفکر ہو جاتی ہے ایسے میں زرمینہ اسے یہ تجویز دیتی ہے کہ ہم خود ہی مری جا کر ابا سے مل آتے ہیں اس سفر کے لیے زرمینہ بھی تیار ہو جاتی ہے دوسری طرف لالہ رخ زرمینہ کے ان مخلصانہ جذبات پر بے حد مشکور ہوتی ہے۔ فراز تمام رپورٹس ڈاکٹر کو دکھا کر ان سے مشورہ کرتا ہے اور نہایت بوجھل دل کے ساتھ لالہ رخ کو یہاں آنے سے منع کر دیتا ہے ڈاکٹرز کے مطابق بیماری چونکہ آخری اسٹیج پر ہوتی ہے لہٰذا سفر سے بہتر آرام تھا۔ فراز شاہ سے یہ حقیقت جان کر لالہ رخ عجیب اذیت سے دوچار ہو جاتی ہے اور ہر گزرتے دن اپنے ابا کو موت سے قریب ہوتے دیکھتی رہتی ہے ایسے میں زرتاشہ کی آمد کا جان کر وہ پرسکون ہو جاتی ہے۔ رطابہ خود نیلم فرمان کے جال میں پھنس جاتی ہے اور اپنی عزت و آبرو خطرے میں دیکھ کر باسل حیات سے مدد مانگنے آتی ہے اور اسے نیلم کے تمام پلان سے بھی آگاہ کر دیتی ہے۔ رطابہ مڈل کلاس گھرانے کی لڑکی ہے جو تعلیم کے حصول کے لیے یہاں آئی تھی لیکن یہاں کی چکا چوند سے مرعوب ہو کر غلط کاموں میں ملوث ہو گئی تھی اسے اپنے افعال پر بہت شرمندگی ہوتی ہے۔ جب ہی باسل سے معافی مانگتے وہ اسے محتاط رہنے کا کہتی ہے باسل رطابہ کی مدد سے نیلم فرمان کے کہنے پر ایک ریسٹورنٹ میں ملتا ہے اور اسے ٹریپ کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے اپنی اس شکست پر نیلم فرمان بھونچکا رہ جاتی ہے۔ ماریہ کی طبیعت ہر گزرتے دن بگڑتی جاتی ہے اس کے اندر کی گھٹن اسے شدید بے چین رکھتی ہے جب ہی وہ ہذیانی انداز میں چلاتی ہے ایسے میں ابرام اسے اسپتال لے کر پہنچتا ہے جہاں اس کی حالت انتہائی تشویشناک بتائی جاتی ہے کچھ دن کے علاج کے بعد ڈاکٹر اسے سائیکاٹرسٹ کو دکھانے کا مشورہ دیتا ہے گھر والے اس کی ٹینشن کی وجہ سمجھنے میں قاصر رہتے ہیں۔ دوسری طرف ابا اپنی بیماری سے لڑتے اپنے آخری سفر پر روانہ ہو جاتے ہیں لالہ رخ ابا کی موت پر شدید صدمے سے دوچار ہوتی ہے اور زرمینہ کو ابا کی دائمی جدائی کا بتا کر جلد آنے کا کہتی ہے ایسے میں زرمینہ فراز سے رابطہ کر کے اس کے ساتھ مری کے لیے نکلتی ہے اور زرتاشہ کو وہ دونوں ہی اصل حقیقت سے بے خبر رکھتے ہیں فراز اس جلد بازی میں سونیا کو اپنے اسلام آباد جانے کی اطلاع دینا بھول جاتا ہے جبکہ سونیا اس کے ساتھ لنچ کرنے کے شوق میں دو گھنٹے ریسٹورنٹ میں گزارتی ہے بالآخر بے حد مشتعل ہو کر لوٹ جاتی ہے۔ زرتاشہ لمبے سفر کے بعد فراز اور زرمینہ کے سنگ اپنے گھر پہنچتی ہے تو گھر کے باہر اس قدر ہجوم دیکھ کر چونک جاتی ہے اس کا دل

انجانے خوف سے لرز اٹھتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

❀......❀......❀......❀

وہ عجب سی کیفیت میں کھچی جارہی تھی چل کہیں رہی تھی اور قدم کہیں پڑ رہے تھے اپنے ڈولتے کپکپاتے وجود کو گھسیٹتے ہوئے وہ اپنے گھر کے دروازے تک پہنچی تھی۔ بے حد پھٹی پھٹی آنکھوں سے بے تحاشا ہراساں ہوکر اپنے صحن میں کھڑی بھانت بھانت کی عورتوں کو چہ مگوئیاں کرتے دیکھ رہی تھی کہ ایک دم اندر سے امی کے رونے کی بلند آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تو ایک دہشت کے عالم میں اس نے بیٹھک کی جانب دیکھا۔

"ارے یہ دوسری بیٹی زرتاشہ ہے۔ چلو شکر ہے آ گئی پر یہ بے چاری آخری وقت میں اپنے باپ کے ساتھ نہ تھی۔" علاقے کی کسی عورت کی نظر یک لخت اس کی جانب اٹھی تو اس نے اپنے قریب بیٹھی دیگر عورتوں کو متوجہ کرکے بتایا۔

"ہائے ہائے بے چاری زندہ باپ کو چھوڑ کر گئی تھی اب آئی ہے ان کی میت کا آخری دیدار کرنے...... ہائے کیسی بدنصیب ہے یہ۔" ان کی پڑوسن ٹھنڈی آہیں بھرتے ہوئے بڑے نوکیلے لہجے میں بولی کہ انہیں کے درمیان بیٹھی مہرو کی نظر دروازے کے بیچوں بیچ انہیں کے درمیان ٹھٹکی تاشو پر پڑی جو حیران بے یقین اور وحشت ناک نگاہوں سے ٹکر ٹکر سب کو تکے جارہی تھی۔

"تاشو تم...... آ گئیں۔" مہرو کے ہونٹوں نے جنبش کی پھر تیر سے بھی زیادہ تیزی سے وہ اس کے قریب آئی اسی دوران زرینہ بھی عقب سے اندر آچکی تھی۔

"تاشو...... تاشو ادھر آؤ۔" مہرو بمشکل اپنی سسکیوں پر قابو پاتے ہوئے اس کا بازو پکڑ کر اپنی جانب کھینچتے ہوئے بولی جو اپنی جگہ بت کی مانند کھڑی تھی مہرو کے مخاطب کرنے پر زرتاشہ اسے بے حد بے گانگی اور سپاٹ انداز میں دیکھتی اس کے سنگ کھنچی چلی گئی۔

"ہائے ہائے بے چاری کو تو سکتہ ہوگیا صدمہ بھی تو کتنا بڑا ہے سر سے سائبان اٹھ گیا۔ بس اس کا...... یتیم ہوگئی بے چاری معصوم بچی ہائے......" یک دم زرتاشہ بل کھا کر رکی پھر بے حد ترشی سے اپنا بازو مہرو کے ہاتھ سے نکال کر تیزی سے بولی۔

"مجھے ابا سے ملنا ہے مہرو تم مجھے کہاں لے کر جارہی ہو ابا...... ابا...... دیکھئے آپ کی تاشو آپ سے ملنے آئی ہے۔" مہرینہ جو اسے بیٹھک کی طرف لالہ رخ اور امی کے پاس لے جارہی تھی زرتاشہ کی کیفیت دیکھ کر متوحش ہوگئی جو یک دم پلٹ کر ابا کو آوازیں دیتی ہوئی ان کے کمرے کی جانب بڑھی۔ جب کہ کسی خاتون کے توسط سے زرتاشہ کی آمد کی خبر لالہ رخ تک پہنچی تو وہ سرعت سے اٹھ کر باہر آئی تھی۔

"تاشو تم میری بات تو سنو وہاں کہاں جارہی ہو۔" لالہ رخ اور مہرو کے ساتھ ساتھ زرینہ بھی اسے پکڑنے کو لپکی مگر زرتاشہ اندر پہنچ گئی تھی۔

"ابا...... یہ ابا کہاں ہیں ابا...... ابا۔" وہ ان کا خالی بستر دیکھ کر ٹھٹک کر بولی پھر آوازیں دینے لگی۔

"تاشو میری جان یہاں آؤ اپنی لالہ کے پاس۔" لالہ رخ نے کمرے میں آتے ہی زرتاشہ کو بازوؤں سے تھامنے کی کوشش کی مگر وہ بے حد ناگواری سے اس کے دونوں ہاتھوں کو پرے دھکیل گئی۔

"لالہ یہ کیا مذاق بنایا ہوا ہے ابا کہاں ہیں؟ گھر میں اتنے سارے لوگ کیوں جمع ہیں...... بتاؤ لالہ کہاں ہیں ابا...... مجھے ابھی اور اسی وقت ان سے ملنا ہے۔ کہاں ہیں میرے ابا؟" زرتاشہ لالہ رخ کا بازو بے حد بے دردی سے جھنجوڑتے

ہوئے بولی۔ اس وقت وہ اپنے آپے میں نہیں تھی عجیب سی دیوانگی وجنون اس پر سوار ہو گیا تھا۔ تینوں لڑکیاں زرتاشہ کی اس کیفیت سے پریشان ہونے کے ساتھ ساتھ ہراساں بھی ہو گئیں۔

''تاشو میری پیاری سہیلی پلیز اپنے آپ کو سنبھالو تمہارے ابا اب...... اس دنیا میں نہیں رہے وہ ہم سب کو چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔'' زرمینہ زرتاشہ کو نرمی سے تھام کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی تو زرتاشہ یک دم چپ ہو کر ایک ٹک زرمینہ کو دیکھے چلی گئی۔

''ہاں تاشو ماموں چلے گئے ہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔ ان کی اب ساری تکلیفیں اور مشکلات دور ہو گئی ہیں وہ دوسرے جہان سدھار گئے ہیں۔'' مہرو نے دھیرے سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا گلوگیر لہجے میں کہا تو اس نے یک دم لالہ رخ کو دیکھا جس کے آنسو تیزی سے بہہ رہے تھے اور اسی پل زرتاشہ نے شعور کی وادی میں قدم رکھا۔

''جھوٹ...... جھوٹ تم سب نے مجھ سے جھوٹ بولا مجھے دھوکہ دیا فریب میں مبتلا رکھا۔ مجھے میرے ابا سے دور رکھا مجھے ان سے ملنے نہیں دیا تم سب نے مجھے دھوکہ دیا۔ میرے ابا چلے گئے اپنی تاشو سے ملے بغیر چلے گئے۔'' وہ ہذیانی انداز میں پیچھے ہٹتے ہوئے بولی اور دیوانوں کی طرح بھاگتی ہوئی بیٹھک کی جانب آئی جہاں ابا کا جنازہ بالکل تیار تھا وہ یک دم ساکن ہوئی پھر ہارے ہوئے جواری کی مانند بے حد ڈولتے قدموں سے اندر داخل ہو کر جنازے کی طرف بڑھی اس دوران اس کا دوپٹہ کہیں اٹک کر غائب ہو چکا تھا بال بھی منتشر سے ہو گئے تھے۔

''تاشو میری بچی تو آ گئی۔'' امی نے اس کی دگرگوں حالت دیکھ کر تڑپ کر کہا۔

''ابا آپ کی تاشو آ گئی۔ پلیز ایک بار آنکھیں کھول دیں ابا۔ پلیز آپ کو اللہ کا واسطہ صرف ایک بار مجھے دیکھ لیں مجھ سے بات کر لیں اپنے سینے سے لگا لیں ابا دیکھیے میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں ابا بس ایک بار پھر کبھی میں کوئی ضد نہیں کروں گی آپ سے...... آپ کو تنگ نہیں کروں گی آپ مجھے ایسے چھوڑ کر نہیں جا سکتے یہ مجھ پر بہت بڑا ظلم ہے ابا پلیز بس ایک بار مجھ سے مل لیں۔'' وہ ہنوز ہاتھوں کو جوڑے بولتے ہوئے اتنی بے قراری اور کرب ناک انداز میں بلک بلک کر روئی کہ وہاں بیٹھیں تمام خواتین کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

''تاشو میری گڑیا یہاں آؤ اپنی ماں کے پاس۔'' امی کا جسم خود بے جان ہو رہا تھا اپنی جگہ سے اٹھنے کی سکت نہ ہوئی تو روتے ہوئے زرتاشہ کو مخاطب کر کے کہا مگر زرتاشہ سن ہی کہاں رہی تھی ایک دم روتے روتے وہ ایک جانب لڑھک کر گری تھی جب کہ لالہ رخ، زرمینہ اور مہرو تینوں اس کی طرف بھاگی تھیں۔

❁......❁......❁......❁

''آئی نو میری جان فراز کا یہ بی ہیوئیر بہت غیر ذمہ دارانہ اور روڈ تھا مگر تم اپنا غصہ ٹھنڈا کرلو میری بیٹی بس ایک دفعہ فراز سے تمہاری شادی ہو جائے پھر تم اسے اپنے مطابق چلانا۔'' سونیا جب سے ریسٹورینٹ سے آئی تھی بے حد مشتعل اور اپ سیٹ تھی سارا بیگم کی خوش خبری بھی اسے متاثر نہیں کر سکی تھی۔ اسے فراز کے اس رویے پر اپنی بے پناہ ہتک محسوس ہو رہی تھی۔

''نو مام...... نو اس بار تو فراز نے تمام لمٹس ختم کر دیں۔ میں اب اسے بالکل معاف نہیں کروں اس کی جرأت کیسے ہوئی میری انسلٹ کرنے کی میں وہاں پورے دو گھنٹے احمقوں کی طرح اس کا انتظار کرتی رہی اور وہ...... نو وے مام مجھے فراز پر بہت غصہ ہے۔'' سونیا کا غصہ کسی طور کم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔

''کول ڈاؤن دیکھو تم نے صبح سے کچھ کھایا بھی نہیں ہے اور ڈنر بھی نہیں لے رہیں تم فراز کی وجہ سے اپنی صحت کیوں خراب کر رہی ہو چند اتھوڑا سا کچھ کھا لو ورنہ اس طرح تو تمہاری طبیعت خراب ہو جائے گی۔'' سارا بیگم اسے چمکارتے

ہوئے بولیں جو اپنے بیڈ کی بیک سے ٹیک لگائے نیم دراز تھی۔
"مام...... پلیز مجھے مجبور مت کریں۔" وہ بے حد قطعیت بھرے انداز میں بولی تو سارا بیگم محض بے بسی سے اسے دیکھ کر رہ گئیں۔

❁......❁......❁......❁

ساحرہ عنابی رنگ کے سلیپنگ گاؤن میں ملبوس اپنے ڈریسنگ ٹیبل کے قد آور آئینے کے سامنے نائٹ کریم سے ہولے ہولے اپنے چہرے کا مساج کررہی تھی جب کہ سمیر شاہ اپنے بیڈ پر ریلیکس انداز میں نیم دراز کتاب بینی میں مصروف تھے۔
"اف آج کا دن تو بہت تھکا دینے والا تھا۔" اس کا انداز سرسری سا لیکن سمیر شاہ کو جتاتا ہوا تھا۔ "مجھے تو لنچ کا بھی موقع بہت مشکل سے ملا...... اور یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ این جی او چلانا بہت آسان اور منافع بخش کام ہے ارے ناکوں چنے چبوا ڈالا ہے اس کام نے مجھے دیکھو ذرا میری ہیلتھ بھی کچھ ڈاؤن لگ رہی ہے۔" ساحرہ خود میں مگن مسلسل بولتی ہوئی اب خود کو آئینے میں ہر زاویے سے دیکھ رہی تھی جب کہ چہرے پر اب پریشانی بھی ہویدا تھی پھر ساحرہ نے آئینے کے ذریعے سمیر شاہ کو ارد گرد سے بے نیاز کتاب میں محو دیکھا تو اچھی خاصی تلملا گئی۔
"سمیر میں اتنی دیر سے دیواروں سے نہیں بلکہ تم سے بات کررہی ہوں۔" ساحرہ کی ناگوار سی تیز آواز سمیر شاہ کی سماعت سے ٹکرائی تو انہوں نے قدرے چونک کر کتاب پر سے نگاہیں اٹھا کر اپنی نصف بہتر کو دیکھا تو ساحرہ نے بے پناہ برا مانتے ہوئے شکوہ کرتے ہوئے کہا۔
"ایک تو میں اپنے کام میں اتنا بزی رہتی ہوں اوپر سے اگر کچھ فرصت کے لمحات میسر آتے ہیں تو بجائے مجھ سے بات کرنے کے تم اس کتاب میں گم ہوجاتے ہو۔" ساحرہ کے انداز کو دیکھتے ہوئے سمیر شاہ نے گہرا سانس لیا پھر کتاب سائیڈ ٹیبل پر اوندھی رکھ کر سہولت سے گویا ہوئے۔
"ہاں بولو کیا باتیں کرنا چاہ رہی ہو تم۔"
"سمیر مجھے تم لوگوں سے ایک بہت ضروری بات کرنی تھی۔" معاً ساحرہ کے ذہن میں جھما کا ہوا وہ تو بالکل ہی بھولی بیٹھی تھی کہ آج سارا ان کے آفس آئی تھی۔
"تم لوگوں سے کیا مطلب؟" سمیر نے ناسمجھی والے انداز میں دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔ ساحرہ ڈریسنگ اسٹول سے اٹھتے ہوئے سمیر کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔
"مطلب تم فراز اور کامیش۔" سمیر شاہ اسے خاموشی سے دیکھتے ہوئے ہمہ تن گوش ہوگئے۔
"سمیر آج آفس میں سارا آئی تھی وہ بتارہی تھی کہ اس کی بھانجی کی شادی راحت گروپ آف انڈسٹریز کے یہاں ہوئی ہے۔" یک دم سمیر شاہ کے اندر خطرے کی گھنٹی بجی اور آنکھوں میں واضح الجھن اتر آئی تھی۔
"تو پھر۔" وہ مختصراً بولے۔
"تو پھر یہ کہ ان لوگوں نے اپنے چھوٹے بیٹے کا رشتہ سونیا کے لیے مانگا ہے۔"
"ارے واہ یہ تو بہت اچھی بات ہے۔" سمیر شاہ بے ساختہ خوش ہوکر بول اٹھے تو ساحرہ نے انہیں تادیبی نگاہوں سے دیکھا۔
"سمیر کیا ہوگیا ہے تمہیں۔ بھئی میں نے سارا سے پہلے ہی کہہ رکھا تھا کہ سونیا صرف میری بہو بنے گی اور وہ اس بات کے لیے راضی بھی ہے آخر کو وہ میری بھتیجی ہے۔" سمیر شاہ نے ساحرہ کو بغور دیکھتے ہوئے ایک گہری سانس لی پھر اسپلٹ

کار یموٹ اٹھا کر اس کی والیوم کو کم کرتے ہوئے نارمل انداز میں بولے۔
"ساحرہ تمہارے بیٹے فی الحال شادی کے موڈ میں نہیں ہیں۔" ساحرہ کو ہمیشہ کی طرح سمیر شاہ کی بات کافی ناگوار گزری اس نے تیوری چڑھا کر سمیر شاہ کو دیکھا پھر بے حد تنک کر بولی۔
"بار بار اس بات کو رٹنے سے کیا مطلب ہے کہ شادی کے موڈ میں نہیں ہیں۔ میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ اگر شادی نہیں کرنا چاہتے تو منگنی کر لیتے ہیں...... ایک بات یاد رکھنا سمیر سونیا میری پسند ہے اور وہی اس گھر میں میری بہو بن کر آئے گی۔" آخر میں اس کا لہجہ ہٹ دھرمی سے لبریز تھا سمیر شاہ فی الفور خاموش ہی رہے کیونکہ وہ ساحرہ کی ضدی اور اڑیل طبیعت سے بخوبی واقف تھے اس وقت ان کا دل دکھ و تاسف سے بھر گیا تھا۔
ساحرہ کی ہم سفری ان کی زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھی جس کو وہ چاہ کر بھی سدھار نہیں سکے تھے۔ کتنے خوش نصیب ہوتے ہیں وہ مرد جن کی بیویاں اپنے مجازی خدا کی تابعدار اور فرماں بردار ہوتی ہیں ان سے مخلص ہوتی ہیں ان کا خیال رکھتی ہیں وہ اکثر یہ بات سوچا کرتے تھے اور ایک ٹھنڈی آہ بھر کر رہ جاتے تھے۔
"میں فراز اور کامیش دونوں سے بات کروں گی کہ کون اسے اپنی لائف پارٹنر بنانا چاہے گا۔ ویسے میرے خیال میں فراز اور سونیا میں بہت زیادہ انڈر اسٹینڈنگ ہے ہوسکتا ہے کہ ان کے درمیان پسندیدگی کے جذبات بھی موجود ہوں۔" سمیر شاہ سے کہتے کہتے آخر میں وہ اپنا خیال ظاہر کرتے ہوئے بولی۔ سمیر شاہ نے انہیں خاصی ترشی سے دیکھتے ہوئے روڈ انداز میں کہا۔
"مگر مجھے نہیں لگتا کہ فراز اور سونیا میں انڈر اسٹینڈنگ ہے دوستی اپنی جگہ ہوتی ہے اور پسند اپنی جگہ۔" اس پر ساحرہ نے کچھ چونک کر انہیں دیکھا پھر کسی سوچ میں غلطاں ہوگئی سمیر کو اس پل ساحرہ پر بے حد غصہ آرہا تھا جو اپنے بیٹوں کے مستقبل کا فیصلہ خود بالا ہی بالا کر رہی تھی اور اپنی مرضی ان کے سروں پر تھوپ رہی تھی۔
"اگر فراز انٹرسٹڈ نہیں ہے تو ٹھیک ہے میں کامیش کا پرپوزل دے دیتی ہوں۔" قدرے توقف کے بعد ساحرہ بے پروائی سے کندھے اچکا کر بولتی بیڈ سے اٹھتے ہوئے بولی تو سمیر شاہ نے بے حد حیران ہو کر ساحرہ کو دیکھا جو اب واش روم میں داخل ہو چکی تھی۔

❁......❁......❁......❁

کل رات سے ہونے والی مسلسل بارش نے یک دم سردی کی شدت میں اضافہ کر دیا تھا یہاں کے باسیوں کو اس موسم کی عادت تھی لہٰذا موسم کی شدت ان کے کاموں کو ہرگز متاثر نہیں کرتی تھی اس وقت بھی ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی موسم کی خوب صورتی اور دل فریب ماحول کی رنگینیاں اس پل عروج پر تھیں ماریہ کل ہی ہاسپٹل سے ڈسچارج ہوئی تھی اور آج صبح رین کوٹ میں ملبوس چھتری اٹھائے کالج کے لیے نکل کھڑی ہوئی تھی۔ صبح کی تازہ بھیگی ہوا اور جل تھل کرتی فضا اس کی طبیعت پر بہت خوش گوار اثرات مرتب کر رہی تھی۔ کالج کے راستے پر بنی کیاریوں میں رنگا رنگ پھولوں کی باڑ کو دیکھتے ہوئے اس کے ہونٹ آپ ہی آپ مسکرا اٹھے وہ بے ساختہ اس باڑ کے قریب رکی اور ایک کاسنی رنگ کے پھول کو جھک کر توڑ کر سیدھی ہوئی اور پھر دھیرے سے اپنے گال سے ٹکرایا اور پھر کھل کر ہنس دی اسی دم کوئی بڑی عجلت میں اس کے پاس آ کر رکا تھا۔ ماریہ نے قدرے چونک کر جیسکا کو دیکھا لال اور سفید امتزاج کے اسکرٹ سوٹ میں ملبوس رین کوٹ زیب تن کیے اور اپنے اوپر ریڈ رنگ کی چھتری تانے وہ بے حد کیوٹ لگ رہی تھی۔
"تم یہاں کہاں آن ٹپکی۔" ماریہ نے متعجب ہو کر استفسار کیا تو جیسکا نے اسے شکایتی نظروں سے دیکھا پھر برا ماننے والے انداز میں بولی۔

"ماریہ مجھے تم سے اس قدر بداخلاقی کی امید نہیں تھی یعنی میں جیسکا روبن تمہاری فکر اور پریشانی میں اس بارش میں اپنے گرنے کی پروا کیے بغیر تمہارے پیچھے بھاگی چلی آرہی تھی کہ کل ہی ہاسپٹل سے ڈسچارج ہوئی ہو اور آج ہی موسم کی پروا کیے بغیر یوں منہ اٹھا کر اکیلے نکل گئی۔ میں اس کے پیچھے جاؤں اور تم ہو کہ......" آخر میں اس نے اپنا جملہ ادھورہ چھوڑا۔

ماریہ کو بے ساختہ ہنسی آگئی وہ یک دم کھلکھلا کر ہنسی تو جیسکا نے منہ کھولے بے حد حیرت سے اسے دیکھا پھر فوراً سے پیشتر اپنی کیفیت پر قابو پایا البتہ وہ ماریہ کو یوں سابقہ انداز میں بے فکری سے ہنستا دیکھ کر دل ہی دل میں بے حد خوش ہوئی۔

"گاڈ پلیز ہماری ماریہ کو یونہی خوش اور پرسکون رکھنا۔" اس نے بے ساختہ دل ہی دل میں اس کے لیے دعا کر ڈالی پھر پیار بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے انگریزی میں بولی۔

"آج تم بہت پیاری لگ رہی ہو ماریہ۔" جیسکا کے ریمارکس پر ماریہ نے اسے مسکرا کر دیکھا پھر قدرے عجلت میں قدم اٹھاتی ہوئی بولی۔

"اب ہمیں کالج پہنچ جانا چاہیے جیسکا۔ ہم کافی لیٹ ہو گئے ہیں۔" ماریہ کی بات پر جیسکا نے تیزی سے اثبات میں سر ہلایا اور دونوں کالج کے راستے کی جانب چل پڑیں ماریہ وقتی طور پر اپنے اندر تبدیلی لانے میں کامیاب ہوگئی تھی۔

❀..........❀..........❀..........❀

سورج کی کرنوں نے آسمان کو بے حد دل فریب روشنی سے بھر دیا تھا صبح کی تازہ ہوا خراماں خراماں اپنے راستے کو سفر تھی اردگرد لگے چیڑ اور بادام کے درختوں کی ٹہنیاں ہوا کی شرارت پر جیسے جھوم رہی تھیں اطراف میں کھلے نیلے سفید اور گلابی رنگ کے خوش نما پھولوں کی آنچ تے آنکھوں میں جیسے تراوٹ سی بھر دی تھی۔

فراز شاہ نے اپنے بالائی کمرے کی بالکنی سے اس تمام منظر کو بہت دلچسپی سے دیکھا اور ایک گہری سانس اپنے نتھنوں کے ذریعے کھینچ کر تازہ ہوا اپنے پھیپھڑوں کے اندر بھری شہر کی آلودہ فضا اور کثافت سے پاک مری کے خالص اور دل فریب ماحول نے اس کے دل و دماغ کو جیسے بالکل ہلکا پھلکا سا کر دیا تھا۔ زرتاشہ کے والد صاحب کی تدفین کے بعد مہرو بنو کے ہمراہ اسے لالہ رخ والے گیسٹ ہاؤس میں لے آئی تھی جہاں وہ جاب کرتی تھی مہرو اور بنو بھی بے حد غم زدہ تھے فراز نے اپنے تیئں انہیں تسلی دینے کی کوشش کی تھی زرتاشہ بے چاری غم و صدمے سے بے حال تھی ابا کا جنازہ اٹھتے ہی وہ بے ہوش ہوگئی تھی اور جب ہوش میں آئی تو بالکل گم صم ہوگئی تھی۔ البتہ زرینہ زرتاشہ کے ساتھ ساتھ تھی فراز ابھی ان لوگوں کے متعلق سوچ ہی رہا تھا کہ یک دم اس کا موبائل فون بج اٹھا فراز نے بالکنی میں کھڑے رخ موڑ کر اندر کی جانب دیکھا پھر سرعت سے اندر آیا اور سائیڈ ٹیبل پر رکھے سیل فون کو اٹھایا جس کی اسکرین پر زرینہ کا نام جگمگا رہا تھا فراز نے فوراً کال پک کی۔

"ہاں زرینہ بولو وہاں سب خیریت ہے تا زرتاشہ کی طبیعت کیسی ہے؟" فراز شاہ کے استفسار پر زرینہ نے ایک تھکن آمیز سانس بھری پھر دھیرے سے بولی۔

"خیریت کہاں فراز بھائی تاشو کی حالت بہت خراب ہے کل رات تو لالہ اور مہرو آپی نے اسے زبردستی نیند کی گولی دے کر سلا دیا تھا مگر وہ جب سے اٹھی ہے تب سے بے تحاشا روئے جا رہی ہے۔ اس کی امی بھی صدمے سے نڈھال ہیں صرف ایک لالہ آپی ہیں جو اپنا غم بھلائے سب کو سنبھالنے میں لگی ہوئی ہیں۔"

"اوہ......" زرینہ کی زبانی تمام تفصیلات جان کر فراز کو حقیقی افسوس ہوا پھر قدرے توقف کے بعد گویا ہوا۔

"تمہارا کیا پروگرام ہے زرینہ مجھے تو واپس کراچی جانا ہے۔"

"جی فراز بھائی میں بھی یہی سوچ رہی تھی کہ آپ اپنے سارے کام چھوڑ چھاڑ کراتنی ایمرجنسی میں ہمارے ساتھ آگئے آپ کا کتنا وقت بھی ضائع ہوا...... فراز بھائی اس مشکل وقت میں تو آپ نے سگوں سے بھی بڑھ کر ہماری مدد کی۔" آخر میں زرینہ کا لہجہ ممنونیت وتشکر کے جذبات سے لبریز ہوگیا تو فراز نے بے ساختہ اسے ٹوکا۔

"زرینہ بس اب فل اسٹاپ لگاؤ اور مجھے آگے کا پروگرام بتاؤ۔" وہ سہولت سے گویا ہوا تو زرینہ نرمی سے مسکرائی پھر بولی۔

"فراز بھائی مجھے بھی فوراً کراچی پہنچنا ہے کیونکہ میں نے اپنے یہاں آنے کا ذکر اپنے گھر والوں سے نہیں کیا' مجھے ڈر ہے کہ کہیں انہیں اس بارے میں بھنک نہ پڑ جائے مگر یہاں تاشو کی طبیعت بھی بہت خراب ہے کیا کروں؟"

"نہیں زرینہ تمہیں فوراً کراچی واپس جانا چاہیے ورنہ تمہارے لیے کوئی پرابلم نہ کھڑی ہوجائے زرتاشہ کا غم ابھی بالکل تازہ ہے ان شاءاللہ وقت کے ساتھ ساتھ وہ سنبھل جائے گی وقت سے بڑا مرہم کوئی اور نہیں ہے اور پھر اس کی امی اور بڑی بہن بھی تو موجود ہیں نا۔" فراز بردباری سے اسے سمجھاتے ہوئے بولا تو زرینہ نے تائیدی انداز میں سر ہلایا پھر کچھ یاد آنے پر وہ بولی۔

"فراز بھائی وہ لالہ آپی آپ سے ملنا چاہ رہی تھیں ہم دونوں دوپہر میں آپ کے پاس آئیں گے۔"

"ہوں ٹھیک ہے اچھا میں ٹکٹس وغیرہ ارینج کرنے کی کوشش کرتا ہوں تم اپنی تیاری رکھو۔" یہ کہہ کر اس نے اپنا موبائل فون بند کردیا۔

❀.........❀.........❀.........❀

میر شاہ کل رات ساحرہ سے ہونے والی گفتگو کے بعد بے حد پریشان تھے۔ وہ ساحرہ کی ہٹیلی طبیعت اور ضدی

ماہنامہ حجاب کی جانب سے پہلی سال گرہ پر آپ لکھاری بہنوں اور قارئین کی شرکت کے لیے خصوصی سروے کا اہتمام کیا گیا ہے تاکہ ہمیں اندازہ ہوسکے کہ اس ایک سال میں ہم کس حد تک آپ کو مطمئن کرپائے ہیں۔ سروے کے سوالات مندرجہ ذیل ہیں:۔

☆ مجموعی طور پر پہلے سال میں آپ نے حجاب کو کیسا پایا؟ کوئی کمی یا پیشی' کوئی تجویز یا تدبیر کوئی تعریف یا تنقید سب کھل کہہ دیں۔

☆ اس سال کی بیسٹ رائٹرز نیز سب سے بہترین تحاریر؟

☆ آئندہ سال کے حجاب کو آپ کیسا دیکھنے کی خواہش مند ہیں؟

☆ مستقل سلسلوں میں آپ کا پسندیدہ سلسلہ کون سا ہے اگر کسی سلسلے میں ترمیم کی جائے تو کس میں اور اضافہ کیا ہو؟

☆ ماہنامہ حجاب کا سال گزشتہ کا بہترین ٹائٹل کون سا تھا؟

☆ نوآموز رائٹرز میں آپ مستقل کسے حجاب میں دیکھنا پسند کریں گی؟

☆ ماہنامہ حجاب کے ناولز' ناولٹ اور افسانوں میں شائع ہونے والے چند سنہری جملے اور سطور جنہیں بے ساختہ آپ نے ڈائری کی زینت بنایا ہو؟

ان سوالات کے جوابات 20 اکتوبر تک ارسال کردیں یا پھر ای میل کے لیے ایڈریس یہ ہیں۔

infohijab@aanchal.com.pk

فطرت کو بخوبی جانتے تھے عورت جس کا خمیر وفا ایثار اور محبت سے گوندھا گیا ہے اگر غلط تربیت اور محبت کے زیر اثر عورت اپنے اصل خمیر کو بھول کر ضد ہٹ دھرمی اکڑ اور انا جیسی شیطانی صفات کو اپنا لے تو پھر عورت سے کڑا اور مشکل امتحان اور کوئی نہیں ہوتا۔ حالانکہ ساحرہ کی یہ خوش نصیبی تھی کہ اسے سمیر شاہ جیسا نیک سیرت باکردار اور اعلیٰ ظرف انسان ملا تھا جس نے اس کی ہٹ دھرمیوں اور بے جا ضد کو ہمیشہ نظر انداز کیا تھا صرف اپنے بچوں کی زندگی ان کے مستقبل کی خاطر انہوں نے ساحرہ جیسے تلخ و کڑوے شربت کو بڑی برداشت اور صبر سے گھونٹ گھونٹ پی کر اپنے حلق سے نیچے اتارا تھا کسی دانشور نے کہا تھا کہ نیک و شریف انسان کے لیے سب سے بڑی آزمائش اس کی نالائق اور ہٹ دھرم بیوی ہے اور واقعی سمیر شاہ کی پُرسکون اور مسرت انگیز زندگی میں ساحرہ ایک کڑی آزمائش تھی جس نے انہیں ہمیشہ ذہنی کوفت اور تناؤ میں مبتلا رکھا تھا۔

فراز ان کا ہونہار بیٹا تھا جو انہیں بے پناہ عزیز تھا پیار تو وہ کامیش سے بھی بے حد کرتے تھے دونوں بیٹے ہی ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سکون تھے اور حقیقت تو یہی تھی کہ وہ سونیا کو اس گھر کی بہو بنانے کے حق میں بالکل نہیں تھے انہیں سونیا کے انداز واطوار میں ساحرہ کی جھلک نظر آتی تھی اور اسی لیے وہ سونیا اعظم کو کچھ خاص پسند نہیں کرتے تھے۔ وہ آفس میں بیٹھے اسی ادھیڑ بن میں مبتلا تھے جب انہوں نے ایک گہری سانس کھینچی اور پھر کچھ سوچ کر اپنے سیل فون سے فراز شاہ کا نمبر ملانے لگے۔

”السلام علیکم ڈیڈ۔“ لائن ملتے ہی فراز شاہ کی آواز ان کی سماعت سے ٹکرائی تو بے ساختہ سمیر شاہ کے لب مسکرا اٹھے۔

”وعلیکم السلام بیٹا کیسے ہو تم اور کب کراچی پہنچ رہے ہو۔“ فراز جو نہایت ایمرجنسی کے عالم میں اپنے گھر سے کسی کو بھی بنا بتائے نکلا تھا مری پہنچ کر فوراً اس نے سمیر شاہ کو فون کر کے اپنے یہاں پہنچنے کی اطلاع دی تھی جس پر انہوں نے خاصے تعجب کا اظہار کیا تھا۔

”فراز تم یوں اچانک بغیر کسی کو انفارم کیے مری کیسے چلے گئے؟“ سمیر شاہ کے حیرت میں ڈوبے استفہامیہ لہجے کو محسوس کر کے فراز نے ایک گہری سانس لی۔

”ڈیڈ میں اس وقت تو آپ کو سب کچھ نہیں بتا سکتا ان شاء اللہ جیسے ہی میں کراچی واپس آؤں گا تمام ڈیٹیلز سے آگاہ کروں گا۔“ فراز مختصر اً بتاتے ہوئے بولا۔

”او کے بیٹا اپنا خیال رکھنا ان شاء اللہ پھر تم سے بات ہوگی۔“ سمیر شاہ فراز کی آواز میں واضح تھکن محسوس کر کے بولے تھے۔

”ڈیڈ ابھی میں نے اپنے ٹریول ایجنٹ سے بات کی ہے بڑی مشکلوں سے کل صبح کی فلائٹ ملی ہے۔“ فراز نے انہیں اطلاع دی تو وہ چند ثانیے کے لیے کچھ خاموش سے ہو گئے جب کہ دوسری جانب فراز نے باپ کی خاموشی کو فوراً محسوس کر کے کچھ تشویش زدہ لہجے میں استفسار کیا۔

”ڈیڈ...... سب کچھ ٹھیک ہے ناں...... آپ چپ چپ سے کیوں ہیں؟“ فراز کی آواز اسپیکر کے ذریعے ان کی سماعت میں پہنچی تو یک دم وہ چونک اٹھے پھر قدرے بجھے ہوئے لہجے میں بولے۔

”ہوں بیٹا سب ٹھیک ہے دراصل کل رات......“ پھر انہوں نے گزشتہ رات ساحرہ سے ہونے والی بات فراز کو بتائی تو وہ بھی کچھ پریشان سا ہو گیا۔

”ڈیڈ مجھے جلد سے جلد سونیا سے بات کر لینی چاہیے۔“

”فراز مجھے ایک اور بات کا بھی خدشہ ہے۔“

"وہ کیا ڈیڈ؟"
"کہیں تمہارے انکار کرنے پر ساحرہ کامیش سے سونیا کا رشتہ نہ طے کردے۔"
"کامیش سے......؟" اس لمحے فراز کے لہجے میں بے حد حیرت در آئی۔
"ہوں کامیش سے۔"
"اونو ایسا کیوں ہوگا ڈیڈ سونیا تو......" یک لخت تیزی سے انہیں جھٹلاتے ہوئے وہ قدرے ٹھہرا۔
"آئی مین سونیا تو مجھ میں انٹرسٹیڈ ہے پھر وہ کامیش سے شادی کرنے پر کیوں راضی ہوگی۔" جواباً سمیر شاہ نے ہنکارا بھرا۔
"ڈیڈ پلیز آپ ٹینشن مت لیں میں کل کراچی پہنچتے ہی پہلا کام یہی کروں گا کہ سونیا سے صاف صاف بات کرلوں۔"
"ٹھیک ہے بیٹا میں تمہارا ویٹ کررہا ہوں۔"
"اوکے ڈیڈ اللہ حافظ۔" فراز نے فون بند کیا اور کسی گہری سوچ میں غلطاں ہوگیا۔

❀......❀......❀......❀
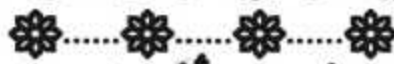
"اس کے باپ کو تو اس کی رتی بھر بھی فکر اور پروا نہیں ہے وہ شخص تو بس اس کو دنیا میں لانے کا سبب بنا ہے۔ نشے میں ڈوبا نگر نگر آوارہ گردی کرتا پھرتا ہے اور یہاں میں اسے اچھی لائف بہترین ایجوکیشن دینے کے لیے اس عمر میں بھی کام کررہی ہوں اپنی ہڈیاں گھسوا رہی ہوں۔" جیکولین گرجنے کے ساتھ ساتھ ماریہ اور ایڈم پر برس بھی رہی تھی جب کہ ماریہ سر جھکائے بے حد خاموشی سے اس کی لن ترانیاں سن رہی تھی۔
"شہر کے سب سے بہترین کالج میں اس کا ایڈمیشن کروایا ہے میں نے۔ اعلیٰ پہنتی اوڑھتی ہے اچھے سے اچھا کھاتی ہے اور یہ سب کچھ اس کا باپ نہیں کرتا میں کرتی ہوں...... میں۔" جیکولین کا سفید چہرہ انگارے کی مانند سرخ ہورہا تھا اس کا غصہ بے حد تیز اور کافی سنگین تھا جس سے ابرام اور ماریہ دونوں خائف ہوتے تھے اس وقت بھی ان دونوں کی یہی صورت حال تھی۔
"مام پلیز کول ڈاؤن آپ کا بلڈ پریشر شوٹ کرجائے گا اپنا غصہ ٹھنڈا کرلیجیے میں ماریہ کو سمجھاؤں گا۔" ابرام جیکولین کو شانے سے پکڑ کر اسے صوفے پر بٹھاتے ہوئے بولا جس کا تنفس اس پل بہت تیز چل رہا تھا۔ وہ ہائی بلڈ پریشر کے ساتھ ساتھ ہارٹ پیشنٹ بھی تھی اس لمحے ابرام کو جیکولین کی صحت کی فکر لاحق ہوئی تھی تیز غصہ اس کی صحت کے لیے بے حد مضر تھا۔
"ابرام تم سمجھا دو اس لڑکی کو اس ایڈیٹ لڑکے کا سوگ منانا چھوڑ دے ورنہ پھر میری نظروں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دفع ہوجائے۔" جیکولین بے حد سختی سے بولی تو ابرام نے اثبات میں سر ہلا کر کہا۔
"میں اسے اچھی طرح سمجھا دوں گا مام آپ پلیز ریلیکس ہوجائیں ورنہ آپ کی طبیعت خراب ہوجائے گی۔" ماریہ نے نگاہ اٹھا کر جیکولین کو دیکھا جو اس کی طبیعت خراب ہونے اور پھر ہاسپٹلائزڈ ہونے پر سخت برہم تھی جب ماریہ کالج سے گھر لوٹی تو جیکولین اس پر برس پڑی تھی وہ بے حد مشتعل تھی ماریہ پر اسے بے حد غصہ تھا ابرام پانی کے ساتھ جیکولین کو سکون آور ٹیبلیٹ کھلا رہا تھا اس نے بے حد خاموشی سے دونوں کو دیکھا پھر اٹھ کر اپنے کمرے میں آگئی۔

❀......❀......❀......❀

"تاشو بیٹا تھوڑا سا کچھ کھالو میری بچی دیکھو تم نے کل سے کچھ نہیں کھایا اس طرح تو تم بیمار پڑجاؤ گی۔ بیٹا دیکھو ضد نہیں کرو چلو شاباش تھوڑا سا کھالو۔" مہرو بی اماں تاشو کو بڑی دیر سے کھانا کھلانے پر آمادہ کررہی تھیں مگر تاشہ تو جیسے گونگی

بھری بنی گھٹنوں میں سر دیے بیٹھی تھی اس سے پہلے لالہ رخ اور مہرو نے بھی اس کی منت سماجت کی تھی زرینہ نے بھی زور لگایا تھا مگر سب بے سود تھا۔ البتہ امی کی طبیعت صبح سے بے حد نڈھال تھی ان کا بی پی کافی زیادہ لو تھا لالہ رخ اور مہرو کی اماں نے زبردستی ان کو سکون آور گولی دے کر سلا دیا تھا وہ رات بھر کی جاگی ہوئی تھیں۔

"تاشو میری جان پلیز کچھ کھالو نا بس تھوڑا سا ہی کھالو" لالہ رخ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے لجاجت سے بولی تو زرتاشہ نے چونک کر لالہ رخ کو بے حد سپاٹ اور بے تاثر نگاہوں سے دیکھا۔

"تاشو اگر تم اس طرح کرو گی تو ابا کی روح کو بہت تکلیف ہوگی وہ......" لالہ رخ نے بولتے بولتے جونہی اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا زرتاشہ کرنٹ کھا کر جیسے پیچھے ہٹی لالہ رخ کے ساتھ ساتھ مہرو اور زرینہ نے بھی بے حد اچنبھے سے زرتاشہ کو دیکھا۔

"تاشو میں......"

"ہاتھ مت لگانا مجھے لالہ۔" زرتاشہ ایک بار پھر پیچھے ہٹتے ہوئے بے حد ترشی سے لالہ رخ کو دیکھتی بات درمیان میں ہی قطع کرتے ہوئے بولی۔

"زرتاشہ میری جان کیا ہوا ہے تمہیں؟" لالہ رخ بے حد حیرت زدہ نگاہوں سے اسے دیکھتی نرمی سے بولتی تھوڑا قریب آنے لگی کہ اسی دم وہ بے تحاشا بلبلا کر بولی۔

"میں نے کہا نا لالہ ہاتھ مت لگانا مجھے دور ہٹ جاؤ میرے پاس سے بلکہ چلی جاؤ میری نظروں کے سامنے سے۔"

زرینہ اور مہرو نے انگشت بدنداں، ہونقوں کی طرح زرتاشہ کا اس قدر جارحانہ اور نفرت سے پُر انداز دیکھا جب کہ لالہ رخ نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے سیاہ ملگجے سے لباس میں ملبوس بے پناہ سوجی آنکھوں والی زرتاشہ کو دیکھا جو اس پل لالہ رخ کو اتنی عجیب و غریب نگاہوں سے دیکھ رہی تھی کہ وہ نظریں لالہ رخ کے اندر اتر کر اسے توڑ گئی تھیں۔

"خبردار جو تم نے مجھے چھونے کی کوشش کی یا پھر جھوٹی ہمدردی دکھانے کی کوشش کی۔" لالہ رخ ساکت و صامت سی اپنی جگہ پر منجمد کھڑی یک ٹک اسے دیکھتی چلی گئی کچھ دیر کے لیے اسے تو یقین ہی نہیں آیا کہ اتنے کاٹ دار جملے اور نفرت انگیز لہجہ اس کی عزیز از جان اس کی چھوٹی لاڈلی بہن نے اس کے ساتھ روا رکھا ہے۔

"تاشو یہ تم کیسی باتیں کررہی ہو۔ لالہ آپی تمہاری بڑی بہن ہیں۔" زرینہ نے درمیان میں مداخلت کی تو زرتاشہ نے تڑپ کر اس کی طرف دیکھا پھر بے حد تنفر سے لالہ رخ کو دیکھتے ہوئے اپنی انگشت شہادت اس کی جانب اٹھاتے ہوئے بولی۔

"نہیں ہے یہ میری بہن یہ جھوٹی فریبی اور دھوکہ باز لڑکی ہے ظالم سنگ دل اور بے حس ہے۔ جس نے میرے باپ اور میرے درمیان جدائیاں ڈال دیں انہیں مجھ سے ہمیشہ کے لیے دور کردیا۔"

"تاشو یہ...... یہ تم کیا کہے جارہی ہو۔ خدا کے واسطے خاموش ہوجاؤ تمہیں پتہ بھی ہے کہ تم کیا بکواس کررہی ہو۔" تحیر و استعجاب کے بھنور میں ڈوبتی مہرو نے بمشکل خود کو سنبھالا تاشو کے لفظوں کے نوکیلے سنگریزے یقیناً لالہ رخ کے کلیجے کو چھلنی کر گئے تھے لالہ رخ تو کیا زرینہ اور مہرو کا دل بھی جیسے تار تار ہوگیا تھا لالہ کے اوپر جان چھڑکنے والی بہن آج کس قدر نفرت اور حقارت سے اس سے مخاطب تھی۔

"بالکل صحیح کہہ رہی ہوں میں اسی نے مجھے میرے ابا سے ملنے نہیں دیا اور وہ...... وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یہ دنیا چھوڑ کر مجھ سے ملے بنا ہی چلے گئے۔" آخر میں اس کا لہجہ گلوگیر ہوا پھر تیزی سے خود کو سنبھال کر تند لہجے میں بولی۔

"لالہ کو جب بھی میں نے فون کیا جس وقت بھی ابا کے حوالے سے بات کی لالہ نے مجھے ٹال دیا ان کی طبیعت کو لے

کر ہمیشہ مجھ سے جھوٹ کہا مجھ سے غلط بیانی کی مجھے دھوکہ فریب و لاعلمی کے اندھیرے میں رکھا۔ کبھی مجھ سے سچ نہیں بولا مجھے ان کی بڑھتی بیماری کے بارے میں کچھ نہیں بتایا بس یہی کہتی رہی کہ وہ ٹھیک ہیں وہ بہتر ہیں...... مگر سچائی تو کچھ اور تھی میرے ابا لمحہ لمحہ موت کے شکنجے میں جکڑتے چلے جارہے تھے اور میں......" زرتاشہ کی سانس دھونکنی کی طرح تیز تیز چل رہی تھی جب کہ لالہ رخ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کے وجود میں کسی نے کیلیں گاڑھ دی ہوں۔

"تاشو تم پلیز۔" مہرو بڑی متوحش سی ہو کر اس کو کندھے سے تھام کر تاتا ہی بولی کہ اگلے ہی لمحے بے حد سرعت سے زرتاشہ نے اس کے ہاتھوں کو جھٹک کر پھنکارتے ہوئے کہا۔

"مجھے کچھ بھی سمجھانے بجھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ لالہ نے جو سلوک میرے ساتھ کیا ہے آخری وقت میں مجھے میرے ابا سے دور رکھنے کا گناہ کیا ہے اس کے لیے میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گی سنا تم نے زندگی بھر معاف نہیں کروں گی۔" یہ کہہ کر زرتاشہ تیزی سے ابا کے کمرے میں چلی گئی جب کہ مہرو نے بے حد پریشان ہو کر لالہ رخ کی جانب دیکھا جو دیوار کی طرح ساکت سی ہنوز کھڑی تھی بے ساختہ زرینہ اور مہرو کی آنکھوں میں برکھا اتر آئی مہرو انتہائی متفکر ہو کر لالہ رخ کے قریب آئی اور بڑی نرمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا جس پر لالہ رخ نے کافی چونک کر اسے آنسو بہاتے دیکھا۔

"لالہ پلیز تم تاشو کی باتوں کو دل پر مت لو وہ اس وقت بہت جذباتی ہو رہی ہے۔"

"ہاں لالہ آپی تاشو اس وقت بہت زیادہ اپ سیٹ اور ڈپریس ہے اسی لیے وہ یہ سب اول فول بک گئی ہے آپ اس کی باتوں کو سیریس مت لیجیے۔" زرینہ بھی آگے بڑھ کر بے حد ہمدردی سے بولی تو ایک تلخ مسکراہٹ لالہ رخ کے ہونٹوں پر آن ٹھہری پھر بے پناہ سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

"گناہ تو مجھ سے ہوا ہے زری۔ تاشو نے کچھ غلط بھی نہیں کہا میں نے ہی اسے یہاں نہیں بلایا ابا کے آخری دنوں میں اسے ان سے دور رکھا...... یہی سب تو میں نے کیا ہے نا مہرو۔"

"تاشو کا تو دماغ خراب ہو گیا ہے تم نے تو......"

"میں امی کو دیکھ کر آتی ہوں کہیں ان کی آنکھ نہ کھل گئی ہو۔" گو کہ زرتاشہ نے اپنی آواز نیچی رکھی تھی مگر پھر بھی لالہ رخ کو یہ خدشہ لاحق ہوا کہ کہیں وہ نہ جاگ گئی ہوں زرتاشہ کے اس رویے کی بابت وہ انہیں کچھ بھی پتہ نہیں لگنے دینا چاہتی تھی ورنہ ان کو بے تحاشا صدمہ پہنچتا وہ مہرو کی بات درمیان میں سے کاٹتے ہوئے وہاں سے پلٹ گئی تو مہرو نے بے حد دکھ و تکلیف سے اس کو وہاں سے جاتے دیکھا۔

❁......❁......❁......❁

آج سارا بیگم اپنے شوہر اعظم خان کے ہمراہ ساحرہ کے دولت کدے پر تشریف لائی تھیں البتہ سونیا نے فی الفور جانے سے انکار کر دیا تھا وہ فراز شاہ سے بے حد خفا تھی جس نے اب تک اسے ایک چھوٹا سا سوری میسج بھی نہیں کیا تھا۔

"بھیا آج تو میرے گھر کے نصیب جاگ گئے...... آج آپ جو ہمارے گھر پر آ گئے۔" ساحرہ اعظم خان شیرازی صاحب کو دیکھ کر بے تحاشا چہک کر بولی تو وہ بھی ہنس دیئے۔ سمیر شاہ اور اعظم خان شیرازی دونوں بزنس حریف تھے لہٰذا دونوں ہی ایک دوسرے کو کچھ خاص پسند نہیں کرتے تھے اس وقت مجبوراً وہ ایک دوسرے کے آمنے سامنے خوش مزاجی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔

"بس آج صبح ہی تمہاری بھابی نے مجھے آرڈر دے دیا تھا کہ ہمیں ساحرہ کے گھر چلنا ہے جناب پھر کیا تھا میں نے اپنی ساری مصروفیات کینسل کر دیں۔" اعظم خان شیرازی صاحب اپنے مخصوص انداز میں بولے تو دونوں خواتین نزاکت

سے قہقہہ لگا کر ہنس دیں۔

لنچ کی ٹیبل پر آج اتفاق سے کامیش شاہ بھی موجود تھا۔ لنچ کے وقت اعظم شیرازی کامیش شاہ سے ہی محو گفتگو رہے جب کہ سارا بیگم نے ساحرہ سے فراز کی بابت پوچھا تو انہوں نے بڑی بے پروائی سے کندھے اچکا کر بتایا تھا کہ وہ کسی کام سے اسلام آباد گیا ہوا ہے گھر واپسی پر گاڑی ڈرائیو کرتے اعظم شیرازی صاحب نے اپنی بیگم سے مخاطب ہوکر کہا۔

"مجھے کامیش بہت پسند آیا ہے۔ ٹھیک ہے کہ فراز کافی ذہین اور ٹیلنٹڈ لڑکا ہے مگر کامیش بھی کسی طور کم نہیں ہے اس کا فیوچر بہت برائٹ ہے اور ویسے بھی باپ کے بزنس اور جائیداد میں بھی اس کا حصہ ہوگا وہ جب چاہے اپنا بزنس اسٹارٹ کرسکتا ہے اور پھر گورنمنٹ جاب وہ بھی اس پوسٹ کی۔ اس کا تو بھرم ہی کچھ اور ہے۔" سارا بیگم نے بغور انہیں دیکھا انہوں نے اپنے شوہر نامدار کو صرف اتنا بتایا تھا کہ ان کی بہن ساحرہ سمیر ان کی بیٹی کو اپنی بہو بنانے میں دلچسپی رکھتی ہیں یہ بات چھپالی تھی کہ سونیا فراز کو پسند کرتی ہے سارا بیگم ان کی بات پر کسی گہری سوچ میں ڈوب گئیں۔

❀........❀........❀........❀
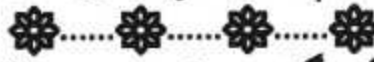
"آئی ہوپ کہ شاید اب تمہیں کچھ عقل آ گئی ہوگی آج مام تمہاری وجہ سے اتنی زیادہ ہرٹ ہوئی ہیں اور بے حد مشتعل بھی۔ فار گاڈ سیک ماریہ اب باز آ جاؤ اور واپس آ جاؤ۔" ابرام اس پل اس کے سامنے بیٹھا بول رہا تھا ماریہ نے بے حد ترشی سے اپنے بھائی کو دیکھا پھر کافی ناگواری سے بولی۔

"آپ مجھ سے مزید کیا چاہتے ہیں؟"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ ہے کہ اب کیا میری جان لینا چاہتے ہیں؟"

"واٹ نان سینس ماریہ۔" ابرام ماریہ کی بات پر بے حد برا مانتے ہوئے بولا تو ماریہ جیسے پھٹ پڑی۔

"یہ میری لائف ہے میرا پرسنل میٹر ہے آپ لوگ کیوں مداخلت کر رہے ہیں۔"

"تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔" ابرام کو بھی طیش آ گیا وہ تیز غصے میں بولا۔ "اگر یہ تمہاری لائف ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ تم جو جی میں آئے گا وہ کرتی پھروں گی اور یہ معاملہ تمہارا ذاتی معاملہ کیسے ہوگیا؟" ابرام کے بے حد سخت انداز پر ماریہ اندر ہی اندر خائف ہوگئی۔

"ماریہ اب تمہیں یہ تماشہ بند کرنا ہوگا انڈر اسٹینڈ۔"

"کیسا تماشا برو یہ ایک سچائی ہے جسے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر کے آپ جھٹلا نہیں سکتے۔" ماریہ کو بھی اس پل عود کر غصہ آ گیا تھا۔ ابرام نے اپنے جبڑوں کو سختی سے بھینچ کر آنکھوں کی پتلیوں کو سکیڑ کر اسے دیکھا پھر ہنوز لہجے میں بولا۔

"آخر یہ خناس...... یہ بکواس تمہارے دماغ میں بھری کس نے وہ ایک بار میرے سامنے تو آئے میں ایک بھی پل ضائع کیے بنا اسے شوٹ کردوں گا۔" وہ جو اپنے کمرے کی کھڑکی کے پاس جا کر ابرام کی طرف سے پیٹھ موڑ کر کھڑی ہوئی تھی بے ساختہ ابرام کو دیکھنے پر مجبور ہوگئی۔

"ہاں ماریہ میں اسے شوٹ کردوں گا جس نے تمہیں بھٹکانے کی کوشش کی ہے تمہارے ذہن میں اس گندگی کو بھرا ہے۔" وہ اس کے قریب چلا آیا اس کی آنکھوں میں انگارے دہک رہے تھے جن سے ایک لمحے کو ماریہ خوف زدہ ضرور ہوئی تھی لیکن نجانے کون سی طاقت تھی جس نے اس کے خوف پر قابو پالیا تھا۔

"پلیز برو میرے ذہن میں یہ گندگی نہیں ہے بلکہ......" بولتے بولتے وہ یک دم خاموش ہوئی پھر سر اٹھا کر ابرام کو دیکھتے ہوئے ٹھوس لہجے میں لفظوں کو جما جما کر بولی۔

ماہنامہ داستانِ دل ساہیوال

ادب کی دنیا میں ایک نیا نام

نئے لکھنے والوں کے لئے ایک بہترین پلیٹ فارم

اگر آپ لکھاری ہیں اور تحریر کسی مستند ادارے میں بھیجنا چاہتے ہیں تو ابھی داستانِ دل کو بھیجیں۔ آپ کی تحریر قریب کے شمارے میں پبلش کی جائے گی۔ آپ اپنے افسانے، ناولٹ، ناولز، کہانیاں، جگ بیتیاں، آپ بیتیاں، غزلیں یا پھر نظمیں ہمیں ای میل کے ذریعے، ڈاک کے ذریعے یہاں تک کہ وٹس ایپ کے ذریعے بھی بھیج سکتے ہیں۔ بس آپ کی تحریر اردو میں لکھی ہونی چاہیئے۔ اگر آپ نئے لکھاری ہیں تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، آپ اپنی تحریر ہمیں بھیجیں ہم اس کو صحیح کر کے اپنے شمارے کا حصہ بنائیں گے۔ اگر آپ لکھنا نہیں جانتے تب بھی آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں آپ ہمیں کوئی بھی اچھی سی غزل یا اقوال زریں انتخاب کے لئے بھیج سکتے ہیں۔ وہ بھی داستانِ دل کا حصہ بنے گا۔ اس کے علاوہ آپ اپنی تحریر موبائل پر بھی میسج کر سکتے ہیں بس اردو میں تحریر ہو۔

ہمارے داستانِ دل کے سلسلے کچھ اس طرح سے ہیں

محبت نامے، ملک کی ممتاز شخصیات کا انٹرویو، افسانے ناولز، ناولٹ، غزلیں، نظمیں، حمد، نعت اور انتخاب

اس کے علاوہ آپ کی ہر تحریر کو ہمارے شمارے میں خاص جگہ دی جائے گی۔ آپ ہمارے سارے شمارے پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر پڑھ سکتے ہیں اور پڑھ کر اپنی رائے دے سکتے ہیں

ہمارا ایڈریس ہے۔

ندیم عباس ڈھکو چک نمبر 5-L/79 ڈاکخانہ 5.L/78 تحصیل وضلع ساہیوال

وٹس ایپ نمبر: 03225494228

ای میل ایڈریس ہے abbasnadeem283@gmail.com

"میں نے آپ سے پہلے بھی کہا ہے کہ کسی نے بھی میرے دماغ میں کچھ نہیں ڈالا اور نہ ہی مجھے میرے راستے سے بھٹکانے کی کوشش کی ہے۔" ابرام نے اسے غیر یقین نگاہوں سے گھورا پھر قریب میز پر رکھے شیشے کے گلاس کو اٹھا کر دیوار پر مارتے ہوئے وہ بے حد تیزی سے وہاں سے نکل گیا تھا۔

❁......❁......❁......❁

مری کی شام بے حد سلونی تھی۔ کشادہ نیل گوں آسمان میں سفید روئی جیسے گالوں کی مانند بادل آسمان میں اٹھکیلیاں کرتے پھر رہے تھے رنگ برنگے چہچہاتے پرندے اب دن بھر کی مسافت طے کرنے کے بعد اپنے اپنے گھروں کو لوٹ رہے تھے۔ سورج نے ڈوبتے ہوئے اپنی بنفشی نارنجی روشنی آسمان کے کناروں پر چھوڑ دی تھی۔

لالہ رخ زرینہ کے ساتھ اپنے گیسٹ ہاؤس میں فراز شاہ سے ملنے آئی تھی۔ اس وقت وہ تینوں باہر گیسٹ ہاؤس کے احاطے میں بنے خوب صورت اور دلکش سے باغیچے میں بیٹھے تھے فراز شاہ آج دوسری بار لالہ رخ کو دیکھ رہا تھا یہ وہی لڑکی تھی جس کو پہلی بار اس نے کراچی یونیورسٹی کے ایک ڈیپارٹمنٹ میں اپنی چھوٹی بہن زرتاشہ کے ساتھ دیکھا تھا۔

اس وقت بھی اسے یہ لڑکی بے حد پُر اعتماد اور پُر اثر شخصیت کی مالک لگی تھی اور آج بھی وہ بہت متانت سے اس کے سامنے بیٹھی تھی البتہ اس پل اس کے خوب صورت صبیح چہرے میں رنج والم کے گہرے بادل چھائے ہوئے تھے۔ گھنیری پلکوں تلے خواب ناک دل نشین آنکھوں میں سوز وحزن کی لہریں ہلکورے لے رہی تھیں۔ بے حد ستواں ناک پر ننھی سی زرقون کی لونگ سے قوس وقزح کے رنگ جیسے پھوٹ رہے تھے۔ خوب صورت دہانہ اور کٹیلے ہونٹوں پر دھیمی سی مسکراہٹ اس وقت اس کی شخصیت کو بے حد متاثر کن بنا رہی تھی۔ جب کے گھنے لمبے بالوں کو اس نے سلیقے سے چوٹی میں مقید کیا ہوا تھا۔ آف وائٹ اور نیلے امتزاج کے بالکل سادہ سے جوڑے میں اس کی گوری رنگت اور زیادہ دمک رہی تھی۔ فراز شاہ کو لالہ رخ کا رکھ رکھاؤ کافی متاثر کر گیا تھا۔ واقعی اس میں کچھ ایسی بات ضرور تھی کہ سامنے والا خود بخود مہذب اور باادب ہونے پر مجبور ہو جاتا۔

"فراز بھائی ہماری کل صبح کی فلائیٹ کنفرم ہے نا؟" زرینہ فراز سے استفسار کرتے ہوئے بولی تو فراز نے سہولت سے اس کی جانب رخ موڑ کر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"ہاں کنفرم ہے۔ ہم یہاں سے صبح آٹھ بجے نکل جائیں گے۔ ہماری فلائیٹ صبح گیارہ بجے کی ہے۔" چہرے پر ملائمت اور تیکھے نقوش کا حامل یہ شخص لالہ رخ کے لیے بالکل اجنبی تھا جس سے وہ اپنی زندگی میں پہلی بار مل رہی تھی۔ بے حد ڈیسنٹ اور شان دار پرسنالٹی کا حامل۔ یہ انسان صرف ظاہری خوب صورتی اور دلکشی سے ہی مالا مال نہیں تھا بلکہ اس کا دل بھی بہت خوب صورت تھا لالہ رخ اسے بے حد ممنونیت سے دیکھتے ہوئے دھیرے سے گلا کھنکھارتے ہوئے گویا ہوئی۔

"فراز صاحب میں آپ کا کن لفظوں میں شکریہ ادا کروں میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہمارے لیے بالکل اجنبی اور غیر ہوتے ہوئے جس طرح آپ نے ہماری مدد کی ہمارا ساتھ دیا۔ ایسا تو شاید ہمارا کوئی اپنا بھی نہ کرتا۔" بولتے بولتے لالہ رخ کے ذہن کے پردے پر اپنے پھوپھا مومن جان کا عکس لہرا گیا جو ابا کی میت پر زرتاشہ کا انتظار کرنے پر اپنی بیوی کو سخت سست سنا رہے تھے۔

"ارے تم لوگوں نے یہ کیا تماشا لگا رکھا ہے بجائے مردے کو فوراً دفنانے کے تم اسے انتظار کرا رہے ہو۔ تمہارے میکے میں تو عورتوں کے فیصلے چلتے ہیں جب زرتاشہ یہاں ہے ہی نہیں تو پھر اس کے انتظار میں ہمیں کیوں لٹکا رکھا ہے وہ خود ہی بڑے شوق سے کراچی بھاگ کر گئی تھی نا۔

"مومن جان خدا کے واسطے آہستہ بولو کم از کم اس وقت تو تم خاموش رہو میرا بھائی مرا ہے باپ جیسا بھائی اگر ہم سے ہمدردی نہیں کر سکتے تو کم از کم ہمارا دل تو نہ جلاؤ۔" پھوپو گھٹے گھٹے لہجے میں آہستگی سے بولی تھیں۔

"مس لالہ رخ میں نے آپ سے پہلے بھی کہا تھا کہ آپ مجھے تھینکس مت بولیں ہمارے درمیان انسانیت کا رشتہ ہے اور میرے خیال میں انسانیت جیسا مضبوط اور پائیدار رشتہ کوئی اور نہیں جو کسی بھی حدود و قیود سے آزاد ہے اور قدرتی طور پر بندھا ہوا ہے اور جسے دنیا کی کوئی بھی طاقت ختم یا توڑ نہیں سکتی۔" فراز شاہ بے حد سحر انگیز لہجے میں تمکنت سے بولا تو لالہ رخ دھیرے سے مسکرا دی جب کہ اس پل فراز نے اسے بہت توجہ سے دیکھا لالہ رخ کی مسکراہٹ اسے بے حد دلکش اور منفرد سی لگی۔

"یہ تو آپ کی اعلیٰ ظرفی اور اچھے اخلاق کی بات ہے مسٹر فراز ورنہ یہاں کون جانتا ہے کہ انسانیت کس چڑیا کا نام ہے۔" لالہ رخ کی شخصیت کی طرح اس کی آواز بھی بے حد دلکش اور پُر اثر تھی۔

"اچھا چھوڑیے ان باتوں کو یہ بتائیے کہ آپ کے گھر میں سب خیریت ہے آپ کی امی اور زرتاشہ ٹھیک ہیں؟" فراز شاہ کے استفسار پر بے ساختہ لالہ رخ نے زرینہ کو دیکھا۔ زرینہ بھی کچھ عجیب سی ہوگئی زرتاشہ نے جو رویہ جو انداز لالہ رخ کے ساتھ روا رکھا تھا اس کو لے کر وہ بے حد دکھی اور پریشان تھی لالہ رخ نے ایک گہرا سانس بھرا پھر بمشکل مسکرا کر گویا ہوئی۔

"ہمارا غم بہت بڑا ہے فراز صاحب یہ تو بھرتے بھرتے ہی بھرے گا۔ جس ذات پاک نے یہ عظیم غم دیا ہے وہی صبر بھی دے گا۔" جواباً فراز نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ ہی صبر و استقامت عطا کرتا ہے آپ کی والدہ اور زرتاشہ کو بھی ان شاء اللہ جلد صبر آجائے گا۔" چند ثانیے تینوں کے درمیان بالکل خاموشی چھائی رہی اطراف میں چہچہاتے پرندوں کی آوازیں صرف فضا میں گونجتی رہیں پھر کچھ دیر بعد لالہ رخ بولی۔

"کل ابا کا سوئم ہے یہ موقع ایسا نہیں ہے ورنہ ہم آپ کو اپنے گھر میں کھانا کھلائے بغیر جانے نہیں دیتے مگر آپ کو ایک وعدہ کرنا ہوگا۔" فراز شاہ کو لالہ رخ سے گفتگو کر کے بہت اچھا لگ رہا تھا وہ مسکرا کر استفسار کرتے ہوئے بولا۔

"کیسا وعدہ؟"

"وہ یہ کہ اگلی دفعہ آپ مری ضرور آئیے گا اور ہمیں اپنی میزبانی کا موقع دیجیے گا۔"

"آف کورس مس لالہ رخ میں ان شاء اللہ اگلی بار فرصت سے یہاں گھومنے پھرنے آؤں گا اور آپ لوگوں کو بھی بھرپور زحمت دوں گا۔"

"ہمیں بے حد خوشی ہوگی۔" لالہ رخ دلکشی سے مسکرا کر بولی۔

اگلے دن زرینہ فراز شاہ کے ہمراہ واپس کراچی آگئی اور اسی دن انتظامیہ نے یونیورسٹی کھل جانے کا عندیہ دیا تھا اگلے ہی دن ان کا آخری پیپر بھی ہوگیا۔ زرینہ جب پرچہ دے کر باہر آئی تو اسے اس پل زرتاشہ بے حد یاد آئی یک دم اس کی آنکھیں بے اختیار آنسوؤں سے بھیگ گئیں۔ زرتاشہ کی کمی اسے بے حد محسوس ہوئی وہ اپنے آپ کو تنہا اور اکیلا محسوس کر رہی تھی اسے زرتاشہ کی فکر بھی بہت ہو رہی تھی اپنے ابا کی موت کا اس نے گہرا صدمہ لیا تھا یونیورسٹی میں اس کا دل بالکل نہیں لگ رہا تھا۔ وہ کینٹین جانے کے بجائے واپس ہاسٹل کے راستے ہولی تھی ورنہ کینٹین جا کر وہ ہمیشہ پیٹ پوجا کرتی تھی مگر آج اس کا دل کسی چیز میں بھی نہیں لگ رہا تھا۔ اپنی جون میں ہاسٹل کے داخلی دروازے سے اندر داخل ہوتے ہوئے وہ کسی مردانہ وجود سے ٹکرائی تھی۔

''اف میرے اللہ یہ کوئی انسان ہے یا پہاڑ جس کے وجود سے میں ٹکرائی ہوں۔'' وہ دل ہی دل میں بولی۔ تصادم بہت شدید تھا زرینہ کی پیشانی مقابل کے سینے سے پوری رفتار سے لگی تھی۔ اس نے اپنے لڑکھڑاتے وجود کو بمشکل قدموں پر جمایا اور انتہائی غصے سے تیزی سے بولتی چلی گئی۔

''اندھے ہو کیا؟ تمہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا کہ اتنا بڑا انسان اندر آ رہا ہے اونٹ کی طرح بس منہ اٹھا کر ٹکر ماردی مسٹر آپ کو یہ آنکھیں اللہ نے دیکھنے کے لیے دی ہیں۔''

''محترمہ یہی ساری باتیں میں آپ سے بھی امید کر رہا ہوں اگر میں نے نہیں دیکھا تھا تو آپ ہی اپنی آنکھوں کا استعمال کر لیتیں۔'' مقابل بھی کافی ناگواری سے بولا تھا۔ زرینہ جس کا موڈ پہلے ہی آف تھا سامنے والے کا جملہ سن کر تو وہ جیسے جلتے توے پر جا بیٹھی۔ وہ دونوں ہاتھ اپنی کمر کے خم پر جماتے ہوئے بولی۔

''اچھا تو آپ اس غلط فہمی بلکہ انتہائی بھونڈی اور گھٹیا خوش فہمی میں مبتلا ہو رہے ہیں کہ میں نے آپ کو جان بوجھ کر ٹکر ماری ہنہ......''

''میں نے ایسے تو نہیں کہا۔'' وہ کچھ گھبرا کر بولا تو زرینہ نے اسے کینہ توز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے دانت پیس کر کہا۔

''ہاں ہاں آپ نے تو کچھ نہیں کہا مگر آپ کا مطلب یہی تھا۔'' زرینہ کی بات پر اس نے سر سے پیر تک اسے دیکھا ڈارک گرین اور براؤن امتزاج کے لان کے سوٹ میں وہ شعلہ جوالا بن کر کھڑی تھی۔

''اگر میرا جائزہ لے لیا ہے تو کیا آپ راستہ چھوڑیں گے؟'' وہ بے حد طنزیہ لہجے میں بولی تو وہ بے ساختہ بری طرح گڑبڑا گیا پھر اپنی خفت مٹانے کی غرض سے اس پر چڑھ دوڑا۔

''آپ کا مطلب کیا ہے اس بات سے۔ مجھے کوئی سڑک چھاپ لفنگا سمجھ رہی ہیں جو آپ کو تاڑ رہا ہوں۔'' زرینہ نے پل بھر کے لیے اسے دیکھا بلو جینز پر گرے شرٹ زیب تن کیے دراز قد کا حامل یہ نوجوان کسی اچھی فیملی کا لگ رہا تھا۔ زرینہ نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا بس قدرے شرافت سے اتنا ہی بولی۔

''راستہ دیجیے مجھے۔'' وہ سامنے سے ہٹا ہی تھا کہ مہوش صاحبہ کا چہرہ نمودار ہوا۔

''ارے زرینہ تھینک گاڈ تم آ گئیں۔'' مہوش اسے دیکھ کر چہک کر بولی تو اس نوجوان نے کچھ چونک کر مہوش کو دیکھا جب کہ زرینہ کا انداز استہفامیہ تھا۔

''ارے یار یہ پتہ نہیں مسکان اور رمشا کہاں رہ گئیں۔ تم پلیز میرے روم کی چابی اپنے پاس رکھ لو وارڈن کا بھی کچھ اتا پتہ نہیں ہے اور مسکان بی بی کا سیل ہی آف ہے۔ جب کہ رمشا تو فون ہی پک نہیں کر رہی شاید اس نے سائلینٹ سے ہٹایا ہی نہیں میرے بھائی مجھے لینے آئے ہیں تو میں جلدی میں ان کے ساتھ گھر جا رہی ہوں اب میں کسی کو بھی روم کی چابی دینے سے رہی۔'' مہوش جلدی جلدی بولتی زرینہ کو تمام تفصیلات سے آگاہ کیے گئی جس پر زرینہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

''یو ڈونٹ وری تم مجھے چابی دے دو میں ان لوگوں کو دے دوں گی۔''

''ارے یاد آیا زرینہ وہ اپنی زرتاشہ کیسی ہے مجھے بھی اس کے فادر کی ڈیتھ کا بہت افسوس ہوا۔ بے چاری کا آخری پیپر بھی ڈراپ ہو گیا نا۔'' مہوش نے یک دم یاد آنے پر زرینہ سے کہا تو زرینہ نے محض سر ہلانے پر ہی اکتفا کیا۔

''مہوش ہم پہلے ہی کافی لیٹ ہو گئے ہیں اب مزید کتنا ٹائم لو گی تم؟'' اس شخص کے لہجے میں اس لمحے بے زاری ہی بے زاری تھی۔ بے اختیار زرینہ نے اسے ناگواری سے دیکھا اسی پل اس نوجوان نے بھی زرینہ کی جانب دیکھا تھا۔ جب کہ اگلے ہی لمحے زرینہ نے اپنی نگاہوں کا زاویہ بدلا اور دوستانہ انداز میں مہوش کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم جاؤ اب ان شاء اللہ جلد ہی ملاقات ہوگی۔" مہوش نے آگے بڑھ کر اسے گلے سے لگایا۔
"اپنا بہت خیال رکھنا۔ یونیورسٹی کی چھٹیاں ختم ہوتے ہی میں واپس آجاؤں گی۔" مہوش ایک بہت اچھی لڑکی تھی زرتاشہ اور زرمینہ دونوں کی اس سے اچھی خاصی دوستی ہوگئی تھی پھر زرمینہ مہوش کو رخصت کر کے اپنے کمرے میں آگئی اور اپنی پیکنگ میں مصروف ہوگئی۔ سمسٹرز ختم ہوگئے تھے اور یونیورسٹی میں تعطیلات کا آغاز ہوگیا تھا۔ تقریباً ساری لڑکیاں اپنے اپنے گھر جارہی تھیں۔ زرمینہ بھی گھر جانے کے لیے بے تاب تھی۔

❁......❁❁......❁

کلفٹن کے علاقے میں ایک معروف ریسٹورنٹ میں سونیا اور فراز ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ خوب صورت اور جدید طرز کے بنے اس ریسٹورنٹ کی مدھم روشنی اور رومانوی ماحول میں سونیا فراز کے سنگ بے حد خوش گوار موڈ میں بیٹھی تھی۔ اُن تین دنوں کی کُڑھن کوفت، جھنجلاہٹ اور غصہ سب اس پل ہوا میں اڑنچھو ہوگیا تھا۔ فراز نے کراچی پہنچتے ہی سونیا کو بے حد مشکلوں سے منایا تھا اس بار سونیا کا موڈ ٹھیک کرنے پر اسے کافی محنت کرنا پڑی تھی۔ ڈارک میرون رنگ کی شارٹ کرتی پر پیچ رنگ کا جدید اسٹائل کا پاجامہ زیب تن کیے چہرے پر نفاست سے میک اپ میں وہ بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔
ریسٹورنٹ کے اوپر کے فلور کی کھڑکی کی جانب والی ٹیبل پر بیٹھتے ہوئے وہ دونوں گاہے بگاہے باہر کی طرف نگاہیں دوڑا رہے تھے۔ جہاں سے نظر آتی سمندر کی لہریں رات کے مہیب اندھیرے میں بے حد منفرد سا تاثر پیش کررہی تھیں۔ فراز کافی الجھن میں مبتلا تھا۔ سونیا کو سمجھانا اسے قائل کرنا بے حد کٹھن کام لگ رہا تھا۔ وہ یہ بات بخوبی جانتا تھا کہ سونیا اسے بہت پسند کرتی ہے اس کا ساتھ چاہتی ہے اور اسے اپنے جیون ساتھی کے طور پر دیکھنا چاہتی ہے۔ وہ اس کی نگاہوں کے پیام کو ایک بار تو کیا بار بار پڑھ چکا تھا مگر جان بوجھ کر نظر انداز کررہا تھا وہ کوئی نادان یا ناسمجھ بچہ نہیں تھا مگر سونیا کو بڑھاوا نہیں دینا چاہتا تھا اس لیے سب کچھ پتہ ہونے کے باوجود وہ انجان اور لاعلم ہونے کی ایکٹنگ کرتا رہا مگر کب تک وہ سونیا سے راہِ فرار اپناتا آخر ایک نہ ایک دن تو اسے سونیا اعظم کو حقیقت بتانی تھی اور آج وہ دن آن پہنچا تھا۔
"فراز ارے تم کہاں گم ہو۔ کھانا کیوں نہیں کھا رہے؟" سونیا چکن اسٹیک سے لطف اندوز ہوتے ہوئے فراز کو کسی سوچ میں گھرا دیکھا تو اسے ٹوکتے ہوئے بولی فراز اپنے دھیان سے چونکا۔
"آں...... ہاں بس لے رہا ہوں۔" اس نے فوراً چھری کانٹا میز سے اٹھایا اور چکن اسٹیک پر چلانے لگا۔
"ویسے فراز میں نے تو سوچ لیا تھا کہ اس بار میں تمہیں ہرگز معاف نہیں کروں گی۔" وہ سہولت سے چکن پیس منہ میں رکھ کر چباتے ہوئے بولی تو فراز شاہ نے مسکرا کر اسے دیکھا۔
"سونیا کتنا ہرٹ ہوگی اس کا دل ٹوٹ جائے گا۔ او میرے خدایا میں کروں بھی تو کیا؟" بے ساختہ فراز خود سے بولا وہ بے حد نرم خو اور دوسروں کے احساسات و جذبات کی قدر کرنے والا ان کا خیال رکھنے والا شخص تھا۔ اگر اس کے دل میں سونیا خان کے حوالے سے تھوڑی سی بھی خاص فیلنگز ہوتیں تو اسے قطعاً مایوس نہیں کرتا مگر...... اپنی لائف پارٹنر کو جس انداز اور روپ میں وہ دیکھنا چاہتا تھا وہ اس خاکے کے کسی بھی خانے میں فٹ نہیں آتی تھی۔ فراز نے اسے بھرپور انداز میں دیکھا پھر دھیرے سے گلا کھنکھار کر سنجیدگی سے گویا ہوا۔
"سونیا یہ بات تو تم اچھی طرح جانتی ہونا کہ ہم بہت اچھے دوست ہیں ابھی سے نہیں بلکہ بچپن سے تم ہمیشہ ایک اچھی دوست کے روپ میں میرے ساتھ ہمہ وقت رہیں میں یہ بات اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم نے بزنس لائن صرف اور صرف میری وجہ سے جوائن کی ورنہ اس میں تمہیں کوئی خاص انٹرسٹ نہیں تھا۔" سونیا جو پوری توجہ سے اس کی بات سن

رہی تھی یک دم دلکشی سے مسکرا کر گویا ہوئی۔

"تم تو میرے بارے میں بہت زیادہ جانتے ہو ویسے ٹھیک کہتے ہو صرف تمہاری وجہ سے میں نے یہ لائن منتخب کی تھی۔"

"ہوں میں جانتا ہوں تم نے میرا ہمیشہ ساتھ دیا مجھے سمجھا اور میری مرضی اور خوشی کا بھی خیال رکھا۔" فراز ہموار لہجے میں اپنی بات دوبارہ جوڑتے ہوئے بولا تو اس پل اس کے اندر خوش فہمیوں کے پھول تیزی سے کھل اٹھے یقیناً فراز اب یہ کہنے والا ہے کہ۔

"سونیا میں واقعی تم بن ادھورا ہوں صرف تمہاری ذات تمہارا پیار میری تکمیل کرسکتا ہے تم ہمیشہ مجھے یونہی خوش رکھنا اپنی طرح میرا خیال کرنا۔" اس وقت سونیا جیسے اپنے آپ میں کھو گئی تھی۔ تصور میں فراز شاہ کی مدھم گھمبیر آواز اس کی سماعت سے ٹکرا کر اس کے دل میں جذب ہورہی تھی اور دل جیسے محو رقصاں تھا اپنی محبت کی معراج پانے پر اس کی نظر میں اپنا آپ بے حد معتبر ہوجانے پر۔

"سونیا میں تم سے بے حد شرمندہ ہوں۔" یک دم فراز کی آواز پر وہ حال میں لوٹی اور اس نے بے پناہ حیرت زدہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔ فراز یہ کیا کہہ رہا تھا۔

"سونیا آئی ایم ایکسٹرلی سوری کہ......" سونیا کا دل پسلیوں کے درمیان پھڑپھڑا کر رہ گیا۔

"کہ ایز اے لائف پارٹنر ہم شاید کامیابی سے چل نہ سکیں۔" آسمان سے گرنا کیا ہوتا ہے یہ محاورہ اسے آج بخوبی سمجھ میں آیا تھا۔

"تم میری بے حد اچھی دوست ہو مگر شاید بطور میاں بیوی ہماری کیمسٹری بالکل میچ نہیں کرتی پلیز سونیا اپنے دوست کو معاف کردینا۔" آخر میں لجاحت آمیز لہجے میں قدرے جھک کر میز پر دھیرے سے سونیا کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے بولا تو سونیا نے بے حد بے یقین انداز میں اسے دیکھا کافی دیر دونوں کے درمیان گھمبیر خاموشی چھائی رہی سونیا بالکل سپاٹ چہرہ لیے مکمل طور پر فراز کی نگاہوں کی حصار میں تھی۔ وہ سونیا کے شدید سے شدید تر ردعمل کا منتظر تھا مگر سامنے ہنوز خاموشی تھی شاید ایسی خاموشی جو طوفان کے آنے سے پہلے کی ہوتی ہے۔ جب بہت دیر یونہی بیٹھے بیٹھے ہوگئی تو فراز نے اسے مخاطب کرنا چاہا۔

"سونیا میں......"

"میرے خیال میں اب ہمیں گھر چلنا چاہیے کافی دیر ہوگئی ہے۔" سونیا بے حد سنجیدگی بھرے لہجے میں بے تاثر انداز میں کہتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی جب کہ فراز نے اسے بڑی بے چارگی سے دیکھا پھر اثبات میں سر ہلا کر جیب سے اپنا والٹ نکال کر اس میں سے ایک نوٹ کھینچا اور میز پر رکھ کر سونیا کے ہمراہ ریسٹورنٹ سے باہر نکل آیا۔

❁.........❁.........❁
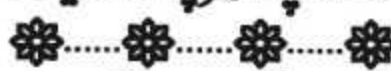
وہ کمرے میں داخل ہوئی تو اس وقت اسے گہرے سکوت و خاموشی کا احساس ہوا۔ وہ ملگجے سے اندھیرے میں چلتی ہوئی کھڑکی کی جانب آئی اور سرعت سے دونوں پردے کھینچ ڈالے پھر مڑ کر زرتاشہ کو دیکھا۔ وہ اپنے بستر پر سیدھی لیٹی خاموش سی نگاہوں سے چھت کو گھور رہی تھی۔ بے ساختہ لالہ رخ نے ایک گہری سانس کھینچی زرتاشہ کی یہ کیفیت اس کو دکھ و تکلیف کی اتھاہ میں دھکیل رہی تھی۔

ابا کا سوئم بھی گزر گیا تھا ان کے زیادہ رشتے دار تو تھے نہیں جو چند ایک تھے وہ مری کے نواحی علاقوں میں رہتے تھے۔ سو تدفین کے بعد وہ بھی اپنے اپنے گھروں کو سدھار گئے تھے۔ جب کہ امی کی طبیعت ناساز تھی۔ لالہ رخ نے انہیں دوائیاں

دے کر سلادیا تھا ایک وہی تھی جو سب کو سنبھال رہی تھی سب کا خیال کر رہی تھی۔ البتہ مہرو نہ اس کے ساتھ ساتھ تھی اور زرتاشہ تو جیسے پوری دنیا سے ناراض اور خفا ہو کر کمرے میں مقید ہوگئی تھی۔ امی نے بھی اسے دو تین بار سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ موت برحق ہے جو خالصتاً اللہ کی مرضی سے آتی ہے اور صبر اللہ کی بہت بڑی عنایت ہے۔ اللہ سے صبر اور اپنے ابا کے لیے بلند درجات کی دعا مانگو مگر زرتاشہ تو جیسے کسی کی سن ہی کہاں رہی تھی یونہی بے حس سی بیٹھی رہی تھی۔ لالہ رخ چند ثانیے اسے دیکھتی رہی پھر آہستگی سے چلتی ہوئی اس کے پاس تک کر بے حد محبت بھرے لہجے میں بولی۔

"تاشو پلیز تم اپنے آپ کو سنبھالو یقیناً تمہیں اس حال میں دیکھ کر ابا کی روح کو تکلیف ہو رہی ہوگی تم کچھ بھی کھاتی پیتی نہیں ہو۔ کسی سے بات نہیں کرتی۔ میری جان اپنی لالہ کے کندھے پر سر رکھ کر کھل کر آنسو بہالو آخر ہم دونوں بہنوں کا غم ایک ہی تو ہے نا۔" بولتے بولتے لالہ رخ نے اس کے گھٹنے پر ہاتھ رکھا تو زرتاشہ کو جیسے کسی بچھو نے ڈنک ماردیا ہو وہ بے حد سرعت سے اپنے بستر سے اچھل کر دور ہٹی پھر انتہائی نفرت بھرے لہجے میں بولی۔

"نہیں ہے ہمارا غم۔ یہ غم صرف میرا ہے صرف اور صرف میرا ہے اور اس کی ذمہ دار تم ہو لالہ.....تم......"

"میں......!" لالہ رخ بے پناہ تحیر کے عالم میں اسے دیکھے گئی یہ تاشو وہ تاشو نہیں تھی جو کوئی بھی کام لالہ رخ کے پوچھے بنا نہیں کرتی تھی اپنے دل کی بات، ہر مسئلہ، ہر پریشانی اسے بتایا کرتی تھی اور آج...... آج وہ اتنا بڑا غم اتنا گہرا صدمہ اس کے ساتھ شیئر کرنے کو تیار نہیں تھی اس سے بے حد خفا ہو کر رخ پھیرے ہوئے تھی۔

"لالہ تم اب حیران ہونے کی اداکاری کیوں کر رہی ہو؟ میں بھی جانتی ہوں کہ موت برحق ہے۔ جس کے آگے ہم سب بے بس ہیں مگر مجھے ابا سے دور رکھنا ان سے ملنے نہ دینا یہ سب تمہارا خود کا عمل تھا تم نے سب کچھ جانتے ہوئے بھی کہ ابا اب زندہ نہیں رہیں گے تم نے مجھے کراچی سے نہیں بلایا مجھے کچھ نہیں بتایا ہمیشہ مجھ سے جھوٹ بولا کہ ابا اب ٹھیک ہیں وہ آرام کر رہے ہیں اس وقت سو رہے ہیں ہاں......" اس کی ٹون میں بولتے بولتے زرتاشہ یک دم پھوٹ پھوٹ کر رودی جب کہ لالہ رخ نے اسے بے حد بے بس نگاہوں سے دیکھا۔ اپنے تئیں وہ ٹھیک بول رہی تھی۔

"مگر تاشو تم تصویر کا صرف ایک رخ دیکھ رہی ہو جو تمہاری نگاہوں کے سامنے ہے جب کہ دوسری جانب تم لالہ رخ کی مجبوری کو سمجھ نہیں رہی ہو۔" مہرو نجانے کب وہاں آن کھڑی ہوئی تھی وہ اسے سمجھانے والے انداز میں مخاطب کر کے بولی تو زرتاشہ نے بے حد بدگمانی سے سر جھٹکا۔

"کیا کسی نے لالہ کی کنپٹی پر پستول رکھ دی تھی کہ خبردار جو تاشو کو یہاں بلایا ورنہ جان سے ماردوں گا۔" زرتاشہ بے حد استہزائیہ لہجے میں بولی تو مہرو ایک بار پھر زرتاشہ کا اس قدر زہریلا اور کٹھور انداز دیکھ کر بھونچکی سی رہ گئی تھی جب کہ لالہ رخ یونہی مضمحل سی بیٹھی کسی غیر مرئی نقطے کو تکے جارہی تھی اس پل مہرو کو لالہ رخ پر بے تحاشہ ترس آیا وہ ماموں کی موت کے بعد سے اب تک بخوبی دیکھ رہی تھی کہ لالہ رخ حالات کو کتنی مضبوطی سے سنبھالے اپنے آنسوؤں کو دل کے نہاں خانوں میں چھپائے ہوئی تھی وہ تو اس پل بالکل تنہا اور اکیلی تھی کسی کے سامنے رو دھو کر اپنی بھڑاس بھی نہیں نکال پارہی تھی۔

"لالہ تم چلی جاؤ میرے کمرے سے اور اللہ کے واسطے میرے پاس مت آیا کرو۔" زرتاشہ بے حد ناگواری سے بول رہی تھی۔ مہرو یک دم اپنے دھیان سے چونکی پھر زرتاشہ کے لفظوں پر اسے نا چاہتے ہوئے بھی غصہ آ گیا۔

"تاشو یہ تم لالہ سے کس انداز میں بات کر رہی ہو؟ وہ تمہاری بڑی بہن ہے۔ تمہاری خیر خواہ ہے کوئی دشمن نہیں ہے جو تم اس سے اس طرح کا برتاؤ کر رہی ہو۔"

"اوہ یہ میری کتنی خیر خواہ ہے میں یہ بات اچھی طرح جان گئی ہوں۔" زرتاشہ انتہائی طنزیہ نگاہوں سے لالہ رخ کو دیکھتے ہوئے ہنوز لہجے میں بولی جب کہ اس پل لالہ رخ کو لگ رہا تھا کہ جیسے تیز دھار آلے سے کوئی بڑی سہولت اور

آہستگی سے اس کے دل کے ٹکڑے ٹکڑے کررہا ہے۔
”تم تو بالکل ہی آپے سے باہر ہورہی ہوتا شو چلو لالہ یہاں سے۔“ مہرو نے بہت غصے میں لالہ رخ کا ہاتھ پکڑا پھر اسے وہاں سے اٹھالیا وہ روبوٹ کی مانند مہرو کے ہمراہ کمرے سے باہر نکل گئی جب کہ ان کے نکلتے ہی زرتاشہ ایک بار پھر پھوٹ پھوٹ کر رودی تھی۔

❀......❀......❀......❀

ساحرہ بے حد فریش موڈ کے ساتھ آفس آئی تھی اور آتے ہی اس نے اپنے اسٹاف کو بلا کر میٹنگ کی پھر ضروری باتوں کے بعد چائے کافی کا دور چل رہا تھا ان کے اسٹاف میں مردوں کے مقابلے میں خواتین کی تعداد زیادہ تھی جو لگ بھگ ساحرہ جیسی ہی فطرت کی مالک تھیں۔
”ارے ساحرہ یہ بتاؤ اپنے بیٹے کی شادی کب کررہی ہو سنا ہے ماشاء اللہ تمہارے دونوں بیٹے اپنی اپنی پریکٹیکل لائف میں سیٹ ہوگئے ہیں۔“ مسز فیروزہ چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے بولی تو ساحرہ فخریہ انداز میں مسکراتے ہوئے گویا ہوئی۔
”بس بہت جلد تم لوگوں کو خوش خبری ملنے والی ہے بس تھوڑا سا انتظار اور کرلو تم لوگ پھر ایک گرینڈ پارٹی دوں گی۔“
”او..... ریئلی یہ تو بہت اچھی نیوز ہے۔“ نیلوفر میڈم جو ساحرہ کی رہیٹ ہینڈ تھیں جنہیں سب میڈم کہہ کر مخاطب کرتے تھے کچھ حیران ہوتے ہوئے خوش گواری سے بولیں۔
”ساحرہ ایک بات تو بھی ماننا پڑے گی کہ تم بہت لکی ہو میر شاہ جیسا ہینڈسم اور ڈیسنٹ ہزبینڈ اور فراز پھر کامیش جیسے ہونہار بیٹے تم بہت خوش نصیب عورت ہو۔“ مسز سہیل رشک و حسد کے ملے جلے جذبات میں بولی تھیں۔ ساحرہ کی گردن اس پل مارے تفاخر اور زعم کے کچھ اور زیادہ ہی اکڑ گئی تھی۔ وہ اتراہٹ بھری مسکراہٹ ہونٹوں پر بکھیرتے ہوئے بڑے کروفر سے بولی۔
”ہاں یہ بات تو ہے میرا بڑا بیٹا فراز بہت تیزی سے بزنس سرکل میں اپنا نام روشن کررہا ہے اور دوسرا بیٹا کامیش...... پولیس ڈپارٹمنٹ میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز ہے۔“
”ویسے ساحرہ تم نے کوئی لڑکی دیکھ رکھی ہے یا پھر بیٹے نے خود ہی پسند کرلی ہے؟“ مسز فیروزہ نے استفسار کیا تو ساحرہ نے اپنے مخصوص انداز میں اپنے سلکی بالوں کو جھٹکتے ہوئے کہا۔
”لڑکی تو میں نے سلیکٹ کرلی ہے اور یقیناً میرے بیٹے کی بھی پسند ہوگی۔“
”اچھا پھر ہمیں تو بتاؤ کون ہے وہ؟“ مسز فیروزہ نے کچھ حیران ہوکر بڑی بے صبری سے پوچھا تو ساحرہ کے لبوں پر بے حد دلکش مسکراہٹ ابھری پھر بڑی خوشی سے بولی۔
”سونیا میری بھتیجی۔“ چونکہ تمام اسٹاف کی خواتین ساحرہ کی بھی دوستیں بھی تھیں لہٰذا ساحرہ کے یہاں پارٹیز میں بھی شرکت کرتی تھیں سونیا خان سے وہ بخوبی واقف تھیں اور اس سے کئی بار مل چکی تھیں۔
”اچھا سونیا واؤ دیٹس گریٹ...... سونیا تو بہت پیاری بچی ہے اور بے حد خوب صورت اور ایجوکیٹڈ بھی۔“ ان میں سے کوئی ایک بولا تو ساحرہ نے خوش دلی سے سر اثبات میں ہلایا پھر وہ سب کسی دوسرے موضوع پر بات کرنے لگیں۔

❀......❀......❀

گھر میں اس وقت مکمل خاموشی اور سناٹا چھایا ہوا تھا اس کے کمرے کا دروازہ بالکل تھوڑا سا کھول کر ادھر ادھر دیکھا باہر کوئی نہیں تھا پھر بے حد محتاط انداز میں اس نے اپنا دایاں پاؤں باہر نکالا اس پل اس کا دل بہت تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ نیلے رنگ کے کپڑے میں کوئی چیز اچھی طرح پیک کیے وہ اسے سینے سے لگائے بے حد خاموشی سے داخلی دروازے کے

قریب آئی اور پھر اپنے لونگ کورٹ کی پاکٹ میں سے چابی نکال کر لاک کھولا پھر بے پناہ آہستگی سے اس نے دروازہ بند کیا۔ مگر اتنی احتیاط کے باوجود دروازے کی چرچراہٹ خاموش فضاء میں بڑے بے ہنگم انداز میں گونجی تیزی سے ڈھلتی دوپہر اور استقبالیہ پر کھڑی شام کے اس سمے جیکولین یقیناً اپنی اسٹڈی میں کسی کتاب کی ورق گردانی میں مصروف تھی اور ابرام کسی فائل میں مصروف ہوگا۔ ماریہ نے سانس روک کر اپنے عقب میں دیکھا کہ کہیں ابرام یا ماما کوئی کمرے سے نکل کر باہر تو نہیں آ گیا وہاں کسی کو بھی موجود نہ پا کر اس نے ایک اطمینان بھری سانس لی۔ پھر پھرتی سے باہر آ گئی اور آہستگی سے دروازہ باہر سے بند کر کے جونہی وہ پلٹی یک دم اپنی جگہ اس کی گھٹی گھٹی چیخ نکل گئی۔

"او مائی گاڈ کس ویلم یہ کون سا طریقہ ہے آنے کا تم نے تو میرا ہارٹ فیل ہی کر دینا تھا۔" ماریہ ویلم کو سامنے دیکھ کر بے ساختہ اپنا ہاتھ اپنے دل پر رکھ کر اس پر برستے ہوئے بولی تو ویلم جو اسے اچھلتے دیکھ کر خود بھی دو قدم پیچھے ہٹا تھا اسے بے حد حیران کن نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"میں تو بڑی شرافت سے یہاں آیا ہوں البتہ تم نے مجھے بھی ڈرا دیا۔" آخر میں اس کا لہجہ شکایتی انداز سے بھرپور تھا۔ ماریہ تھوڑی کھسیانی ہوگئی اور یونہی ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

"ویسے تم اس وقت یہاں کیا کر رہی ہو؟" ویلم کے استفسار پر ماریہ یک دم اندر ہی اندر بے حد گھبرائی مگر پھر چند ثانیے بعد اس نے خود کو سنبھال کر کافی خود اعتمادی سے کہا۔

"میں...... میں بک شاپ تک جا رہی تھی کچھ بکس لینی تھیں۔"

"اوہ ویری نائس ایک بک تو مجھے بھی چاہیے آؤ ساتھ چلتے ہیں۔" ویلم یک دم خوش ہو کر بولا اور پھر ماریہ کا جواب سنے بنا ہی واپس پلٹ گیا۔ ماریہ بے ساختہ اس کی جانب اسے روکنے کی غرض سے لپکی مگر پھر کچھ کہنے کی کوشش میں یک دم اپنے ہونٹوں کو بھینچ گئی جب کہ کچھ دیر بعد ویلم پلٹ کر حیرت سے بولا۔

"کیا ہوا...... چلو نا؟" ماریہ نے بمشکل زبردستی مسکراتے ہوئے ویلم کو دیکھا پھر جز بز ہو کر کہا۔

"ہاں...... ہاں چلو چلتے ہیں۔" وہ طوعاً و کرہاً ویلم کے ہمراہ اپارٹمنٹ سے باہر آ گئی مگر اندر ہی اندر وہ بے حد کوفت اور الجھن میں مبتلا تھی۔

"یہ تم نے اپنے سینے سے کیا لگا رکھا ہے؟" ویلم کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلتے ہوئے ماریہ سے انگریزی میں استفسار کرتے ہوئے بولا تو چند لمحوں کے لیے ماریہ سٹپٹائی مگر پھر اپنے آپ کو سنبھال کر سرسری لہجے میں گویا ہوئی۔

"کچھ خاص نہیں تم بتاؤ تمہاری اسٹڈیز کیسی چل رہی ہیں؟" اس نے ویلم کا دھیان اس جانب سے بڑی ہوشیاری سے ہٹایا تھا ویلم اپنے بارے میں باتیں کرنے میں مگن ہو گیا وہ محض ہوں ہاں میں جواب دیتی رہی جب کہ اس کا ذہن کہیں اور اٹکا ہوا تھا۔

❀......❀......❀......❀

"باجی یہ تو بہت غلط ہو گیا اب کیا ہوگا تاشو باجی کو کون سمجھائے گا کہ وہ اپنی لالہ باجی کے ساتھ ایسا سلوک نہ کریں جب سے آپ نے مجھے بتایا ہے میرا تو جی بہت اداس ہو گیا ہے۔" بنو مہرو کا پکا دوست بن گیا تھا اس کے ساتھ ہر سکھ دکھ کو شیئر کرتا تھا۔ مہرو لالہ رخ کے ساتھ زرتاشہ کے ناروا سلوک کو لے کر بہت ڈسٹرب اور پریشان تھی۔ جب کہ لالہ رخ کی امی زرتاشہ کی اس قدر لالہ رخ پر خفگی سے یکسر لاعلم تھیں اور لالہ رخ نے مہرو کو بھی منع کر دیا تھا کہ وہ اس بات کا ذکر ان سے نہ کریں کیوں کہ انہیں اس بات کا بہت رنج ہوگا اور وہ بہت متفکر بھی ہو جائیں گی جب کہ مہرو کو رہ رہ کر لالہ رخ کا خیال آ رہا تھا۔

''بٹو میں کیا کروں کس طرح تاشو کے دماغ میں یہ بات اتاروں کہ اس تمام معاملے میں اس کا قصور نہیں ہے وہ تو صرف تاشو کی پڑھائی کا احساس کررہی تھی۔ اس بے چاری کو کیا معلوم تھا کہ ماموں یوں اچانک دنیا سے منہ موڑ لیں گے۔'' مہرو اپنے ہاتھوں کو آپس میں مسلتے ہوئے بولی تو بٹو نے سرہاں میں ہلا کر کہا۔

''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو باجی۔'' اس وقت وہ دونوں وادی کے نیچے کی جانب بنے ایک چھوٹے سے باغیچے میں بیٹھے تھے جہاں اکثر اوقات لالہ رخ مہرو اور بٹو اپنی محفل جمایا کرتے تھے۔ مہروزرتاشہ اور لالہ رخ کے درمیان اس قدر سنگین کھنچاؤ اور تناؤ کو لے کر بہت پریشان تھی۔ دونوں بہنوں میں مثالی محبت تھی اور آج اچانک نجانے کہاں سے زرتاشہ کے دل و دماغ میں لالہ رخ کے خلاف بدگمانی اور نفرت کا دھواں بھر گیا تھا۔ مہرو کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ ایسا کیا کر ڈالے جس کی بدولت زرتاشہ کا ذہن لالہ رخ کی طرف سے بالکل صاف ہو جائے اور وہ پہلے کی طرح لالہ رخ سے ویسی ہی محبت کرنے لگے جو ہمیشہ کرتی آئی تھی۔

''مہرو باجی! لالہ باجی کتنی اکیلی پڑ گئی ہے نا اپنی چھوٹی بہن سے وہ پیار بھی کتنا کرتی ہیں جان چھڑکتی ہیں میں نے سنا ہے جن سے زیادہ پیار کرتے ہوں اگر وہ ہمیں کوئی دکھ دیں تو تکلیف بہت زیادہ ہوتی ہے۔'' بٹو اکثر اوقات بہت گہری باتیں کر جایا کرتا تھا مہرو نے اس پل بٹو کو بغور دیکھا پھر ایک گہری سانس کھینچ کر افسردگی سے بولی۔

''تم بالکل صحیح کہہ رہے ہو بٹو۔ زرتاشہ کی اس قدر سرد مہری اور بے زاری کہیں لالہ کو اندر ہی اندر توڑ نہ دے وہ تاشو سے بے تحاشہ پیار کرتی ہے۔'' پھر وہ دونوں بہت دیر تک زرتاشہ اور لالہ رخ کی بابت گفتگو کرتے رہے۔ زرتاشہ کی ناراضگی کو ختم کرنے کی ترکیبیں لڑاتے رہے مگر انہیں کوئی خاطر خواہ کامیابی نہیں ملی شام نے جب اپنے پروں کو فضاء میں پھیلایا تو دونوں نے اپنے اپنے گھروں کی راہ لی۔

❁.........❁.........❁.........❁

تجھے محبت کرنا نہیں آتا
مجھے محبت کے سوا کچھ نہیں آتا
زندگی گزارنے کے دو ہی راستے ہیں غالب
ایک تجھے نہیں آتا ایک مجھے نہیں آتا

وہ ہولے سے گلاس ڈور دھکیل کر تیزی سے اندر داخل ہوئی تو اپنے کام میں محو ساحرہ نے سرسری انداز میں سامنے کی جانب دیکھا۔ دوسرے ہی پل وہ سونیا کو آتا دیکھ کر بے حد پُرمسرت لہجے میں گویا ہوئی۔

''ارے سونیا تم اچانک یوں تمہیں مجھے سرپرائز کرنے میں بہت مزہ آتا ہے نا۔'' سونیا ساحرہ کے ریمارکس پر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''آف کورس آنٹی۔ کیوں کیا آپ کو میرا سرپرائز اچھا نہیں لگتا؟'' اسی اثناء میں سونیا اس کے قریب آ چکی تھی جو اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''او مائی بے بی ڈول کیا کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ تم آؤ اور مجھے خوشی نہ ہو۔'' ساحرہ اسے اپنے لیے آرام دہ صوفے پر آ کر بیٹھ گئی۔

''آئی نو آنٹی آپ مجھ سے بہت پیار کرتی ہیں۔'' سونیا نے اپنے بالوں کو ایک ادا خاص سے جھٹکتے ہوئے بڑے زعم سے کہا اس پل بلو ٹائٹ جینز جو پنڈلی تک کھلی ہوئی تھی۔ اس کے اوپر قیمتی برینڈڈ وائٹ شرٹ پہنے چہرے پر سوفٹ سا میک اپ کیے وہ بہت دلکش لگ رہی تھی۔

”اور بتایئے آپ کا کام کیسا چل رہا ہے؟“ سونیا نے یونہی ساحرہ سے استفسار کیا جس پر ساحرہ نے بے حد خوش گواری سے کہا۔

”ایک دم فرسٹ کلاس۔“ سونیا نے اسے مسکرا کر دیکھا پھر دیر بعد قدرے سنجیدہ لہجے میں گویا ہوئی۔

”آنٹی آپ کو یاد ہے نا کہ ایک بار میں آپ کے آفس آئی تھی اور آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ تمہیں کوئی پسند آئے تو مجھے ضرور بتانا۔“ ساحرہ نے قدرے چونک کر اسے دیکھا پھر اسے یاد آیا تو ہنستے ہوئے بولی۔

”ہاں ہاں بالکل مجھے یاد آ گیا اور تم نے پرامس کیا تھا کہ مجھے سب سے پہلے بتاؤ گی۔“ سونیا نے چند ثانیے ساحرہ کے فریش چہرے کو دیکھا پھر ہموار لہجے میں بولی۔

”میں وہی آپ کو بتانے آئی ہوں آنٹی۔“ ساحرہ نے بغور سونیا کو دیکھا اس پل وہ بھرپور توجہ سے اس کے اگلے جملے کی منتظر تھی کہ اب آگے سونیا کیا کہنے والی ہے۔

”آنٹی میں......“ وہ کہتے کہتے ذرا رکی۔ ساحرہ ہنوز اسے دیکھے گئی۔

”میں کامیش شاہ سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔“

”کامیش شاہ۔“ کافی حیران کن لہجے میں ساحرہ نے خود سے بڑبڑا کر کہا پھر الجھی ہوئی نگاہوں سے سونیا کو دیکھا جو بے حد پُرسکون انداز میں بیٹھی تھی۔

”جی ہاں آنٹی میں کامش سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔ دراصل ماما نے مجھے بتایا کہ آپ اسی سلسلے میں ہمارے گھر آنے والی ہیں تو میں نے سوچا کہ کیوں نہ آپ کو بتا کر اپنا وعدہ بھی پورا کرلوں اور......“ آخر میں وہ اپنا جملہ قصداً ادھورا چھوڑ گئی۔ پھر ساحرہ کو ہنوز خاموش اور پُرسوچ انداز میں بیٹھا دیکھ کر استفسار کرتے ہوئے بولی۔

”کیا ہوا آنٹی آپ کو میری بات پسند نہیں آئی؟“ سونیا کی آواز جب اس کی سماعت سے ٹکرائی تو ساحرہ یک دم اپنے دھیان سے چونکی۔

”آں...... نہیں بیٹا ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔ دراصل مجھے لگ رہا تھا کہ...... خیر چھوڑو یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔“ کچھ اور کہتے کہتے ساحرہ یک دم رکی پھر بات بدل کر کافی مسرت سے بولی تو سونیا تھوڑا شرما کر مسکرانے لگی۔

”کامیش اور تمہارا پرفیکٹ کپل رہے گا آئی ایم سو ہیپی فار یو! میں آج ہی سمیر اور کامیش سے فائنل بات کرتی ہوں میرے خیال میں ہمیں نیک کام میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔“ آخر میں ساحرہ سونیا کو چھیڑنے والے انداز میں مخاطب کر کے بولی تو سونیا جھینپ کر مسکرا دی جب کہ ساحرہ زور سے ہنس دی۔

❀ ❀ ❀ ❀ ❀

جامعہ میں گرمیوں کی تعطیلات چل رہی تھیں زرمینہ اپنے گھر آ کر بہت بور ہو رہی تھی۔ اس نے ایک دو بار زرتاشہ سے بھی بات کی تھی مگر زرتاشہ نے انتہائی بے زاری سے اس سے بات کی تھی وہ زرتاشہ کو سمجھانا چاہ رہی تھی کہ وہ لالہ آپی سے ایسا سلوک نہ روا رکھے کیونکہ انہوں نے اپنی دانست میں جو بھی کیا وہ فقط اس کے بھلے کے لیے تھا مگر زرتاشہ کی بے رخی دیر دھری نے اسے ایسا کچھ بولنے کا کوئی موقع ہی نہیں دیا آج پھر زرمینہ نے اسے فون کر ڈالا۔

”کیسی ہو تاشو؟“ زرمینہ نے بے حد محبت بھرے لہجے میں استفسار کیا جب کہ زرتاشہ نے بے حد تنگ کر کہا۔

”زندہ ہوں۔“ زرمینہ بے ساختہ ایک گہری سانس بھری پھر ہموار لہجے میں سہولت سے گویا ہوئی۔

”تاشو ایسا کب تک چلے گا تم پلیز خود کو سنبھالو اور اللہ کے فیصلے کو کھلے دل سے تسلیم کرو یہ سب رب کی منشاء تھی تاشو اب نارمل زندگی کی طرف آؤ اور......“

"بس یہی کچھ کہنا تھا تو فون بند کردو۔" وہ زرینہ کی بات بڑی بے زاری و بدتمیزی سے درمیان میں ہی اچک کر بولی تو زرینہ کو بھی اچھا خاصا طیش آ گیا۔

"تاشو آخر تم کسی کی بات سننے اور سمجھنے کو تیار کیوں نہیں ہو اس طرح کب تک چلے گا؟"

"تم لوگ مجھے میرے حال پر کیوں نہیں چھوڑ دیتے ہاں۔ جب دیکھو ہر وقت میرے پیچھے پڑے رہتے ہو۔" زرتاشہ ہنوز لہجے میں بولی تو زرینہ قدرے نرم پڑی پھر سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

"اس لیے کہ ہمیں تمہاری فکر اور پروا ہے ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ تم پہلے کی طرح خود کو نارمل کرلو اور لالہ آپی کی طرف سے اپنا دل صاف کرلو وہ بہت دکھی ہیں تمہارے اس رویے کو لے کر۔" مہرو نے اسے بتایا تھا کہ زرتاشہ کا رویہ ابھی تک لالہ رخ کے ساتھ ویسا ہی ہے لہٰذا مہرو نے کہا تھا کہ وہ اس کی دوست ہونے کے ناطے اسے سمجھائے کہ شاید زرینہ کی بات اس کی سمجھ میں آ جائے مگر وہ لالہ رخ کا جیسے نام بھی سننا پسند نہیں کرتی تھی تب ہی بے حد کٹیلے انداز میں بولی۔

"زری اگر آئندہ تم نے لالہ کا نام بھی میرے سامنے لیا یا اس کا ذکر کیا تو سمجھو میری تمہاری دوستی ختم۔"

"تاشو......! اتنی نفرت مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا کہ تم وہی تاشو ہو جو ہر لمحہ آپی کی محبت کا دم بھرتی تھی انہیں یاد کرتی تھی۔" زرینہ نے اسے یاد دلانا چاہا تو زرتاشہ بے حد چڑ کر گویا ہوئی۔

"زری میں فون بند کر رہی ہوں میرے سر میں درد شروع ہو گیا ہے۔" بے ساختہ زرینہ نے اپنے لبوں کو بھینچا واقعی زرتاشہ تو کچھ بھی سمجھنے کو آمادہ نہیں تھی وہ عجیب بے حسی اور سرد مہری کی کیفیت میں مبتلا تھی۔

"اوکے تم آرام کرو میں فون بند کر رہی ہوں۔" زرینہ نے سپاٹ لہجے میں کہا تو زرتاشہ نے فوراً اسے پیشتر "اللہ حافظ" کہہ کر لائن منقطع کردی جب کہ زرینہ اپنے کان سے سیل فون کو ہٹا کر چند ثانیے اسے دیکھتی رہ گئی۔

❁......❁......❁......❁

فراز شاہ آج خلاف معمول جلدی گھر آ گیا تھا ورنہ بزنس کے کاموں میں اکثر اسے کافی دیر ہو جاتی تھی وہ خوش گوار انداز میں جونہی گھر کے وسیع ہال میں داخل ہوا وہاں چاروں طرف رنگ برنگی پنیوں سے سجے بڑے بڑے مٹھائی اور پھلوں کے ٹوکروں کو دیکھ کر بے اختیار ٹھٹک کر رہ گیا۔

"الٰہی خیر یہ ماجرا کیا ہے؟" پورے ہال میں تحیر کے عالم میں نگاہیں دوڑاتے ہوئے وہ کافی پریشان ہو کر خود سے بولا اس وقت وہاں کوئی نہیں موجود تھا ابھی وہ ملازم کو آواز دینے کا سوچ ہی رہا تھا کہ اسے بلا کر یہ معاملہ دریافت کیا جائے اسی پل ساحرہ بے حد کھلکھلاتی ہوئی کسی سے اپنے سیل فون پر باتوں میں مصروف ادھر آن پہنچی۔

"او سارا کچھ دیر اور ویٹ کرلو بس ہم گھر سے نکلنے ہی والے ہیں......اوکے بائے۔" یہ کہہ کر جونہی اس نے اپنا سیل فون کان سے ہٹا کر آف کیا ہال کے بیچ بے حد ہونق بنے فراز کو کھڑا دیکھ کر ساحرہ چونکی پھر دوسرے ہی لمحے بڑی خوش گواری سے گویا ہوئی۔

"ارے آج تم بڑی جلدی گھر آ گئے چلو اچھا ہوا اب ایسا کرو فوراً اپنے کمرے میں جاؤ اور اچھا سا ڈریس اپ ہو کر آؤ کم آن گیٹ فاسٹ۔" فراز نے ساحرہ کا پژمردہ سن کر انتہائی الجھن آمیز نگاہوں سے دیکھا یہ سب کیا ہو رہا تھا کیوں ہو رہا تھا اسے کچھ بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

"مام یہ......یہ سب کیا ہو رہا ہے کہاں کی تیاری ہے اور یہ مٹھائی اور پھلوں کے ٹوکرے؟" فراز بے ساختہ اپنی انگلیوں کو اپنے بالوں میں چلاتے ہوئے بے حد ڈسٹرب ہو کر بولا کہ اسی دم میر شاہ نے بھی وہاں قدم رکھا فراز کے چہرے پر اڑتی ہوائیاں انہوں نے واضح طور پر محسوس کرلی تھیں۔

تنظیم حسن

سب قارئین کو میری طرف سے محبت بھرا سلام' میں نے سوچا جب ادھر خوب صورت اور پیارے پیارے لوگوں کی محفل سجتی ہے تو کیوں نہ ہم بھی خود سے ملنے کی سعی کر ڈالیں۔ تو جناب نام میرا تنظیم حسن ہے' 2 اکتوبر 1996ء کو اس دنیا میں میری آمد ہوئی۔ میرا تعلق پاکستان کے بہادر سپوتوں کی سرزمین چکوال کے ایک سرسبز و شاداب گاؤں چلملوک سے ہے۔ ہم پانچ بہن بھائی ہیں سب سے پہلے میری پیاری سی بہن تسمینہ ہے پھر میں' اس کے بعد احتشام ہے (جس کا پڑھائی میں بالکل دل نہیں لگتا' او بھائی میرے پڑھ لے ابھی وقت ہے) پھر میری لائق بہنا حرا کا نمبر ہے۔ سب سے چھوٹا عبدالرحمٰن جو بہت شرارتی ہے' کاسٹ ہماری کھوکھر ہے۔ مجھے پرندے رکھنے کا بہت شوق ہے' کتے اور بلیاں تو بہت ہی کیوٹ لگتے ہیں۔ پاک آرمی سے سچا عشق ہے۔ دنیا میں سب سے زیادہ پیار اپنی امی جی سے ہے' اللہ انہیں صحت و خوشیوں بھری زندگی عطا فرمائے' آمین۔ اجازت چاہتی ہوں' اللہ حافظ۔

"دیکھو ذرا ان موصوف کو تو کچھ بھی نہیں پتہ' سمیر ذرا بتاؤ اپنے بیٹے کو ہم سونیا کا رشتہ لینے جا رہے ہیں۔" ساحرہ کچھ طنزیہ انداز میں کہہ کر آخر میں سمیر کو مخاطب کر کے بولی اور پھر کوئی کام یاد آنے پر وہاں سے پلٹ کر اپنے روم کی جانب چلی گئی جب کہ فراز شاہ کے دماغ میں اس پل آندھیاں چلنے لگیں۔

"سونیا کا رشتہ لینے؟" وہ زیر لب بڑبڑانے والے انداز میں خود سے بولا تو سمیر شاہ نے ایک تھکن زدہ سانس فضاء کے حوالے کرتے ہوئے فراز کو دیکھا جس کی حالت اس پل ترحم آمیز تھی۔

"ڈیڈ یہ..... یہ سب کیا ہے مام ایسے کیسے مجھ سے پوچھے بناء سونیا کے لیے پروپوزل لے کر جا سکتی ہیں؟" فراز کافی بدحواسی سے سمیر شاہ کے قریب آ کر بولا تو ایک نگاہ باپ نے بیٹے کو دیکھا پھر وہ بڑی رسانیت سے گویا ہوئے۔

"ڈونٹ وری فراز سونیا کے لیے تمہارا پروپوزل نہیں دیا جا رہا۔" فراز نے بے حد چونک کر مگر الجھی ہوئی نگاہوں سے انہیں دیکھا۔

"مطلب..... پھر یہ سب کیا ہے؟" لہجے میں بے پناہ استعجاب و تحیر کا رنگ تھا۔

"کامیش کا۔"

"واٹ.....؟" فراز کے اطراف میں جیسے ایک ساتھ کئی دھماکے ہوئے تھے۔ حیرت کی زیادتی سے اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا' آنکھوں میں بے یقینی لیے وہ کچھ دیر یونہی سمیر شاہ کو دیکھتا رہ گیا پھر کچھ دیر بعد ذہن کچھ سوچنے کے لیے آمادہ ہوا تو وہ سمیر کی بات کو جھٹلا گیا۔

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے' آئی مین یہ..... یہ کیسے ممکن ہے سونیا تو مجھ سے....." اتنا کہہ کر وہ از خود ہی جملہ ادھورا چھوڑ گیا پھر اپنے ہاتھ سے اپنے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر پھر انہیں چھوڑتا ہوا بے حد جھنجھلا کر گویا ہوا۔

"ڈیڈ یہ سب کیا ہو رہا ہے میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔" وہ انتہائی ڈسٹرب تھا۔

"تمہارا سیل فون سوئچ آف کیوں تھا میں نے تمہیں کئی بار ٹرائی کیا۔" سمیر نے فراز کی پریشانی کو دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا تو فراز الجھے ہوئے لہجے میں بولا۔

"وہ دراصل بیٹری ختم ہو گئی تھی آج میں سائٹ پر چلا گیا تھا۔"

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

"اُوہ فراز تم ابھی تک یونہی کھڑے ہو ریڈی نہیں ہوئے اور سمیر..... یہ ٹوکرے بھی ابھی تک یہیں رکھے ہوئے ہیں۔" جب انہوں نے ملازم کو آواز دی تھی۔

"جی بیگم صاحبہ۔" ملازم بوتل کے جن کی طرح حاضر ہوا۔

"یہ تمام ٹوکرے گاڑی کی ڈگی میں رکھوا دو جلدی ہم بس نکلنے ہی والے ہیں۔" پھر ساحرہ سمیر کی جانب متوجہ ہو کر بولی۔

"اب ہمیں چلنا چاہیے سمیر بھیا کے بھی فون پر فون آ رہے ہیں کامیش اپنے آفس سے سیدھا وہیں پہنچ جائے گا۔" پھر ساحرہ نے فراز کی جانب عجلت آمیز نگاہوں سے دیکھا۔

"تم فریش ہو کر بعد میں آ جانا ہم پہلے ہی لیٹ ہو گئے ہیں چلو سمیر۔" ساحرہ یہ کہہ کر جھپاک سے خوشبوئیں بکھیرتی ہوئی داخلی دروازہ کھول کر باہر چلی گئی جب کہ فراز یونہی ہونق سا کھڑا رہا۔

"فراز، ہم بعد میں آ کر بات کرتے ہیں زیادہ ٹینشن مت لو ان شاء اللہ کوئی پرابلم نہیں ہوگی۔" سمیر شاہ کو اس پل اپنے کھوکھلے لہجے کا احساس بخوبی ہوا تھا پھر وہ وہاں رکے نہیں تیزی سے فراز کے قریب سے گزر کر باہر نکل گئے کافی دیر فراز اپنی ہنوز پوزیشن میں کھڑا رہا پھر بے حد تھکے ہوئے انداز میں صوفے پر ڈھے گیا۔

❀......❀❀......❀

جیسکا بخوبی نوٹ کر چکی تھی کہ ماریہ آج پھر کچھ ڈسٹرب سی ہے۔ سر ایلس کا لیکچر بھی بے حد غائب دماغی سے سن رہی تھی جب کہ سر ایلس کے آسان سے سوال کا جواب بھی وہ نہیں دے سکی تھی۔ جس پر جیسکا کے ساتھ ساتھ سر ایلس اور باقی تمام اسٹوڈنٹس کو بھی کافی حیرت ہوئی تھی کیونکہ ماریہ کافی ذہین و ہونہار اسٹوڈنٹ تھی۔

"ماریہ مجھے تمہاری آج کچھ طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔" کلاس آف ہونے کے بعد وہ کالج کی عمارت سے باہر نکل کر کھلی فضاء میں آئیں تو جیسکا اسے بغور دیکھتے ہوئے گویا ہوئی جب کہ ماریہ نے جیسکا کی بات کو سنا ہی نہیں تھا وہ ہنوز خاموشی سے چلتی ہوئی گارڈن کی جانب بڑھ رہی تھی۔

"ویسے ماریہ مجھے اس بات کا بہت افسوس ہوتا ہے کہ میں تمہاری اچھی فرینڈ نہیں بن سکی۔" جیسکا اس کے سنگ چلتے ہوئے قدرے مایوسی بھرے انداز میں بولی تو اس بار ماریہ کی محویت ٹوٹی وہ سوچوں کی دنیا سے باہر نکلی اور قدرے چونک کر اپنے پہلو میں موجود جیسکا پر نگاہ ڈالی۔

ماریہ نے جیسکا کے چہرے پر دکھ و افسوس کے رنگوں کو جھلکتے دیکھا تو سمجھ گئی کہ جیسکا اس کو لے کر ہرٹ ہو رہی ہے۔ وہ یک دم چلتے چلتے رکی تو جیسکا بھی جو اپنی دھیان میں خراماں خراماں چل رہی تھی وہ بھی ٹھہر گئی۔

"جیسکا آئی ایم ریئلی ویری سوری میں تمہیں بہت تنگ کر رہی ہوں نا۔" اچانک ندامت و شرمندگی کا احساس اس کے اندر جاگا تھا اس بات میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ جیسکا ایک محبت کرنے والی مخلص لڑکی تھی ایک دوست ہونے کے ناطے اس نے ہمیشہ ماریہ کی مدد کی تھی۔ اس کا ساتھ دیا تھا۔ اس کا بہت خیال رکھا تھا اور اب بھی وہ ہمہ وقت اس کی وجہ سے ڈسٹرب رہتی تھی اور اس کے کام بھی آنا چاہتی تھی مگر ماریہ یہ بات بخوبی جانتی تھی کہ اس ضمن میں جیسکا اس کی کوئی بھی مدد کرنے سے بالکل قاصر ہے اور پھر وہ یہ بات کسی کے بھی علم میں نہیں لانا چاہتی تھی۔

"مجھے اس بات کی پروا نہیں ہے کہ تم مجھے ڈسٹرب کر رہی ہو بلکہ اس بات کی فکر ہے کہ تم بہت پریشان اور مایوس ہو۔" بلیک جینز پر نیوی بلو لیڈیز شرٹ میں ملبوس جیسکا اپنی خوب صورت آنکھیں اس کے چہرے پر ٹکاتے ہوئے بولی تو بے ساختہ ایک تلخ مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو گئی پھر ایک مضمحل سی سانس بھر کر اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

"جیسکا میری پرابلم کا حل نہ تمہارے پاس ہے اور نہ ہی بروکے پاس۔" جیسکا نے اس لمحے اسے چونک کر دیکھا پھر

خوشبو جیسی بات

دعا بے کار نہیں جاتی البتہ قبول ہونے کی صورت مختلف ہوتی ہیں۔

رشتے اور سودے میں بہت فرق ہوتا ہے رشتے قائم کیے جاتے ہیں جبکہ سودے طے کیے جاتے ہیں۔

کمزور لمحے ہر انسان پر آتے ہیں اگر ہم ان کمزور لمحوں کی گرفت سے نکل جائیں تو انسانیت کی معراج کو چھو لیتے ہیں۔

جس کو اللہ تعالیٰ مقبول کرتا ہے اس پر ظالم مسلط کیا جاتا ہے جو اس کو رنج دیتا ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ بعض لوگ دن میں پانچ دفعہ منہ دھوتے ہیں مگر دل کو پانچ سال میں ایک دفعہ بھی نہیں دھوتے۔

جو اپنی نظر کو کھلا چھوڑ دیتا ہے اس کا غم طویل ہو جاتا ہے جو اپنی امید کو کھلا چھوڑ دیتا ہے اس کا عمل برابر ہو جاتا ہے اور جو اپنی زبان کو کھلا چھوڑ دیتا ہے وہ اپنے آپ کو ہلاک کر لیتا ہے۔

ارم کمال...... فیصل آباد

اپنا ہاتھ اس کے شانے میں رکھتے ہوئے کہا۔

"چلو اگر ہمارے پاس اس کا حل نہیں ہے تو کم از کم تم ہم سے شیئر کر کے اپنے دل کا بوجھ تو بانٹ سکتی ہو نا......!"

"اچھا اپنی دل کا بوجھ تمہارے دل میں ٹرانسفر کر دوں یہ تو اچھی بات نہیں ہوئی نا۔" ماریہ اس وقت قدرے شوخی سے بولی تو جیسکا زور سے ہنس دی پھر دوسرے ہی پل سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے بولی۔

"ایسا کچھ نہیں ہوگا ماریہ یقین کرو اور پلیز تم میری اس بات کا بھی بھروسہ کر لو کہ میں تمہاری بات اپنے دل کے نہاں خانوں میں چھپا کر رکھوں گی کسی سے بھی تمہاری مرضی کے بناء اس کا تذکرہ نہیں کروں گی۔" وہ شستہ لہجے میں انگریزی میں بولتی چلی گئی تو ماریہ اندر ہی اندر الجھ سی گئی اس لمحے جیسکا کے پُراثر لفظوں اور خلوص سے لبریز رویے نے اسے جیسے بے بس سا کرنا شروع کر دیا تھا وہ کشمکش میں مبتلا ہو گئی کہ آیا کہ وہ جیسکا کو اس راز میں شریک کرے یا نہ کرے۔

"ماریہ کیا ولیم کو لے کر کوئی بات ہے جو تمہیں ڈسٹرب کر رہی ہے؟" اسے تذبذب کے عالم میں گھیرا دیکھ کر جیسکا نے خود ہی استفسار کیا تو یک دم ماریہ نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"اوہ......!" جیسکا کے لب سیٹی کے انداز میں وا ہوئے پھر ہموار لہجے میں بولی۔

"مجھے اس بات کا پہلے سے اندازہ تھا بلکہ میں نے ابرام سے بھی اس بات کا ذکر کیا تھا۔" جب کہ ماریہ عجب سی کیفیت میں گھری جیسکا کو دیکھتی چلی گئی وہ مزید کچھ اور بھی بول رہی تھی مگر ماریہ کا ذہن کسی اور جال میں پھنس گیا تھا۔

❁ ❁ ❁ ❁

لالہ رخ نے آج اپنا آفس جوائن کیا تھا اتنے دنوں کی غیر حاضری کی بدولت کافی سارا کام اکٹھا ہو گیا تھا جب کہ گیسٹ ہاؤس میں کسٹمرز کا رش بھی کافی بڑھ گیا تھا۔ شہر کی گرمیوں سے بے زار ہو کر لوگوں نے مری اور نتھیا گلی کا رخ کیا تھا۔ لالہ رخ تقریباً شام کے دوسرے پہر اسے کچھ فراغت نصیب ہوئی تھی مسلسل سر جھکائے کام کرنے کے سبب اس کی گردن میں درد سا ہو گیا تھا وہ ہولے ہولے اپنے ہاتھ سے اپنی گردن کو دباتے ہوئے باہر جانے کا سوچ ہی رہی تھی کہ اسی دم اس کے روم کا دروازہ ہولے سے کسی نے کھٹکھٹایا۔ لالہ رخ کے "آجاؤ" کہنے پر عتیق اندر داخل ہوا تو لالہ رخ نے کافی خوش گواری سے اسے دیکھا۔

"ارے عتیق تم آؤ نا پلیز۔"

"السلام علیکم باجی میں آج کل چھٹیوں میں یہاں آیا ہوا تھا آج میرا آپ کے گھر آنے کا پروگرام تھا مگر گیسٹ ہاؤس میں آپ کو دیکھ کر یہیں آپ سے ملنے چلا آیا۔" وہ سہولت سے بولتا ہوا سامنے رکھی کرسی پر بیٹھا تو لالہ رخ اس کے سلام کا جواب دے کر نرمی سے مسکراتے ہوئے گویا ہوئی۔

"یہ تو تم نے بہت اچھا کیا عتیق میں تم سے مل کر تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہتی تھی۔" رائل بلو رنگ کے سوٹ میں جس کی قمیص پر سفید دھاگے سے نفیس سی کڑھائی کی گئی تھی وہ کافی بجھی بجھی سی لگ رہی تھی۔ عتیق نے لالہ رخ کی بات پر قدرے متعجب ہو کر استفسار کیا۔

"شکریہ کس بات کا باجی؟"

"تم نے یونیورسٹی میں ہر لمحہ زرتاشہ کی مدد کی ٹرین کی ٹکٹس لے کر آئے اور اسے اپنے ساتھ بحفاظت یہاں پہنچانے کی ذمہ داری بھی لی اور......!"

"ارے باجی آپ تو اتنی چھوٹی چھوٹی باتیں گنوا کر مجھے بیچ میں شرمندہ کر رہی ہیں۔ زرتاشہ نہ صرف میرے علاقے کی لڑکی ہے بلکہ وہ میری بہنوں جیسی ہے اگر میں تھوڑا سا آپ لوگوں کے کام آ گیا تو اتنا بڑا کارنامہ تو انجام نہیں دیا جس کی بدولت آپ میری شکر گزار ہو رہی ہیں۔" عتیق لالہ رخ کی بات درمیان میں ہی قطع کرتے ہوئے بے حد پُرخلوص لہجے میں بولا تو لالہ رخ نے اسے ممنون آمیز نظروں سے دیکھا۔

"باجی مجھے آپ کے ابا کے انتقال کا بہت افسوس ہوا یقیناً یہ حادثہ آپ کی فیملی کے لیے بہت سنگین اور تکلیف دہ ہے۔" وہ جس مقصد کے تحت لالہ رخ کے پاس آیا تھا وہ بیان کرتے ہوئے بولا۔ لالہ رخ چند ثانیے کے لیے خاموش سی بیٹھی رہی پھر قدرے توقف کے بعد بولی۔

"بس عتیق یہ اللہ کی مرضی تھی البتہ اس بات کا ہمیں شدید رنج ہے کہ زرتاشہ ابا کی زندگی میں ان سے مل نہیں سکی۔" عتیق لالہ رخ کی بات پر تائیدی انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

"یہ بات تو ہے یقیناً زرتاشہ کو اس بات کا بہت افسوس ہوگا۔" عتیق کے لفظوں پر اسے یک دم زرتاشہ کا مشتعل رویہ یاد آ گیا جو اس نے اس کے ساتھ اپنایا تھا۔

"عتیق تم لوگوں کی یونیورسٹی بھی تو کھلنے والی ہوگی نا۔"

"ابھی تو بیس اکیس دن باقی ہیں۔" عتیق نارمل لہجے میں بولا تو لالہ رخ سوچ میں پڑ گئی پھر ایک فیصلہ کرتے ہوئے بولی۔

"ٹھیک ہے عتیق تم زرتاشہ کو اپنے ساتھ کراچی لے جانا کیونکہ میں امی کو یہاں تنہا چھوڑ کر تاشو کو کراچی چھوڑنے نہیں جاسکتی اور پھر میرے آفس کی بھی کافی چھٹیاں ہو گئی ہیں۔"

"آپ بالکل بے فکر ہو جائیں باجی میں زرتاشہ کو بحفاظت ہاسٹل پہنچا دوں گا۔" عتیق کے جواب پر لالہ رخ نے ایک طمانیت آمیز سانس بھری اور پھر ایک بار اس کا شکریہ ادا کرتی گھر جانے کے خیال سے اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑی ہوئی جب کہ عتیق بھی اس کے ہمراہ ادھر ادھر کی باتیں کرتا ہوا کمرے سے باہر نکل آیا۔

❁.........❁.........❁

فراز بے حد بے چینی اور بے قراری سے ان لوگوں کی واپسی کا منتظر تھا اس خبر نے تو جیسے اس کی بھوک پیاس سب اڑا دی تھی ذہن کچھ بھی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے گویا محروم ہو گیا تھا اچانک گھڑی نے رات کے بارہ بج جانے کا اعلان کیا تو فراز شاہ نے بے حد چونک کر گھڑی کی طرف دیکھا وہ اس وقت سے اب تک یونہی کچھ بھی کھائے پیئے بنا۔ بس یہی

سوچ جارہا تھا کہ سونیا نے کیسے اور کیوں کرکامیش شاہ سے شادی کرنے کی حامی بھری تھی۔ مام ڈیڈ اور کامیش یقیناً سونیا کی رضامندی سے ہی اتنے اہتمام سے پروپوزل لے کر گئے تھے۔ یقیناً یہ سب کچھ سونیا کی ایماء پر ہورہا تھا ورنہ اس کو اعتراض ہوتا تو یہ سب کچھ ناممکن تھا۔

کل تک جو لڑکی اس کی محبت کا دم بھرتی نظر آرہی تھی آج یکسر اس نے اس کے چھوٹے بھائی سے شادی کرنے کا فیصلہ کیسے کرلیا۔ اس وقت اس کا دماغ پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا اسی پل باہر گاڑی کا ہارن بج اٹھا۔ فراز شاہ نے بے حد بے چینی سے داخلی دروازے کی جانب دیکھا وہ لوگ کسی بھی پل اندر داخل ہونے والے تھے۔ فراز تیزی سے لاؤنج میں دھرے صوفے سے اٹھا اور اپنے کمرے میں آ گیا ورنہ ساحرہ اسے اسی حلیے میں بیٹھا دیکھ کر یقیناً مشکوک ہو جاتی اپنے کمرے میں آنے کے بعد وہ بے حد بے قراری سے سمیر شاہ کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔ سمیر شاہ بخوبی جانتے تھے کہ اس پل فراز ان کا شدت سے منتظر ہوگا لہٰذا وہ سیدھا اس کے کمرے کی جانب بڑھے تھے۔

"اوہ ڈیڈ تھینکس گاڈ کہ آپ آ گئے.......یہ سب کیا ہے ڈیڈ میری تو کچھ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا؟" وہ انہیں اندر آتے دیکھ کر تیر کی تیزی سے ان کے پاس آ کر ٹھہرا تو سمیر نے اپنا ہاتھ فراز کے شانے پر رکھا۔

"ریلیکس فراز تم اتنا پریشان مت ہو ایسی کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ جس کو لے کر تم یوں الجھ رہے ہو۔"

"ڈیڈ کیا آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ یہ بات کتنی سیریس ہے سونیا نے بھلا کیوں میرے انکار کرنے پر کامش شاہ سے شادی کرنے کی حامی بھری؟" فراز شاہ نے بے حد الجھتے ہوئے سمیر شاہ سے کہا تو انہوں نے چند ثانیے اپنے عزیز از جان بیٹے کو دیکھا پھر بے حد گمبھیر لہجے میں بولے۔

"فراز سونیا نے صرف حامی نہیں بھری۔ بلکہ ساحرہ سے خود کہا ہے کہ وہ کامیش سے شادی کرنا چاہتی ہے۔"

"واٹ......؟" فراز اپنی جگہ سے اتنی زور سے اچھلا جیسے اس کو بچھو نے ڈنک مار دیا ہو بے حد تحیر کے عالم میں اس نے اپنے باپ کو دیکھا۔

"سونیا نے ممی سے خود کہا کہ وہ کامیش سے.......یہ کیسے ہو سکتا ہے ڈیڈ یہ.......یہ سب کیا ہو رہا ہے میری تو کچھ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا" فراز کو اس قدر بدحواس سا دیکھ کر سمیر شاہ پریشان ہو گئے وہ اس کا بازو نرمی سے پکڑتے ہوئے بولے۔

"فراز بیٹا آپ کیوں اتنی ٹینشن لے رہے ہو اپنے آپ کو اسٹرونگ کرو یار یہ کوئی اتنا بڑا ایشو نہیں ہے۔ پلیز سنبھالو خود کو۔" سمیر شاہ کی بات پر فراز نے بے حد غور سے اپنے باپ کو دیکھا پھر ایک گہرا سانس بھرتے ہوئے گویا ہوا۔

"سونیا نے اس دن میری بات پر کوئی ری ایکٹ نہیں کیا تھا۔ وہ گاڑی میں بھی تمام راستہ مہر بہ لب بیٹھی تھی۔ مجھے بخوبی لگ رہا تھا کہ اس خاموشی کی تہہ میں یقیناً کوئی بڑا طوفان پوشیدہ ہے۔ مگر میرے تو یہ گمان میں بھی نہیں تھا کہ سونیا یہ قدم اٹھا لے گی۔"

"آج دوپہر میں ہی ساحرہ آفس سے گھر آ گئی تھی اتفاق سے میں بھی جلدی گھر آ گیا تھا۔ پھر ساحرہ نے مجھے بڑے جوش وخروش سے بتایا کہ سونیا نے خود اس سے کہا ہے کہ وہ کامیش سے شادی کرنے میں انٹرسٹڈ ہے میری کیفیت بھی اس خبر کو سن کر بہت عجیب ہوئی تھی میں نے تمہیں اسی وقت فون کیا تھا مگر فون سوئچ آف تھا۔"

"ڈیڈ اب کیا ہوگا سونیا آخر کیوں ایسا کر رہی ہے وہ کامیش سے شادی کیوں کرنا چاہتی ہے وہ تو مجھے لائیک کرتی تھی۔"

"مگر فراز آج تو وہ بے حد خوش لگ رہی تھی کامیش سے بھی بے حد خوش گواری سے باتیں کر رہی تھی اسے دیکھ کر تو ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کے دل کی سب سے بڑی آرزو پوری ہوگئی ہے۔" سمیر شاہ کچھ سوچتے ہوئے بولتے چلے گئے جب

کہ فراز شاہ نے انتہائی اچنبھے سے انہیں دیکھا پھر معاً کچھ یاد آنے پر وہ استفہامیہ لہجے میں گویا ہوا۔

"اور کامیش...... ڈیڈ کامیش سونیا سے شادی کرنے پر کیسے تیار ہوگیا؟ آئی مین وہ تو فی الحال شادی کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔" فراز کے سوال پر سمیر شاہ نے ایک گہرا سانس لیا پھر سنجیدگی سے گویا ہوئے۔

"اپنی ممی تم جانتے نہیں ہو۔ انہوں نے اسی وقت فون پر کامیش کو سونیا کی خواہش کی بابت بتایا اور کامیش نے ایک فرماں بردار بیٹے کی طرح ساحرہ کے آڈر پر سر جھکا دیا۔"

"ڈیڈ یہ کامیش کے ساتھ ناانصافی ہوگی۔" وہ ایک بار پھر اپنے ہاتھ سے اپنے بالوں کو مٹھی میں جکڑتا ہوا بے حد متوحش ہوکر بولتا ادھر ادھر چکر لگانے لگا۔ سمیر نے اسے پُرسوچ نظروں سے دیکھا پھر سہولت سے بولے۔

"ایسا بھی تو ہوسکتا ہے کہ فراز کے سونیا نے تم سے مایوس ہوکر سوچا ہو کہ کامیش میں بھی کوئی کمی نہیں ہے تمہارے انکار پر اس کے جذبات جھاگ کی مانند بیٹھ گئے ہوں اور...... وہاں اعظم شیرازی بھی بار بار یہی جتا رہا تھا کہ مجھے تو فراز سے زیادہ کامیش پسند آیا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ باپ نے بیٹی کو سمجھایا ہو اور اسے کامیش کے لیے کنوینس کیا ہو۔" سمیر شاہ کی بات پر فراز یک دم کسی گہری سوچ میں غلطاں ہوگیا۔ کمرے میں اس پل گہری خاموشی چھا گئی دونوں باپ بیٹے اپنی اپنی جگہ سوچوں میں الجھے ہوئے تھے۔

❀......❀......❀......❀
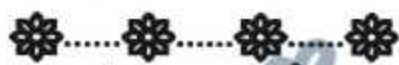
لالہ رخ گھر میں داخل ہوئی تو چھوٹے سے لاؤنج میں امی اور مہرو کو خاموش بیٹھا پایا وہ دونوں کو سلام کرکے خود بھی خاموشی سے امی کے قریب آ کر بیٹھ گئی اس لمحے امی اسے کافی پریشان اور افسردہ سی لگیں۔

"کیا بات ہے امی آپ اتنی چپ چپ کیوں ہیں کیا ہوا ہے؟" لالہ رخ انہیں بغور دیکھتی ہوئی آخر میں رخ موڑ کر مہرو پر نگاہ ڈالتے ہوئے گویا ہوئی تو مہرو نے ایک نظر امی کو دیکھا پھر دھیرے سے بولی۔

"امی تاشو کی وجہ سے بہت پریشان ہورہی ہیں۔" یک دم لالہ رخ بے حد گھبرا کر اٹھی۔

"تاشو...... کیوں کیا ہوا تاشو کو وہ ٹھیک تو ہے نا۔" مہرو اس کی بدحواسی کو دیکھ کر تیزی سے بولی۔

"لالہ تاشو بالکل ٹھیک ہے اسے کچھ نہیں ہوا۔ وہ اس وقت اپنے کمرے میں سو رہی ہے تم آرام سے بیٹھ جاؤ۔" مہرو کی بات پر لالہ رخ نے بے ساختہ سکون آمیز سانس بھری پھر دوبارہ اپنی جگہ پر بیٹھتے ہوئے امی سے مخاطب ہوکر بولی۔

"امی آپ کیوں تاشو کی وجہ سے پریشان ہورہی ہیں وہ ابھی بہت گہرے صدمے سے دوچار ہے ان شاء اللہ آہستہ آہستہ وہ نارمل ہوجائے گی۔" لالہ رخ انہیں تسلی دیتے ہوئے بولی وہ زرتاشہ کی کیفیت سے پریشان تھیں جو ہمہ وقت گم صم سی ایک ہی جگہ پر گھٹنوں بیٹھی غیر مرئی نقطے کو تکے جاتی تھی۔

"لالہ میں کیا کروں تاشو کی یہ حالت مجھ سے دیکھی نہیں جارہی نہ کچھ کھاتی ہے نہ پیتی ہے۔ ہر وقت خاموش سی بیٹھی خلاؤں میں تکتی رہتی ہے کسی سے بھی بات نہیں کرتی مجھ تک سے وہ کوئی بات نہیں کرتی نجانے میری پھول جیسی بچی کو کیا ہوتا جارہا ہے۔ لالہ کیا حالت بنالی ہے اس نے اپنی۔" بولتے بولتے امی آخر میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں تو لالہ رخ نے بے اختیار تڑپ کر انہیں اپنے سینے سے لگالیا اس پل اس کی آنکھیں بھی بے حد سرعت سے آنسوؤں سے بھر گئیں دل رنج والم کی گہرائیوں میں ڈوب گیا ایک سسکی اس کے لبوں سے برآمد ہوئی۔

"امی پلیز خود کو سنبھالیے ان شاء اللہ سب صحیح ہوجائے گا تاشو اس وقت ابا کے چلے جانے سے گہرے صدمے سے دوچار ہے وہ بالکل ٹھیک ہوجائے گی امی آپ پریشان مت ہوں۔"

"لالہ بالکل صحیح کہہ رہی ہے امی یہ مشکل وقت بھی جلد کٹ جائے گا رفتہ رفتہ سب نارمل ہوجائے گا۔" مہرو ان دونوں

کے قریب آن کھڑی ہوئی تھی دھیرے سے لالہ رخ کی پیٹھ کو تھپتھپاتے ہوئے تسلی آمیز لہجے میں بولی تو امی نے سہولت سے لالہ رخ سے الگ ہوتے ہوئے گلوگیر لہجے میں کہا۔

"نجانے تاشو کو کیا ہوگیا ہے وہ تمہاری بات بھی نہیں مان رہی ورنہ پہلے کچھ بھی ہوتا تھا تمہاری بات وہ کبھی نہیں ٹالتی تھی۔" امی کو زرتاشہ اور لالہ رخ کے درمیان ہونے والی چپقلش اور تناؤ کا علم نہیں تھا مگر وہ اتنا تو دیکھ رہی تھیں کہ زرتاشہ لالہ رخ کی کسی بھی بات کو در خود اعتناء نہیں سمجھ رہی اور نہ ہی اس کی باتوں کا جواب دیتی ہے۔

"امی آپ پلیز اتنا پریشان مت ہوں ماموں کی موت کا اسے بے حد غم ہے وہ ڈپریشن میں مبتلا ہوگئی ہے۔ ان شاء اللہ جلد ہی وہ اس کیفیت سے باہر نکل آئے گی ہم سب اس کے ساتھ ہیں اسے ضرور نارمل حالت میں لے آئیں گے اگر آپ اس طرح سے ہمت ہار بیٹھیں تو پھر زرتاشہ کو کون سنبھالے گا۔ اسے اس وقت ہم سب کی ضرورت ہے امی۔" مہرینہ امی کے پہلو میں بیٹھ کر بے حد نرمی سے ان کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھامتے ہوئے سمجھانے والے انداز میں بولی تو انہوں نے کچھ چونک کر مہرو کو دیکھا پھر جلدی جلدی اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے بولیں۔

"تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو مہرو...... واقعی تاشو کو اس وقت ہمارے ساتھ کی بے حد ضرورت ہے ہم سب کو بہت مضبوطی اور ہمت سے کام لینا ہوگا تاکہ وہ اس کیفیت سے جلد باہر آسکے۔" لالہ رخ نے اس پل مہرو کو تشکر آمیز نگاہوں سے دیکھا تو مہرو دھیرے سے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا گئی پھر لالہ رخ امی کی جانب متوجہ ہو کر بولی۔

"امی آپ جلدی سے منہ ہاتھ دھولیں تب تک میں تاشو کو اٹھا دیتی ہوں پھر ہم سب ساتھ مل کر کھانا کھائیں گے۔" پھر وہ مہرو کی جانب دیکھتے ہوئے گویا ہوئی۔

"مہرو پلیز تم کھانا لگا دو میں بس تھوڑی دیر میں آتی ہوں۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں ایسا کرو تم فریش ہو کر آجاؤ تب تک میں کھانا گرم کرتی ہوں۔" مہرو یہ کہہ کر اپنی جگہ سے اٹھی اور کچن کی جانب بڑھ گئی جب کہ لالہ رخ پہلے فریش ہونے کی غرض سے تخت پر پڑے اپنے بیگ کو اٹھا کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ منہ ہاتھ دھو کر آئی تو امی کو ہنوز یونہی کسی سوچ میں گم پایا بے ساختہ وہ ایک سانس بھر کر رہ گئی پھر چلتی ہوئی ان کے پاس آ کر ٹھہری۔

"امی آپ ابھی تک یونہی بیٹھی ہیں جایئے نا منہ ہاتھ دھو لیجیے پلیز۔" لالہ رخ کے کہنے پر وہ با دل نخواستہ اپنی جگہ سے اٹھیں تو لالہ رخ مطمئن ہو کر زرتاشہ کے کمرے کی جانب بڑھ گئی جو آج کل ابا امی کے کمرے میں ہی سکونت پذیر تھی۔

اس نے جونہی اندر قدم رکھا گھمبیر اندھیرے نے اس کا استقبال کیا۔

"اف تاشو تم نے کمرے میں اس قدر اندھیرا کیوں کر رکھا ہے۔" یک دم لالہ رخ کو وحشت سی محسوس ہوئی اس نے بڑبڑا کر خود سے کہا اور پھر اندھیرے میں اپنے اندازے سے چلتی ہوئی سوئچ بورڈ کی جانب آئی اپنے ہاتھ سے سوئچ ٹٹول کر اس نے ایک ہی جست میں ایک ساتھ کئی سوئچ آن کر دیئے لیکن کمرہ روشن ہوتے ہی لالہ رخ کا دل جیسے اچھل کر حلق میں آ گیا......!!

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

مصباح علی سید

"تم درزی کی طرف گئے تھے؟" نگہت کے استفسار پر تولیہ رگڑتے ہاتھ تھمے اس نے تعجب سے دیکھا۔

"مائی ڈیئر موم...... اے ایس پی عداس یہ خالص زنانہ کام کرتا اچھا لگے گا؟" اس نے تولیہ بیڈ پر اچھالا۔ اب ڈریسنگ کے سامنے کھڑا بال برش کررہا تھا۔

"اے ایس پی ہوں گے تم تھانے کچہری کے، میرے لیے تو وہی عداس ہو جس کی ہر وقت ناک بہتی تھی۔" ان کی پیار بھری تنقید پر وہ روٹھے پن سے بھنوئیں سمیٹ کر رہ گیا۔

"امی۔" نگہت مسکرا دیں۔ "آپ سے کہا تو ہے بوتیک پر جائیں، جو کچھ لینا ہے ایک ہی بار لے لیں۔"

"اب ہر چیز تو بوتیکس پر نہیں ملتی عداس۔" وہ اس کی بکھری چیزیں سمیٹتیں بول رہی تھیں۔

"کچھ اپنی مرضی کی ڈیزائننگ ہوتی ہے رنگ ہوتے ہیں مگر تمہیں کیا۔ تمہارے پاس تو ماں کے لیے وقت ہی نہیں، کل چھٹی کا دن تھا وہ بھی تم نے سو کر گزار دیا۔ میں اکیلی کیا کیا کرتی پھروں۔" اس سے پیشتر شکایتی رجسٹر کھل جاتے اس نے ہتھیار پھینک دیئے۔

"اوکے اوکے...... آپ کو شام میں مارکیٹ ڈراپ کردوں گا جو کچھ رہتا ہے وہ لے لیجیے گا۔ ٹیلر کی طرف بھی ہو آئیں...... اتنے میں۔"

"کیا مطلب اتنے میں؟" انہوں نے فوراً اس کی بات کاٹی غالباً شاپنگ سے اس کی حد درجہ احتراز برتنے کی عادت سے عاجز تھیں۔ "مجھے گھر پر دوسرے کام ہیں، تم ہی ٹیلر کے پاس جاؤ گے اس سے کپڑے لو گے اور کچھ چیزیں ہیں اور دوں گی وہ بھی لے کر سالمہ کی طرف جاؤ گے۔ فائزہ سائز وغیرہ چیک کرلے گی۔" ان کے ترتیب دیئے پروگرام پر وہ ویسلنگ میں "اوکے" کرتا رہ گیا۔ جس پر وہ نہال ہوگئیں۔ ایک وہی گھر تھا جہاں وہ دن رات کسی بھی پہر جانے کے لیے تیار رہتا تھا پھر درزی سے کپڑے لے کر جانے میں اتنا مزائقہ بھی نہ تھا۔

❋......❋......❋......❋

"آخر کیوں امی کیا کمی ہے اس میں؟" اس کے مسلسل احتجاج پر وہ تنک کر بولیں۔

"تیرا تو دماغ خراب ہوگیا ہے اور کچھ نہیں۔"

"دماغ خراب ہے تو یونہی سہی مگر میں......"

"کیا میں؟" انہوں نے اس سے زیادہ ترش لہجے میں کہتے ہاتھ نچائے۔ "وہ تیرے سے آٹھ برس چھوٹی ہے۔"

"چھوٹی ہی ہے ناں بڑی تو نہیں، پھر کیوں اعتراض ہے آپ کو؟"

"اس کی اداؤں نے تجھ پر جادو کردیا ہے۔ جیسی ماں ویسی بیٹیاں۔" ان کا نخوت بھرا لہجہ اس نے بمشکل برداشت کیا تھا۔

"کون سی ادائیں امی؟ کیوں ان کے بارے میں آپ اتنا بدگمان رہتیں ہیں۔"

"میرے بچے میری جان!" وہ ڈانٹ ڈپٹ سے قابو آنے والا نہیں تھا۔ شاید اسی لیے انہوں نے پیار کا حربہ آزمایا۔

"چھوڑ تو اسے۔ اس میں رکھا ہی کیا ہے۔ آج میں تیرے لیے ایسی پیاری لڑکی دیکھ کر آئی ہوں ہاتھ لگاؤ میلی تین بھائیوں کی اکلوتی بہن، گھربار، رہن سہن ایک دم فٹ۔ زندگی سنور جائے گی تیری۔" ہاجرہ بیگم کی کیفیت

کبھی نہ سمجھ پائیں تھیں نہ کبھی کوشش کی۔ وہ اپنے پسند کے رشتے کی تفصیل ایسے بتا رہی تھیں جیسے وہ سنتے ہی ناچنے لگے گا۔ مگر وہ تو ہتھے سے اکھڑ گیا۔

''امی اگر میری زندگی میں وہ نہیں تو پھر......''

''کیا پھر...... کیا پھر بول...... کیا کرے گا تو' ہیں بتا کیا کرلے گا تو؟'' حسب معمول وہ اپنی سابقہ جون میں لوٹ آئیں جس پر وہ آگ بگولہ ہوگیا۔

''زہر کھالوں گا۔ مرجاؤں گا۔'' میز کو ٹھوکر مارتن فن کرتا باہر نکل گیا۔ گرم چائے اچھل کر میز کی سطح کو چھوڑ فرش پر آگری تھی۔ ہاجرہ نے اسے کتنی آوازیں دیں مگر اس نے مڑ کر نہیں دیکھا۔

وہ اپنے غصے کی شدت کو کم کرتا تیز ڈرائیو کررہا تھا۔ اس کا چہرہ تانبے کے مانند لو دیتا' آنکھیں انگارہ بنی تھیں۔ اپنے گھنے نچھے دار بالوں میں تیز تیز انگلیاں چلاتا جانے کہاں سے کہاں سوچ رہا تھا۔ بچپن سے لے کر اب تک کی زندگی کسی فلم کی طرح چل رہی تھی۔ جس میں کہیں کچھ غلط نہیں تھا۔

''آخر امی کو ان سے مسئلہ کیا ہے...... کیوں ضد باندھ رکھی ہے؟ اپنی اولاد کی خوشی کا بھی احساس نہیں۔'' اس نے ایک ہاتھ سے پیشانی رگڑی اور دوسرے سے اسٹرینگ تھمایا تیزی سے موڑ کاٹا تھا۔ سامنے سے آتی بیل گاڑی وہ دیکھ نہ سکا۔ بیل گاڑی کا بانس اس کے بونٹ سے ٹکرایا تھا۔ اس نے یک لخت گاڑی کو بریک لگایا اور باہر نکل آیا۔ کوچوان کو گریبان سے پکڑا کھینچ کر اتارا۔ غصے میں تو پہلے ہی بھرا تھا اب مزید تپ گیا۔

''اندھے ہو دکھائی نہیں دیتا تمہیں۔'' اس کے چیخنے چلانے پر وہ کمزور دبلا پتلا لڑکا اپنی صفائی پیش کرتا رہا۔

''نہیں صاحب جی آپ کی رفتار تیز تھی۔''

''کیا بکواس کی۔'' اس نے اسے جھٹکے دینے کے ساتھ تھپڑوں گھونسوں کی بارش کردی۔

''میں غلط کہہ رہا ہوں میرا دماغ خراب ہے۔ اپنی گاڑی تمہاری ریڑھی سے ٹکراؤں گا۔'' وہ اردگرد اکھٹے

ہوئے مجمعے کی پروا کیے بغیر اسے پیٹ رہا تھا۔ مغلظات بکنے لگا۔ بہت سے لوگ بیچ بچاؤ کے لیے آگے بڑھے مگر اس کا جنون کسی طور نہ گھٹتا تھا۔ وہ کبھی جنونی نہیں رہا تھا۔ ایک عام سا' سلجھا ہوا' پڑھا لکھا' باشعور شہری' طریقے سلیقے سے بات کرنے سننے والا مگر اس وقت مرنے مارنے پر اتر آیا تھا۔ اس نے یکلخت اسے دھکا دیتے ہوئے چھوڑا۔ اس کا سر ریڑھی کے تختے سے ٹکراتے ہی خون کا فوارہ ابل پڑا تھا۔ سرخ بہتا خون دماغ میں چلتے جھکڑ اس کے تنے اعصاب کام چھوڑنے لگے۔ کچھ ہی لمحوں بعد موبائل پولیس کی سائرن بجاتی گاڑی قریب آگئی تھی۔

***

''شکر ہے آگئیں تم۔'' رکشے کی آواز سنتے ہی ہاجرہ تیزی سے باہر نکلی تھی۔ رکشے والے کو بل ادا کرتی سالمہ یکلخت ٹپٹائی۔

''بھابی خیریت؟''

''جہاں تم رہوگی' وہاں خیریت ہوگی؟'' اس کا دبی تنفر بھرا انداز تھا۔

''اب تم منھی نہیں رہی' جوان جہان بیٹیوں کی ماں ہو۔ دن بھر کی مارا ماری چھوڑو' کبھی گھر کی بھی فکر کرلیا کرو۔ بہت دنوں بعد ان کے بگڑے تیور سالمہ کی سمجھ سے باہر تھے وہ اپنے گیٹ کی جانب جانے کے بجائے انہی کی سمت آگئی۔

''میں سمجھی نہیں بھابی۔''

''کیوں؟ ایسا میں نے کون سا فلسفہ بول دیا' لڑکیوں کو ڈھیل دے کر چھوڑ رکھا ہے۔ کوئی آئے' کوئی جائے تمہاری بلا سے' محلے میں جواب تو ہمیں دینے ہوتے ہیں ناں۔'' سالمہ کی پیشانی یکلخت بہت سی سلوٹوں سے بھر گئی۔ ہاجرہ کا انداز اس کی سمجھ سے باہر تھا۔

''لگا میں ڈالو ان مہارانیوں کو' چٹی چمڑیاں دکھا کر سارے خاندان کے لڑکے پاگل بنا رکھے ہیں' یہ نہ ہو کوئی نیا چاند چڑھ جائے۔''

''بس بھابی۔'' سالمہ نے ہاتھ اٹھا کر انہیں چپ

کروایا۔ وہ اپنے گیٹ کے قریب عداس کی گاڑی دیکھ چکی تھیں اور سارا معاملہ جان گئیں۔

”مجھے آپ جو بھی کہتی رہیں میں چپ رہی، مگر اپنی بچیوں کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں سنوں گی۔“ وہ تیزی سے اپنے گیٹ کی جانب بڑھیں، انٹرنل لاک کھولنے میں انہیں چند سیکنڈ لگے تھے۔

”فائزہ...... فائزہ کہاں ہو تم۔“ ان کی تلخی آمیز پکار پر وہ چونکی۔

”جی امی، آرہی ہوں، خیریت۔“ وہ تیزی سے سیڑھیاں اترتی نیچے آئی ان کے چہرے پر پھیلے رنگ دیکھ کر وہ قدرے گھبرائی۔

”کیا ہوا...... خیریت ہے اور آپ آئیں کب؟“

”کہاں تھیں تم؟“ استفسار کے دوران ان کی نگاہ دو دو سیڑھیاں اترتے عداس پر رکی تھی۔ انہوں نے نچلا لب کاٹتے ہوئے بھنوؤں کا درمیانی فاصلہ سمیٹا۔

”السلام علیکم۔“ اس کا پُرخلوص گھبراتا لہجہ بھی ان کے غصے کی شدت کو کم نہ کرسکا۔ بس اسپاٹ سے لہجے میں وعلیکم السلام کہا تھا۔

”خیریت ممانی جان آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟“ سالمہ کے نپے تلے انداز پر اسے اچنبھا ہوا تھا۔ چند منٹ پہلے کی چھائی خوشی اس کے وجود سے مفقود ہوگئی۔ وہ دو قدم آگے بڑھا اور ان کے دونوں بازو تھامے۔

”مجھے کیا ہونا ہے۔“ لمحہ بھر توقف کے بعد کہا۔

”عداس تم اکیلے یہاں مت آیا کرو۔ میرا مطلب ہے جب میں گھر پر نہ ہوں...... پلیز۔“ وہ کہہ کر ٹھہری نہیں بلکہ تیزی سے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئیں۔ ان کا لہجہ سخت نہیں تھا مگر الفاظ انداز بالکل سپاٹ۔ عداس کے ہونٹ کھلے اور آنکھیں پھٹی رہ گئیں۔ گویا اپنی سماعتوں پر یقین نہ ہو۔

یہ وہی عداس تھا جسے نہ صرف وہ اپنا بیٹا کہتیں تھیں بلکہ دل سے تسلیم کرتیں تھیں۔ کسی بھی وقت موسم کی نوعیت دیکھے بنا جب جب اسے بلایا تھا وہ اپنی تمام مصروفیات ترک کرکے، بوتل کے جن کی طرح حاضر ہوجاتا تھا۔ ان کے گھر کی کوئی جگہ، کوئی چیز کوئی بات اس سے ڈھکی چھپی نہیں تھی۔ اپنی اولاد سے زیادہ اس پر اعتبار تھا۔ سالمہ ہر مسئلہ اس سے ایسے ڈسکس کرتیں جیسے وہ ان کا قریب ترین غم خوار ہو اور وہ ایسا ہی تھا۔ انہیں ہمیشہ اپنی ماں کے درجے پر رکھا تھا۔ دکھ سکھ میں بیٹوں کی طرح بازو بن جاتا تھا۔ اس گھر کے باسیوں کی عزت اسے اپنی جان سے زیادہ عزیز تھی۔ ان کے ساتھ کچھ غلط کرنے کا وہ سوچ بھی کیسے سکتا تھا۔ پھر آج ایسا کیا ہوگیا تھا کیا خطا کردی تھی جو وہ لمحے میں ہی بے وقعت ہوکر رہ گیا۔ حالانکہ اب تو اس گھر سے بہت اہم تعلق فرزندی کا جڑنے جارہا تھا۔ پندرہ دن بعد وہ ان کا داماد بننے والا تھا اور وہ اسے کہہ رہی تھیں۔ ”تم یہاں مت آیا کرو۔“

اسے وہ رات بہت اچھی طرح یاد تھی زیادہ پرانی بات نہیں تھی یہی سات آٹھ سال پہلے جب سالمہ ممانی نگہت اور ان کے میاں اچانک ملتان کسی ضروری کام سے گئے تھے۔ ان کی واپسی رات تک تھی مگر ایک اہم سیاسی لیڈر کی حادثاتی موت کے بناء پر ہڑتال اور سڑکیں سیل کردی گئیں تھیں۔ رات کے تقریباً نو بجے جب انہوں نے خاصی پریشانی کے عالم میں فون کیا تھا۔

”عداس بیٹا۔ پلیز تم میری طرف چلے جاؤ، وہاں بچیاں اکیلی ہیں ڈر رہی ہوں گی۔“

”ممانی آپ فکر مت کریں میں ابھی چلا جاتا ہوں۔“ اس نے تسلی دیتے ہوئے فون بند کیا۔ گھر لاک کرکے ادھر چلا گیا تھا۔ حالانکہ تب وہ اتنا بڑا نہیں تھا انٹر میں تھا۔ عبیرہ، فائزہ اور لائبہ اس کے آجانے سے خود کو محفوظ سمجھ رہی تھیں۔ کتنے اطمینان سے وہ اپنے بیڈروم میں سوئیں تھیں اور وہ ڈرائنگ روم کے صوفے پر بیٹھا تقریباً ساری رات پڑھتا رہا تھا اور ابھی پچھلے سال کی بات تھی جب عبیرہ ڈلیوری کے سلسلے میں ہاسپٹلائز تھی۔ سالمہ ممانی اور نگہت اس کے پاس تھیں عداس گھر سے اسپتال، اسپتال سے گھر چیزیں لانے لے جانے کی ذمہ داری نبھا رہا تھا۔ بلکہ

اور ویسے بھی عبدالوہاب کون سا روز لیے پھرتا ہے تو آج کوئی فراغت ملتی ہے۔" حسان قریب ہی چٹائی پر بیٹھا ہوم ورک کررہا تھا کاپی پر چلتے ہاتھ رک گئے۔

"امی چچا جان ہمیں بھی تو ساتھ لے جاتے ہیں پھر ہم کیوں ترسنے لگے۔" وہ عادتاً غلط بیانی کی تصحیح کردیتا تھا۔ شاید یہی وجہ تھی ہاجرہ کو اس پر بے حد غصہ آتا تھا۔ کتنی بار "بیٹا" برا بھلا کہا۔ دوسرے معاملات میں تو خیر چپ رہ کر الجھی نگاہوں سے ماں کو دیکھتا رہتا مگر جب بات عبدالوہاب چچا یا ان کی فیملی کی آتی تو نگاہوں کو زباں مل جاتی۔

عبدالوہاب تھا بھی ایسا بہن بھائی کے بچوں کو اپنی اولاد کی طرح چاہنے والا۔ جیسے تحفے اپنی بیٹیوں کے لیے لاتا ویسے ہی ان کے لیے لے آتا۔ اسی طرح لاڈ اٹھاتا تھا۔ یہاں تک کہ چند وہ چیزیں جو ماں باپ نہ لے کر دیتے یا آنے والے وقت پر ٹال دیتے عبدالوہاب خاموشی سے لادیتا۔ بغیر کسی بدلے کی امید کے سالمہ نے بھی کبھی منع نہیں کیا تھا۔ حالانکہ ہاجرہ کو کبھی ان کی دی ہوئی چیز پسند نہیں آئی تھی۔ کبھی رنگ میں نقص نکالتیں کبھی سائز میں اور بسا اوقات تو کہہ دیتیں۔

"ہاں میں نے دیکھی تھی بازار میں' بہت آئی ہوئیں ہیں یہ شرٹس' ہر دوسرے نے پہن رکھی ہے۔" ان کی ناگواریت کا عبدالوہاب پر کبھی اثر نہیں ہوا تھا غالباً بھتیجے جو بہت خوش ہوجاتے تھے خاص کر حسان سب سے بڑا بھتیجا اور چچا کا لاڈلا۔

زندگی کا گھڑیال اپنا رقص جاری رکھے ہوئے تھا۔ ایک رفتار کے ساتھ دھیمے دھیمے بہتا رقص' اس رقص میں نہ کبھی تیزی آئی نہ جمود۔ مگر جانے ہم انسانوں کو اس میں تلپٹ ہوتے طوفان کیوں دکھائی دیتے ہیں' گھڑی کو کوستے ہیں۔ منحوس کہتے ہیں' مدھم ٹک ٹک بھی کان کے پردے پھاڑتی محسوس ہوتی ہے شاید احساسات زندگی ہیں' جیتے جاگتے انسان کی زندگی گھڑیال کی سوئیاں نہیں۔

جاڑے کے دن پروانوں' تتلیوں کو کم ہی راس آتے ہیں۔ پر ٹوٹ جاتے ہیں' پھڑ پھڑا کر مرجاتے ہیں۔ شوق ملتان رقص گہری نیند سلا دیتا ہے اور جنوبی پنجاب میں جاڑے کے دن کم ہی ٹھہرتے ہیں۔ فروری کے اوائل میں ہی تندوتیز ہوائیں چلتیں ہیں جو کسی آن پھولوں پر بہار ٹکنے نہیں دیتیں۔ آم کے درختوں سے بور جھڑ جاتا' سرسوں کھلتے ہی مرجھانے لگتی ہے اور اس سال ہواؤں میں تپش کا عنصر بہت جلد شامل ہوگیا تھا۔ رات بہت تیز آندھی آئی تھی۔ صحن گرد سے اٹا تھا۔ دیوار پر لگی بیل کے بنفشی پھول اور ستونوں پر لپٹی منی پلانٹ کے نازک پتے جا بجا گھر میں بکھرے بین ڈال رہے تھے۔ ہاجرہ نے حسب عادت دیر تک سونا تھا۔ سالمہ جلدی اٹھ گئی۔ نماز ادا کرتے ہی دروازہ جھاڑا' پائپ لگا کر سارا صحن برآمدہ دہلیز دھو دی۔ گھر پھر سے جگمگ کرنے لگا۔ وہ خود بھی نہا دھو کر ناشتہ میز پر چننے لگی۔ عبدالوہاب اور بچیاں ناشتے کی میز پر منتظر تھے۔ حسان بھی ان کے ساتھ چچی کے ہاتھ کا تیار ناشتہ کرنے بیٹھا تھا۔ وہ باتوں باتوں میں چچا سے کئی باتیں شیئر کرچکا تھا خاص کر آج کے دن کے حوالے سے۔ غالباً آج سب سے چھوٹی لائبہ کی چوتھی سال گرہ تھی اور اسکول میں پہلا دن۔ اتنے اہم دن پر انہوں نے گھر میں ہلکی پھلکی دعوت کا اہتمام کرر کھا تھا۔ جس میں نگہت باجی اور شعیب بھائی کی فیملیاں شام کے کھانے پر مدعو تھیں۔ گھر پر خاصا کام ہونے کی بنا پر عبدالوہاب نے ناشتہ ختم کرتے ہوئے ہمدردانہ کہا۔

"میں نے نگہت باجی سے کہا ہے وہ جلد آجائیں گی تاکہ تمہاری کچھ ہیلپ ہوجائے۔"

"چاچا کیک میری طرف سے گفٹ ہوگا میں ابو کے ساتھ جاکر لے آؤں گا۔" حسان کی آفر پر عبدالوہاب قدرے مسکرایا تھا۔

"اوکے ڈیئر مگر ابو کے ساتھ نہیں۔ میں جلد آجاؤں گا پھر دونوں چلیں گے لینے۔"

"اگر آپ آج چھٹی کرلیتے؟" سالمہ نے رکتے ہوئے فرمائشی انداز میں کہا تھا۔

ہجر و فراق کے رنگوں سے مزین

نائلہ طارق کا سلسلے وار ناول

شب آرزو تیری چاہ میں

جلد حجاب کے صفحات کی زینت بنے گا

عشق و محبت کے انداز بھی

تو جدائی کے جاں گسل لمحات بھی ہیں

غم جاناں، غم دوراں کی بھرپور عکاسی کرتا

یہ ناول آپ کی سوچ کو نیا رخ عطا کرے گا

"کیا کام ہے تمہیں مجھ سے؟" لہجے میں شوخی جھلکتی تھی۔

"کچھ خاص نہیں بس۔" اسے بروقت بہانہ نہ ملا تو ہونٹ چبانے لگی۔

"میں جلدی آنے کی کوشش کروں گا۔تم فکر نہیں کرو۔" اس نے اپنی فائلز اٹھائیں اور بچوں کو اسکول ڈراپ کرنے کے لیے ہمراہ لیتے اللہ حافظ کہا تھا۔حسان اپنا اسکول بیگ اٹھاتے ہوئے تیزی سے پیچھے سے لپٹا اور اللہ حافظ کہا تھا۔عیشم نے اسے گھور کر دیکھا۔

"ہٹو یہ ہمارے بابا ہیں۔"

"بری بات عیشم۔" عبدالوہاب نے تنبیہ کی۔

"حسان آپ کا بھائی ہے اور میرا پیارا بیٹا۔" وہ اسے بھی اپنے ساتھ گاڑی میں لے گئے تھے۔

وہ کچن میں بے حد مصروف رہی تھی۔نگہت بھی اس کی مدد کو آگئیں تھیں۔آدھا دن گزرنے پر بچوں کی اسکول سے آمد اور بڑوں کی چہل قدمی سے گھر میں رونق لگی ہوئی تھی۔وہ بہت اہتمام سے سارے کام نمٹا رہی تھی۔ہونا تو اسے خوش چاہیے تھا مگر اس کا دل بے کل بوجھل سا تھا۔جسے وہ کوئی نام نہ دے پائی۔جیسے موسموں کے بدلنے پر ایک سناٹا سا اترا جاتا ہے یا بارش ہونے سے پہلے کی گھٹن اسے اپنے وجود پر چھائی محسوس ہو رہی تھی۔

"ماما عداس بھائی مجھے مار رہے ہیں۔" عیشم بھاگتی ہوئی آئی اور اس کی ٹانگوں سے لپٹ گئی۔

"عیشم پلیز تنگ نہیں کرو باہر جا کر کھیلو۔" اسے بسکٹ تھماتے ہوئے خود سے الگ کیا۔اس کے پیچھے لپکتے عداس کو بھی بسکٹ دے کر ٹالا تھا۔

"کیا ہوا تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟" بھاگتے عداس کو پکڑنے نگہت کچن میں آئیں اس کا اترا چہرہ دیکھ کر متفکر ہوگئیں۔

"کچھ نہیں باجی...... بس ایسے ہی دل بیٹھا جا رہا ہے۔" وہ قریب رکھی کرسی پر بیٹھ گئیں۔عیشم نے دروازے سے ہی سن کر جانے کیا سمجھا اور کہہ دیا۔

"ماما تائی امی نے کچھ کہا ہے میں ابھی پوچھ کر آتی ہوں۔" ہاجرہ کے صبح سے بگڑے تیور اور چھوٹی چھوٹی بات پر بڑبڑاہٹ چھوٹی سی بچی نے بھی محسوس کر لی تھی۔اس کی دلیری شروع سے اسے ڈراتی تھی۔انہوں نے فوراً اسے ٹوکا۔

"اوہ ہوں بیٹا۔تائی امی مجھے کیوں کچھ کہیں گی۔"

"سارا دن تو کہتیں رہتیں ہیں، میں آج ہی بابا سے کہوں گی، ہمیں دوسرا گھر بنا دیں۔"

"جانو ایسے خفا نہیں ہوتے۔" نگہت نے اسے اپنے قریب کیا تھا۔"بڑوں کے معاملات میں بچے نہیں بولتے جاؤ آپ عداس، حسان بھائی کے ساتھ کھیلو۔" وہ منہ بناتی باہر نکلی تو نگہت سالمہ سے پوچھ رہی تھیں۔

"کیا بات ہے کچھ کہا ہے کسی نے؟"

"نہیں باجی، کسی نے کچھ نہیں کہا، بس ایسے ہی دل بیٹھا جا رہا ہے۔"

"تم تھک گئی ہو کب سے تو کہہ رہی ہوں، سب ہوگیا ہے اب باہر آجاؤ۔" اسے نروٹھے پن سے کہتے فریج کھولا۔ایپل جوس ایک گلاس میں انڈیل کر اسے تھمایا۔

"پیو اسے...... شکل دیکھو کیسی لگ رہی ہے تمہاری، عبدالوہاب آنے والا ہے دیکھے گا تو پریشان ہوگا۔"

"جلدی آنے کا کہہ کر گئے تھے آئے ہی نہیں ابھی تک۔" وہ گلاس ہونٹوں سے لگاتے سوچ رہی تھی۔

"سالمہ...... سالمہ۔" شعیب بھائی ہونقوں کی طرح پکارتے کچن کی جانب بڑھے تھے۔

"میں اسپتال جا رہا ہوں تم بھی میرے ساتھ چلو۔" ان کے لہجے پر حاوی پریشانی نے دونوں کو بوکھلا دیا تھا۔

"اسپتال خیر...... یت......؟"

"ہاں وہ...... عبدالوہاب کی طبیعت کچھ خراب ہے اس کے کولیگ اسے اسپتال لے گئے ہیں، چلو جلدی کرو۔"

جوس کا بھرا گلاس ہاتھ سے پھسلا ایک چھناکا سا ہوا تھا۔ہر سمت ٹوٹا کانچ چمکنے لگا۔اس کی ٹانگوں میں اتنی سکت نہیں تھی کہ اٹھ پاتی۔اٹھنے کی نوبت آئی بھی نہیں، شعیب کا فون

دوبارہ بج اٹھا۔ ہنگامہ شور، جانے کہاں کہاں سے لوگ اُمڈتے چلے آئے تھے۔ وہ گم صم پتھر کی مورت بنی ایک ایک کو تکتی رہی۔ ہر نئی آنے والی اس سے لپٹ کر بین شروع کردیتی۔ اپنے سامنے چارپائی پر بے حس وحرکت عبدالوہاب کو دیکھ کر اس کے اعصاب مختل ہونے لگے۔ اسے کبھی بھی دل کی تکلیف نہیں رہی تھی۔ ہاں دو سال پہلے والدہ کی وفات کے بعد دونوں بھائیوں میں ایک دو بار کھنچاؤ آ گیا تھا۔ پھر ایک دن گھر کی تقسیم کے سلسلے میں چھوٹا سا تنازع ہوگیا تھا۔ عبدالوہاب چاہ رہے تھے کہ اب گھر کا پارٹیشن ہوجانا چاہیے۔ مگر شعیب کو یہ بات قطعاً منظور نہ تھی۔ سالمہ نے عبدالوہاب کو سمجھایا تھا۔

''اگر آپ بھابی ہاجرہ کی باتوں کے سبب کہہ رہے ہیں تو جانے دیں۔ میں نے کون سا کبھی پلٹ کر جواب دیا ہے جو تکرار ہو۔''

''سالمہ میں بھی یہی چاہتا ہوں، تکرار کی نوبت نہ آئے۔ برداشت کی بھی حد ہوتی ہے۔'' اس کے جواب میں وہ بہت مشکل سے مگر سمجھ گئی تھی۔

''ہم چھوٹے ہیں۔ جھگڑے اچھے نہیں لگتے، بچوں پر بھی برا اثر پڑے گا۔'' بات ختم ہوگئی تھی۔ البتہ تب سے عبدالوہاب کا بی پی مسئلہ کرنے لگا تھا۔ کبھی بہت ہائی کبھی لو۔ مگر نوبت ہارٹ اٹیک تک آ جائے گی۔ یہاں تک تو اس کی سوچ بھی نہ تھی۔ وہ تو تمام عمر کے وعدے کرتے تھے مگر بارہ سالہ رفاقت کے بعد سب ختم ہوگیا۔

''رونے بین ڈالنے سے اگر قسمتیں بدل سکتیں تو ہر چرند پرند روتے بین ڈالتے نظر آتے۔ وہ ہمیشہ ''چوں چوں'' کرتے اپنی حکمت و دانائی سے وسیلے ڈھونڈتے ہیں۔'' نگہت نے اسے بہت شروع میں ہی سمجھایا تھا اور اب سالمہ کو بھی حکمت سے کام لینا تھا۔

وقت کے ساتھ سب کی زندگی معمول پر آ گئی۔ نگہت اکثر چکر لگاتی رہتیں۔ سالمہ کی ہمت بندھاتیں اور ڈھکے چھپے لفظوں میں ہاجرہ بھابی کو بھی تنبیہی کرتیں کہ اپنی زبان پر کنٹرول کریں۔ عبدالوہاب کی وفات پر چند مہینے تو ان کے دل پر بھی اچھا خاصا صدمہ گزرا۔ ہوکے بھرتیں دل کٹ کٹ جاتا لیکن پھر عادت سے مجبور صدموں نے طعنوں کی جگہ لے لی۔ اٹھتے بیٹھتے سننے کو ملتیں۔

''ہاں ہاں...... عبدالوہاب کا تو کوئی وارث بھی نہیں، کم از کم ایک بیٹا ہی ہوتا۔ ماں بہنوں کی سرپرستی کے لیے۔ کس طرح سب کچھ ہوگا؟''

''بھابی آپ فکر نہ کریں۔'' نگہت کا لہجہ ناگواریت لیے تھا۔

''ان کی سرپرستی کے لیے اللہ کافی ہے اور ویسے بھی ہمارے بیٹے بھی عبدالوہاب کے بیٹے ہی ہیں۔'' نگہت کے جتانے پر وہ اپنا سا منہ لے کر رہ گئیں۔

اس کے پاس ڈھیر جمع پونجی نہ تھی۔ عبدالوہاب ایک پرائیویٹ کمپنی میں منیجر تھا۔ بے شک اچھی پوسٹ تھی مگر پھر بھی اتنا نہیں تھا کہ وہ اور بچیاں ساری زندگی بیٹھ کر کھاتیں رہتیں۔ نہ میکہ مضبوط تھا کہ ادھر چلی جاتیں۔ سب لوگ ہمدردی کرتے تھے۔ پریشان ہوتے مگر حل کسی کے پاس نہیں تھا۔ وہ گریجویٹ تھی۔ اسے عبدالوہاب کی کمپنی سے ہی جاب کی آفر آئی جو تھوڑی سوچ و بچار کے بعد اس نے قبول کرلی۔ خاندان اور خاص کر ہاجرہ، شعیب کو مردوں کے ساتھ اس کا کام کرنا ناگوار گزرا تھا مگر نگہت نے اس کی طرف داری کی۔

''اچھا ہے شعیب بھائی، وہ خود اپنا بوجھ اٹھائے، ویسے بھی برسرروزگار عورت کے ساتھ اس کی اولاد میں خود اعتمادی پیدا ہوجاتی ہے۔ ویسے بھی کوئی کب تک کھلائے گا۔ کھلائے گا بھی تو محسن بن کر انہیں اپنا محکوم بنالے گا۔'' نگہت کی بات میں وزن تھا اس لیے شعیب خاموش ہوگئے تھے۔

زندگی ایک ڈگر پر گھومنے لگی تھی۔ وہ صبح آٹھ بجے گھر سے نکلتی شام ڈھلے آتی۔ بچیاں اسکول سے آتیں تو اپنے کمرے میں ہی رہتیں۔ ایک تھکا دینے والی جدوجہد مسلسل۔ آفس ورک، گھر کا کام اور بچیوں کی پڑھائی۔ اسے اپنے بستر پر آتے آتے بارہ بج جاتے تھے۔ وہ ان

سب سے نہیں گھبرائی تھی۔ بس اس وقت گھبرا جاتی جب کسی خاص وجہ سے آنے میں دیر ہوجاتی۔ بچیوں کا اکیلا پن وحشت بن جاتا۔

ہاجرہ بھابی ہوتیں تو گھر پر تھی مگر وہ اپنے مزاج کی تھی۔ من میں آیا تو پچکار دیا ورنہ بے طرح ڈپٹ دیا۔ گیارہ سالہ عبیرہ اور عیشم وقت سے پہلے سمجھدار ہوگئی تھیں۔ اسکول سے آ کر خود کھانا نکال کر کھالیتیں۔ لائبہ کو کھلاتیں پھر گھر درست کرتی۔ پڑھائی میں مصروف عیشم قدرے بہادر تھی وہ اکثر کہہ دیتی۔

"امی لائبہ کی طرف سے پریشان نہ ہوں ہم اس کا بہت خیال رکھتیں ہیں۔"

لائبہ ایک تو ان سب میں بہت چھوٹی تھی اوپر سے بہت ڈرپوک' دبو سی۔ بات بے بات آنکھوں سے آنسو بہانا' چہرہ سرخ کرلینا اور جب ہاجرہ تائی جھانک کے بہانے کچھ کہہ دیتیں تو اندر ہی اندر ہولتی رہتی۔ ہاں اگر عیشم کو پتا چل جاتا تو ماں کے آنے سے پہلے ہی تائی کو ٹکا سا جواب دے کر قصہ ختم کردیتی تھی۔ تایا کی فیملی کے کسی فرد سے انہیں بالکل لگاؤ نہیں تھا۔ سوائے حسان کے۔

وہ شروع سے ہی ان سب میں مختلف تھا۔ چھوٹے دونوں ایک تو چھوٹے تھے اوپر سے حد درجہ بدتمیز۔ آئے دن محلے میں لڑاتے رہتے بھی کسی کو پتھر مار بھی اپنا منہ نچوا۔ ان تینوں بہنوں کو بھی ستاتے۔ حسان تھا جو انہیں ڈپٹ کر سیدھا رکھتا تھا اور چچا عبدالوہاب کے بعد تو اسے سالمہ چاچی اور ان کی تینوں بیٹیاں اور بھی عزیز ہوگئی تھیں۔ اور خاص کر ہاجرہ کی ڈانٹ پر نین برساتی لائبہ۔ جہاں اس کے آنسو صاف کرتا وہاں ماں سے بھی جھگڑ پڑتا۔ شاید یہی کشش اس کے اندر جمع ہوتی چلی گئی تھی۔ اسے خود بھی معلوم نہیں تھا۔ کب کیسے لائبہ اس کے دل میں براجمان ہوئی اور ہر شخص سے زیادہ اہم ہوتی چلی گئی۔ اس کے لال اناری گال' گیلی آنکھیں۔ ایسے جیسے نئی نئی دریافت ہوئی جھیل میں کوئی حزن ٹھہر گیا ہو۔ ایک بری ویران جزیرے پر آ رکی ہو۔ اردگرد کے سناٹے آنکھوں میں وحشتیں بھرتے ہوں۔ ہلکی سی آہٹ پر وہ کپکپا جائے اور دور چمکتے چاند کو ساجتی نگاہوں سے مدد کے لیے پکارے۔ اس کی ساجت بھری نگاہ حسان کا دل مٹھی میں کرلیتی۔ یہ بہت پہلے کا واقعہ تھا۔ جب پہلی بار بیس سالہ حسان ماں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑا کہہ رہا تھا۔

"امی آپ کتنی سنگ دل ہوگئیں ہیں' پہلے لائبہ سے سارے برتن دھلوالیے اور اگر ایک ڈونگہ ٹوٹ ہی گیا تھا کس طرح تھپڑ مار دیا۔ آپ کو ترس نہیں آتا اس کے معصوم چہرے پر؟" سنتے ہی ہاجرہ کی آنکھیں پھیلیں پھر ڈپٹا۔

"تجھے بڑا بخار چڑھتا ہے' ان کی ہمدردی کا...... چل دفع ہو' یہاں سے۔" وہ گردن جھٹک' چاچی کے پورشن کی طرف بڑھا تھا۔ جہاں چودہ سالہ لائبہ اکیلی بیٹھی رو رہی تھی۔ آج اس کی طبیعت کچھ ناساز تھی اس لیے اسکول نہ جاسکی اور جب بھی وہ گھر پر اکیلی ہوتی ہاجرہ خوب فائدہ اٹھاتی تھی۔ ایک تو وہ کسی کو کچھ بتاتی نہیں تھی پھر بلا چوں و چرا ہر طرح کا کام کردیتی۔ بس آج تھپڑ حسان کے سامنے لگ گیا اور وہ تو بدک ہی گیا۔ اسے ان کے پورشن کی جانب بڑھتا دیکھ کر ہاجرہ نے ایک فیصلہ کیا تھا۔

"اب گھر کے حصے بخرے ہوجانے چاہئیں۔ ایسا نہ ہو حسان مجھ سے دور ہوجائے۔"

❋ ❋ ❋

سالمہ ممانی کے اچانک رویے پر وہ بہت الجھ گیا تھا۔ شرمساری سارے وجود پر ڈیرہ ڈالے تھی۔ اسے تھانے کا چکر لگانا تھا مگر کیفیت ایسی تھی وہ اب کہیں بھی جانا نہیں چاہتا تھا۔ سو طبیعت ناسازی کا ایس ایچ او کو فون کیا اور گھر چلا گیا۔ وہ اپنے کمرے میں جانے لگا مگر نگہت نے لاؤنج میں ہی روک لیا۔ ان کی باتیں ہی ختم نہ ہوتیں تھیں۔

"سالمہ کیسی تھی' عیشم کیا کررہی تھی۔ چیزیں پسند آئیں۔ کیا کہا......" اس کے بے زاریت لیے ٹوٹے پھوٹے جوابوں پر نگہت نے پوچھا تھا۔ "تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟"

"جی...... بس سر میں درد ہے۔" پھر وہ کھانا کھائے بنا

چائے کا کہہ کر کمرے میں چلا آیا۔

⚙......⚙......⚙......⚙

کئی دنوں سے موسم تیور بدل رہا تھا۔ بادل آتے چلے جاتے مگر آج سہ پہر سے ہی گہرے بادل چھائے تھے۔ بادلوں میں گڑگڑاہٹ کے ساتھ شدید چمک بھی تھی۔ وہ آفس سے چھٹی کرنا چاہتی تھی مگر سال کا آخری ہفتہ تھا۔ کافی کلوزنگ رہتی تھی۔ کام ختم ہونے میں معمول سے زیادہ وقت لگ گیا۔ اوپر سے مستزاد آفس بس خراب تھی۔ تمام کولیگ لوکل ٹرانسپورٹ سے گھر گئے تھے۔ وہ اسٹاپ پر کھڑی مطلوبہ بس کی منتظر تھی۔ بادلوں نے شدت سے برسنا شروع کردیا۔ دسمبر کی بارش اور یخ بوندیں شیڈ پر ہتھوڑوں کی طرح لگ رہی تھیں۔ شیڈ سے پھسلتا پانی اچھل اچھل کر اس کے پائینچے بھگو رہا تھا۔ رات کا پہر' ہوا کے ٹھٹھرتے جھونکے' بجلی کی چمک اور سیاہی وقت کو ہولناک بنارہی تھی۔ رواں ٹریفک کی ہیڈ لائٹس سے کبھی اس کی آنکھیں چندھیا جاتیں۔ کبھی برفانی جھونکے سے کپکپاہٹ طاری ہوتی۔ ایسے میں بچیوں کا خیال الگ پریشان کیے تھا۔ لائبہ تو ویسے ہی نازک دل کی تھی۔ بادل کی ہلکی گرج سے وہ رونے کانپنے لگتی تھی۔

''اللہ......بس آ بھی جائے۔'' وہ دائیں بائیں دیکھتی ایک ہی دعا کررہی تھی۔ ایک گاڑی شیڈ کے قریب سے گزر کر ریورس ہوئی تھی۔ ہیڈ لائٹس کی تیز روشنی اس کی آنکھوں میں سما گئی۔ اس نے قدرے آنکھیں سکیڑتے اندر دیکھنے کی کوشش کی تھی۔

''آپ ابھی تک یہاں کھڑی ہیں آئیں میں ڈراپ کردیتا ہوں......'' سر واثق ونڈو گلاس نیچے کرتے ہوئے استعجابیہ دیکھتے کہہ رہے تھے۔

''تھینک یو سر......میں چلی جاؤں گی......بس آنے ہی والی ہوگی۔'' بارش کے شور کے بنا وہ قدرے زور سے بولی تھی۔ اس نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ سوئیاں نو سے اوپر جارہی تھیں۔

''میم......بس کو جانے کتنا وقت لگ جائے' کوئی پرابلم نہ ہوگئی ہو۔ آئیں پلیز موسم بہت خراب ہے۔'' انہوں نے مخلصانہ کہتے ہوئے گاڑی کا فرنٹ ڈور کھول دیا۔ اس نے چند پل سوچا پھر گاڑی میں آ بیٹھی۔ واثق ان کی برانچ ایگزیکٹو اور نہایت شریف النفس انسان تھے۔ یہاں سے گزرتے اس پر نظر پڑی سو بٹھالیا۔ اگر اس کی جگہ کوئی اور آفس کی ورکر کھڑی ہوتی تو یقیناً بٹھالیتے۔ ان کے درمیاں سوائے راستہ بتانے اور عبدالوہاب کی باتوں کے علاوہ کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔

''ویل مسز عبدالوہاب آپ کا گھر آ بھی گیا۔ ورنہ آپ ابھی تک بس کی منتظر ہی ہوتیں۔'' انہوں نے گاڑی اس کے دروازے کے عین قریب روکی۔

''تھینک یو سر۔'' وہ باہر اترتے ہوئے شکر گزار ہوئی۔

''آپ اندر آجائیں' چائے پی کر جائیے گا۔'' اس کی اخلاقی آفر کو وہ ٹال گئے۔

''نو......نو میم' بیگم انتظار کررہی ہوں گی۔ پھر کبھی سہی۔''

''جیسے آپ کی مرضی۔'' اس نے بے جا اصرار نہیں کیا۔ اس کے اترتے ہی گاڑی زن سے آگے بڑھ گئی۔ ایک بائیک فوراً ہی قریب آ کر رکی تھی۔ ہاجرہ' شعیب اس برستی بارش میں جانے کہاں سے آرہے تھے انہوں نے شاکی نگاہوں سے پہلے گاڑی اور پھر سالمہ کو گھورا۔

''کون تھا وہ......کس کے ساتھ آئی ہو؟'' اندر داخل ہوتے ہی شعیب دھاڑے۔

''بھائی جان وہ میرے باس تھے' دراصل آفس بس خراب تھی اور موسم......''

''تو ہم مر گئے تھے......؟ فون کردیا ہوتا کوئی تو آجاتا۔'' ان کی ترش آواز پر وہ ہونٹ کچلتی رہ گئی۔

''آپ نے تو آج دیکھا ہے جانے کب سے چکر چل رہا ہوگا۔ خوامخواہ ہی تو نہیں پورا دن گھر سے باہر گزار آتی ہے۔'' ہاجرہ برآمدے کی سمت چلتے ہوئے بڑبڑائیں تھیں۔

''بھابی آپ کیسی باتیں کررہی ہیں۔'' سالمہ کی

منمناہٹ پر انہوں نے پلٹ کر گھر کا۔

"میں کیا باتیں کر رہی ہوں' باتیں تو ابھی بنیں گی جس نے دیکھا ہوگا۔ آج تم پھر غیر کے ساتھ سیر سپاٹے کر رہی ہو کل کلاں بچیاں بھی کسی ایرے غیرے کے ساتھ نظر آئیں گی۔ ہم کس کس کو جواب دیں گے۔" وہ کتنے دن سے موقع کی تلاش میں تھیں۔ حسان کی طرف داری سے الگ پریشان۔ کتنی بار شعیب کو ڈھکے چھپے لفظوں میں کہا۔ جوان بیوہ رکھنا آسان نہیں میکے کا راستہ دکھاؤ مگر وہ آئی گئی کر کے ٹالتے رہے۔ آج موقع ملا تھا بات کا بتنگڑ بنانے کا کمرے میں جا کر خوب بولتی رہیں۔

کچھ دیر کو بارش تھمی تھی' رات کے آخری پہر موسلا دھار برسی تھی۔ وہ بچیوں کو ساتھ دبکائے ساری رات جاگتی رہی۔ اسے خود پر ملامت تھی۔ آخر کیوں آئی کسی غیر کے ساتھ' بارش ہی تھی کون سا میں پگھل جاتی۔ اپنے ماحول کا مجھے پتا ہونا چاہیے تھا۔ کاش فون کردیتی۔ ٹیکسی پر آجاتی۔ آخر کتنا کرایہ لے لیتا۔ کم از کم اس طرح طعنے تو نہ سننے پڑتے۔

"عبدالوہاب آپ کہاں ہیں؟ میں بہت تنہا ہوگئی ہوں۔" اس کے دونوں گالوں پر آنسوؤں کی پتلی سی لکیر بہتی رہی۔ ٹھنڈی آہ بھرتے سانس ٹوٹ ٹوٹ جاتی۔ پروردگار نے ہر رات کے بعد صبح اور ہر اندھیرے کو پھاڑ دینے کے لیے بے حد نرم اجالا ضرور رکھا ہے۔ اس دن بھی صبح ہوئی' اجالا پھیلتا چلا گیا۔ وہ آفس جانے کو تیار تھی مگر لائبہ کی طبیعت زیادہ خراب ہوگئی۔ اسے ڈاکٹر کے پاس لے جانا تھا۔ اس لیے آفس فون کر کے چھٹی لے لی۔

یہ ڈھلتی شام کا وقت تھا۔ برآمدے سے نگہت' شعیب کی آوازیں محسوس ہوئیں۔ وہ اٹھ کر باہر نکلنے لگی اس کے قدم آوازوں پر تھم گئے۔ غالباً رات والا معاملہ ان تک کس انداز میں پہنچایا گیا کہ وہ خاص طور پر اسی لیے آئیں تھیں۔ شعیب بھائی کی درشتگی کو نگہت ٹھنڈا کرنا چاہ رہی تھی۔

"بھائی اب اتنی بھی بڑی بات نہیں ہے جس کا یوں ایشو بن رہا ہے۔ آفس ورکرز کا آپس میں تعلق و جان پہچان ہوتی ہے اور وہ کسی کوئی ننھی بچی نہیں ہے۔ سوچ سمجھ کر ہی آئی ہوگی۔"

"ننھی بچی نہیں ہے؟ جوان ہے' اسی لیے تو کہہ رہے ہیں کوئی ضرورت نہیں ہے گھر سے نکلنے کی۔ ٹک کر بیٹھے۔" شعیب کے دوٹوک کہنے پر ہاجرہ کی گردن کا اکڑاؤ نگہت کو گراں گزرا۔

"ٹھیک ہے...... بیٹھ جائے گی۔" وہ دانت جما کر بولیں۔

"پھر اخراجات اٹھائیں آپ......" نگہت کے استعجاب پر انہوں نے جیسے ناک سے مکھی اڑائی۔

"کھانا پینا ہی ہے نا' کرلوں گا کسی طرح...... اور وہ...... اس کے بھائی بھی تو ہیں۔ وہ مر گئے ہیں وہ بھی اٹھائیں گے کچھ خرچا۔" ان کا دوغلا پن اسے اندر تک سلگا گیا۔

"کھانا پینا ہی تو نہیں صرف بھائی...... زندگی میں اور بھی بہت کچھ ہوتا ہے...... اور آپ' آپ کو تو ابھی سے میکے والے یاد آگئے...... بس۔"

"نگہت بس کرو تم' اس کی طرف داریاں۔" بہت دیر سے چپ بیٹھی ہاجرہ کو اپنا مقصد پورا ہونے کے بجائے الٹا خرچا محسوس ہوا تو ناگواریت سے بولیں۔

"تم تو دور رہتی ہو نا' لوگوں کو منہ ہم نے دکھانا ہوتا ہے۔ باتیں ہم سنتے ہیں۔"

"بھابی پلیز...... یہ ہم بہن بھائیوں کا مسئلہ ہے آپ درمیان میں مت بولیں۔"

"کیوں...... کیوں نہ بولوں؟" اس کے منع کرنے پر وہ دھونس جماتے ہوئے موڑھا کھینچ کر دوبدو سامنے آبیٹھی۔

"ماحول تو میرے گھر کا خراب ہو رہا ہے' خود تو وہ بچیاں چھوڑ کر سارے شہر میں گھومے اور میں پہرہ دوں' آخر میرے بیٹے ہیں' جوان ہو رہے ہیں' میں کس کس کا پہرہ دوں۔" وہ لمحہ بھر سانس لینے کو رکیں پھر کہنے لگیں۔

"میں تو صاف بات کروں گی جو تھوڑا بہت حصہ بنتا

ہے دے دلا کر فارغ کرو جہاں مرضی آئیں جائیں رہیں میں کہاں تک رکھوالیاں کروں۔" ہاجرہ کا انداز وبیاں نگہت کو سیخ پا کرنے کے لیے کافی تھا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟ یہ تھوڑا بہت سے کیا مراد ہے آدھا گھر ہے عبدالوہاب کا اور جو دکان کاروبار ہے ناں شعیب بھائی کے پاس وہ بھی ابا کی تھی۔ پھر تھوڑے کی بات کیوں کررہی ہیں آپ۔"

"عبدالوہاب کا کون سا وارث ہے۔" وہ ہاتھ نچا کر بولیں۔ "ایسے میں تو شرعاً قانوناً بھائی بھتیجے ہی وارث ہوتے ہیں۔" اتنی بڑی بات پر شعیب بھائی کی خاموشی نگہت کو کھل گئی۔

"اور بھی بہت کچھ ہے شریعت اور قانون میں اور کون سے تقاضے پورے کردیئے۔ کون سا حق ادا کیا ان کا جنہیں لاوارث کہہ رہی ہیں آپ۔" نگہت کا چہرہ سرخ اور آنکھیں دہک رہی تھیں۔

"شریعت میں صلہ رحمی پر بہت زور ہے یتیموں کے حقوق بہت بلند ہیں.....اور مجھے تو جیسے خبر ہی نہیں کس قسم کی پہرہ داری کررہی ہیں آپ۔ ذرا ذرا سی بچیاں اکیلی گھر میں بھی رہتی ہیں۔ اپنے کام بھی کریں آپ کے کام بھی کریں.....وہ بے چاری تو صبح ہی نکل جاتی ہے۔ سارا دن جانے کتنے دھکے کھاتی ہے کیسی نظریں برداشت کرتی ہے۔ کسی نے خیال کیا اس کا؟ پوچھا کسی ضرورت کا؟ دس سال ہوگئے عبدالوہاب کو کبھی عید بقرعید پر بھی کچھ دیا آپ لوگوں نے؟ اب آگئے ہیں حق لینے والے۔" انہیں زیادہ غصہ اپنے بڑے بھائی پر تھا جو خاموش بیٹھے بیوی کی چلتی زبان کتنے مزے سے سن رہے تھے۔

"دیکھتی ہوں میں کون نہیں دیتا عبدالوہاب کی بچیوں کو حصہ۔" اب انہوں نے خاص طور پر بھائی کو مخاطب کیا۔

"شعیب بھائی اگر آپ قانون درمیان میں لائے تو پھر ٹھیک ہے یہ گھر ابا کے نام ہے۔ دکان کاروبار بھی ان سب میں سے پہلے میرا حصہ نکالو۔ پھر بات کرنا آخر کچھ نہ کچھ تو قانون ان بچیوں کو بھی دے گا ہی۔" انہوں نے یک لخت پھیکا چہرہ اوپر اٹھایا۔ یاسیت سے بہن کو دیکھا.....وہ تو ہمیشہ سے کہتی آئی تھی۔

"میرے دونوں بھائی رہیں اس گھر میں مجھے اللہ نے سسرال میں ہی بہت کچھ دے دیا۔" آج حصے کی بات کتنے آرام سے کہہ دی۔ وہ کھنکار کر بولے۔

"اوہو.....آرام سے بات کرو خوامخواہ بات کو طول دے رہی ہو۔"

"میں نے طول نہیں دیا آپ لوگ دے رہے ہیں۔"

"دیکھو نگہت.....بات صرف اتنی سی ہے اس کا غیر مرد کے ساتھ آنا ہمیں اچھا نہیں لگا اور بس۔"

"اچھا ٹھیک ہے.....آئندہ احتیاط رکھے گی۔" وہ بھی زیادہ اچھلنا نہیں چاہتی تھی مگر جیسے ہی نظر ہاجرہ کے بگڑتے زاویوں پر ٹھہری تو کچھ سوچ سمجھ کر بات میں وزن پیدا کرکے کہنے لگیں۔

"ایسا ہے بھائی شعیب.....آپ کل مستری مزدور بلالیں اور گھر کے بیچ دیوار اٹھوالیں۔ روز روز کی چخ چخ ختم.....دکان کاروبار آپ کے پاس شروع سے ہے آپ سنبھالیں ہوسکے تو کچھ مناسب خرچ دے دیا کریں انہیں۔" نگہت کے لہجے کی مضبوطی کے آگے انکار کی کوئی صورت نہ بنی۔ خرچا تو کیا دینا تھا دیوار تک بات سمجھ میں آگئی۔

وہ سالمہ کے کمرے میں آگئیں تھیں۔ وہ کسی بت کی مانند بیڈ پر دھنسی بیٹھی تھی۔ اس نے نگاہ اٹھا کر انہیں دیکھا۔ وہ ناصحانہ انداز میں کہہ رہی تھیں۔

"تمہیں احتیاط کرنی چاہیے سالمہ جانتی نہیں ہو گھر کے ماحول اور سوچ کو۔ خوامخواہ بتنگڑ بن گیا۔" اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموش آنسو دامن بھگوتے رہے۔ "اب رو کیوں رہی ہو.....؟" وہ آگے بڑھ کر اس کے پاس آبیٹھی۔ اپنے ساتھ لگایا۔

"سالمہ میری بہن اسی کا نام دنیا ہے غیروں سے زیادہ اپنے تکلیف دیتے ہیں مگر سہنی پڑتی ہے۔" اس کے آنسوؤں میں ان کی روندھی آواز شامل ہوگئی تھی۔

زیادہ وقت نہیں گزرا تھا صحن میں دیوار کھڑی ہوگئی۔ گھر الگ الگ ہوگئے۔ بچے حیران ہوگئے۔ مگر ہاجرہ نہ بدلی۔ بلکہ گھر تقسیم ہونے سے اور بھی بیر باندھ لیا۔ جہاں دو مرد دیکھے شروع ہوگئیں۔

"نہ باپ' نہ بھائی انہیں کس کا ڈر۔ کالج' یونیورسٹیوں میں جانے کیا گل کھلاتیں پھرتیں ہیں۔" سالمہ نے اپنے ہونٹ سیے رکھے۔ اسے بس اپنی بچیوں کی تربیت سے غرض تھی۔ عبیرہ نے ماسٹرز کیا ہی تھا کہ نگہت کے سسرال سے رشتہ آ گیا۔ لڑکا انجینئر' خاندان شریف' نگہت کے سمجھانے پر ہی سالمہ نے ہاں کردی۔ صاف گو دلیر سی عیشم نگہت کو شروع سے پسند تھی اور عبیرہ کی شادی پر اپنے اکلوتے بیٹے عداس کے دل کا عقدہ بھی کھل گیا۔ انہوں نے جلد ہی اس سے پوچھا تھا۔

"عیشم تمہیں اچھی لگتی ہے؟" یک دم ایسا سوال وہ جزبز سا ہوا۔ پھر اپنے یونیفارم کی کیپ درست کرتے ہوئے ان کی آنکھوں میں مسکرا کر دیکھا۔

"جب ماں کسی خاص لڑکی کا نام لے کر تفتیش کرے اس کا مطلب ہے وہ اپنے بیٹے کا حال دل جان گئی ہے۔"

"مجھے یہ پولیس والوں کی طرح' گھما پھرا کر جواب نہ دو صاف بتاؤ کیسی لگتی ہے۔"

"اچھی...... بلکہ بہت اچھی۔" وہ قہقہہ لگاتا باہر نکل گیا تھا۔

عیشم ایل ایل بی کے آخری سال میں تھی۔ نگہت نہیں چاہتی تھی کوئی دوسرا عداس کی آنکھوں کا رنگ پڑھے اور انگلی اٹھائے۔ انہوں نے پہلی فرصت میں سالمہ سے بات کی۔ سالمہ کو انکار کیوں ہوتا عداس تو انہیں بہت ہی عزیز تھا۔

"طے پایا نکاح کرلیتے ہیں رخصتی دو سال بعد۔"

حسان کو چچا چچی سے قدرتی لگاؤ سا تھا اور چچا کے بعد لگاؤ میں ہمدردی بھی گھل گئی۔ بلکہ ماں کے بے جا طنزیہ کاٹ دار لہجے روک ٹوک سے وہ اور بھی ان کے قریب ہوتا چلا گیا۔ گھر الگ ہوجانے کے بعد بھی فرق نہیں پڑا تھا۔ کوئی سامان لادینا' کوئی کام کروینا' انہیں تعلیمی مدد دے دینا۔ یہاں تک کہ گھر میں مستری مزدور لگے تو اپنی نگرانی میں سب کام کروایا تھا۔ پھر عبیرہ کی شادی پر بالکل بیٹوں کی طرح مصروف رہا۔ ہاجرہ کو پتا چلتا تو کڑھ کر رہ جاتیں۔ دس دس سناتیں مگر وہ باز آنے والا نہیں تھا۔ کتنی مرتبہ سالمہ نے بھی اسے نرمی سے منع کیا۔ مگر وہ ماننے والا کب تھا۔ ہر بار کہہ دیتا۔

"کیوں میرا کوئی فرض نہیں بنتا؟" اور وہ چپ ہوجاتیں۔

❁............❁............❁............❁
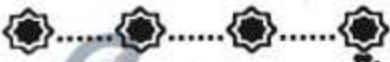
اتوار کی شام تھی وہ سالمہ کے پاس تخت پر بیٹھا تھا۔ وہ اسے بہت دیر سے سمجھا رہی تھیں۔

"حسان بیٹا...... جب تمہاری ماں کو برا لگتا ہے تو مت آیا کرو ادھر۔"

"عداس کو تو آپ نے کبھی منع نہیں کیا چچی۔" اس کے متاسفانہ لہجے پر سالمہ اسے دیکھے گئیں۔

"اس کی بات اور ہے حسان...... میں نہیں چاہتی تمہارے یہاں آنے پر تمہارے اپنے گھر میں روز جھگڑا ہو۔"

"کتنی عجیب بات ہے آپ منع کررہی ہیں' حالانکہ میں یہاں پورے استحقاق کے ساتھ آنا چاہتا ہوں۔ والدین کے ہوتے ہوئے بھی اپنا مقدمہ خود لڑ رہا ہوں۔" کئی بار کی طرح آج بھی سالمہ کو قائل کرنا چاہتا تھا۔

"دیکھو بیٹا......" وہ اس کی پشت سہلاتے نرمی سے بولیں۔

"جو تم چاہتے ہو وہ ناممکن ہے' تم سمجھنے کی کوشش کرو جانی۔ بھابی ہاجرہ کبھی نہیں ہونے دیں گی اور لائبہ...... وہ تو ذرا سی کھڑ کھڑاہٹ سے بھی کانپ جاتی ہے۔ ساری عمر بھابی کے رویے کے ساتھ کیسے نبھا کرے گی' تمہاری زندگی بھی جہنم بن جائے گی۔"

"میں اسے مضبوط کردوں گا چچی۔ کیا آپ کو مجھ پر بھروسہ نہیں...... یا میرا کردار مشکوک ہے؟"

"ایسی بات نہیں ہے بیٹا۔" جب سے عثیم کی بات ٹھہری تھی وہ ہر تیسرے دن دست سوال ہوتا۔ اسے خدشہ تھا عثیم کے بعد لائبہ کی باری ہے تو کہیں دیر نہ ہوجائے۔ اور چاچی کہیں اور بات طے نہ کردیں اور وہ اسے سمجھا سمجھا کر تھک گئیں تھیں۔ وہ ماں جو پل بھر کے لیے لائبہ کو اس کے ساتھ برداشت نہ کرپائے۔ عمر بھر کیسے دیکھے گی۔ ہر بار ان کے دماغ میں سال پہلے کا واقعہ پوری جزئیات کے ساتھ گردش کرتا تھا۔

لائبہ کا زولوجی کا پیپر سیکنڈ ٹائم تھا اور سینٹر گھر سے خاصی دور بھی تھا۔ واپسی پروین والا نہیں آیا۔ ایسی سچوئیشن میں وہ ہمیشہ عداس بھائی کو فون کرتی تھی مگر اس دن وہ ایک ریڈ کے سلسلے میں شہر سے باہر تھا۔ سینٹر سے کچھ ہی فاصلے پر حسان کا دفتر تھا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے اسے کال کی تھی۔ ایسا ممکن نہیں لائبہ بلائے اور حسان نہ پہنچے۔ وہ فوراً پہنچا۔ اپنی گاڑی پر گھر لے آیا۔ وہ ابھی اتری ہی تھی کہ ہاجرہ بازار سے واپس گھر آرہی تھیں۔ انہوں نے سڑک، محلے تک کا خیال نہ کیا۔ مغلظات بکتے زناٹے دار تھپڑ اس کے منہ پر دے مارا۔ اس کے نرم ریشمی گال پر انگلیاں چھپ گئیں۔ وہ گال پر ہاتھ رکھے آنسوؤں پر بند باندھنے کی ناکام کوشش کرتی ہوئی برق رفتاری سے اپنے کمرے تک گئی تھی۔ ہکا بکا حسان بجلی کی تیزی سے باہر نکلا۔ گھر جاکر چیختا چلایا کتنا جھگڑا کیا وہ الگ بات تھی مگر لائبہ نے ماں تو کیا بہن تک کو نہیں بتایا۔ اندر ہی اندر بخار میں تپتی رہی۔ شکر تھا اگلا پیپر خاصے دن بعد تھا ورنہ شاید وہ پیپر دینے کی کنڈیشن میں نہ ہوتی۔ چہرے کا نشان اس نے سہلا کر تحلیل کرلیا تھا۔

سالمہ اس کی اچانک طبیعت خرابی سے پریشان ہوجاتیں تھیں۔ اب بھی پریشان تھی۔ وہ تو شاید کبھی نہ جتاتی اگر تیسرے دن ہی حسان نہ آجاتا۔ وہ بہت شرمندہ کھسیانا سا تھا۔ بات بات پر سوچنے لگتا جیسے کچھ کہنا چاہتا ہو اور جب سالمہ نے لائبہ کی طبیعت کا تذکرہ کیا تو چونک گیا۔ وہ روہانسی انداز میں معافی مانگنے لگا۔

"آئی ایم سوری چاچی۔ ویری سوری میں اپنی ماں کی طرف سے معافی مانگتا ہوں میں کیا کروں ان کے مزاج کا میرا اتنا قصور ہے کہ میں ان کا بیٹا ہوں۔ میں ان کی شان میں گستاخی نہیں کرنا چاہتا مگر وہ مصر ہیں کہ میں نافرمان بن جاؤں۔ میں لائبہ سے بھی شرمندہ ہوں۔ شاید اسی لیے یہاں آنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔" اس کے ایک سانس میں بولنے پر وہ بوکھلا گئیں۔

"حسان...... حسان کیا بات ہے...... کیا ہوا؟ کس بات کی معافی' کچھ تو بتاؤ میرا دل گھبرا رہا ہے۔"

"کیا لائبہ نے آپ کو کچھ نہیں بتایا؟"

"نہیں...... اس نے تو کچھ نہیں بتایا۔ تم بتاؤ کیا بات ہے؟" حسان کو بے حد دکھ ہوا تھا کیوں یہ نازک لڑکی ہر بات پوشیدہ رکھ کر اپنی جان پر ظلم کرتی ہے۔ جب اس کے منہ سے سالمہ کو پتا چلا تو وہ غصے سے سرخ ہو گئیں۔ جی چاہتا تھا کہ ہاجرہ کے منہ پر بھی اسی جگہ اسی طرح طمانچہ ماریں۔

"ان کی ہمت کیسے ہوئی میری جوان بیٹی پر ہاتھ اٹھانے کی۔" غصہ لائبہ کو بھی آیا تھا۔ ایسا بھی کیا جرم ہو گیا اگر کزن کے ساتھ مجبوراً آ ہی گئی۔ آخر میں ماں ہوں مجھے بتاتی تو کیوں کس بات سے خوف زدہ ہو کر ہر بات پی جاتی ہے۔ اب اس طرح کی لڑکی کو کیسے اس ظالم کی بہو بنادیں جسے نہ اپنی عزت کا پاس نہ دوسروں کی۔ مگر حسان کسی طور نہ سمجھتا تھا۔ آخر وہ کہنے لگیں۔

"دراصل بیٹا۔" وہ کچھ دیر کے لیے خاموش ہوئیں تب ہی لائبہ نے ان کے قریب چائے لاکر رکھی تھی۔ حسان نے بھنوئیں اچکا کر اسے دیکھا۔

ہونٹ کا کونہ چباتی' آنکھوں میں نمی' چہرہ گلنار' شاید وہ رونا چاہتی ہو۔ اس کے دل میں ٹیس اٹھی۔ وہ سلام کرتی چائے رکھ کر کچن میں چلی گئی۔ اس کے جاتے ہی سالمہ کہنے لگیں۔

"دراصل بیٹا مجھ سے خود یہ فیصلہ نہیں ہو رہا۔ تمہارا پرپوزل نگہت باجی کی سمجھ سے بھی باہر ہے۔ میرے یہ جڑے ہاتھ دیکھو حسان۔" انہوں نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "مجھ میں اور حوصلہ نہیں ہے ہاجرہ بھابی کے الزامات برداشت کرنے کا۔ اور لائبہ کو تو تم جانتے ہو وہ تو کوئی الزام سننے سے پہلے ہی مر جائے گی۔"

"آپ کے صاف انکار پر وہ ویسے بھی مر جائے گی۔"

سالمہ اسے تکتی رہ گئیں مگر وہ کہہ کر لمحہ بھی نہیں بیٹھا۔ گزرتے گزرتے کچن کے دروازے پر کھڑی لائبہ کو ایک نظر دیکھا۔ وہ جو کب سے اس کے دل کے دریچے پر آن موجود تھی۔ اسے لگتا تھا شاید اس کی یک طرفہ محبت ہے۔ جو کی نہیں جاتی بلکہ اپنے آپ دل سے نکلتی ہر شریان میں سرایت کر کے بہنے لگتی ہے۔ مگر ایسا نہیں ہوتا جس کو آپ پوری شدتوں سے چاہیں اس کا خیال سب سے الگ رکھیں۔ اسے خبر نہ ہو۔ لائبہ کو خبر ہی نہیں تھی بلکہ شدتوں میں وہ اس سے بھی آگے تھی۔ مگر اظہار تو کیا سوچتے ہوئے بھی ڈرتی تھی۔ پچھلے سال کا ایک چھوٹا سا واقعہ تھا۔

عبیرہ کا چھلا پورا ہونے پر اس کا شوہر اسے لینے آیا تھا اور اگلے دن ہی لائبہ کی سالگرہ تھی۔ نگہت نے خاص طور پر اسے فون کر کے روکا۔ وہ نہ صرف اس کی سالگرہ یاد رکھتیں بلکہ اہتمام بھی کرتی تھیں۔ انہیں بہت اچھے سے یاد تھا اس کی سالگرہ کا آخری اہتمام جو عبدالوہاب نے کیا تھا۔ وہ بھائی کی یاد رو دھو کر نہیں اس کے بچوں کو خوش کر کے مناتی تھیں۔ اس سالگرہ اور عبیرہ کی دعوت کا اہتمام وہاں پر بنی مصنوعی جھیل کنارے کیا تھا۔ جب حسان کو ان سب کی پکنک کا پتا چلا تو خود بھی ساتھ ہولیا۔ اسکائی بلو میکسی پر سلور نگوں کا دلکش کام تھا۔ شانوں تک آتے سلکی بال' کلائیوں میں چوڑیاں بھریں' کانوں میں چمکتے سلور آویزے۔ وہ بہت دلکش لگ رہی تھی۔ اس سے نگاہ ہٹانا آج حسان کو دنیا کا مشکل ترین کام لگا تھا۔ پہلے کتنی بار اس نے اپنا حال دل اسے بتانے کی کوشش کی تھی۔ کبھی ہمت نہ ہوئی۔ کبھی وہ مصروف' کبھی کوئی آ جاتا یا پھر امی کی ٹوہ بازی۔ مگر آج موقع بھی تھا اور شاید ہمت بھی آ گئی تھی۔

پھوپو نگہت' چاچی کچھ پکانے میں مصروف تھیں۔

پھوپھا ان کے قریب بیٹھے اخبار پڑھتے انہیں مشورہ دے رہے تھے۔ عداس عیشم نیٹ لگا کر بیڈ منٹن کھیلنے لگے۔ عبشر اپنے بیٹے کو گود میں لیے میاں سے راز و نیاز کی باتیں کررہی تھی اور وہ خاصے فاصلے پر جھیل کنارے بیٹھی اپنی سوچوں میں غلطاں تھی۔ وہ خاموشی سے اس کے قریب آیا تھا۔ وہ جھجکی ضرور تھی مگر بیٹھی رہی۔

"مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔"

"جی۔" وہ چند پل اسے دیکھتا رہا۔ پھر قدرے فاصلہ رکھتے ہوئے بیٹھا اور دھیرے دھیرے کہنے لگا۔

"لائبہ دل، جسم ایک ایسا عضو ہے جس پر شاید کبھی بھی اختیار نہیں ہوتا۔ کچھ ایسی چیزیں بھی طلب کرتا ہے جو پانا بہت مشکل ہوں۔ لیکن ناممکن تو نہیں۔ میں جانتا ہوں جو میں حاصل کرنا چاہتا ہوں وہ چیز بہت مشکل سے میرے تک آسکتی ہے۔ آہ......" اس نے رک کر ٹھنڈی سانس لی اور اس کی جانب دیکھا۔

"اسے پانے میں میرا ساتھ دو گی؟" اس کی استفہامیہ اٹھی نگاہ پر وہ کنفیوز ہوگئی۔

"مجھے کیوں ایسا لگتا ہے، جو میں چاہتا ہوں وہ...... شاید تم بھی محسوس کرتی ہو۔ پھر سمجھ کیوں نہیں پاتیں۔"

"جی۔" اس کے تحیر بھرے جی پر حسان کے ہونٹ پھیلے۔

"میں تمہیں پورے خلوص سے اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا ہوں، کیا اس سلسلے میں چاچی سے بات کرسکتا ہوں؟ اگر تم اجازت دو۔" پلکیں جھپکنا بھول گئی۔ وہ دل و جان سے اقرار کرنا چاہتی تھی مگر زبان گنگ ہوتی محسوس ہوئی وہ بمشکل کہہ پائی۔

"مرد کتنے بہادر ہوتے ہیں، جو دل میں آتا ہے، جو دماغ میں سماتا ہے کتنے آرام سے لفظوں کے جامے میں لپیٹ کر پیش کردیتے ہیں اور میری جیسی کمزور دل لڑکی کہنا سننا تو درکنار سوچتے ہوئے بھی ڈرتی ہے۔" وہ تھوک نگل کر کہنے لگی۔ "میں تو اپنی فیلنگز خود سے بھی چھپاتی ہوں۔ اگر تائی امی کو پتا چل گیا۔ وہ تو میری جان نکال لیں گی۔"

"ہونہہ......" وہ پھیکا سا مسکرایا۔

"جان نکال لینا اتنا آسان نہیں ہوتا اور میں اتنا کمزور نہیں ہوں جان نکلوانے کے لیے تمہیں تنہا چھوڑ دوں گا۔ بولو ساتھ دو گی ناں۔" اس نے پھر سے کہتے ہوئے اپنا ہاتھ اس کے سامنے پھیلایا تھا۔ اس نے لمحے کے لیے ہی سہی پر اپنا کانپتا نازک سا ہاتھ اس کی مضبوط چوڑی ہتھیلی پر رکھا۔ اس نے اپنا ہاتھ مضبوطی سے اس کے کانپتے ہاتھ پر رکھ کر یقین دلایا تھا۔

"میں راستے میں کبھی چھوڑوں گا نہیں۔" لائبہ کی گہری جھیل سی آنکھوں سے ڈھیر سا پانی بہہ گیا۔

وہ اس دن سے آنسو چھلکا رہی تھی اور آج دروازے پر کھڑی بھی۔ اس دن تو اس نے آنسو چن لیے تھے مگر آج وہ اپنی آنکھیں بند کیے تیزی سے گزر گیا تھا۔ وہ اسے روکنا چاہتی تھی۔ کوئی آس کوئی امید کا جگنو تھامنا چاہتی تھی مگر آج بھی اس میں ہمت نہ تھی۔ شروع سے ڈرپوک، دبو، ننھی چڑیا یا کبوتر کی طرح ڈری سہمی وہ اکثر سوچتی تھی کہ وہ اپنی بہنوں سے مختلف کیوں ہے۔ خاص کر عیشم سے اور جب عیشم کو امی کے ساتھ پُراعتماد لہجے میں عداس کو ڈسکس کرتے دیکھتی یا تائی امی سے ترکی بہ ترکی بحث کرتا دیکھتی تو تحیر سے اس کی آنکھیں پھیل جاتیں۔ کتنی بار ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"عیشم آپی...... آپ کو ڈر نہیں لگتا کیسے لڑلیتی ہیں؟"

"مائی ڈیئر...... ڈرتے وہ ہیں جنہوں نے قرضہ دینا ہو اور میں نے کسی کو کچھ نہیں دینا اور میری بات سنو۔" عیشم پوری طرح اس پر متوجہ تھی۔

"اس کے لیے بندے کو کم از کم خون خوار تو ہونا چاہیے۔" لائبہ حیران اور عیشم مسکرائی۔

"دراصل عداس مجھے بتارہا تھا، حسان کی آنکھوں میں جو عزم ہے وہ کسی صورت اپنے موقف سے ہٹے گا نہیں...... تو میری جان...... ہتھیار تائی امی ڈالیں گی۔ اسی لیے تم آج سے ہی اس عورت سے نمٹنے کی پریکٹس شروع کردو۔" وہ کہہ کر اپنی فائل میں پھر سے کھوگئی۔

حسان کے بارے میں عداس کی رائے سو فیصد درست ثابت ہوئی تھی۔ اس کے حواسوں پر پوری طرح لائبہ حاوی تھی۔ سالمہ کے ہاتھ جوڑ کر انکار کرنے پر وہ بہت ٹینشن میں وہاں سے اٹھا تھا۔ ساری رات اس نے کمرے اور ٹیرس پر ٹہلتے گزاری۔ جانے کس پل نیند آئی اور آڑھا ترچھا بیڈ پر آ گرا تھا۔

خاصے دن چڑھے وہ کسمسا کر اٹھا' ذہنی خلفشار' بے آرامی اور دل کی چبھن' اس کے سر میں اچھا خاصا درد تھا۔ بہت دیر شاور لینے کے بعد بھی وہ فریش نہیں ہوا تھا۔ اس کا دل چاہا تیز سی چائے پیئے اور یہی ہاجرہ سے کہا تھا۔ انہوں نے چائے تو ضرور بنادی مگر ساتھ ہی اپنی خواہشات کا باکس کھول لیا۔ وہ کل ہی کوئی رشتہ دیکھ کر آئیں تھیں اور دل تھا آج ہی بات پکی کر کے لڈو بانٹ دیں۔ حسان پہلے ہی الجھا ہوا تھا۔ اوپر سے ماں کی بے جا ضد' اس نے ہر طرح سے انہیں لائبہ کے لیے قائل کرنے کی کوشش کی۔ جب وہ ضد پر اتر آئیں تو وہ میز کو ٹھوکر مار کر گاڑی زن سے لے اڑا تھا۔ بہت سے حادثات کا موجد ذہنی بے آرامی ہے سو حادثہ ہو جانا ایک فطری بات تھی۔

❁ ❁ ❁

آج صبح سے ہی موسم قدرے بہتر تھا۔ لائبہ یونی اور سالمہ آفس۔ وہ اکیلے بور ہونے کے بجائے اپنے گرد شال لپیٹتی' چائے بنا کر ٹیرس پر آ گئی۔ کچھ ہی لمحوں بعد ہونے والی ڈور بیل پر اس نے نیچے جھانکا عداس اپنی گاڑی کے پاس کھڑا تھا۔ اس نے انٹرلاک کی چابی اوپر سے پھینکی وہ گیٹ کھول کر اندر آ گیا۔ نگہت نے کچھ چیزیں اور کپڑے بھجوائے تھے تاکہ عیشم سائز چیک کرلے وہ تمام سامان ٹیرس پر ہی لے آیا۔

"ہائے کیسی ہو؟"

"ایک دم فٹ تم سناؤ؟" عیشم نے چائے کا مگ ٹیبل پر رکھتے ہاتھ سینے پر باندھ لیے کندھوں سے نیچے تک آتے اس کے بھورے بال ہوا سے لہرا رہے تھے۔

"میرا کیا حال ہونا ہے' گھڑیاں بیتے نہیں بیت رہیں۔" اس نے مصنوعی خمار بھرے لہجے میں کہتے شاپرز ٹیبل پر رکھے اور اس کا مگ اٹھا کر چسکی لیتا دوبدو آ کھڑا ہوا۔ اس کی سراہتی نگاہیں اس کے سلکی بالوں پر تھیں۔

"انسان بنو۔" عیشم کے گھورنے پر اس نے زور سے قہقہہ لگایا۔

"یار اچھا بھلا لمبا چوڑا انسان ہوں تمہیں کیا کہہ رہا ہوں۔"

"تم کچھ کہہ بھی نہیں سکتے...... سمجھے اور یہ کیا لائے ہو۔" وہ اب ٹیبل کی طرف آئی تھی جہاں کچھ چیزیں تھیں۔

"امی نے کچھ چیزیں دیں ہیں چیک کرلو اور ہاں یہ دو سال بعد رخصتی والی کیا لاجک ہے' نکاح ہو جانے دو پھر میں نے دو ماہ بھی انتظار نہیں کرنا۔" شاپرز کا منہ کھولتے اس کے ہاتھ رکے' وہ سیدھی ہوئی اس کے سامنے کھڑی ہوگئی جہاں وہ گرل کو تھامے کھڑا اسے معنی خیز مسکراہٹ سے تک رہا تھا۔

"زیادہ پھیلنے کی ضرورت نہیں ہے' یہ نکاح بھی امی کے کہنے پر ہو رہا ہے ورنہ...... میں تو ابھی اس کے بھی حق میں نہیں تھی۔"

"کیوں؟ مجھ پر یا میرے ڈاکومنٹس پر شک ہے محترمہ کو۔"

"یہی سمجھ لو۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"ویسے بھی تم جانتے ہو ناں' میرا رزلٹ آنے والا ہے۔" اس کے حد درجہ تجاہل عارفانہ پر وہ کسی بلے کی طرح پنجے دکھاتا قدرے اس پر جھکا۔

"تم قتل ہو جاؤ گی میرے ہاتھوں۔"

"ہاہاہا ایک پولیس آفیسر اور وکیل کا قتل۔" اس کی کھلکھلاتی ہنسی میں عداس کا فلک شگاف قہقہہ شامل تھا۔

حسان کے رویے پر ہاجرہ کڑھتی چھت پر آئی تھی۔ عادتاً ادھر ادھر تکتے ان کے قہقہے پر چونکی۔ ٹیرس پر عداس اور عیشم کا بے طرح ہنسنا انہیں اندر تک چبھا تھا۔

"ہونہہ خاندان کے جس لڑکے کو دیکھو ان چٹی چمڑیوں پر ہی فریفتہ ہے ماں تو تھی سو تھی' بیٹیاں اس سے بھی دو

ہاتھ آگے۔“ ان کا بس نہ چلا وہ عیشم کو اٹھا کر باہر پھینک دیں۔ عداس کی جیسے ہی نظر ملی اس نے انہیں اشارتاً سلام کیا تھا۔ جواب تو کیا دینا تھا وہ دانت کچکچاتیں نتھنے پھلاتیں نیچے چلی گئیں۔ سالمہ اسی وقت آفس سے آرہی تھی رکشہ رکتے ہی ہاجرہ سمجھ گئیں۔

عیشم کو کچھ کہنا تو آبیل مجھے مار کے مترادف تھا۔ غالباً جتنی وہ دیدار دلیر اور منہ پھٹ تھی ایک سن کر چار سناتی تھی اس سے کہیں بہتر سالمہ پر بھڑاس نکال لیں۔ گلی محلے کا خیال کیے بنا انہیں بے بھاؤ کی سنا ڈالیں۔ سالمہ کو ان کا الزام کسی انی کی طرح گھپا تھا۔ آخر چند دن بعد عیشم اور عداس کا نکاح ہونے والا تھا۔ ان کے بہت برداشت کرنے کے باوجود بھی کچھ تلخی عداس پر نکل ہی گئی۔ انسان کے تحمل‘ برداشت‘ صبر کا بھی پیمانہ ہوتا ہے بالکل کسی برتن کا سے پیالے کی طرح مسلسل بھرنے سے آخر کبھی تو چھلک ہی جاتا ہے لیکن کتنی عجیب بات ہے یہ ہمیشہ یا تو اپنے سے کمزور پر چھلکتا ہے یا پھر اپنے بہت ہی پیارے پر‘ شاید ہمیں ان سے توقعات ہوتیں ہیں کہ وہ ہماری تلخی کا گھونٹ بھر کر ہمیں معتدل ہونے میں معاونت کریں گے اس دن بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ وہ ان کا تلخ اجنبی لہجہ نگل کر کچھ بھی کہے سنے بنا چلا گیا تھا۔ شاید اس کی اسی خاموشی پر سالمہ خود بھی ساری رات بے چین رہیں۔ اپنے الفاظ انداز کو بارہا سوچ کر کرب میں مبتلا تھیں۔ ایک دن پہلے حسان کو آنے سے منع کیا تھا اور آج عداس کو۔

”اف خدایا...... یہ دونوں لڑکے مجھ پر جان چھڑکتے ہیں اور صرف ایک عورت کی وجہ سے میں نے کیا سے کیا کہہ دیا مجھے ایسا نہیں کہنا چاہئے تھا اور عداس اس سے تو رشتہ جڑ رہا ہے‘ کیا سوچتا ہوگا۔ عیشم کی الگ فکر لاحق تھی‘ وہ دبا سا احتجاج کر کے اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ لائبہ یونی سے آئی گھر کا ماحول خاصا تنا ہوا لگا وہ کل حسان کی ہونے والی افزائی میں الجھی تھی اسی لیے کوئی باز پرس نہیں کی بلکہ خاموشی سے لیٹ گئی۔ سالمہ نے رات گئے ان کے کمروں میں جھانکا تھا۔ دونوں بے تابی سے بیڈ پر کسمسا رہی تھیں۔

عیشم شاید زندگی میں پہلی بار اتنا روئی تھی اسے دکھ تھا کہ امی آج بھی دوسروں کا غصہ خود پر یا ہم پر اتارتی ہیں کیوں؟ کیوں ڈرتی ہیں‘ مقابل کو جواب دینے سے‘ کاش ہمارے تعلق کے بارے میں ہی سوچ لیتیں۔ اس کے کسی التفات کو یاد کر لیتیں۔ کس کس وقت کام نہیں آیا تھا اور آج دوسروں کی لگائی بجھائی پر بے اعتبار ہوگیا۔“ اس نے بے دردی سے اپنے آنسو پونچھے تھے۔

......☆☆☆......

وہ اپنے کمرے میں جوں کا توں چت لیٹا چھت کو گھور رہا تھا۔ نگہت نے اس کے کہنے پر چائے لاکر رکھ دی تھی۔ چائے رکھی رکھی ٹھنڈی ہوگئی۔ مگر اسے پینے کا دھیان تک نہ آیا۔ اسے زندگی میں شاید ہی کبھی اتنی کم مائیگی کا احساس ہوا ہو جتنا آج ہوا تھا۔

”آخر ایسا کیا دیکھ لیا تھا ممانی ہاجرہ نے جو یوں بڑھا چڑھا کر سالمہ ممانی کو بھڑکا دیا۔ وہ تو مجھے اپنا بیٹا کہتیں تھیں اور آج کس طرح نکال باہر کھڑا کیا۔“ اس کی سوچوں کی تلاطم کو سیل کی بپ نے توڑا۔ چمکتی اسکرین پر چھوٹی ممانی کا نام لکھا تھا۔ رات کے دو بجے تھے اس وقت ان کا فون اس نے گھبرا کر فون اٹینڈ کیا۔

”ممانی جان خیریت...!“

”آئی ایم ویری سوری بیٹا۔“ انہوں نے چھٹتے ہی کہا۔

”یہ...... یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ‘ ممانی کیسی معذرت‘ کیوں مجھے شرمندہ کر رہی ہیں۔“

”شرمندہ تو بیٹا میں ہوں‘ تم سے۔ پتا نہیں مجھے کیوں اتنا غصہ آگیا‘ کیا اول فول بول گئی۔“

”آپ کو برا لگا۔ آپ نے کہہ دیا اٹس او کے ممانی۔“

”یہ تو تمہارا ظرف ہے عداس ورنہ میں کون ہوتی ہوں‘ تمہیں منع کرنے والی تم اس گھر کے داماد بننے جارہے ہو بیٹا۔“ انہوں نے تاسفانہ آہ بھرتے ہوئے کہا۔

”یہ طعنہ زنی سماعتوں کے ذریعے بدن میں ایسی آگ بھرتی ہے جو تمام صلاحیتیں مفقود کردیتی ہے‘ خواہ

انسان کتنا ہی منکسر مزاج ہو مگر چند پل کے لیے سہی دماغ کو مفلوج کر ہی دیتی ہیں۔ خاکستر بنا دیتی ہے نا چاہتے ہوئے بھی منہ سے انگارے ابل پڑتے ہیں۔ خار جھڑنے لگتے ہیں اور میری زبان پر بھی خار اگ آئے تھے میں واقعی بہت گلٹ محسوس کر رہی ہوں سوری اگین بیٹا۔"

"پلیز ممانی۔" ان کا پچھتاوا لیے لہجہ اسے پاؤں تک شرمسار کر گیا۔

"ممانی آپ بھی جیتی جاگتی انسان ہیں اور انسانوں کو غصہ آ جاتا ہے میرے نزدیک تو وہ لوگ اچھے ہوتے ہیں جو بروقت مناسب الفاظ میں اپنے جذبات کی ترجمانی کر دیں اور پلیز یہ اپنے دل پر لکھ لیں...... اے ایس پی عداس آپ کا داماد بعد میں، پہلے بیٹا ہے اور مائیں بیٹوں کو مارنے کا حق بھی رکھتیں ہیں۔" پھر اس نے بہت دیر ادھر ادھر کی باتیں کر کے کسی حد تک ان کا گلٹ ختم کر دیا تھا۔

رات لحہ لحہ بھٹکتی رہی تھی۔ سرد سا چاند اپنی منزل طے کرتا ہوا بادلوں میں گھلتا جا رہا تھا۔ کوئی وحشت کوئی اداسی، کوئی سناٹا سا تھا اس رات میں۔ دوسروں کی نیندیں چھین لینے والے خود کہاں سو سکتے تھے۔ یہ قانون فطرت ہے کسی کو رکھ دیا جائے تو کہیں پھانس آپ کے اندر بھی اترتی ضرور ہے۔ جہاں عیشم، عداس، سالمہ، لائبہ اور حسان کی آنکھیں دل سلگتے تھے وہاں ہاجرہ صحن میں جلے پاؤں کی بلی بنی گھوم رہی تھیں۔ کبھی سینہ پیٹتی کبھی ہوکے بھرتی۔ اس کی ہتھیلیاں گیلی ہو گئیں، شعیب الگ اندر باہر پریشانی سے پھرتے کسی پل سکون نہیں تھا۔ بار بار پوچھتے۔

"آخر ایسی کون سی قیامت آ گئی تھی کیا کہہ دیا تھا اسے...... کہاں چلا گیا۔"

"میں نے کیا کہنا ہے۔ آگے کبھی کچھ کہا میں نے ہائے...... بس ایک رشتے کا ہی بتایا تھا۔ نہیں کرنا نہ کرے، پر گھر تو آ جائے۔" رات کے دو بجے تھے اور وہ ابھی تک گھر نہیں لوٹا تھا۔ وہ تقریباً چار بجے کے قریب گھر سے خاصے غصے میں نکلا تھا۔ اس کا سیل مسلسل آف تھا۔ تمام دوستوں ملنے والوں سے پتا کیا وہ کہیں بھی نہ تھا۔ طرح طرح کے وہم ستانے لگے۔

"ہائے میرے اللہ...... کیا کروں، کہاں جاؤں، کہاں ڈھونڈوں اپنے لال کو۔ ان بدبختوں کی وجہ سے لڑتا ہے جانے کیا جادو کر دیا، کیا گھول کر پلا دیا، آپ کی بھانجی بھتیجیوں نے، انہی کی مالا جپتا ہے۔" ان کے ایک سانس میں بولنے پر پیشانی مسلتے شعیب یک لخت چلا اٹھے۔

"خدا کے واسطے اب چپ کر جاؤ، تم نے اپنی ضد میں بچہ گنوا دینا ہے۔"

"اللہ نہ کرے۔" ہاجرہ کے دل پر ہاتھ پڑا۔ "میرے بچے کو کیوں کچھ ہو۔"

❁......❁......❁......❁

اس دن سورج اپنی چاندنی سی کرنوں میں نہاتا بیدار ہوا تھا۔ اس رات جتنا چاند تھکا تھا سورج اتنا ہی تازہ دم تھا۔ سردیوں کا سورج نرم گرم دبیز شال میں لپٹا بدن کو راحت پہنچاتا اپنے ہونے کا اعلان کرتا۔ دھند کا بادل پھاڑ کر ہر سو نقرئی روشنی پھیلاتا۔ پورے گھر میں ایک ہڑبونگ مچی تھی۔

سالمہ کے میکے اور دوسرے عزیز جنہیں نکاح میں شرکت کرنا تھی تقریباً آ چکے تھے۔ نکاح کی چھوٹی سی تقریب قریبی ہوٹل میں رات آٹھ بجے تھی۔ ناشتے سے فارغ ہو کر سالمہ عیرہ کے ساتھ مل کر گھر سمیٹ رہی تھیں۔ لائبہ عادتاً کم گو ضرور تھی مگر ان دس پندرہ دن میں بالکل خاموش ہو کر رہ گئی۔ سالمہ نے محسوس کیا تھا وہ کھانا بھی واجبی سا کھاتی ہے۔ بات چیت پہلے سے بھی کم۔ یونی سے آئی اور کچھ ہی دیر بعد کمبل لیا لیٹ گئی۔ گھر میں شادی کا سماں اور عیرہ جس کے بیٹے کے ساتھ وہ خود بھی بچہ بن جاتی تھی لیکن آج کل اسے کسی چیز سے کوئی دلچسپی نہ رہی تھی۔

عیرہ نے محسوس کیا اور امی سے پوچھا مگر وہ ٹال گئیں۔

"پڑھائی کا برڈن ہے۔" وہ عیرہ کو تو ٹال سکتی تھیں مگر خود کو؟ وہ ماں تھیں بھلے وہ منہ سے کچھ نہ کہے مگر اس کی آنکھوں کے رنگ سمجھتیں تھیں۔ جس دن سے انہوں نے حسان کو ہاتھ جوڑ کر انکار کیا تھا وہ اسی دن سے گم صم تھی اور

حسان نے بھی تو اس دن کے بعد سے کوئی رابطہ نہیں کیا۔ نہ پلٹ کر دیکھا۔ یہاں تک کہ گھر میں نکاح کا فنکشن تھا کسی کام تک کا نہ پوچھا۔ وہ اتنا غیر ذمہ دار تھا تو نہیں۔ لائبہ کا شدت سے جی چاہتا تھا وہ اس سے بات کرے اپنے احساسات اپنی مجبوری بتائے مگر اس میں اتنا حوصلہ نہیں تھا۔ اب بھی بیڈ پر کمبل میں لپٹی بہت دیر سے لیٹی تھی۔ سالمہ نے قریب آکر کمبل سرکایا۔ آنکھوں پر بازو رکھے وہ چپ لیٹی رہی۔

"لائبہ تمہاری طبیعت ٹھیک ہے نا..... جانی؟" وہ اس کے قریب ہی بیٹھ گئیں۔ اس نے مرا سا "جی" کہا تھا تو سالمہ نے نرمی سے اس کی کلائی پکڑ کر ہٹائی۔ اس کی بھیگی پلکوں پر تارے لرز رہے تھے۔ وہ تاسف سے چند پل اسے دیکھتی رہیں پھر زبردستی اٹھایا اپنے ساتھ لپٹالیا۔

"لائبہ..... تم کیا سمجھتی ہو میں کچھ نہیں جانتی کچھ نہیں سمجھتی..... یا پھر بہت ظالم کٹھور ہوں۔ ایسا نہیں ہے میری جان؟" وہ اس کے ریشمی بالوں کو سہلاتیں رہیں۔

"بیٹا دل بہت نا سمجھ ہوتا ہے عجیب وغریب چیزیں مانگتا ہے فرمائشیں کرتا ہے بعض چیزیں تو ایسی ہوتی ہیں کہ اگر مل جائیں ساری زندگی سزا بن جاتی ہے وہ نادان دل پھر بھی انہیں پکارتا ہے۔ میری جان..... زندگی کے فیصلے دل سے نہیں دماغ سے کرنے پڑتے ہیں۔" انہوں نے لمبی آہ بھرتے اسے خود سے الگ کیا۔ اس کے آنسو صاف کیے۔

"بیٹا..... میری سمجھ میں جو آتا تھا وہ میں نے اس سے کہہ دیا مگر بیٹا اس بات پر یقین رکھنا اللہ نے جو چیز تمہارے لیے مختص کردی وہ صرف تمہارے لیے ہی ہے۔ بھلے سارا زمانہ اس کی مخالفت میں کھڑا ہو جائے لیکن اگر وہ چیز تمہارے لیے بنی ہی نہیں پھر میں کیا پوری دنیا بھی زور لگالے۔ وہ تم تک نہیں آئے گی یا پھر قریب آکر بھی ہاتھوں سے نکل جائے گی۔ جو لکھا ہے اٹل ہے وہ ہونا ہی ہے۔ ہاں اگر ہماری دعاؤں کی تاثیر بدل دے وہ الگ حقیقت ہے۔"

"امی..... میں نے تو آپ سے کچھ بھی نہیں کہا۔" اس کی روندھی آواز میں وحشت چھپی تھی۔

"اگر تم مجھ سے کچھ نہیں کہو گی تو کیا میں جان نہ سکوں گی....." انہوں نے انگلی کی پوروں سے اس کی تھوڑی اٹھائی۔ کتنے آنسو پلکوں کی باڑ توڑ کر رخساروں پر بہہ گئے۔

"لائبہ بیٹا حسان بہت اچھا ہے پڑھا لکھا برسر روزگار ذمہ دار۔ ہر کوئی ایسے داماد کی خواہش کرتا ہے مگر جانی جس گھر کے سربراہ اور خاص طور پر والدہ رشتے پر راضی نہ ہو صرف لڑکے کی خواہش پر تعلق جوڑنا..... بہت بڑی حماقت ہے بیٹا۔ ایسے گھر کچی شاخ پر بنے گھونسلے کی مانند ہوتے ہیں۔ یا تو لرزتے رہتے ہیں یا پھر آندھی طوفان میں ٹوٹ جاتے ہیں اور میں صرف حسان کے کہنے پر تمہیں کسی طوفان کے سپرد نہیں کرسکتی۔" وہ دونوں بانہیں ماں کے گلے میں ڈالے سسکنے لگی۔

"ارے جناب واہ....." عیشم نہا کر ابھی کمرے میں آئی تھی۔ لائبہ کے لاڈ دیکھ کر قدرے منہ پھلا کر بولی۔

"نکاح میرا ہو رہا ہے اور لپٹ کر اس محترمہ کے ساتھ رویا جا رہا ہے۔" اس کی برجستہ خفگی پر نہ صرف سالمہ الگ ہوتے ہوئے مسکرائیں بلکہ لائبہ کے لبوں پر بھی مسکراہٹ آن ٹھہری۔ وہ وہاں سے اٹھنے ہی لگی تھی مگر اس کے قدم نگہت پھوپو کی اچانک آمد پر ٹھٹکے۔ سالمہ کے منہ سے یک لخت نکلا۔

"باجی خیریت.....!" وہ حیران سی اٹھی تھیں۔ نکاح میں چند گھنٹے رہ گئے۔ اتنی مصروفیت میں کوئی کیسے گھر سے نکل سکتا ہے۔ وہ کچھ سمجھ نہ پائی تھی۔

"ہاں..... ہاں خیریت ہے..... اور اب حیرت سے منہ آنکھیں کھلی ہی رکھو گی یا بیٹھنے کا بھی کہو گی۔"

"جی..... جی بیٹھیں آپ۔" وہ قدرے سنبھلی۔ عداس بھی ان کے ساتھ تھا۔ سلام کے دوران نگاہ عیشم سے ٹکرائی تو ٹھہر ہی گئی۔ اجلی، نکھری عیشم اسے اپنے دل کے نہاں خانوں تک اترتی محسوس ہوئی تھی۔

"ارے کیا ہو گیا بیٹھ جاؤ تم بھی۔" انہوں نے سالمہ کو اپنے

ساتھ ہی بٹھالیا۔

"اور عداس تم بھی کوؤں کی طرح تانک جھانک چھوڑو بیٹھ جاؤ سیدھے ہوکر۔" ہنستے ہوئے دوسری سرزنش بیٹے کو کی تھی۔ جس پر وہ سٹپٹاتے ہوئے فوراً بیٹھ گیا۔

"باجی کیا بات ہے؟ پلیز کچھ بتائیں، میرا دل ہول رہا ہے۔"

"بہن دل بعد میں ہولاتی رہنا، فی الحال تو ایک کام آن پڑا ہے تم سے۔"

"جی..... کیسا کام؟" لفظی جملہ بمشکل ادا ہوا۔

"سالمہ انسان خطا کا پتلا ہے، غلطی کوتاہی اس کی فطرت میں گندھی ہے، ہوجاتی ہے۔ مگر انسانیت تو یہ ہے کہ وہ اپنی غلطی، کوتاہی کا اعتراف کرلے۔ ازالہ کرلے۔ معافی تلافی کرلے۔ اگر کوئی اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے آگے بڑھے تو اسے ٹھکرانا نہیں چاہیے۔ بلکہ تھام لینا چاہیے۔ یہی چیز معاشرت بتاتی ہے، یہی ہمارے رب کا پیغام ہے۔" ان کی لمبی چوڑی تمہید پر سالمہ کی نگاہیں مزید الجھیں۔

"دیکھو..... میں صاف بات کروں گی، سالمہ یہ عبدالوہاب کی بچیاں، ہماری نسل، ہمارا خون ہیں اور آج یہ پھر سے جھولی پھیلا رہی ہوں۔ ہمارا خون، انہیں ہی سونپ کر عبدالوہاب کے سامنے سرخرو کردو۔" انہیں اب بھی سمجھ نہیں آئی تھی، لیکن جب نگہت نے دروازے کی جانب پکارا۔

"اب آجاؤ تم بھی اندر یا باہر ہی دربان بنے رہو گے۔" نگہت کی آواز پر سب کی نظریں دروازے پر اٹھیں۔ ہاجرہ اور شعیب نگاہوں میں ندامت، چہروں پر پچھتاوے لیے آگے پیچھے اندر داخل ہوئے۔ شعیب کھڑے ہی تھے۔ مگر ہاجرہ سالمہ سے لپٹ گئیں۔

"مجھے معاف کردے سالمہ، میں بہت بری ہوں۔ بہت دل دکھایا تمہارا اگر خدا کے واسطے معاف کردے۔"

"بھابی کیسی باتیں کررہی ہیں۔" ہاجرہ کو اپنے قدموں کی طرف بڑھتا دیکھ کر سالمہ بوکھلا گئیں۔ البتہ عیشم کے دانتوں کی کچکچاہٹ اور چہرے کے زاویوں سے لگتا تھا اسے اس ڈرامے سے قطعاً کوئی دل چسپی نہیں۔ عداس نے اسے گھورا اور خاموش رہنے کا عندیہ دیا۔ لائبہ خاصی ہونق کھڑی تھی۔ جیسے کاٹو بدن میں لہو نہیں۔

"بھابی پلیز..... ایسے نہ کریں۔ کس بات کی معافی کیا..... کیا ہے آپ نے؟"

"کوئی ایک غلطی ہو تو بتاؤں، مجھے خود بھی معلوم نہیں، جانے کہاں کہاں، کس کس وقت تمہارا دل دکھایا، میری تم سے یا عبدالوہاب سے کوئی لڑائی نہیں تھی۔" وہ دوپٹے سے آنکھیں، ناک پونچھتی قریب ہی بیٹھ گئیں۔ "سالمہ جب سے تم گھر میں آئیں، مجھ سے زیادہ حسین، پڑھی لکھی، گھر سب کی حمایت تمہارے ساتھ، مجھ سے برداشت نہیں ہوتی تھی۔ جلن میں بہانے بہانے تمہارے نقص ڈھونڈتی رہی۔"

"تو خود کوشش کرتیں..... حسد نہیں۔" عیشم کی مدھم بڑبڑاہٹ پر عداس نے اس کا پاؤں اپنے پاؤں سے دبایا۔

"خدا کے واسطے تم تو چپ رہو۔"

"ہونہہ....." اس نے منہ دوسری جانب پھیرا۔ نگاہ ہونٹ کا کونہ دبائے کھڑی لائبہ پر رکی۔ جہاں امید و بیم کے جگنو ٹمٹمارہے تھے۔

"اللہ کرے میری بہن کی امید کبھی نہ ٹوٹے۔" اس نے دل سے دعا دی۔

"سالمہ میں تجھے نیچا دکھانے کی ضد میں خود نیچے گر رہی ہوں..... تو تھام لے۔"

"بدگوئی، کوتاہی کرتے ہم ہمیشہ بھول جاتے ہیں کہ کسی دن یہ احتساب میں ہمارے سامنے آ کھڑا ہوگا..... تو؟ بہت مشکل ہے اپنی غلطیوں کا اعتراف اور اس سے بھی مشکل اس کی معافی مانگنا۔" اس سارے عرصے میں شعیب بھائی پہلی بار بولے۔ اور ہاتھ جوڑتے ہوئے اس کے سامنے آئے۔ "مجھے معاف کردو سالمہ۔"

"بھائی جان کیوں شرمندہ کررہے ہیں آپ، خدا کے لیے ایسا مت کریں۔ میرا دل آپ لوگوں کے لیے کبھی

تنگ نہیں تھا۔" سالمہ کے کہنے کی دیر تھی کہ ہاجرہ بے صبری سے بولیں۔

"اگر تنگ نہیں ہے تو پھر ایک احسان کردے۔ لائبہ مجھے دے دے۔" سالمہ نے چونک کر ہاجرہ اور پھر سب کو دیکھا۔ وہ اس اچانک افتاد پر دنگ ہی رہ گئی تھیں۔ آخر کایا کیسے پلٹ گئی۔

"ہاں سالمہ...... لائبہ حسان کے لیے دے دے۔ وہ لائبہ جس پر تیرا عکس ہے۔ صبر کا محبت کا خلوص کا۔ اسے میری بیٹی بنادے۔ تاکہ میری بھی نسلیں سنور جائیں۔ دیکھ میں تیرے سامنے جھولی پھیلاتی ہوں۔" ان کی پتھرائی نگاہ سب سے ہوتی نگہت پر گئی۔ وہ آنکھوں سے ہاجرہ کی تائید کررہی تھی۔ لائبہ سن ہوکر رہ گئی۔ اسے اپنی سماعتوں پر یقین نہ تھا۔ دعائیں بن آواز کے بھی قبول ہوجاتی ہیں۔ وہ اپنے پروردگار کی قدرت پر حیران تھی۔ یک دم ایک انسان کا پلٹ جانا۔ عشیم گہری سوچ میں ڈوبی تھی۔ البتہ عداس زیرلب مسکرا رہا تھا۔ یہ اس کی کاوش کا ثمر تھا۔

یہ اسی رات کی بات تھی جب سالمہ ممانی نے عداس سے اپنے ناروا رویے کی معذرت کی تو وہ بہت دیر سوچتا رہا۔ وہ قدرے شرمندہ بھی تھا اور مطمئن بھی کہ اس کا اعتماد آج بھی بحال ہے۔ زندگی میں آنے والے لمحے سوچتے اس کی آنکھ بہت دیر سے لگی تھی۔ وہ اٹھا ہی بہت دیر سے تھا۔ اس نے تھانے سے چھٹی کرلی تھی اور آج نائٹ ڈیوٹی تھی۔ مگر وہ سرشام ہی تیار ہوکر تھانے پہنچ گیا۔ ایس ایچ او مختلف فائلز لے کر اسے سارے دن کی کارروائیاں سنا رہا تھا اور پھر بیٹھ کر ایک کیس کی تفصیل سناتے ہوئے کہنے لگا۔

"سر دیکھنے میں تو اچھے بھلے گھر کا معلوم ہوتا ہے مگر ابھی تک کسی سے رابطہ نہیں کیا۔ نہ کوئی پتا کرنے آیا۔"

"کون ہے بلاؤ اسے؟" عداس نے ریوالونگ چیئر پر جھولتے ہوئے کہا تھا۔ ایس ایچ او کی بانگ دہل آواز پر وہ ایک سپاہی کے ساتھ اندر آیا۔

"تم......!" اس کی آنکھیں پھیل گئیں پھر اس نے ایس ایچ او سے پوچھا تھا۔

"ایف آئی آر تو نہیں کاٹی؟" عداس کے استفسار پر ایس ایچ او نے نفی میں سر ہلاتے "نہیں سر" کہا تھا۔

"اچھا تم جاؤ......!" اس کے جاتے ہی وہ کیپ میز پر رکھ اس کے مقابل آ کھڑا ہوا تھا۔

"یہ...... یہ کیا حرکت کی۔ تمہارا دماغ خراب ہوگیا تھا؟" اس نے حسان کے شانے زور سے ہلائے۔ "یہ کون سا طریقہ ہے غصہ اتارنے کا۔ جو سامنے آئے گا اسے ماردو گے ہونہہ......"

"تم اپنی کارروائی کرو۔" اس نے بے زاریت سے اس کے ہاتھ اپنے شانوں سے ہٹائے۔

"کاروائی......! ہونہہ جانتے ہو یہ اقدام قتل ہے سزا معلوم ہے قاتلانہ حملے کی؟" اس کے استفسار پر وہ چڑ کر بولا تھا۔

"مجھے ہر سزا منظور ہے۔"

"شکر کرو وہ کوچوان مرا نہیں۔ ایف آئی آر نہیں کٹی۔ بڑے آئے ہر سزا منظور ہے۔" وہ قدرے توقف کے بعد حسان کو ڈپٹنے لگا تھا۔

"ایک فون نہیں کرسکتے تھے مجھے رات سے لاک اپ میں ہو؟"

"مجھے کسی سے رابطہ نہیں کرنا، تمہیں جو سزا دینی ہے دو۔ بھلے پھانسی پر چڑھادو۔ روز روز مرنے سے بہتر ہے ایک ہی بار مرجاؤں۔" وہ اپنے بال مٹھیوں میں جکڑتے چلایا تھا۔

"سزا دینا عدالت کا کام ہے میرا نہیں...... سمجھے۔" جواباً وہ اونچا چلایا۔ وہ پشت پر ہاتھ باندھے کچھ دیر ٹہلتا رہا اسے سمجھ نہیں آرہی تھی حسان کے ساتھ کیا کرے۔ کیسے سمجھائے۔ وہ دونوں نہ صرف کزنز تھے بلکہ بچپن کے بہترین دوست بھی تھے۔ شاید ہی کوئی بات ان میں ڈھکی چھپی ہو۔ اس کا حال دل وہ اچھی طرح جانتا تھا۔ مگر یہ حرکت وہ اپنا غصہ دباتے ہوئے قدرے نارمل ہوا اور قریب آتے دھیمے سے کہا تھا۔

"یار...... یہ کون سا طریقہ ہے اپنی بات منوانے کا' بے وقوف مت بنو۔ بیٹھو یہاں۔" اس کا بازو پکڑ کر کرسی پر بٹھایا اور ایک گلاس میں پانی انڈیل کر اس کی جانب کیا تھا۔

"پیو اسے...... یار یہ کوئی عقل مندی نہیں ہر کسی کے ساتھ مار پیٹ شروع کردی جائے۔ ہر مسئلے کا حل ہوتا ہے۔" وہ چند گھونٹ بھر کر پھر سے پیشانی رگڑنے لگا۔ عداس نے اس کے شانے پر مان بھرا ہاتھ رکھا۔

"میں ممانی سے خود بات کروں گا اور خدا کے لیے خود پر قابو رکھو۔" اس نے نا صرف اسے یقین دہانی کروائی بلکہ سارے معاملے کو خود ہینڈل کیا تھا۔ کوچوان سے معافی مانگی اور دے دلا کر معاملہ رفع دفع کیا اور اسے تھانے سے سیدھا اپنے گھر لے گیا تھا۔ نگہت کو پتا چلا وہ بہت پریشان ہوئیں۔ اسے پیار سے سمجھایا مگر اس کی ایک ہی بات تھی۔

عداس اگلی صبح ہی شعیب ماموں کی جانب گیا تھا۔ دونوں میاں بیوی بے حد پریشان تھے۔ وہ بھی انہیں بنا بتائے ایسے غائب نہیں ہوا تھا۔ ارد گرد کئی اسپتالوں میں پتا کیا۔ تھانے کا تو گمان بھی نہ تھا۔ مگر جب عداس نے بتایا۔

"وہ لاک اپ میں ہے۔" ماموں کے قدموں تلے زمین کانپ گئی۔

"کک...... کیا...... کیا کردیا میرے بچے نے۔"

"وہاں جانے کے لیے کیا کرنا پڑتا ہے ممانی؟ ظاہر ہے جرم کیا ہے قتل کرنے کی کوشش کی ہے اس نے۔"

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔" ہاجرہ کی زبان یہ سنتے ہی تالو سے چپک گئی اور شعیب بمشکل کہہ پائے۔

"وہ ایسا نہیں ہے بھلا کسی کو کیوں قتل کرنے لگا۔ الزام لگایا ہوگا کسی نے' جھوٹ بولا ہوگا۔"

"ماموں جان...... کوئی جھوٹ' کوئی الزام نہیں لگا۔ موقع واردات پر پکڑا گیا ہے۔ اقبال جرم بھی کررہا ہے۔ وہ تو پھانسی پر چڑھنے کو تیار ہے اور یہی چاہتے تھے نا آپ لوگ...... اب پلیز روئیں نہیں انتظار کریں۔ اسے کب اور کتنی سزا ہوتی ہے۔" وہ یک لخت کھڑا ہوا تھا۔

"عداس میرے بچے یہ کیا کہہ رہے ہو تم' ہم کیوں اپنے بیٹے کا برا چاہیں گے۔" ہاجرہ روتے ہوئے اس کے ساتھ ہی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"تم تو اسے جانتے ہو وہ ایسا نہیں ہے' غصہ آ گیا ہوگا' اور بس۔"

"اور بس ممانی!" وہ تعجب سے پھٹ پڑا۔

"کسی کی جان چلی جاتی اور آپ کے نزدیک اور بس۔"

"اچھا مان لیا اس سے غلطی ہوگئی۔ تو کیا تم اس کے لیے کچھ نہیں کرسکتے' تمہارے اختیارات......"

"ممانی جی' میں اگر اختیارات استعمال بھی کرلوں تو زیادہ سے زیادہ کیا ہوگا۔ وہ باہر آجائے گا۔ مگر کل پھر غصے میں کسی کو پکڑ کر سر پھاڑ دے گا۔ جان سے مار دے گا۔ میں کہاں تک بچاؤں گا اسے۔" وہ کچھ توقف کے بعد بولا تھا۔ "نہ آپ نے اس کی بات مانی ہے' نہ اس کا غصہ کم ہوگا۔"

"کون سی بات' کیسی بات' اس نے تو کچھ بھی نہیں کہا......؟" ہاجرہ ایک سانس میں کہہ رہی تھی۔

"لائبہ والی...... کیا آپ نہیں جانتی وہ کیا چاہتا ہے؟" اس نے لحمہ بھر سوالیہ بھنوئیں اچکائیں اور پھر رکا نہیں اور وہ ہاتھ ملتی اور منہ دانت تلے آئے' کڑوے بادام سا بنا تی رہ گئیں۔ غالباً انہوں نے حسان کے سب ملنے والوں سے اس کا پتا کیا تھا سوائے عداس کے۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ کسی کو معلوم ہو وہ گھر سے اور خاص کر ان سے جھگڑا کر کے نکلا ہے۔ مگر اب تو سارا پانسہ ہی پلٹ گیا۔ جن سے چھپایا انہیں سب خبر۔

وہ اندر سے شرمندہ اور حسان سے بھی ناراض ہوئیں۔ پانچ دن گزر گئے تھے۔ ہاجرہ شعیب نے عداس کی بہت منتیں کیں۔ ہماری ملاقات کروادے مگر اس نے ایک ہی جواب دیا۔ ریمانڈ سے پہلے ملاقات کی اجازت نہیں۔ ریمانڈ کا سنتے ہی وہ دونوں اندر تک لرز گئے۔ عداس نے بھی موقع سے فائدہ اٹھا کر خوب جسمانی تشدد سے ڈرایا تھا۔ اگلے دن رات کو نگہت آگئیں۔ گھر میں قبرستان کا سا

سناٹا تھا۔ ہاجرہ کا رو رو کر برا حال تھا۔ شعیب الگ پریشان تھے۔ نکہت کا جی برا ہوا۔ ایک بار جی میں آیا۔ بتادے کہ وہ ہمارے گھر پر ہے مگر عداس نے سختی سے منع کیا تھا بتانے سے۔ پردہ پوشی ضروری تھی۔ اس لیے کچھ تسلی دی۔

"دیکھو بھائی پریشان مت ہو وہ وہاں خیریت سے ہوگا اور عداس کوشش کررہا ہے۔ بہت جلد وہ باہر آجائے گا۔ مگر آپ خود سوچیں اگر اس کی ضد پوری نہ کی تو پھر کل کلاں کوئی بڑا نقصان کرلیا۔ کسی کو ماردیا یا پھر اللہ نہ کرے اپنی ہی جان کو نقصان پہنچایا۔ پھر کیا ہوگا؟"

"اللہ نہ کرے نکہت۔" ہاجرہ کے منہ سے دہل کر نکلا۔

"بھابی میں بھی یہی چاہتی ہوں' اللہ نہ کرے وہ ایسا کرے اور لائبہ میں ایسی بھی کیا برائی ہے جو آپ اپنے بیٹے کی جان' مستقبل داؤ پر لگا رہی ہیں۔ اس معصوم کے منہ میں تو زبان بھی نہیں۔ چار سال کی تو تھی بے چاری یتیم ہوگئی۔ اس نے کیا کسی کو کہنا ہے۔ ویسے بھی خوش شکل' پڑھی لکھی' آپ کی نظروں کے سامنے پلی بڑھی' خوامخواہ جوان بیٹے سے ضد باندھ لی آپ نے۔ حسان صرف اپنی مرضی کی شادی کرنا چاہ رہا ہے تو کوئی گناہ تو نہیں کررہا۔ بالفرض آپ اپنی ضد پوری کرکے کوئی اور لے بھی آئیں۔ پھر اس نے نہ بسائی تو......؟" وہ کچھ توقف کے بعد ٹھنڈی سانس بھر کر بولیں۔

"ضد کو اتنا آگے نہیں لے جانا چاہیے' کہ جہاں صرف پچھتاوے آپ کی منزل رہ جائیں۔" وہ بہت دیر ان کو سمجھانے کے بعد اپنے گھر چلی آئی تھی۔

ہاجرہ نے ہر پہلو کو بہت سوچا تھا۔ دل راضی نہ ہوتا مگر جب حسان کے جنون کو سوچتیں تو قدموں تلے زمین سرکتی محسوس ہوتی۔ چھوٹے دونوں بیٹے تو تھے ہی بدزبان' جھگڑالو۔ ایک یہی فرمان بردار ہے۔ کبھی کسی سے شکایت نہیں کی۔ اب صرف ان کی ایک بے جا ضد سے کہیں وہ کچھ کر نہ لے۔ "نہیں...... نہیں" اس سے آگے سوچتے ہوئے ان کا ہاتھ دل پر پڑتا تھا۔ انہوں نے نکہت کو شعیب کے مشورے سے فون کیا تھا۔

"نکہت' مجھے تو سالمہ سے بات کرتے شرم آتی ہے' تم اور عداس ہمارے ساتھ چلو اور ہاں عداس سے کہو جلدی سے حسان کی رہائی کا بندوبست کرے۔"

"ہاں بھابی کیوں نہیں اور سالمہ سے شرم کیسی۔" پھر کچھ سوچ کر کہنے لگیں۔

"بھابی...... رشتے اور تعلق داری میں اتنی گنجائش' اتنی بلندی ضرور رکھنی چاہیے کہ آپ کی فرمائش مقابل کی خواہش بن جائے اور کبھی بات کرتے یا پہل کرتے شرم ساری نہ ہو۔ خیر......" انہوں نے پھر کہا۔ "میں چلوں گی آپ کے ساتھ۔"

سالمہ کا ظرف شروع سے بلند تھا اور یہ معاملہ ان کی اپنی بیٹی کی طرف سے بھی قدرے کمزور ہی تھا۔ انہوں نے فیصلہ کرنے میں زیادہ تردد نہیں کیا۔ بلکہ عبیرہ کی لائی چائے اور مٹھائی سے سب کا منہ باخوشی میٹھا کروایا تھا۔

٭......٭......٭

ہوٹل کا بڑا سا ہال برقی قمقموں سے جگمگا رہا تھا۔ عداس کے پہلو میں سجی سنوری بیٹھی مسکراتی عیشم بہت مطمئن تھی۔ ہاجرہ نے لائبہ کی انگلی میں حسان کی نام کی انگوٹھی پہنا کر اس کے لبوں پر مسکان بکھیر دی۔ دل میں آئی خود ساختہ خلش مٹنے سے اس بار بہت محبت تھی جو اس وقت ہاجرہ کے چہرے پر عیاں تھی۔ حسان کی زندگی میں اس سے سکون آور پر کیف کوئی منظر نہ تھا۔

اللہ اکبر

عالیہ توصیف

ہم نے اپنا مزاج بنالیا ہے دوسروں پر نظر رکھنے، تنقید کرنے اور ہر انسان کی کوئی نہ کوئی خامی تلاش اور اس کو بیان کرکے دلی تسلی حاصل کرنے کا، شاید ہم یہ کرکے خود کو سکون کی نیند سلانا چاہتے ہیں کہ تم میں کوئی خامی، کوئی برائی نہیں، ایک اور بات جو ہم سب میں بدرجہ اتم موجود ہے وہ بہت جلد دوسرے کے بارے میں رائے قائم کرنا اور کسی بھی معاملے کی چھان بین کیے بغیر کوئی حتمی فیصلہ قائم کرنا، اللہ جنت نصیب کرے بابا جی کو جن کی صحبت والد صاحب بھی اختیار کرتے تھے اور ان کی اچھی باتوں سے فیض اٹھانے کے لیے مجھے بھی اپنے ساتھ اکثر لے جایا کرتے تھے۔ ان کی بیٹھک میں ہمیشہ لوگوں کا مجمع رہتا تھا اور ان کے گھر کے چولہے پر ہمیشہ آنے جانے والے مہمانوں کے لیے چائے چڑھی ہوتی تھی۔ بابا جی کی زبان پر ہر وقت اللہ اکبر کا ورد رہتا۔ ان سے کوئی بات کا آغاز کرے یا کوئی اختتام ان کی زبان سے ہمیشہ اللہ اکبر نکلتا تھا، ایک بار میں کم سنی میں ان سے سوال کر بیٹھا کہ بابا جی آپ ہر وقت اللہ اکبر کیوں کہتے ہیں، جس پر ساتھ بیٹھے ابا نے مجھے بازو سے ہلکا سا دبا کر خاموش رہنے اور ادب کو ملحوظ رکھنے کی تاکید کی مگر میرے اس سوال پر نہ انہیں غصہ آیا، نہ ہی ان کے ماتھے پر شکن آئی، غصہ اللہ والے لوگوں کا شیوہ نہیں ہوتا بلکہ غصہ تو کسی کو بھی اپنا شیوہ نہیں بنانا چاہیے، غصہ عقل کو کھا جاتا ہے اور عقل سے خالی دماغ بدگمانی، وہم، وسوسے سب کو اپنے اوپر حاوی ہونے کی گویا کھلم کھلا اجازت دے دیتا ہے، عقل سے عاری انسان سے پھر ہر اس بات کی توقع کی جاسکتی ہے جس کی ہمارا مذہب اجازت نہیں دیتا۔ تو میں بات کر رہا تھا بابا جی کی، بابا جی نے بہت نرمی، محبت اور شفقت سے میری طرف دیکھا اور پھر بولے۔

"دیکھ پت...... اللہ اکبر۔ مطلب ہے اللہ سب سے بڑا ہے۔ جب کوئی نہیں ہوتا تو صرف اللہ ہوتا ہے، اللہ پاک اپنے بندوں کے لیے ہر وقت ہوتا ہے، مشکل میں، پریشانی میں اللہ دیکھتا ہے اپنے بندوں کی طرف کہ وہ مجھ سے رجوع کریں...... اللہ اپنے بندوں کو کبھی اکیلا نہیں چھوڑتا اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ اکبر۔" انہوں نے پھر اپنی بات کا اختتام اللہ اکبر پر کیا۔ ان کی اس شفقت سے میری ہمت بڑھی اور میں ایک سوال اور کر بیٹھا۔

"پھر تو بابا جی...... ہمیں ہر حال میں اللہ سے رجوع کرنا چاہیے؟"

"ہاں بیٹا کیوں نہیں جب خود کو اکیلا سمجھو، خود کو بے یارو مددگار پاؤ تو بس اللہ کی طرف بڑھو وہی ہے جو مشکل کشا ہے' وہی ہے جو عزت دیتا ہے وہی ہے جو ذلت دیتا ہے۔ اللہ اکبر۔" ان کی ان باتوں سے جیسے میرے دل پر اثر ہوتا میرا دل چاہتا کہ میں ان کی صحبت میں بیٹھا رہوں اور دینی، اخلاقی علم سیکھتا رہوں، انہوں نے یہ بھی بتایا کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ انہوں نے گویا صحیح معنوں میں مجھے اچھا سوچنے اچھا عمل کرنے اور اچھا برتاؤ کرنے کی تعلیم دے کر ایک اچھا انسان بننے میں بھرپور مدد کی،

میں نے ان کی تعلیمات کے زیر سایہ رہ کر یہ بات گرہ سے باندھ لی کہ کسی کے بارے میں قبل از وقت رائے قائم نہیں کرنی، کسی بھی معاملے میں جلد بازی اختیار نہیں کرنی۔ ہم اپنی زندگیوں میں بہت سے ناقابل تلافی نقصان اپنی جلد باز فطرت اور جذباتی پن کی وجہ سے اٹھاتے ہیں اور پھر پچھتاوے کیا ہوت بن جاتے ہیں، تو ہم پہلے ہی کیوں نہ صبر سے حوصلے سے چلنے کو اپنا شعار بنائیں۔ وقت گزرتا رہا وقت کے ساتھ اور بڑھتی عمر کے ساتھ میرے تجربات بھی بڑھتے گئے، اپنے تجربات، مشاہدات کی روشنی میں، میں نے اپنے اور گرد بہت سے گھر ٹوٹتے، بہت سے دل ٹوٹتے، بہت سے مان ٹوٹتے اور بہت سے ارمان اعتماد ٹوٹتے دیکھے صرف ان وجوہات کی بنا پر جن کو ہم نے اپنے مزاج کا حصہ بنالیا ہے، میں نے اپنے بہن، بھائیوں اور کزن وغیرہ کو بھی ان تعلیمات سے نوازہ جن کو میں نے سیکھا، میری کوشش ہوتی کہ جس محفل میں بیٹھوں وہاں کوئی مثبت اثر چھوڑ کر اٹھوں۔ یونیورسٹی کا پہلا ہفتہ تھا، پہلے دو تین دن طالبات پورے نہیں تھے اور نہ ہی کلاس معمول پر ہو رہی تھی پروفیسر آتے اور بس تعارفی کلاس لے کر چلے جاتے، جس بھی مضمون کا جو بھی استاد آتا مجھے اپنے آس پاس چہ مگوئیوں کی آوازیں بھی آتیں، یہ استاد بہت سخت لگ رہے ہیں، ارے یہ استاد تو بس فارغ ہی لگ رہے تھے، یہ استاد تو کافی مزاحیہ سے لگے اور بہت کچھ۔ اسی طرح ہر نئے طالب علم کے کلاس میں وارد ہوتے ہی پہلے سے بن جانے والے گروپ اس نئے آنے والے کے بارے میں رائے قائم کرتے نظر آتے اور مجھے ایک کوفت گھیر لیتی کیوں لوگ اتنی جلدی کرتے ہیں رائے قائم کرنے میں، کیا ان لوگوں نے اسے پرکھا، اس کے ساتھ لین دین کا معاملہ اختیار کیا، اس کے ساتھ کوئی سفر کیا نہیں تو پھر ایک نظر دیکھ کر یہ لوگ کیسے اس پر اچھے، برے، سیدھے یا چالاک ہونے کا اشتہار لگا دیتے ہیں۔ کلاس میں وارد ہونے والے عجیب سے حلیہ بنائے رکھنے والے بہت ہی خاموش طبع طالب علم کو سب نے ہی تنقید کا نشانہ بنایا کسی نے اسے مشکوک کہا، کسی نے اسے کچھ اور کسی نے کچھ، دوسری جانب خوش گفتار، مسکراتی آنکھوں والا طالب علم سب کی گویا جان بن گیا ہو۔ استادوں کا بھی چہیتا اور جب کسی طالب علم پر کسی استاد اور کبھی تمام استادوں کی نظر کرم ہو تو چاہے وہ اندر سے کتنا ہی برا مشکوک کیوں نہ ہو کلاس کا ہر طالب علم اسی کے گن گاتا نظر آئے گا۔ میرا دل کرتا تھا کہ میں اس مشکوک طالب علم سے دوستی بڑھاؤں مگر مجھے بھی شاید میرے اندر کا شیطان روک لیتا یہ سب کرنے سے کہ جب سب کہہ رہے ہیں یہ ایسا

ہے یہ ویسا تو کچھ نہ کچھ صداقت تو ہوتی ہے تبھی لوگ کسی کے بارے میں ایسا کہتے ہیں نہ...... ہمارا تیسرا سیمسٹر شروع ہوگیا تھا وہ سب کا نور نظر بن گیا تھا اور وہ مشکوک سا سب کی نظروں میں اور مشکوک بن گیا تھا۔ اکثر ہی سب اس سے بدگمان نظر آتے۔ میرا دل کرتا میں سب سے چیخ چیخ کر کہوں بدگمانی سے پرہیز کرو اسے منع فرمایا گیا ہے کہ بعض گمان کفر ہیں۔ یہ چوتھا سیمسٹر تھا اور چھٹا دن تھا جب پروفیسر کاظمی جو غصے کے تیز مشہور تھے، اپنے جلال کے ساتھ سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ کلاس میں داخل ہوئے اور داخل ہوتے ہی مشکوک طالب علم کو اس کے بستے سمیت تقریباً گھسیٹتے ہوئے اپنی ڈیسک کے پاس لے آئے اور ترش لہجے میں اس سے اپنی بنائی جانے والی نئی ڈیوائس کا پوچھنے لگے جو انہوں نے کلاس کے کونے میں ایک دن پہلے سیٹ کر کے رکھی تھی اور طالب علموں کے لیے استعمال ہونی تھی، جس کی مالیت اور ٹیکنالوجی میں اس کی اہمیت بھی انہوں نے اس ڈیوائس کو سیٹ کرتے ہوئے سب کو بتائی تھی۔

''تم شکل سے ہی چور لگتے ہو بتاؤ کس گروہ سے تعلق ہے میں نے پولیس کو بھی بلوا لیا ہے، میرے پورے پی ایچ ڈی کا نچوڑ تھی وہ ڈیوائس میرا اور ادارے کا لاکھوں روپیہ لگا تھا اس پر سوائے تمہارے اور کوئی یہ حرکت نہیں کر سکتا، تم مجھ سے پہلے تو اپنی اس حرکت پر سب کے سامنے معافی مانگو اور پھر وہ ڈیوائس نکال کر دو، جہاں بھی بیچی ہے جس کو بھی بیچی ہے ورنہ پیسے دو۔'' سر کا غصہ ختم ہونے میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنی صفائی میں کچھ کہتا، وہ خاموشی کی مجسم تصویر بنا سر کا غصہ سہتا رہا کہ شاید اس کی تعلیم اور تربیت نے اسے بڑوں سے ادب ہی سکھایا تھا۔ سر کچھ لمحے رکے تو اس نے اپنی صفائی دینے کی کوشش کی مگر وہ بے سود رہی۔ سر اس کا بیگ اس کے کندھے سے اتروانے کی کوشش کرنے لگے کہ اپنے بیگ کی تلاشی دو جس سے اس نے انکار کر دیا۔ کلاس میں موجود کچھ طالب علموں نے اس بات کی گواہی دی کہ انہوں نے اس کو چھٹی ہو جانے کے بعد خالی کلاس سے نکلتے دیکھا تھا، یہ گواہی اس کو مجرم ثابت کرنے کا پیش خیمہ بنی اور اس کی پوزیشن کو مزید کمزور کر گئی۔ سر کے دوبارہ بیگ چیک کرن کے اصرار پر اس نے دوبارہ نفی کی اور اپنے بیگ کو خود سے ایسے لپٹا لیا جیسے اس میں واقعی کوئی خزانہ ہو۔ سب کی نظریں اس پر مرکوز تھیں۔ اس نے آسمان کی طرف گردن اٹھائی اس کے لب ہلے ''اللہ اکبر'' میں نے اس کے ہونٹوں کی جنبش پڑھ لی۔ میرے دل سے بھی اس کے لیے بے اختیار نکلا ''اللہ اکبر'' سر نے زبردستی اس کا بیگ چھین لیا، اسے کھولنے لگے تو کلاس میں اسٹاف مینیجر ہاتھ میں وہ چھوٹی سی ڈیوائس لیے داخل ہوئیں۔

''سر یہ آپ کی ڈیوائس اس ڈیپارٹمنٹ کی صفائی کرنے والے سے دوران صفائی ڈیوائس اپنی جگہ سے ہل جانے پر اس نے اسے درست کرنے کی کوشش میں گرا کر توڑی اور مصیبت بڑھا لی۔ اسی لمحے چوکیدار کلاس کو تالا لگانے آیا تو یہ مصیبت دیکھ کر دونوں نے اپنی دوستی کا ثبوت دیتے ہوئے اس کو مرمت کے لیے اپنے کسی جاننے والے کی طرف بھیج دیا اور آج اسے اپنے تمام عمل کے اعتراف کے بعد اسٹاف روم میں جمع کرانے آئے، مزید یہ بھی کہا کہ آپ کے غصے سے ڈرتے تھے اس لیے آپ کے پاس نہیں آئے پلیز انہیں کچھ مت کہیے گا، اپنی ڈیوائس کو چیک کر لیں، میں چلتی ہوں۔'' پروفیسر صاحب کا ہاتھ طالب عم کے بیگ پر کمزور پڑ گیا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اپنی جلد بازی، اپنے غصے کے سبب اپنے دل میں بدگمانی پیدا کر کے، اللہ کے بندے پر اپنا اختیار دکھانے پر اس سے سب کے سامنے معافی

مریم راجپوت

السلام علیکم! آنچل ریڈرز کیسے ہیں آپ؟ میرا نام مریم راجپوت ہے، ضلع پنجاب میں رہتی ہوں تعلیم گریجویشن ہے۔ سب لوگوں کی طرح مجھے بھی مخلص لوگ اچھے لگتے ہیں۔ میں تعلیم پر نہیں بلکہ انسان کی اچھائی پر یقین رکھتی ہوں۔ فلم ایکٹر میں ارجن رامپال بہت پسند ہے، ایکٹریس میں پریتی زنٹا، رانی مکھرجی اور کترینہ کیف پسند ہے، اچھی لکھائی میری کمزوری ہے۔ موسم سردیوں کا اچھا لگتا ہے، لمبی لمبی راتیں، خاموشی، وقت ہی وقت۔ اب بات ہوجائے فیشن کی...... فیشن کریں مگر پردے میں رہ کر یہ ہمارا اصول ہے۔ اس لیے لباس اور جیولری میں سب کچھ پسند ہے۔ چوڑیاں اور انگوٹھی میری پسندیدہ ہیں، میک اپ کاجل اور لپ اسٹک پسند ہے۔ کھانوں میں سب چیزیں پسند ہیں۔ پھل بے حد پسند ہیں، خوب مزے لے کر کھاتی ہوں۔ رائٹرز کی بات کریں تو عفت سحر طاہر سب سے زیادہ پسند ہیں ان کا انداز تحریر بہت پختہ ہے۔ متانت اور نغمگی ہوتی ہے ان کی تحریروں میں، کہیں بھی تحریر کمزور نہیں پڑتی پھر اقراء صغیر اور ڈاکٹر تنویر اور طلعت نظامی وغیرہ، راحت وفا بھی اچھا لکھتی ہیں۔ آنچل دوسرے ڈائجسٹوں سے اس لیے مختلف لگتا ہے کیونکہ اس نے مختلف شہروں میں رہنے والوں کو مختلف انداز فکر رکھنے والے لوگوں کو ایک لڑی میں پرو دیا ہے۔ مثلاً ہمارا آنچل، در جواب آں" اور "دوست کے نام پیغام آئے" کے ذریعے۔ آنچل کی یہ بات مجھے بہت پیاری معلوم ہوتی ہے کہ اس نے آنچل سے تعلق رکھنے والوں کو دوستی جیسے مقدس رشتے میں باندھ دیا ہے۔ پھولوں میں گلاب اور ٹیولپس بہت پسند ہیں اور ہاں یاد آیا میرا اسٹار دلو ہے، سالگرہ 12 فروری کو ہوتی ہے، ٹھیک ہے نور پتا چل گیا اب تمہیں، آپ کو میرا انداز بیاں اور تعارف کیسا لگا ضرور رائے دیجیے گا، اللہ حافظ۔

مانگتے مگر معافی وہ کام ہے جو ہر ایک کے بس کی بات نہیں، بے شک معافی مانگنے والا بڑا ہوتا ہے۔

پروفیسر صاحب کلاس سے جاچکے تھے طالبعلم بھی ایک ایک کرکے آہستہ آہستہ شرمندہ شرمندہ سے کلاس سے نکل رہے تھے۔ وہ وہاں بت بنا کھڑا تھا۔ میں خود بھی شرمندہ تھا۔ میں اس کے پاس گیا۔

"جب تم بے قصور تھے اور تمہارے بیگ میں چوری کا کچھ نہیں تھا تو تم نے پروفیسر کو بیگ چیک کرانے سے انکار کیوں کیا؟" اس نے میری طرف خالی نظروں سے دیکھا، ہلکا سا مسکرایا۔

"اللہ اکبر۔" ہونٹوں کو جنبش دی۔

"کیونکہ اللہ سب سے بڑا ہے۔ میرے ساتھ میرا اللہ ہے جس کے ساتھ اللہ ہو وہ اللہ کے سوا بندوں کو کیوں اپنی صفائی پیش کرے کیوں لوگوں کو یہ بول بول کر یقین دلائے کہ میں پاک ہوں، میں صاف ہوں، میں اللہ کا اچھا بندہ ہوں۔ میں ایک اچھا انسان ہوں یہ میں جانتا ہوں اور میرا اللہ جانتا ہے، پھر کسی جذباتی انسان کے لیے میں اپنے اللہ کو بھول کر اس سے التجا کیوں کروں کہ مجھے سچا مانو؟ اللہ دلوں کے حال جانتا ہے، اللہ اپنی مخلوق کا پردہ رکھنے والا ہے، میں اپنا بیگ چیک کرادیتا تو میری غربت، فقیری، بے بسی، لاچارگی کا پردہ چاک ہوجاتا، بیگ چیک نہیں کروا رہا تھا تو مجرم بن رہا تھا، تو اللہ کو پکارا اور اللہ کسی پکارنے والے کو مایوس نہیں کرتا، چلتا ہوں بھائی۔" وہ کلاس سے باہر نکل گیا، میرے لیے بہت سے سوال، بہت سے جواب چھوڑ کر، میرے ہونٹوں نے جنبش کی "بے شک اللہ اکبر"

لمحہ احتساب

افشاں علی

وہ حیرت اور صدمے کے ملے جلے تاثرات لیے کچھ دیر پہلے سنی جانے والی بات پر شاکڈ سی اسے دیکھے گئی۔ جس کے معصوم ذہن و ننھے سے لبوں سے وہ سوال ادا ہوا تھا۔ اس نے جو سنا وہ حقیقت تھا یا کسی فلم کا ڈائیلاگ وہ تجزیہ نہ کر پائی' وہ حیران پریشان سی آس پاس موجود ان سب کو دیکھتی رہی جن کی عمریں لگ بھگ ۱۱ سے ۱۵ سال کے درمیان کی تھیں پر ان کے ذہن تو...... اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ ان پر غصہ کرے' چلائے' ڈانٹے' روکے' ٹوکے' سمجھائے یا ان کے سوال کا جواب دے۔ وہ اپنی ہی اندرونی کیفیت سے انجان تھی۔ کچھ دیر پہلے کیے جانے والے سوال کو سن کر اسے لگا جیسے کوئی آہنی ہتھوڑا اس کے ذہن پر آن گرا ہو۔ سوال کی بازگشت ہر طرف گونج رہی تھی۔ کچھ دیر پہلے تک تو سب معمول پر تھا وہ اپنی کلاس لے رہی تھی اور اسٹوڈنٹس کی ٹیسٹ کاپیاں چیک کر رہی تھی اسی دوران گیارہ سالہ ایمن نے اپنا ہاتھ اوپر اٹھایا۔

''مس کیا میں ایک سوال پوچھوں؟'' اس نے اثبات میں سر ہلا کر ایمن کو سوال کرنے کی اجازت دی پر وہ انجان تھی کہ یہ دی جانے والی اجازت اس کے ذہن و دل میں کیا طوفان لائے گی۔

''مس ہمارے اسکول میں دہشت گرد کب آئیں گے؟'' وہ ایمن کے سوال پر چونک کر اس کی جانب دیکھنے لگی۔

''آپ کو اندازہ بھی ہے کہ آپ کیا پوچھ رہی ہیں؟'' اس نے اپنے لہجے کو حتی الامکان نرم رکھنے کی کوشش کی۔

''جی مس...... دہشت گرد آئیں گے تو ہوسکتا ہے اسکول بھی آف ہو جائے......'' ایمن نے جوش سے بتایا۔

''یہ سوال آپ کے ذہن میں کیوں کر آیا؟''

''مس میں نے اسٹیٹس میں پڑھا ہے۔'' ایمن نے اصل بات بتائی۔

''کیا! کس کے اسٹیٹس پر پڑھا؟'' وہ اپنی چیئر چھوڑ کر ایمن کی چیئر کے روبرو آ کھڑی ہوئی۔

''وہ...... اصل میں مس...... میں نے مس فرح کی فیس بک وال پر اسٹیٹس پڑھا تھا۔ نامعلوم دہشت گرد ہمارے اسکول میں کب آئیں گے۔ اسی ٹریننگ کے بہانے ہی سہی اسکول سے آف مل سکے گا اور مس ٹیچرز تو جھوٹ نہیں بولتے نا؟ اس لیے یہ بھی سچ ہوگا۔'' ایمن کے چہرے پر معصومیت جب کہ آنکھوں میں ایسی چمک تھی جو کوئی کارنامہ سرانجام دینے پر ہوتی ہے۔ گویا فیس بک پر مس کا نا صرف اسٹیٹس پڑھ لینا بلکہ اسے یوں سب کے سامنے بیان کرنا ایک کارنامہ ہی تو تھا۔ ایمن کی بات کے جواب میں اس کا دماغ سن ہو چکا تھا۔ جب کہ ایمن مس کی خاموشی کے پیش نظر پھر سے اپنی چیئر پر بیٹھ گئی اور اب باقی اسٹوڈنٹ کو بھی اس اسٹیٹس کی تفصیل بتانے لگی یا پھر شاید دہشت گرد کا تعارف مگر مس کے ذہن و دماغ کی سوئی تو ایمن کے سوال پر یوں اٹک سی گئی تھی گویا وال کلاک کا سیل ختم ہو گیا ہو اور سیکنڈ و منٹ اور گھنٹے کی سوئی ٹک ٹک چلنے کی بجائے اپنی جگہ ساکن سی ٹھہری ہو۔ یوں ہی اس کا ذہن بھی ساکن و جامد ہو چلا تھا۔ ایمن کے پہلے سوال

پر نہیں بلکہ اس کی آخری بات پر۔

❁......❁......❁......❁

سردیوں کا اختتام اور بہار کی شروعات تھی موسم بدل چکا تھا۔ ہواؤں میں خوش گواریت سی تھی۔ کھلے آنگن و چھتوں پر بسنے والوں کو اس موسم کی ٹھنڈی راتیں بہت بھاتی ہیں۔ پر فلیٹوں میں رہنے والوں کو ایسی پُر لطیف زندگی کہاں میسر۔ البتہ کہیں کہیں کسی کشادہ اپارٹمنٹ کے مکینوں کو یہ سہولت میسر آ ہی جاتی تو سمجھ لو بہار آ گئی اور جب گیلری سے آتی خوش گوار ہواؤں کے جھونکے نیم تاریک کمروں سے گزرتے تو ایک پراسرار سی ٹھنڈک محسوس ہوتی۔ ہلکی سی ٹھنڈک میں رچا بسا خوشگوار ماحول ذہن و دل کو مدہوش سا کر دیتا۔ اس موسم میں پُرسکون خاموشی سے اپنی تنہائی بھی بہت لطف دیتی۔ وہ بھی اسی ماحول کا حصہ بن کر موسم کا مزہ لیتی پر آج گھر واپسی تک اس کے ذہن و دل پر موسم کے بجائے ایمن کا سوال حاوی رہا۔ ٹیچر کا لبادہ اتار وہ مکمل ہاؤس وائف کا پیرہن زیب تن کر چکی تھی۔

دوپہر کے تین تو بج چکے تھے اور ابھی اسے گھر کی صفائی کرنے کے بعد کھانے کی تیاری بھی کرنی تھی گو کہ ڈائننگ ٹیبل پر ناشتے کے برتن موجود نہ تھے۔ کیونکہ اسکول جانے کی ہڑبونگ میں وہ جلدی جلدی ہی سبھی کچھ کام نبٹاتی جاتی۔ تاکہ واپسی میں گھر کسی حد تک صاف ملے۔ پھر بھی کچھ نہ کچھ کمی بیشی رہ ہی جاتی تھی اور ہر روز درجنوں کام واپسی پر منتظر ملتے۔ اب بھی ڈائننگ ٹیبل تو صاف تھی۔ البتہ چائے کا ایک خالی کپ روم کی سائیڈ ٹیبل پر رکھا ملا۔ وہیں بیڈ پر ٹاول بھی آٹھ آٹھ آنسو بہا رہا تھا۔ جو صبح یقیناً گیلا ہوگا پر اب سوکھ کر عجیب سی "بو" دے رہا تھا۔ وارڈ روب کے دروازے

چوپٹ کھلے اپنے اندر آئے طوفان کی بے ترتیبی کے نظارے پیش کر رہے تھے۔ جب کہ باتھ روم کے سلیپر باہر جھانک رہے تھے۔ اس وقت اگر جو اس کے سرتاج موجود ہوتے اور وہ اس جانب توجہ دلاتی تو آگے سے آنے والا جواب بڑا معصوم سا ہوتا۔

''ارے بھئی مجھے کیا معلوم یہ کیسے باہر آگئیں۔'' ان کی بے پروائی عروج پر ہوتی اور اس کا غصہ۔

''جی بالکل روم میں مٹر گشت کرنے نکلی تھیں تھک کر یہیں ٹک گئی۔'' آگے سے اس کی بات پر ہنسی ضبط کرتے ہوئے کندھے اچکا دیئے جاتے۔ یہ صرف آج ہی کا نہیں روز ہی کا معمول تھا۔

''اف...... یہ بھی کبھی نہیں سدھریں گے......'' اس نے کڑھ کر سوچا اور کمر بستہ ہوتے کام کے میدان میں اتر گئی۔

❂ ❂ ❂ ❂

وہ دونوں اس ملٹی اسٹوری بلڈنگ کے سیکنڈ فلور پر بنے اس مختصر مگر پُرسکون اپارٹمنٹ میں رہ رہے تھے۔ گویا یہ ان کی چھوٹی مگر خوب صورت سی جنت تھی۔ آذمیر کی زندگی میں نظیفہ کو شامل ہوئے آٹھ ماہ ہوئے تھے۔ جب کہ نظیفہ کو اسکول جوائن کیے تین ماہ کا ہی عرصہ ہوا تھا۔ صبح آذمیر آفس جاتے ہوئے اسے بھی ڈراپ کرتا ہوا جاتا۔ جب کہ واپسی میں وہ پوائنٹ میں آجاتی۔

شام کو آذمیر کی واپسی پر وہ دونوں ایک دوسرے کو دن بھر کی مصروفیت کے بارے میں بتاتے' زندگی خوب صورت نہیں بلکہ خوب صورت ترین تھی۔ اسکول سے واپسی پر ان گنت کام اس کی جنت میں اس کے منتظر ہوتے اور انہی کاموں کے چکر میں لنچ تقریباً گول ہوجاتا یا پھر وہ رات والا کھانا ہی کھالیتی۔ ویسے بھی وہ اکیلی جو ہوتی تھی البتہ ڈنر پر اہتمام ضرور کرتی اور ویک اینڈ پر تو یہ اہتمام خاص الخاص ہوجاتا۔

عصر کی اذان ہو چکی تھی۔ جب وہ ٹرائفل کو فریج میں اور سیخ قیمہ کو کوئلے کا دھواں دے کر فارغ ہوئی۔ پورے گھر میں سیخ قیمہ کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ عصر کی نماز ادا کر کے وہ چائے کا بھاپ اڑاتا کپ لیے گیلری میں آئی۔ نیلے امبر پر بادل کسی سفید مرغولوں کی صورت میں تیر رہے تھے۔ وہ چائے کے سپ لینے کے ساتھ ساتھ بچوں کو دیکھتی رہی کہ یک دم صبح والا واقعہ یاد آیا۔ اس کا ذہن تیزی سے دوڑنے لگا۔

''کیا ایمن نے جو کہا وہ سچ تھا؟'' نظیفہ کمرے میں چلی آئی اور لیپ ٹاپ لیے بیڈ پر آبیٹھی۔ بیڈ کشن کی گود میں رکھ کر اس پر لیپ ٹاپ رکھا اور آن کیا۔ اگلے کچھ ہی منٹوں میں اس کی نظروں کے سامنے فیس بک کی وال کھلی ہوئی تھی۔ نظیفہ نے اپنی فرینڈ لسٹ میں جا کر فرح بشیر پر کلک کیا اور اب اسکرین پر فرح بشیر کی وال اوپن تھی۔

نظیفہ فرح بشیر کی فیس بک وال پر تیزی سے نظریں دوڑانے لگی اور پھر اس کی نظر ٹھہر سی گئی اسے مطلوبہ چیز نظر آچکی تھی۔ یہ ایک اسٹیٹس تھا جو فرح بشیر کی وال پر کسی ستارے کی مانند جگمگا رہا تھا۔

''ایک ہی روٹین سے اب بوریت ہو رہی ہے۔ کاش ہمارے اسکول میں بھی دہشت گرد بطور ٹریننگ آئیں تو اسی بہانے اسکول آف ہو۔ یا کچھ چینجنگ آئے۔'' جس پر تقریباً 127 لائیکس موجود تھے۔ ابھی وہ اسٹیٹس کو پڑھ کر ہی ششدر تھی کہ نظیفہ کی نظریں ایک اور جگہ ٹھہری۔

''اتنی شدت کے ساتھ بھی ہماری سوئی ہوئی حکومت کو بیدار کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے نامعلوم یہ اقتدار کا نشہ کب ختم ہوگا۔'' اس اسٹیٹس پر بھی تقریباً سو سے زائد لائیکس موجود تھے۔ نظیفہ کی انگلیاں تیزی سے ایرو کی پر حرکت کر رہی تھیں جب کہ فرح بشیر کی فیس بک وال سرعت سے آگے ہوتی گئی جہاں ایسی فضولیات بطور اسٹیٹس اپنی بہاریں دکھا رہی تھیں۔ اس نے غصے کے مارے بیک پر کلک کیا اور اپنے ہوم پیج پر

آ گئی۔ اپنے اندر کے ابلتے غصے کو کنٹرول کرنے کی کوشش کے ساتھ یونہی سرسری طور پر فیس بک پر نظریں گھمانے لگی۔ اچانک اس کی نظر ایک اور اسٹیٹس پر جا ٹھہری۔

"روٹیاں پکانا نا جانے کیوں اتنا مشکل کام لگتا ہے' تابچوں کو نقشہ بنانا سکھا پائی نہ خود کو روٹیاں پکانا...... یہ کام نہیں ہے آساں فیلنگ یہ مس تحریم کا اسٹیٹس تھا جو انہوں نے شاید کل رات ہی پوسٹ کیا تھا۔ جس پر 50 لائکس کے ساتھ 27 کمنٹس بھی موجود تھے۔ ایسے اسٹیٹس پر بھی کمنٹس تظیفہ سوچ میں پڑ گیا اور ریڈ کمنٹس پر کلک کیا۔ جہاں ایک سے بڑھ کر ایک کمنٹس تھا۔

"تم بھی نقشہ بناتی جاؤ' روٹی خود ہی پک جائے گی۔" یہ شاید تحریم کی کوئی دوست تھی۔ جاننے والی یا پھر شاید فیس بک فرینڈ وہ اندازہ نہ لگا پائی البتہ اس کے جواب میں تحریم کی جانب سے دیئے جانے والے کمنٹس نے اسے ازبر کروا دیا کہ وہ فیس بک کو جتنا سوشل اور پبلک سائیڈ سمجھتی ہے لوگ اسے اتنا ہی اسے عام لیتے ہیں کیونکہ مس تحریم جو اسکول میں حافظ قرآن ہونے کی وجہ سے بہت معتبر سمجھی جاتی ہیں اور جو اسلامیات کی ٹیچر ہیں۔ انہوں نے ریپلائی کمنٹس میں لکھا تھا۔

"دفع ہو جاؤ' بے ہودہ عورت' تم ہی نقشے والی روٹیاں پکا کر اپنے میاں کو کھلاؤ' مجھے تو اس مشکل کام سے دور رکھو۔" تظیفہ کو لگ رہا تھا کہ یہ سب پڑھ کر اس کی ذہن کی طنابیں گویا کھینچ دی گئی ہو۔ اس کا دل تیز اور تیز دھڑکنے لگا۔

تظیفہ نے لیپ ٹاپ بند کر کے بیڈ پر رکھا۔ اسٹیٹس لکھنے والے یہ لوگ اسٹیٹس کے اصل مطلب کو یکسر ہی فراموش کر چکے ہیں۔ اس نے تاسف سے بند لیپ ٹاپ کی جانب دیکھا اور بیڈ کراؤن سے ٹیک لگالی۔ سوچوں کی یلغار اس پر حاوی تھی۔

مسلسل ہوتی بیل کی آواز پر تظیفہ کی آنکھ کھلی' وہ ہڑبڑا کر اٹھی اور بیڈ پر رکھا دوپٹہ اٹھائے سرعت سے مین ڈور کی جانب بڑھی جہاں آژمیر موجود تھا۔

"السلام علیکم' خیریت تو ہے جی۔ آج کس ریاست کی سیر کرنے نکل گئی تھیں آپ......؟" اندر آتے ہی سلام کے ساتھ آژمیر نے شرارتی لہجے میں پوچھا۔ تظیمہ نے نظریں اٹھا کر آژمیر کی جانب دیکھا۔ مسٹرڈ پینٹ پر میرون شرٹ پہنے آستین فولڈ کیے ہاتھ میں فائل تھامے وہ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتا ہوا وہیں لاؤنج میں رکھے صوفہ پر بیٹھ گیا تھا۔ گندمی چہرے پر کہیں کہیں پسینے کی بوندیں چمک رہی تھی۔ تظیفہ کو شرمندگی نے آن گھیرا' وہ جھٹ سے کچن کی جانب بڑھی اور فریج سے پانی کی ٹھنڈی بوتل نکال کر لاؤنج میں چلی آئی۔

"سوری وہ پتہ نہیں کب اور کیسے آنکھ لگ گئی۔ پتہ ہی نہ چلا۔" تظیمہ کے لہجے میں شرمندگی عیاں تھی۔

"یقیناً پھر کسی سوچ میں ڈوبی ہوئی ہوگی۔" پانی کا گلاس تھامتے ہوئے اس نے تظیفہ کی جانب بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

یہ کتنے اچھے سے جانتے ہیں مجھے۔ واقعی نکاح کے دو بول اپنے اندر بہت طاقت رکھتے ہیں۔ اب ان سے کیا کہوں کہ میں کن سوچوں میں گم تھی۔ یہ تو شاید میرا روز کا معمول بنتا جا رہا ہے۔ میرے ساتھ ساتھ یہ بھی پریشان ہوتے ہیں۔ گویا میری پریشانی ان کی پریشانی کا سبب بنتی ہے۔

"اتنے عام سے حلیے اور تھکے ہوئے حال میں بھی میں اتنا ہینڈسم لگ رہوں کہ جناب کی نظریں ہی نہیں ہٹ رہیں۔" تظیفہ کو مسلسل اپنی جانب دیکھتا پا کر آژمیر کے لہجے میں شوخی عود کر آئی۔

"آپ کھانا لگائیں میں فریش ہو کر آتی ہوں۔" اس نے آژمیر کی فائل اور ٹائی صوفے پر سے اٹھاتے ہوئے تیزی سے کہا۔ جب کہ روم کی طرف جاتا

آ ژ میر پلٹا۔

''ہائیں کیا کہا؟ میں کھانا لگاؤں اور تم فریش...... طبیعت تو ٹھیک ہے جان من؟'' وہ اس کے قریب آ کر اس کا ماتھا چھوتے ہوئے حیرت سے بولا۔

''او سوری...... میرا مطلب ہے کہ آپ فریش ہوجائیں جب تک میں کھانا لگاتی ہوں۔'' نطفیہ نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مارا گویا اپنی یادداشت کو سلوٹ پیش کیا ہو۔

''ادھر آؤ تم...... یہاں بیٹھو۔'' آ ژ میر نے نطفیہ کا ہاتھ تھام کر صوفے پر بٹھایا۔

''یہ لو پانی پیو۔'' اس نے گلاس نطفیہ کی جانب بڑھایا جسے اس نے بغیر کسی حیل وحجت کے تھام لیا۔ وہ ایسا ہی تھا بہت کیئرنگ' بہت لونگ سا' کہنے کو تو ان کی ازدواجی زندگی کو صرف آٹھ ماہ کا عرصہ ہوا تھا۔ پر وہ اس کا ہر طرح سے خیال رکھتا کچھ اس لیے بھی کہ وہ جانتا تھا کہ نطفیہ ضرورت سے زیادہ حساس طبیعت کی ہے اور کچھ اس لیے بھی کہ اس شہر میں بلکہ دنیا میں ہی نطفیہ کا اس کے سوا کوئی اپنا نہ تھا۔

''آپ...... آپ بہت اچھے ہیں۔'' وہ جھٹ سے اس کے گلے لگ گئی۔

''ارے بھئی وہ تو ہم ہیں ہی۔'' آ ژ میر نے اسے اپنی بانہوں میں بھرلیا۔

''لیکن اب ذرا یہ بتاؤ کہ ایسی کیا بات ہے جو میری جان کو پریشان کررہی ہے۔'' آ ژ میر نے اس کے بالوں میں دھیرے دھیرے انگلیاں پھیرتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔

''آ ژ میر...... آپ کی نظر میں سوشل میڈیا' یا فیس بک یہ سب کیسی چیزیں ہیں؟'' نطفیہ نے پوچھا۔

''اگر اس کا صحیح استعمال کیا جائے تو یہ سب کافی فائدہ مند چیزیں ہیں۔'' آ ژ میر نے ٹھہر کر جواب دیا۔

''یہ ہی تو المیہ ہے ہمارے ملک کا خاص کر نوجوان طبقے کا جس میں زیادہ تر تعداد صنف نازک ہی کی شامل ہے کہ وہ ان فائدہ مند چیزوں کا کس طرح اور کتنا غلط استعمال کررہے ہیں۔ یہ سوچے سمجھے بغیر کہ ان کے اثرات کتنا منفی رجحان پیدا کررہے ہیں۔'' نطفیہ نے جھٹ سے کہا۔

''تو گویا آج سوشل میڈیا پر کچھ ہوا ہے؟'' آ ژ میر نے دل میں سوچا۔ ''جان من! کیا بات ہے' کیا ہوا ہے سوشل میڈیا پر؟'' آ ژ میر کے پوچھتے ہی نطفیہ نے اسکول میں ایمن کے سوال پوچھنے سے لے کر گھر آنے پر فیس بک کی وال چیک کرنے تک تمام بات اس کے گوش گزار کردی۔

''او...... ہو یہ بات ہے۔'' ساری بات سننے کے بعد آ ژ میر کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''یہ صرف بات نہیں بلکہ بہت سنجیدہ بات ہے آپ خود سوچیں بچوں پر ان سب باتوں کا کیا اثر پڑ رہا ہے؟'' وہ حساسیت کی انتہا پر تھی۔

''دیکھو...... جان من یہ ان سب کا پرسنل میٹر ہے میں تم یا کوئی بھی انہیں روک ٹوک نہیں سکتا کہ آپ اس طرح کے اسٹیٹس یا پوسٹ نہ کریں۔'' آ ژ میر نے پیار سے سمجھایا۔

''میں کب کہہ رہی ہوں کہ ہم انہیں روکیں۔ ہم انہیں روک نہیں سکتے۔ کیونکہ یہ ان سب کا پرسنل میٹر اور پرسنل پروفائل واکاؤنٹ ہے پر کچھ بھی لکھتے وقت ان ذی شعور لوگوں کو اتنا تو سوچنا چاہیے کہ وہ جو چیز بھی لکھ یا لگا رہے ہیں وہ ان کے پاس تمام ممبرز کو شو ہوگا اور ان میں کوئی ان کا اسٹوڈنٹ ہوگا تو کوئی رشتے دار تو کوئی کولیگ۔ اب میری کولیگ کی مثال لے لیجیے۔ انہوں نے بطور اسٹیٹس وہ پوسٹ فرح بشیر بن کر لگائی۔ ان کی اسٹوڈنٹ نے وہ پوسٹ مس فرح سمجھ کر پڑھی۔ ان کی نند یا دیور نے دیکھا ہوگا تو بھابی فرح سمجھ کر پڑھا اور دیکھا ہوگا۔ الغرض پوسٹ تو وہ ایک ہی ہے پر ان کے پاس ایڈ لوگ اپنے اپنے رشتے کی نوعیت کے ساتھ پڑھ کر اپنی رائے دیں گے نا!'' وہ ایک پل کو

رک کر آژمیر کی جانب دیکھنے لگی جو خاموشی سے اس کی بات سن رہا تھا اور بغور اس کے تاثرات دیکھ رہا تھا جس کے چہرے پر کھنچاؤ تھا اور آواز میں تھوڑا اغصیلا پن۔

''میں مانتی ہوں آژمیر کہ سوشل سائیٹ پر اکاؤنٹ بنا کر اسے پاسوڈ دے کر ہم پرسنل کر لیتے ہیں پھر اس طرح کی پوسٹ وال پیپرز اور اسٹیٹس لگاتے وقت کیوں بھول جاتے ہیں کہ اس پرسنل اکاؤنٹ میں موجود ہمارے عزیز و اقارب ہمارے کولیگ' ہمارے دوستوں یہاں تک کہ بچوں تک کی نظروں سے یہ چیز گزریں گی تو کم از کم رشتوں کا تعین کر کے تو وہ چیز لگائی جائے۔''

''میں سمجھ رہا ہوں تمہاری بات بھی اور جذبات بھی۔ تمہاری بات اور تم اپنی جگہ بالکل صحیح ہو پر یہ بتاؤ کہ تمہیں یہ سب باتیں سوچنے سے کیا حاصل؟ ان لوگوں نے تو اپنی ہی مرضی کرنی ہے' سوشل سائیڈ پر تو آئے دن یہ سب ہوتا ہی رہتا ہے۔ تم کس کس کو روکو گی جان......؟'' تطیفہ کے خاموش ہوتے ہی آژمیر نے الٹا اس سے سوال کیا۔

''ہاں میں ان سب کو روک نہیں سکتی پر انہیں سمجھا تو سکتی ہوں نا......'' تطیفہ نے جھٹ سے اپنی رائے دی۔

''اچھا تو کس کس کو سمجھاؤ گی......؟ اور کیا گارنٹی ہے کہ یہ لوگ سمجھیں گے اور فرض کرو کہ تم نے ان کچھ لوگوں کو سمجھا دیا پر پاکستان کی باقی بیس کروڑ سے زائد آبادی کو کیسے سمجھاؤ گی؟'' آژمیر کی بات میں دم تھا وہ بھی ایک لمحے کو سوچ میں پڑ گئی۔

''بارش کے وہ ننھے ننھے قطرے جن کی بوندوں کا اپنا کوئی وجود نہیں پر جب یہ ہی ننھے ننھے قطرے گر کر ایک جگہ اکٹھے ہو جائیں تو ندی کا روپ اختیار کر لیتے ہیں اور پھر ندی بہتے ہوئے دریا اور پھر دریا سمندر سے جا ملتے ہیں اور جب سمندر میں طغیانی آ جائے تو یہ ہی ننھے ننھے قطرے کسی دیوقامت اژدھے کی مانند سب کچھ بہالے جاتے ہیں۔ اب کسی نا کسی کو تو وہ ننھا قطرہ بننا ہی پڑے گا تا کہ طغیانی آئے اور معاشرے کی تمام برائیوں کو اپنے ساتھ بہالے جائے۔ آج میں انہیں سمجھاؤں گی تو کل کو یہ لوگ کسی اور کو اور یونہی پھر ایک چین بنے گی۔'' تطیفہ کے لہجے میں عزم تھا۔ آژمیر کی جانب سے مسلسل خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے اس نے آژمیر کی طرف دیکھا۔ جس کی نگاہیں تطیفہ پر ہی تھیں۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہیں آپ؟''

''میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ واقعی میری بیوی دنیا کی سب سے انوکھی بیوی ہے جس طرح انٹارکٹکا کی برف کا پگھلنا ممکن نہیں جس طرح چاند پر پانی کا مل جانا ممکن نہیں' اسی طرح تمہاری جیسی دوسری بیوی کا سامنا ناممکن ہے۔''

''آپ کو دوسری بیوی کی تلاش ہے؟'' وہ آژمیر کی صرف آخری بات کو سن کر چونکی۔

''ارے میری توبہ...... پہلی ہی نہیں سنبھل رہی یہاں تو دوسری کی تلاش میں نکل کر میں نے تو دنیا سے ہی نکل جانا ہے۔'' آژمیر نے بے ساختہ اپنے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

''اچھا تو مسٹر آژمیر آپ سے آپ کی بیوی نہیں سنبھل رہی۔'' تطیفہ نے اپنے لہجے کو سنجیدہ بناتے ہوئے پوچھا۔

''جی بالکل مس تطیفہ میں کروں بھی تو کیا' آخر کو میری بیوی ہے ہی اتنی پیاری' اتنی انوکھی' بالکل لیٹک پیس اور کیک کا سینٹر پیس۔'' آژمیر کی بات نے تطیفہ کو ہنسنے پر مجبور کر دیا۔

''اچھا سنو جان من...... تم سے ایک بات کہنی تھی۔'' آژمیر نے اس کے قریب آتے ہوئے کہا۔

''کون سی بات؟''

''دیکھو ناراض مت ہونا' بات واقعی بہت ضروری ہے۔ دراصل مجھے تم......'' ایک پل کو رکا اور اس کے

قریب آتے ہوئے اس کی بالوں کی لٹ کو اپنی انگلیوں سے لپیٹنے لگا تو وہ شرما سی گئی۔

''دراصل مجھے تم سے کہنا تھا......'' آذمیر نے اس کا شرمایا روپ دیکھ کر بات ادھوری چھوڑ دی۔

''کہ......'' تظفیہ نے آہستہ آواز میں پوچھا۔ اس کی دھڑکنیں تیزی سے دھڑکنے لگی جیسے آذمیر کی بات سننے کو وہ بھی بے تاب ہوں۔ آذمیر نے تظفیہ کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھاما اور لبوں سے لگایا۔

''کہ مجھے بہت شدید بھوک لگی ہے۔'' آذمیر کی بات پر اس نے سرعت اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھڑایا۔

''کیا...... کیا...... کہا؟ یہ بات کہنی تھی......!'' اس نے آنکھیں دکھائیں۔

''ہاں جان من...... سچی بہت بھوک لگی ہے۔'' آذمیر نے مسکین سی شکل بنائی اور کھڑا ہوگیا۔ جب کہ تظفیہ بھی خفا خفا سی کھڑی ہوئی۔

''اچھا فریش ہوجائیں میں کھانا لگا رہی ہوں۔'' تظفیہ کچن کی جانب بڑھی۔

جب کہ آذمیر بھی مسکراتا ہوا روم کی جانب چل دیا۔ فی الحال تو وہ اپنے کام میں کامیاب ہوچکا تھا کیونکہ وہ جان گیا تھا کہ وقتی طور پر ہی سہی تظفیہ کے ذہن پر سے حساسیت کے بادل چھٹ چکے ہیں اب تظفیہ اپنے آپ کو قدرے پُرسکون محسوس کرے گی۔

⊛......⊛......⊛......⊛

تظفیہ حساس طبیعت کی مالک تھی۔ وہ اوروں سے بہت مختلف تھی۔ وہ ہر بات ہر چیز کے پہلو کو جس نظر سے دیکھتی یا سوچتی شاید ہی اس طرف کسی کا دھیان جاتا ہو۔ بقول آذمیر کے...... تم حساس نہیں ضرورت سے زیادہ حساس ہو تم دنیا کا اکلوتا پیس ہو جو کہ میرے حصے میں آیا۔ تم کیک کا وہ سینٹر پیس ہو جو بہت زیادہ ڈیکوریٹ ہونے اور میٹھا ہونے کے باعث اکثر یونہی پلیٹ میں رہ جاتا ہے کیونکہ لوگ اپنے اپنے مطلب اور اپنی اپنی سائیڈ کا بقیہ حصہ ہڑپ جاتے ہیں اسی لیے زیادہ میٹھا ہونا بھی تکلیف دہ ہے۔'' آذمیر اکثر اسے سمجھاتا ٹوکتا۔

پر وہ کیا کرتی یہ اس کے اختیار میں نہ تھا۔ ضرورت سے زیادہ حساسیت اس کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتی تھی گزشتہ دنوں کی ہی بات تھی وہ اور آذمیر ایک شادی کی تقریب سے لوٹ رہے تھے وہ آذمیر کے ہمراہ بائیک پر تھی آذمیر اسے آفس کی کوئی بات بتا رہا تھا ایک چوراہے پر سگنل ریڈ ہونے کے باعث تمام ٹریفک رک گیا' جبھی چھ یا سات سالہ ایک معصوم سا بچہ ہاتھ میں پانی سے بھری بالٹی اور وائپر لیے ان کے مقابل کھڑی کار کی جانب بڑھا۔

''صاحب گاڑی صاف کردوں۔'' اس بچے کے لہجے میں ایک آس تھی ایک امید تھی پر اندر موجود صاحب نے کار کی ونڈو کے شیشے نہ نیچے کرنے کی زحمت کی اور نہ ہی جواب دینے کی تکلیف...... وہ بچہ مایوس سا ہوکر آگے بڑھ گیا تبھی اگلی رو میں موجود ایک کار والے نے اسے اشارہ کرکے اپنی جانب بلایا۔

''کار صاف کرو۔'' انداز تحکمانہ تھا۔ معصوم بچے کے ہاتھ تیزی سے حرکت میں آئے اور وہ پھرتی سے کار صاف کرنے لگا کہ مبادا کہیں سگنل گرین ہوجائے۔ تظفیہ یک ٹک اس بچے کے ہاتھوں کی حرکات دیکھ رہی تھی جو کسی ماہر کی طرح کام کررہے تھے پر کام تھا بھی کیا کار کی ونڈ اسکرین اور سائیڈ ڈور صاف کرنا۔ کار کی صفائی مکمل ہوتے ہی وہ بچہ سائیڈ ڈور کی جانب آکر کار کے مالک کی طرف متوجہ ہوا تاکہ کار کے مالک سے اپنی اجرت لے سکے۔ اندر موجود کار مالک نے ونڈ مرر کو تھوڑا سا نیچے کھسکایا اور اپنا والٹ نکالا جس میں لال ہرے کافی نوٹ تھے۔ اس میں سے چن کر صرف دس کا نوٹ نکالا اور اپنا ہاتھ ونڈ مرر میں سے باہر کیا ہاتھ میں تھاما نوٹ بچے کے بجائے سرعت سے ہوا کے جھونکے نے دبوچا اور اپنے سنگ لے اڑا۔ بچہ

محبت، نفرت اور شک کی آمیزش سے مزین ایک ناقابل فراموش کہانی
بنتے بگڑتے رشتوں سے آراستہ ایک معاشرتی و رومانی دلکش تحریر
حسد کی آگ میں دوسروں کی زندگی جھلسا دینے والوں کا دردناک انجام
ڈھل گیا ہجر کا دن
احمد کے قلم سے لکھی دل کو چھو جانے والی تحریر
حجاب کے صفحات پر بہت جلد ملاحظہ فرمائیں
انسان جو بوتا ہے وہی کاٹتا ہے۔ نفرت بو کر محبت کے پھول نہیں پا سکتا
نفرت کے آنگن میں محبت کے پھولوں کو کھلنے سے کون روک سکتا ہے
گمراہی سے ہدایت تک کا سفر، بنتے بگڑتے رشتوں کی اچھوتی داستان
امید اور ناامیدی کے درمیان پرورش پاتی محبت کی حسین کہانی
پریشانی سے بچنے کے لئے اپنی کاپی آج ہی بک کرائیں رابطہ 03008264242

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

بھی اس جھونکے کے سنگ نوٹ پکڑنے کے لیے دوڑا' تبھی سگنل گرین ہو چلا اور یک دم رکا ہوا ٹریفک سیلابی ریلے کی مانند بہنے لگا۔ گویا بند ٹوٹ گیا ہو۔ آژمیر کی بائیک بھی اسی رفتار سے آگے بڑھی تھی۔

"نوٹ کہاں گرا ہوگا؟ بچے کو ملا ہوگا کہ نہیں؟ کار والے نے صرف دس کا ہی نوٹ کیوں دیا؟ وہ آرام سے بھی تو بچے کے ہاتھ میں پیسے تھما سکتا تھا۔" ان سوالوں کی تابڑ توڑ ضرب اسے اپنے دماغ پر محسوس ہو رہی تھی سارے راستے وہ غائب دماغی سے آژمیر کی باتیں سنتی آئی تھی جسے آژمیر نے بھی نوٹس کیا تھا اور جب گھر آنے کے بعد آژمیر نے اس سے استفسار کیا تو سارے واقعے سمیت اپنے سوال بھی اس کے روبرو کردیئے۔

"اف میری بھولی بیوی ایسے واقعات تو تقریباً ہر سگنل پر دیکھنے کو ملتے ہیں۔" آژمیر نے اس کے مقابل بیٹھتے ہوئے کہا۔

"پر ایسے واقعات ہی کیوں دیکھنے کو ملتے ہیں۔" تظیفہ کا سوال معصومیت سے بھرا تھا یا انداز' آژمیر کو اس پر بے ساختہ پیار آیا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کے پیالے میں تظیفہ کا چہرہ تھاما۔

"کیونکہ میری جان...... غریب طبقے سے تعلق رکھنے والے بچوں کا یہی چھوٹا موٹا روزگار ہے جو ان کی ضرورت بھی ہے اور مجبوری بھی۔"

"پر اس روزگار کے مواقع بھی تو ہم نے دیئے ہیں نا۔" اس کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو تیر رہے تھے۔

"میری جان اس سلسلے میں ہم کر بھی کیا سکتے ہیں' غریب طبقہ نا تو ایک دم سے امیر ہو سکتا ہے اور نہ ہی ایسے واقعات سرے سے ختم ہو سکتے ہیں۔" آژمیر نے تظیفہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے پیار و نرمی سے کہا۔

"ہاں مگر یہ پیشہ تو ختم ہو سکتا ہے نا۔"

"وہ کیسے؟"

"میں یہ نہیں کہہ سکتی کہ لوگ کار ہی نہ لیں یا کار ہی نہ چلائیں پر کار چلانے والے تھوڑی انسانیت تو دیکھائیں۔ ان معصوم غریب بچوں کو انسان تو سمجھیں نہ کہ دوسری دنیا کی مخلوق۔ اگر سوٹ بوٹ پہنے کار میں بیٹھنے والے اور سفر کرنے والے یہ لوگ اپنی کار کی صفائی دھلائی خود نہیں کر سکتے تو کسی گیراج سے کروائیں' پر ان معصوم بچوں کو تو مجبور نہ کریں' جب اس پیشے کو فروغ ہی نہیں دیا جائے گا تو کم از کم ان ننھے معصوم بچوں کے ہاتھوں میں پانی کی بالٹی یا وائپر تو نہ ہوگا اور نہ ہی پھر کوئی بچہ یوں دس کے نوٹ کے لیے سڑکوں پر اپنی جان ہاتھ میں لیے موت سے کھیلے گا۔" باوجود ضبط کے تظیفہ کی آواز میں لرزش اور آنکھوں میں آنسو نمایاں تھے اور چہرے پر اضمحلال چھایا ہوا تھا آژمیر نے اسے بانہوں میں بھر لیا اس کے آنسو چھلک پڑے آژمیر نے پیار سے اس کے بالوں کو سہلایا کیونکہ وہ جانتا تھا اندر کا غبار آنسوؤں کی صورت بہہ نکلے وہ بہتر ہے بجائے اس کے کہ اندر رہ کر آتش فشاں جیسا لاوا بنے۔ کچھ دیر یونہی آژمیر کے کندھے پر سر ٹکائے روتے رہنے کے بعد اس کی اندرونی کیفیت اب قدرے بہتر تھی آژمیر نے سائیڈ ٹیبل پر رکھا پانی کا گلاس اسے تھمایا۔

"اب زیادہ نہ سوچو آرام کرلو' البتہ میرا وعدہ ہے ہمارے گھر میں جب بھی کار آئے گی میں اس کی مکمل صفائی تم ہی سے کراؤں گا۔"

"ہاں اور نہیں تو کیا' ایسا ہی ہونا چاہیے۔" تظیفہ نے بھی بے ساختہ جواب دیا پر اگلے ہی پل اسے اپنی کہی بات کا اندازہ ہوا تو اس نے بھیگی پلکیں اٹھا کر آژمیر کی جانب دیکھا جہاں دھیمی دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ ہی زوردار قہقہہ گونجا تھا جب کہ اس کی روئی روئی صورت پر بھی مسکراہٹ بکھر گئی تھی یوں جیسے بارش میں بھیگی گیلی سی زمین پر سورج کی کرنیں بکھری ہوں۔

اگلے دن اتوار تھا اس کی آنکھ معمول کے مطابق سات بجے کھلی پر یک دم خیال آیا کہ آج نہ تو اسے اسکول جانا ہے اور نہ ہی آژمیر نے آفس' اس لیے دیر سے اٹھنے کا ارادہ کر کے وہ پھر سے لیٹ گئی۔ اگلی بار جب اس کی آنکھ کھلی تو دس بج رہے تھے بال سمیٹتے ہوئے اس کی نظر اپنے برابر میں خالی جگہ پر پڑی۔

''آج یہ کیسے اٹھ گئے وہ بھی بغیر اٹھائے۔'' وہ حیران ہوتی گیلری کی جانب آئی تو یہاں بھی موصوف نظر نہ آئے تو وہ روم سے باہر نکل آئی پر خالی گھر منہ چڑا رہا تھا۔

''یہ کہاں چلے گئے؟'' وہ خود سے بڑبڑاتے فریج سے دودھ کا پیکٹ نکالنے لگی تبھی اس کی نظر فریج پر چسپاں نوٹ پر پڑی۔

''ڈیئر جان من سوری یوں بغیر بتائے اچانک آفس جانا پڑ رہا ہے تم سوئی ہوئی تھی اس لیے تمہیں ڈسٹرب نہیں کیا۔ کوشش کروں گا کام جلدی جلدی نبٹا کر گھر آجاؤں آخر کو آج اتوار ہے یعنی میرا اور تمہارا دن۔'' میسج پڑھتے ہی اس کے چہرے پر مسکراہٹ در آئی۔

چائے کا پانی چولہے پر چڑھا کر وہ روم میں چلی آئی جہاں ہمیشہ کی طرح تمام چیزیں بکھری ہوئی تھیں۔ انہیں سمیٹنے تک چائے کی خوشبو بھی گھر میں پھیل چکی تھی۔ چائے کو کپ میں انڈیل کر کیبنٹ سے بسکٹ کا پیکٹ نکالا اور ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ کر نام نہاد ناشتہ کرنے لگی۔ آج تو آژمیر بھی بغیر ناشتے کیے چلے گئے اب لنچ جلدی اور ہیوی بنانا پڑے گا۔ چائے پیتے ہوئے اسے آژمیر کا خیال آیا تھا اگر وہ اس وقت یہاں ہوتا اور تظیفہ کو یہ برائے نام ناشتہ کرتے دیکھتا تو لازمی ڈانٹتا۔

''یہ گرم گرم چائے کو خالی پیٹ میں انڈیلنے سے اچھا ہے کہ تم ناشتہ ہی نہ کرو' کتنی بار سمجھاؤں ناشتہ ہمارے جسم کا ڈیزل ہے جو ہمیں سارا دن کام کرنے کے لیے ہمت اور طاقت فراہم کرتا ہے۔'' اس کی ڈانٹ میں بھی پیار جھلکتا تھا۔

چائے یا کافی کے کپ کو کچھ دیر یونہی چھوڑ دیں تو اس کے اوپر ایک تہہ سی جم جاتی ہے' جیسے رکے ہوئے پانی میں کائی کی تہہ بن جاتی ہے پر آژمیر کا مزاج کسی بہتے ہوئے پانی کی طرح ایک سا رہتا یکساں اور پُرسکون۔ کسی باد صبا کے جھونکے کی طرح مہربان' کسی صحرا میں بادل کے ٹکڑے جیسا سائبان' سرما کی دھوپ سا نرم اور محبتوں کی شدت سے بھرپور گرم۔ ان آٹھ ماہ میں اس نے آژمیر کو ہمیشہ ایک سا پایا تھا۔ محبت میں...... چاہت میں...... خلوص میں خدمت میں اور جذبوں کے احترام میں وہ ایک ایسے تناور درخت کی مانند تھا جو ہمہ وقت اسے سایہ فراہم کرتا۔ تظیفہ نے چائے کا خالی کپ کچن میں رکھا' فریزر سے چکن کا پیکٹ نکال کر باؤل میں ڈالا اور لاؤنج میں چلی آئی۔ جہاں اس نے پہلے ٹی وی آن کیا تاکہ گھر میں اکیلے پن کا احساس قدرے کم ہو۔ ہر چینل پر وہی مخصوص سیریل چل رہے تھے مخصوص اسٹیس اور مخصوص ڈائیلاگ۔ کچھ پر ٹاک شو کسی پر جنگ شو کا منظر پیش کر رہے تھے۔ وہ اکتا کر بند کرنے ہی لگی تھی کہ اگلے چینل پر اس کے ہاتھ رک گئے اس نے ریموٹ رکھا اور گھر کی تفصیلی ڈسٹنگ میں مصروف ہوگئی جبکہ لاؤنج میں فل والیوم میں ارجیت کی آواز گونجنے لگی۔

عشق کی دھونی روز جلائے
آنکھیاں کرے جی حضوری
مانگے ہے تیری منظوری
گجرا سا ہی دن رنگ جائے
تیری قصوری رین جگائے
من مست مگن' من مست مگن
بس تیرا نام دہرائے
چاہے بھی تو بھول کرنہ پائے
من مست مگن من مست مگن
بس تیرا نام دہرائے

ڈسٹنگ سے فری ہو کر اس نے مشین لگائی تھی کیونکہ مشین ہمیشہ وہ ویک اینڈ پر ہی لگاتی باقی دنوں میں تو اس کے پاس ٹائم ہی نہ بچ پاتا۔ وہ مشین سے دھلے ہوئے کپڑے نکال کر انہیں نچوڑنے کے بعد اب گیلری میں آئی تھی جبھی اسے موبائل کی بیل سنائی دی۔ کمرے میں آ کر اس نے ڈریسنگ ٹیبل پر سے موبائل اٹھایا۔ دوسری جانب آژمیر تھا۔

"ہیلو ڈیئر! کہاں تھیں تم؟ کافی بیلز کے بعد کال پک کی۔"

"کام میں مصروف تھی۔" تظیفہ نے جواب دیا۔

"او ہو تو بیگم جی اپنے شوہر کے لیے کھانا پکانے کی تیاری میں ہیں' ویسے کیا پکا رہی ہو آج؟" وہ شرارتی لہجے میں بولا۔

"آپ کیا کھانا چاہتے ہیں؟" جواب دینے کے بجائے الٹا تظیفہ نے اس سے پوچھا۔

"میرا تو آج بار بی کیو کھانے کا موڈ ہے۔ عربک پراٹھے چکن تکہ...... تندوری چرغہ ملائی بوٹی ریشمی گولہ کباب اور میٹھے میں لب شیریں۔"

"ارے ارے خیریت تو ہے جناب' آپ نے گھر کال کی ہے ہوٹل میں نہیں۔" وہ اس کے فرمائشی پروگرام کو سن کر اچھی خاصی چکرا گئی۔

"ہاں میری جان میں جانتا ہوں کہ میں نے گھر میں ہی کال کی ہے اور وہ بھی یہ بتانے کے لیے کہ میرا تو آج یہ سب کھانے کا موڈ ہو رہا ہے اس لیے آج رات ہم ڈنر کے لیے باہر چلیں گے۔ تم لنچ ضرور کر لینا اور رات کو باہر جانے کی تیاری بھی او کے۔" آژمیر نے لاڈ سے کہا۔

"اچھا جناب ٹھیک ہے جو آپ کا حکم۔" تظیفہ نے اس کی بات مانتے ہوئے کہا۔

"نوازش آپ کی مادام۔" آژمیر نے جواباً ادا سے کہا۔

"مجھے معلوم ہے اس وقت تمہارے پیارے سے چہرے پر پیاری سی مسکراہٹ چمک رہی ہے اور تمہاری اسی مسکراہٹ کا تو میں دیوانہ ہوں۔ تم نہیں جانتیں میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں۔" اس کے لہجے میں خمار تھا۔ جب کہ تظیفہ کی آنکھوں میں یک دم آنسو تیرنے لگے۔ محبت کی اتنی پذیرائی پر اس کی آنکھیں بھر آئیں تھیں۔

"کیا ہوا تم چپ کیوں ہو گئیں؟ پھر سے رونے تو نہیں لگ گئیں۔" اس کی آواز میں پریشانی نمایاں تھی وہ واقعی اس کا ہم قدم ہم سفر ہمدرد اور ہم آشنا تھا۔

"کچھ نہیں...... بس یونہی آپ کی اتنی محبت پا کر دل بھر آیا۔" تظیفہ نے آہستگی سے کہا اور بدلے میں وہ زور سے ہنس دیا۔

"ارے میری پیاری سی بھولی سی بیوی تم اتنی سی محبت پر یوں بھر آتی ہو ابھی تو ساری عمر کا ساتھ ہے اچھا چلو اب تم تھوڑا آرام کر لو آئی نو صبح سے کاموں میں لگی ہوئی ہو گی اور شام کو تیار رہنا۔" ہدایت کے ساتھ کال منقطع ہو چکی تھی اس نے باقی ماندہ کام نمٹایا۔ فریج سے نکالا ہوا چکن کا پیکٹ دوبارہ فریج میں رکھا اور اپنے لیے آٹا گوندھنے لگی تا کہ رات کے بچے ہوئے قیمے کے ساتھ وہ لنچ کر سکے۔ لنچ سے اور کچن سے فارغ ہو کر وہ اپنے روم میں چلی آئی۔

❁ ...... ❁ ...... ❁ ...... ❁

مون سون ہواؤں نے جونہی شہر کا رخ کیا ہر جانب خوشگواریت پھیل گئی تھی ایک دن کا اختتام ہو چکا تھا شام کی سرخی پر رات کی تاریکی حاوی ہو چکی تھی۔ آسمان تاریک تھا اور کہیں کہیں ایک دو ستارے چمک رہے تھے البتہ شہر قائد روشن ہو چکا تھا آژمیر کے آنے کا بھی وقت ہو چلا تھا۔ تظیفہ نے وارڈ روب میں سے آج شام کے لیے سب سے بہترین لباس منتخب کیا تھا۔ سرخ و سیاہ امتزاج کا ایک اسٹائلش سا فراک جس کی ہاف سلیوز نیٹ کی تھی جس پر اور فراک کی سرخ پٹی پر سلور منقش چمک رہی تھی۔ نیچے آتے آتے اس نے کچھ بالوں کو ہاف کلپ میں قید کر کے کھلا چھوڑ دیا۔ ہاتھوں

میں سرخ وسیاہ چوڑیاں پہنیں اور کانوں میں سلور جھمکیاں بھی ڈال لیں جن میں ننھے ننھے سے سرخ نگینے لگے ہوئے تھے۔ نک سک سی تیار وہ اب آژمیر کی منتظر تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اسے دیکھ کر آژمیر کا کیا ردعمل ہوگا۔ آخر کو وہ اس کی پسند کے مطابق ڈھلی تھی اور ایسا ہی ہوا۔ آژمیر جب گھر میں داخل ہوا تو اسے دیکھ کر ایک پل کو مبہوت رہ گیا اور گلے لگانے کے لیے بے ساختہ آگے بڑھا پر اس سے پہلے لاؤنج میں موجود نرم کاؤچ نے اسے گلے لگالیا وہ یونہی بانہیں کھولے کاؤچ پر ڈھیر تھا جب کہ تطیفہ روم کے دروازے پر کھڑی کھلکھلا رہی تھی۔

⁂ ...... ⁂ ...... ⁂
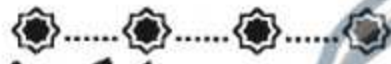
ایک پُرتکلف ڈنر کے بعد وہ لوگ گھر کافی خوشگوار موڈ کے ساتھ لوٹے تھے' کچھ چاہنے والے ہم سفر کا ساتھ تھا تو کچھ خنک موسم کا اثر۔ آژمیر آفس سے لائی کسی فائل پر جھکا ہوا تھا جب کہ وہ اپنی اسکول پرنسپل کی برتھ ڈے پر دیا جانے والا گفٹ پیک کر رہی تھی جو وہ واپسی میں لیتی آئی تھی کیونکہ کل ان کی برتھ ڈے تھی۔ فائل کو چیک کرنے کے ساتھ ساتھ کن آنکھیوں سے گاہے بگاہے وہ اپنی معروف بیوی کو دیکھ رہا تھا۔

''جانِ من تمہیں ٹھیک سے یاد ہے ناکہ واقعی کل تمہاری پرنسپل کی ہی برتھ ڈے ہے۔'' بالآخر اس نے چھیڑا۔

''کیسی باتیں کر رہے ہیں مجھے بہت اچھے سے یاد ہے۔'' تطیفہ نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

''ایک بار کنفرم کرلو وہ کیا ہے نہ ہماری بھولی سی بیوی کو تو ان کے اکلوتے شوہر کی برتھ ڈے تک یاد نہیں رہی تھی۔'' آژمیر کا لہجہ شرارت آمیز تھا۔ گزشتہ مہینے ہی آژمیر کی برتھ ڈے گزری تھی جسے وہ سرے سے ہی بھول گئی تھی۔

''اف او آپ بھی نا...... خوامخواہ مجھے کنفیوز کر رہے ہیں۔'' گفٹ کی ریپرنگ چھوڑ تطیفہ اب لیپ ٹاپ آن کرنے لگی جسے دیکھ کر آژمیر مسکرادیا اپنی فیس بک آئی ڈی کھول کر میم طاہرہ کی پرسنل انفورمیشن میں سے ڈیٹ آف برتھ چیک کرنے لگی جہاں ٹومارو ہر برتھ ڈے لکھا تھا اس نے سکون کا سانس خارج کیا۔

''میں سوچ رہی تھی کہ کل میڈم کے اچھے موڈ کو مدنظر رکھتے ہوئے میڈم سے بات کرہی لوں۔'' تطیفہ نے آژمیر کو مخاطب کیا۔

''اپنے استعفیٰ دینے کی بات؟'' آژمیر نے پھر سے شرارتی لہجہ اپنایا۔

''جی نہیں استعفیٰ کیوں دوں؟'' تطیفہ نے اسے گھورا۔

''تو پھر کون سی بات؟''

''برتھ ڈے یا کسی اسپیشل ڈے پر عام دنوں کی نسبت میڈم کا موڈ کافی خوشگوار ہوجاتا ہے۔ اس لیے میں سوچ رہی ہوں کہ کل میڈم سے ایک لیکچر دینے کی پرمیشن لے ہی لوں وہ بھی آڈیٹوریم ہال میں سوشل میڈیا کے حوالے سے۔'' تطیفہ کی بات مکمل ہونے پر آژمیر نے حساسیت کی حامل اپنی بیوی کو بغور دیکھا کچھ اس انداز سے جیسے کہہ رہا ہو۔

''تمہارا کچھ نہیں ہونا۔''

''اف...... میرے اللہ......'' تبھی کمرے میں تطیفہ کی تشویش ناک آواز گونجی' آژمیر کی نظریں یک دم اس کی سمت اٹھی جس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو تھاما ہوا تھا۔ وہ تیزی سے بیڈ کی طرف آیا اور تطیفہ کے مقابل آبیٹھا۔

''نازی کیا ہوا میری جان! تم ٹھیک تو ہو؟'' اس نے تطیفہ کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیا اور فکرمندی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا جب کہ وہ آنکھیں موندے یونہی ساکن وجامد بیٹھی رہی۔ آژمیر نے ایک بار پھر سے پکارا تو اس نے اپنی آنکھیں کھولیں۔

کیا کچھ تھا ان آنکھوں میں' کرب' تکلیف' آنسو

لطیفہ نے کچھ کہنے کے بجائے لیپ ٹاپ کی اسکرین کا رُخ آژمیر کی جانب موڑ دیا۔ جہاں میڈم طاہرہ کی فیس بک وال کھلی ہوئی تھی ٹاپ پر ایک اسٹیٹس اپنی بہار دکھا رہا تھا۔

"ڈیئر فرینڈز کل ہمارا جنم دن ہے' مطلب پیدائشی دن یعنی کل کے خوب صورت دن ہم اس دنیا میں تشریف لائے تھے اس لیے کل ہمیں کوئی ڈسٹرب نہ کرے اب پیدا ہوتے ہی فیس بک کی پوسٹ یا میسج کے جواب دینے تھوڑی نہ بیٹھ جائیں گے۔ لیکن اب اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ آپ سب برتھ ڈے وش میں ہمیں فیڈر کی بوتل یا نیپکین کا سیٹ گفٹ کریں گفٹ تو ہم بڑوں والے ہی لیں گے۔"

"فیلنگ نائی" کا اسٹیٹس پڑھتے ہی آژمیر کا جان دار اور زوردار قہقہہ کمرے میں گونجا تھا۔ اسے ہنسی کا شدید دورہ پڑا تھا وہ ہنستے ہنستے بیڈ پر ہی چت لیٹ گیا تھا۔

"ہاہاہا تمہاری میڈم تو سیر کی سوا سیر بلکہ ڈھائی سیر نکلیں ہاہاہا......" لطیفہ کے چہرے پر عجیب وغریب بنتے زاویوں کی پروا کیے بغیر وہ پیٹ پر ہاتھ رکھے دوہرا ہو رہا تھا۔

"تمہارے لیکچر کی سب سے زیادہ ضرورت تو تمہاری میڈم کو ہے شاید ہاہاہا......" آژمیر کی باتیں اور ہنسی سن کر وہ روہانسی ہو چلی اس کے نین کٹوروں سے پانی چھلکنے لگا۔

"آہا...... میری معصوم سی بیوی نہ روتے نہیں۔" آژمیر نے اسے گلے سے لگایا اور سر تھپکا۔

"ہٹیے آپ۔" لطیفہ نے اسے سرعت سے پیچھے دھکیلا۔

"مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی۔" وہ خفا ہوتی بیڈ سے اٹھنے لگی۔

"ارے سنو لو' جانِ من...... ناراض مت ہو۔ اچھا پلیز سوری۔" آژمیر نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے اسے زبردستی بیڈ پر سے اٹھنے سے روکا۔

"سوری نا۔" اور ساتھ ہی دونوں ہاتھوں سے اپنے کانوں کو پکڑ کر معافی مانگی لطیفہ مضطرب سی آژمیر کی جانب دیکھنے لگی۔

"میں نے سوچا تھا کہ کل میڈم کا موڈ اپنی برتھ ڈے کی وجہ سے خوشگوار ہوگا تو میں میم سے سوشل میڈیا پر کوئی پروگرام یا لیکچر دیا جائے پر اب یقیناً یہ ناممکن ہے......" لطیفہ کا لہجہ روہانسا تھا۔

"ہاں یہ بات تو ہے' اب جب کہ تمہاری پرنسپل میڈم خود اس دنیا کا حصہ ہیں تو وہ کیسے اجازت دیں گی کسی بھی لیکچر یا پروگرام کا۔" آژمیر نے اپنی ہنسی ضبط کرتے ہوئے اپنے لہجے کو حتی الامکان سیریس بنایا۔

"اچھا چھوڑو اب اس مشن امپاسبل پر تم فاتحہ پڑھ لو۔" آژمیر نے جھٹ سے مشورہ دے ڈالا۔

"کیا وہ بدلی۔"

"ارے میرا مطلب ہے سورہ فاتحہ اور دیگر آیات وغیرہ پڑھ کر اب سونے کی کرو صبح تمہیں بھی جلدی اٹھنا ہے اور مجھے بھی تم نے ہی اٹھانا ہے۔" آژمیر نے فوراً سے پیشتر اسے سونے کی ہدایت دی وہ لطیفہ کو کسی بچے کی طرح بہلانا چاہتا تھا پر وہ کوئی ننھی بچی نہ تھی جسے کوئی چاکلیٹ دے کر بہلا لیا جاتا وہ لطیفہ تھی بے حد حساس حساسیت جس کے لہو میں دوڑتی تھی۔ جس کا دل غیر محسوس طریقے سے دھڑکتا تھا جس کے پاس حس باطنی بھی تھی اور حس ظاہری بھی۔

⁂ ...... ⁂ ...... ⁂ ...... ⁂

خاموش رات کا مدھر سکوت ہر سو چھایا ہوا تھا۔ اس نے ایک نظر اپنے برابر سوئے آژمیر کی جانب ڈالی اور خاموشی سے گیلری کا دروازہ کھول کر گیلری میں چلی آئی۔ وسیع آسمان کی فراخ سیاہ چھتری سایہ فگن تھی۔ ستاروں کے جھرمٹ میں چمکتا چاند پوری آب وتاب کے ساتھ اپنا نور بکھیرتا ہوا شب پر یوں حاوی تھا گویا فلک کا بادشاہ ہو۔ جب کہ آس پاس بکھرے ٹمٹماتے

تارے اس کی رعایا ہو۔ ان بکھرے ٹمٹماتے تاروں کو دیکھ کر یوں محسوس ہوتا جیسے کسی سیاہ اوڑھنی پر بہت ساری افشاں بکھیر دی ہو...... تطیفہ کی نگاہیں آسمان کی اونچی وسعتوں میں نہ جانے کیا تلاش کررہی تھیں جب کہ اس کا ذہن زمین کی عمیق گہرائیوں میں بھٹک رہا تھا۔ آخر اس گتھی کو کیسے سلجھاؤں؟ ان لوگوں کو صحیح غلط سمت کی پہچان کیسے کراؤں؟ وہ اپنی کنپٹیوں کو انگلیوں کی پوروں سے دباتے ہوئے خود سے ہم کلام تھی۔

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا جب اس کی آنکھ کھلی تھی اور اپنے برابر لیٹے وجود کو نہ پاکر وہ سیدھا گیلری کی طرف بڑھ گیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ گیلری کے علاوہ تطیفہ کہیں اور موجود ہو ہی نہیں سکتی۔

دونوں ہاتھوں کو ریلنگ سے ٹکائے اور ہاتھوں کے پیالے میں چہرہ لیے وہ آسمان کی اور نہ جانے کیا ڈھونڈ رہی تھی۔ سادہ دھلا دھلایا سا چہرہ جس پر چاند کی چاندنی کا عکس پڑ رہا تھا چوٹی میں گوندھے بالوں سے نکلی کچھ شوخ آوارہ لٹیں اس کے چہرے کے طواف میں تھیں۔

"میری جان کیا سوچ رہی ہو؟" آژمیر کی آواز پر وہ چونکتے ہوئے پلٹی جب کہ وہ دھیرے سے چلتا اس کے مقابل آکھڑا ہوا۔

"یہ چاند کتنا پیارا لگ رہا ہے نا......" تطیفہ نے مڑ کر چاند کی جانب نگاہیں ٹکائی جب کہ آژمیر کی نگاہیں اس کے چہرے پر۔

"ہاں...... پر تم سے زیادہ نہیں۔" آژمیر کا لہجہ مخمور تھا اس کی آواز نیند کی خمار سے بھاری تھی تو آنکھیں بوجھل......

"آپ بھی نا۔" وہ ٹپٹائی آژمیر کی بات پر اس کی نگاہیں چاند سے ہوتی آژمیر کے چہرے پر آرکی تھی۔

"چاند کہاں اور میں کہاں؟" تطیفہ نے مدھم آواز میں کہا۔

"چاند وہاں اور تم یہاں۔" آژمیر نے آسمان کی جانب اشارہ کرتے ہوئے تطیفہ کو اپنے سے قریب کیا اور اسے بازوؤں کے حلقے میں لے لیا۔ اس کی قربت سے ماحول پر فسوں چھانے لگا۔ آسمان کی وسعتوں میں چاند تھا اپنے ستاروں کے جھرمٹ میں گھیرا ہوا اور زمین کے اس حصے پر جہاں اس جوڑے کی جنت تھی یہاں تطیفہ تھی اپنے محبوب کی محبت کے گھیرے میں۔

"آژمیر......" تبھی تطیفہ نے ہولے سے اسے پکارا۔

"ہوں......" اس نے آنکھیں موندے ہی جواب دیا۔

"میں آپ کو بہت تنگ کرتی ہوں نا۔ میری وجہ سے آپ بھی اتنا پریشان ہوجاتے ہیں پر میری پرابلم......"

"ہش...... ش۔" اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتی آژمیر نے اس کے ہونٹوں پر اپنی انگلی رکھ دی۔

"نا تم مجھے تنگ کرتی ہو اور ناہی پریشان میری جان...... مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں تم حساس ہو مانتا ہوں اور یہ بھی کہ تم دنیا کی سب سے پیاری لڑکی اور بیوی ہو جو دنیا کو ایک الگ ہی نظر سے دیکھتی ہے۔" اس نے تطیفہ کی پیشانی پر آئے بالوں کو ہٹاتے ہوئے دھیرے دھیرے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

"جب کوئی چیز حد سے زیادہ تجاوز کرجائے تو وہ تکلیف کا باعث بن سکتی ہے۔ جیسے تمہاری حد درجہ حساسیت بھی بعض اوقات تمہاری ہی پریشانی کی وجہ بنتی ہے۔ اب دیکھو اتنے خوب صورت رومینٹک سے ماحول میں ہوتے ہوئے بھی تمہارا ذہن سوشل میڈیا اور ان پر ہونے والے واقعات کی جانب بھٹک رہا ہے۔" آژمیر کا لہجہ آخر میں تھوڑا شرارتی سا ہوا۔ تطیفہ نے اپنی جھکی پلکیں اٹھا کر اس کی جانب دیکھا جس کے چہرے پر دھیمی دھیمی سے مسکراہٹ احاطہ کیے ہوئے تھی۔

"میں اپنی یہ عادت بدل تو نہیں سکتی پر قابو پانے کی

کوشش تو کرسکتی ہوں۔ میں جب اپنے اردگرد کوئی ایسی بات یا واقعہ دیکھتی ہوں تو جب تک میں خود سے اسے روکنے کی کوشش نہیں کرلیتی میں بے چین ہی رہتی ہوں اس لیے آژمیر میں ایک کوشش کرنا چاہتی ہوں جو میرے بس میں ہے اگر جو میں اس میں کامیاب نہ ہوئی تو کم از کم دل کو یہ تسلی رہے گی کہ میں نے کوشش تو کی......“ وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھے بہت دھیمے انداز میں بول رہی تھی۔ اس کے لہجے میں امید کی ایک کرن جھلک رہی تھی۔ جیسے کسی ننھے بچے کو شوق ہو کہ جب آج رات وہ سوئے گا تو خواب میں چاند کی پریاں ضرور دیکھے گا۔ ایسے بچے کو ٹوکنا یا سمجھانا بہت مشکل ہوتا ہے بالکل اسی طرح اس وقت تظیفہ کو سمجھانا ناممکن تھا بلکہ اسے اس کے حال پر چھوڑ دینا ہی مناسب تھا۔

”اچھا میری جان تم اپنی کوشش کرلو کسی کو تم سے کوئی شکایت نہیں نا مجھے نہ میرے دل کو......“ وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا اور پھر نرمی سے بولا۔

”آئی لو یو میری جان!“ آژمیر کا محبت سے چور لہجہ اسے اندر تک پُرسکون کرگیا جیسے صحرا کی تپتی ریت پر برکھا رت کی جل تھل ہو جائے۔ آژمیر نے اس کی پیشانی پر اپنے ہونٹ ثبت کردیئے ہلکے سے مسکراتے ہوئے وہ آژمیر کے شانے پر سر ٹکا گئی اور دونوں کی نظریں آسمان پر موجود چاند کے پاس چمکتے ستاروں کو دیکھنے لگیں۔ ان چمکتے ستاروں کی طرح اس کے مقدر کا ستارا بھی اس کے آس پاس اپنی روشنی بکھیر رہا تھا۔

❁ ❁ ❁ ❁
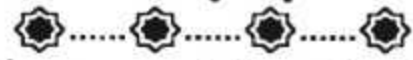
اسکول میں بریک ٹائم میں میڈم طاہرہ کی برتھ ڈے پارٹی کا کیک کاٹا گیا اور ایک خوش گوار ماحول میں مبارک باد و تحائف کا تبادلہ ہوا اور ساتھ ہی چھوٹی سی میٹنگ بھی رکھی گئی تھی جو کہ مارچ کے آخر میں سیلیبریٹ کیے جانے والے سالانہ فنکشن کے حوالے سے تھی۔ میم نے تمام کلاسز کو سبق آموز اور تعلیم پر مبنی ٹیبلو، پوئٹری یا اس سے وابستہ پروگرام میں حصہ لینے کی تلقین کے ساتھ ہر کلاس سے کچھ بچے نامزد کیے تھے اور ان کی تیاری کے لیے الگ الگ ٹیچرز منتخب ہوئیں تھیں۔ تظیفہ کے حصے میں کلاس 7-5-8 کی وہ بچیاں آئیں تھیں جو ٹیبلو کرنے میں دلچسپی رکھتی تھیں۔

”آپ سب لوگ پوری محنت و لگن سے تمام بچوں کو سالانہ فنکشن کے لیے ریڈی کیجیے کیونکہ اس بار مہمان خصوصی کے طور پر ہمارے اسکول میں نہ صرف کچھ میڈیا والے بلکہ پبلک ریلیشن آفس کے سی ای او مسٹر آفتاب لاکھانی بھی شریک ہوں گے اور ساتھ ہی اسٹوڈنٹس کے والدین بھی۔ لہذا اس بار کا فنکشن بڑے پیمانے پر اور شاندار بھی ہونا چاہیے۔“ میڈم طاہرہ نے تمام ٹیچرز کو ہدایت دی۔

سالانہ تقریب بڑے پیمانے پر اور میرا سیکشن ٹیبلو...... تبھی تظیفہ کے ذہن میں تیزی سے ایک کوندا لپکا۔ اسے اپنا راستہ مل گیا۔ اسے موقع مل رہا تھا اپنی کوشش کرنے کا...... اپنے اندر کی آواز کو منظر عام پر لانے کا اور وہ یہ شاندار موقع گنوانا نہیں چاہتی تھی کیونکہ منزل خود چل کر اس کے سامنے آئی تھی۔

❁ ❁ ❁ ❁

آڈیٹوریم ہال مہمانوں سے بھر چکا تھا بچوں کے خوشی سے دمکتے چہرے پُرتجسس والدین پُرجوش ٹیچرز و متحرک اسٹاف...... ہال کے بیچ و بیچ پردہ لگا کر اسے دو پورشن میں تقسیم کردیا گیا تھا تاکہ جینٹس اور لیڈیز پُرسکون ہوکر بیٹھ سکیں۔ مہمان خصوصی و میڈم طاہرہ اور باقی ٹیچرز کی چیئرز اسٹیج کے بالکل سامنے رکھی گئی تھی۔ مہمان خصوصی کے آتے ہی حمد و نعت کے بعد پروگرام کی شروعات ہو چکی تھی۔

”میں راستے میں ہوں کچھ دیر میں تمہارے اسکول پہنچ جاؤں گا او کے ڈیئر وائف......“ ایک خوب صورت ملی نغمے پر بچے پرفارم کررہے تھے۔ تبھی اس کے ہاتھ میں موجود سیل پر میسج ٹون بجی اس نے میسج اوپن کیا آژمیر کا میسج تھا جسے پڑھ کر اس کے چہرے پُرسکون

کے آثار چھپے وہ چاہتی تھی کہ آڈینس بھی اس کا تیار کردہ ٹیبلو دیکھے فیملی کو اجازت تھی اب اس کے میسج سے واضح تھا کہ وہ فری ہو کر یقیناً جلد ہی یہاں موجود ہوگا وہ اطمینان آمیز سانس خارج کر کے بیک اسٹیج کی طرف چل دی۔ جہاں بقیہ بچے اپنی باری آنے کے منتظر اور ٹیچرز کی ہدایتوں کو سن رہے تھے وہ بھی اپنی ٹیم کے بچوں کو آخری ہدایتیں دینے لگی کیونکہ اگلا پرفارمنس اس کی ٹیبلو ٹیم کا تھا۔

"اب پیش خدمت ہے اگلا ٹیبلو جس کی تھیم کو بہت زبردست طریقے کے ساتھ حالات حاضرہ کو ذہن میں رکھتے ہوئے ان کی ہیڈ نے تشکیل دیا ہے اسے آپ سب کے سامنے پیش کرنے کے لیے کلاس 8th-7th-5th کی بچیوں نے حصہ لیا ہے۔"

اناؤنسمنٹ کے ہوتے ہی تالیوں کی گونج میں اس کی ٹیم اسٹیج کی جانب بڑھی جب کہ وہ بیک اسٹیج سے ہوتی ہوئی اسٹیج کے سامنے سجائی گئی چیئرز پر آ بیٹھی جہاں اور بھی ٹیچرز براجمان تھیں۔ پروجیکٹر بھی آن ہو چکے تھے لیڈیز اور جینٹس دونوں پورشن میں پروجیکٹر نصب تھے تاکہ اسٹیج اور اس پر ہونے والی پرفارمنس بہ آسانی نظر آسکے۔ اسٹیج کے پردے دھیرے دھیرے سرکنے لگے تو پردوں کے پیچھے چھپا منظر نمایاں ہونے لگا یہ ایک گھر کا منظر تھا پردے کے ایک سائیڈ پر بیک ہاؤس کی تختی لگی ہوئی تھی۔ ایک ڈائننگ ٹیبل کے گرد تین نفوس بیٹھے تھے شاید ناشتہ کیا جا رہا تھا کیونکہ ڈائننگ ٹیبل کے پاس ہی کچھ کتابیں اور اسکول بیگ بھی موجود تھا۔ ڈائننگ ٹیبل پر ناشتے کے بجائے 8 سالہ لڑکی کسی کاپی پر جھکی کچھ لکھ رہی تھی جب کہ 14 سالہ لڑکی ہاتھ میں موبائل تھامے بیٹھی تھی۔

"تمہیں کتنی بار کہا ہے کہ کم از کم ڈائننگ ٹیبل پر تو اس آفت کی جان چھوڑ دیا کرو۔" ایک لڑکی جو ماں کا رول پلے کر رہی تھی ہاتھوں میں پراٹھوں سے بھری پلیٹ لیے نمودار ہوئی اور 14 سالہ لڑکی کو ڈپٹا پر اس لڑکی کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ اس کی آنکھیں ہنوز موبائل اسکرین پر جمی رہی اور ہاتھوں کی انگلیاں چٹ چٹ چل رہی تھی۔ تبھی یک دم اس کے تاثرات بدلے گویا اس نے کچھ ناگوار دیکھ لیا۔ موبائل آنکھوں کے سامنے سے ہٹا کر اس نے سامنے بیٹھی اپنی چھوٹی بہن کو دیکھا۔

"کل تم کون سے کلب گئی تھی؟" بڑی بہن کے سوالیہ انداز پر جہاں چھوٹی بہن کے چلتے ہاتھ تھمے وہیں ناشتہ کرتے اس کے ماں باپ بھی چونکے۔

"کیا کہا کلب؟" ڈائننگ ٹیبل پر موجود وہ شخص جو یقیناً ان کے باپ کا رول پلے کر رہا تھا سوٹ بوٹ پہنے ٹائی لگائے بظاہر وہ آدمی ظاہر ہوتا وہ بھی کلاس کی ہی ایک لڑکی تھی۔ بڑی بیٹی کی بات سن کر وہ غصے سے چیخا۔

"نہیں پاپا میں کلب...... کہاں...... کیسے اور میں کیوں جاؤں گی؟" چھوٹی لڑکی سہم سی گئی اور ڈرتے ہوئے بولی۔

"تو پھر یہ کیا ہے؟" بڑی بہن نے موبائل آگے لہرایا انجوائے ان کلب وڈ فرینڈ۔" بڑی بہن نے با آواز بلند یہ جملہ پڑھ کر سنایا۔

"وہ پاپا" یہ تو بس یونہی فیس بک پر لکھ دیا تھا ورنہ مجھے تو نہ راستے معلوم اور نہ ہی میں اسکول اور اکیڈمی کے سوا کہیں جاتی ہوں۔" اس کی آنکھوں میں اور لہجے میں جو کچھ دیر پہلے ڈر تھا وہ اڑن چھو ہو چکا تھا۔ بڑی بہن نے بھی اس کی بات سن کر موبائل کو پھر سے اپنی آنکھوں کے سامنے کر لیا جب کہ ان کے والدین بھی اب مزے سے ناشتے میں مگن ہو چکے تھے۔ اسی کے ساتھ پردے بند ہو گئے ہال میں مدھم مدھم سی چہ مگوئیاں شروع ہو چکی تھی جو پردے کے دوبارہ کھلتے ہی بند ہو گئیں۔ نیلم کا گھر پردے کے سرکتے ہی نظر سب سے پہلے اس بورڈ پر پڑی جہاں موٹے حروف میں نیلم کا گھر لکھا ہوا تھا وہیں پاس میں رکھے تخت پر چشمہ لگائے سفید بالوں کی وِگ پہنے ایک لڑکی ضعیف خاتون بنی بیٹھی تھی اس کے ساتھ ہی ایک 11 سالہ بچی

بال کھولے بیٹھی تھی۔ جس کے ہاتھوں میں موبائل تھا اور جو اس ضعیف خاتون سے اپنے بالوں کی مالش کروا رہی تھی۔

"دادو...... کچھ دن پہلے ہم جس ڈاکٹر کے پاس گئے تھے نا۔ وہی جس کے پاس کافی رش بھی تھا اسے ڈیورس ہوگئی۔"

"ہائیں کیا ہوگئی......؟" دادو نا سمجھی سے بولیں۔

"مطلب طلاق ہوگئی......" بچی نے واضح کیا۔

"ہائیں اللہ وہ تو بڑا اچھا بچہ تھا۔ بڑا ہی سوہنا اور نیک لڑکا تھا۔" دادی اب افسوس کرنے لگی تھیں جیسے خدانخواستہ اسے کوئی خوفناک بلا یا بیماری چمٹ گئی ہو۔

"اب ایسا بھی کوئی نیک نہیں تھا۔ پتہ ہے دادو اس کا تو افیئر چل رہا ہے۔" بچی کو اس ڈاکٹر کے بارے میں کافی معلومات تھیں۔

"یہ پھی...... آر کیا چیز ہوتی ہے؟" دادو نے مالش روک دی اور انگلی کو ناک پر رکھتے ہوئے مطلب پوچھا۔

"پھی...... آر نہیں دادو افیئر' افیئر مطلب اس کا چکر چل رہا ہے۔ ڈاکٹر کا کسی لڑکی کے ساتھ۔ اس کی بیوی کو پتہ چل گیا تو بس طلاق ہوگئی۔"

"ہٹ پرے بے شرم نہ ہو تو...... بوڑھی دادو سے ایسی باتیں کر رہی ہے۔" دادی نے کمر پر ہلکا سا چھانپڑ مارا۔

"اف ہو دادو اس میں شرم کی کیا بات؟ جو لکھا تھا وہی بتایا ہے۔" لڑکی نروٹھے پن سے کمر کو سہلاتے ہوئے کھڑی ہوگئی۔

"کہاں لکھا تھا؟" دادی نے آنکھیں پھیلائیں۔

"انٹرنیٹ پر۔" لڑکی کہہ کر چل دی۔

"توبہ ہے۔ یہ آج کل کے بچے کتنے بے شرم ہیں۔ ہمارے زمانے میں تو بڑے بوڑھے بھی یوں کھلے عام آپس میں ایسی باتیں نہ کرتے تھے۔ یہ ڈی ہورس' یہ پھی آر ایٹر لیٹ...... پتہ نہیں کیا کیا بلا آ گئی ہیں کہ چھوٹے چھوٹے بچے بے شرم بنے گھومتے ہیں۔ کوئی لاج شرم ہی نہ رہی۔ آج کے بچوں میں تو۔ توبہ......توبہ۔" دادو وہیں تخت پر بیٹھیں اپنا سر تھامے خود سے بڑبڑانے لگیں۔

منظر بدلتا ہے اب یہ ایک اور گھر کا سیٹنگ لاؤنج ہے جہاں "مسٹر اینڈ مسز سراج ملک" نام کی تختی آویزاں ہے۔ ایک پندرہ سالہ لڑکی کاؤچ پر لیپ ٹاپ گود میں لیے بیٹھی ہے وہیں پاس میں رکھے صوفے پر ایک اسٹائلش سی خاتون کا رول پلے کرتی لڑکی نیل پینٹ میں مشغول ہے۔

"موم ڈیڈ...... آفس سے کب تک آئیں گے؟" لڑکی نے اپنی ماں کو مخاطب کیا۔

"آئی ڈونٹ نو...... شاید لیٹ ہی آئیں گے اگر کوئی میٹنگ ہوئی یا باس نے روک لیا تو......" موم نے کندھے اچکائے۔

"بٹ موم...... ڈیڈ آفس میں تو نہیں ہیں......"

"اچھا تو پھر......" موم نے مصروف سے انداز میں پوچھا۔

"ڈیڈ کے کسی فرینڈ نے انہیں ایک پوسٹ پر ٹیگ کیا ہے وہ پکچرز جہاں لکھا ہے۔ انجوائے پارٹی......

"سگریٹ پر سگریٹ پیئے جا رہا ہوں
پارٹی پہ پارٹی کیے جا رہا ہوں
آج روکے نہ مجھے کوئی
کام کے نام پر باس کو دغا دیئے جا رہا ہوں۔"

"اور یہاں پکچرز میں ڈیڈ بھی موجود ہیں۔" لڑکی نے پورا اسٹیٹس پڑھ کر سنایا جب کہ غور سے سنتی اس کی موم یک دم ہنس پڑی۔

"ہاہاہا کیا زبردست پوسٹ ہے۔" یہ کہتے ہوئے پھر سے اپنے نیل پینٹ کی جانب متوجہ ہوگئیں۔

اس کے ساتھ ہی مخملی دبیز پردے آہستہ آہستہ سرکتے ہوئے آپس میں مل گئے تو ہال میں جہاں اتنی دیر سے خاموشی کی چادر پھیلی ہوئی تھی وہاں پھر سے

مکھیوں سی بھنبھناہٹ جاری ہوگئی۔

پلیز اٹینشن تب ہی اسپیکر سے کھنکتی ہوئی آواز ابھری تو سامعین کی توجہ آواز کی جانب مبذول ہوگئی۔

''میں جانتی ہوں کہ یہ ٹیبلو دیکھ کر آپ سب حیران ہورہے ہوں گے کہ سالانہ فنکشن ڈے پر یہ سوشل ٹیبلو کیوں؟ بہت سارے سوالات اس وقت والدین' ٹیچرز' میڈم اور مہمان خصوصی کے چہرے اور ذہن و دل پر رقم ہیں۔ چلیے آیئے اس ٹیبلو کو پیش کرنے کی وجہ پر روشنی ڈالی جائے......''

''یہ تو سب ہی مانتے اور جانتے ہیں کہ آج کا زمانہ انٹرنیٹ د سوشل میڈیا کا زمانہ ہے۔ آج کی جنریشن تھری جی' فور جی کے ساتھ چلتی ہے۔ مگر کس رفتار سے اور کس حد تک اس کا کوئی تعین ہی نہیں۔ یہ کہنا بجا ہوگا کہ ہم نے اپنے ہی ہاتھوں سے جانتے سمجھتے بوجھتے اپنے بچوں کو اس دلدل میں اتارا ہے جس میں وہ تیزی سے ڈوبتے جارہے ہیں۔ وہ کیسے؟ اب سب کے ذہن میں ہوگا یہ سوال؟ تو اس کی مثال ابھی ٹیبلو میں آپ کے سامنے پیش کی گئی۔''

''بیگ ہاؤس'' ٹیبلو کا پہلا حصہ جس میں آپ نے دیکھا آٹھ سالہ بچی کا کلب جانا معیوب سمجھا جارہا تھا پر یہ جان کر کہ یہ صرف اسٹیٹس کی حد تک ہے اسے واقعی صرف ایک معمولی اسٹیٹس ہی سمجھا گیا اور غصہ بھی اڑن چھو ہوگیا...... وہیں دوسری طرف نیلم کے گھر میں اس لڑکی نے اپنی بزرگ دادو کے سامنے کتنی آسانی سے ڈیورس اور افیئر جیسے الفاظ استعمال کرلیے تو دوسری طرف...... مسٹر اینڈ مسز سراج ملک ہوم کے گھر کا منظر بھی آپ نے دیکھا کہ بیٹی نے کتنے مزے سے اپنے والد کی پارٹی کا احوال پڑھا اور ماں نے تعریف کی یہ صرف تین گھروں کا ہی نہیں بلکہ پورے معاشرے کا چہرہ ہے جو آپ کے سامنے مختصراً پیش کیا گیا۔ یہ غیر مسلموں کی ہی تقلید ہے کہ ہمارے بچے چھوٹے بڑے کی تمیز بھول گئے ہیں...... انگریزوں کی

نقل کرنے کا یہ ہی انجام ہے کہ آج کی نسل شتر بے مہار ہوگئی ہے۔ کل تک کہا جاتا تھا کہ نیکی کر دریا میں ڈال اور اب کیا چھوٹے کیا بڑے سب کا یہ حال ہے کہ کچھ بھی کر بس اسٹیٹس ڈال۔ کہا جاتا ہے کہ بچے اپنے بڑوں کی ہی تقلید کرتے ہیں۔ آج جب ہمیں اس سوشل میڈیا نے کسی آکٹوپس کی طرح جکڑا ہوا ہے۔ ایسے میں ہم اپنے آپ کو چھڑوانے کے بجائے اپنے نقش قدم پر اپنی نسلوں کو بھی ہم قدم لیے چل رہے ہیں۔ موسم سرما کی خنک رات میں بچوں کو آگ کے آگے بٹھایا کہ انہیں حرارت ملے پر بچہ اگر نادانی اور ناسمجھی میں دہکتا ہوا کوئلہ پکڑنا چاہے تو کیا اسے پکڑنے دیا جائے گا......؟ اپنے بچوں کو صحیح غلط کی تمیز ہم نہیں سکھائیں گے تو کون انہیں صراط مستقیم پر چلنے کی تلقین کرے گا؟'' وہ ایک لمحے کے لیے رکی ہال میں سکوت تھا گویا اس کی بات سنی جارہی تھی۔

''ایک استاد' ایک ڈاکٹر' ایک بزنس مین' ایک ہیلتھ ورکر یا ایک سوشل ورکر کی حیثیت سے سوشل میڈیا پر کچھ لکھتے یا بتاتے ہوئے ناجانے کیوں ہم بھول جاتے ہیں کہ ہمارے آس پاس جو لوگ موجود ہیں ان کا ہم سے رشتہ صرف سوشل میڈیا کی حد تک نہیں کہ پوسٹ لگایا ٹیگ کیا لائیک اور کمنٹ شامل کرلیے بلکہ عملی زندگی میں بھی ان لوگوں کا عمل دخل ہے۔ ہمارا ہر قدم' ہر عمل ہماری آنے والی نسلوں کے عمل کا ضامن ہے۔ اب یہ ہم پر واجب ہوتا ہے کہ ہم اپنی آئندہ نسل کے لیے کون سی راہ چنتے ہیں؟ انہیں صحیح غلط کی پہچان کروائیں ہم بڑے جوش و خروش سے قائد ڈے' یوم استقلال' یوم دفاع' جشن آزادی مناتے ہیں پر ان سب سیلبریشن کی جو سب سے بڑی وجہ ہمارا ملک پاکستان ہے اسے یکسر فراموش کردیتے ہیں۔ جو ہمیں اتنی قربانیوں اور نذرانوں کے بعد ملا ہے۔ قائد ڈے پر ہم اپنے قائد کو خراج تحسین پیش کرتے وقت ان کی باتوں ان کے قولوں کو نظر انداز کرجاتے ہیں...... نوجوان نسل مستقبل

کے معمار ہیں ایسا قول ہم سب نے پڑھا ضرور ہے پر عمل ندارد؟ آج کے بچے مستقبل کے معمار کے بجائے سوشل میڈیا کے معمار اور فیس بک فولوور بنے گھوم رہے ہیں۔ المختصر آج کے اس فائنل فنکشن پر میری جانب سے یہاں شامل تمام والدین، تمام ٹیچرز سمیت مہمان خصوصی آپ سب کے لیے یہ ٹیبلو ایک مشعل خاص تھا۔ آخر میں بس اتنا ہی کہوں گی۔

ابھی تو طفل مکتب ہو سمجھالو اپنے جوبن کو
پرندے کچی فصلوں کا بڑا نقصان کرتے ہیں

سریلی کھنکتی آواز کے خاموش ہوتے ہی اسٹیج کے بند پردے پھر سے سرکے اب وہاں کوئی اسٹوڈنٹ فائنڈ ڈے کے حوالے سے تقریر کررہی تھی۔ جب کہ ہال میں موجود تمام لوگوں کے ذہنوں میں مشترکہ سوال گونج رہا تھا کہ آخر یہ اینکر تھی کون؟ سوائے بیک اسٹیج پر موجود کچھ اسٹوڈنٹس اور ایک دو ٹیچرز کے کوئی واقف نہ تھا کہ یہ آواز نظیفہ کی تھی۔

"سب جاننا چاہتے ہوں گے کہ یہ سریلی آواز کس کی تھی؟ پر میں جانتا ہوں کہ یہ سریلی آواز کس کی تھی...... کیونکہ مجھے اس سریلی آواز سے اور اس آواز کی مالک پیاری سی لڑکی سے بہت پیار ہے تم نے اپنا فرض بخوبی نبھایا...... مجھے تم پر فخر ہے۔" میسج پڑھ کر وہ مسکرادی۔ اس کا مطلب آرمیر بھی یہاں موجود ہیں۔ یہ خیال، یہ احساس کہ کوئی اپنا آپ کے پاس، آپ کے اردگرد موجود ہے۔ وہ ہوا کا جھونکا جس نے ابھی آپ کو چھوا وہ اس کے پاس سے بھی گزر کر آیا ہے۔ یہ سوچ ہی پُرسکون کردیتی ہے۔ وہ بھی کسی ندی کی طرح اب پُرسکون تھی۔

❁ ❁ ❁ ❁
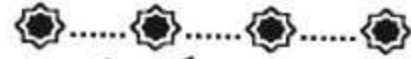
سالانہ فنکشن کے بقیہ پروگرامز بھی بہت خوب صورتی سے اختتام پذیر ہوچکے تھے۔ میڈم طاہرہ بھی بہت خوش نظر آرہی تھیں۔ بلاشبہ یہ سالانہ فنکشن بہت خوش اسلوبی و شاندار طریقے سے منایا گیا تھا۔ اب مہمان خصوصی بچوں میں انعام و اسناد تقسیم کررہے تھے۔ ٹیبلو سیکشن میں بھی فرسٹ، سیکنڈ اور تھرڈ کا نا صرف فیصلہ ہوچکا تھا بلکہ ان بچوں میں انعامات بھی تقسیم کیے جاچکے تھے۔

نظیفہ تو اس گھڑی کے لیے تیار ہی تھی کیونکہ وہ بہ خوبی واقف تھی کہ اس کا پیش کردہ ٹیبلو فائنڈ ڈے کے حوالے سے ہوتے ہوئے بھی سوشل میڈیا سے اٹیچ تھا۔ اس لیے انعام ملنا تھوڑا نہیں بلکہ نہ ممکن ہی تھا۔ البتہ اس کی ٹیم کے بچوں کے چہرے تھوڑی مایوسی لیے ہوئے تھے۔

"پیاری اسٹوڈنٹس آپ لوگ اداس کیوں ہورہے ہو۔ ارے آپ لوگوں نے تو بہت زبردست پرفارمنس دی تب ہی مہمان خصوصی نے خصوصی آپ لوگوں کے لیے اعزازی طور پر خود کھڑے ہوکر تالیاں بجائی تھیں۔ آخر کو میری سوئیٹ اسٹوڈنٹس نے اتنا اچھا ٹیبلو جو پیش کیا۔" وہ بچوں کی مایوسی کو دور کرتے ہوئے انہیں بہلا رہی تھی جب ہی مہمان خصوصی کی ابھرتی ہوئی آواز پر سب اسٹیج کی جانب متوجہ ہوئے۔

"اب ایک اسپیشل انعام اس اسپیشل ٹیم اور ان کی ٹیچر کے نام جنہوں نے بلاشبہ سوشل میڈیا کا خوب صورت پردہ چاک کرکے ایک تلخ مگر حقیقی منظر سے روشناس کروایا۔ اس لیے بہت ساری تالیاں اور شاباش اس ٹیم کے لیے اور ان کی محنت کے لیے جنہوں نے بہت خوب صورتی سے سبق سکھایا ہے۔ یہ حقیقت ہے ایسی ٹیچرز اگر ہر اسکول میں دو چار ہوں تو ہمارے بچے واقعی مستقبل کے معمار بنیں گے۔ پر یہ لازمی ہے کہ ہم اپنے بچوں کو صحیح غلط سمت کا پتہ بتائیں۔ مشینی دور میں جینے کا مطلب یہ نہیں کہ ہم اپنے بچوں کو ان مشینوں کے سپرد کردیں کیونکہ یہ حقیقت سے قریب تر سوشل میڈیا کی سچائی ہے جو ٹیبلو میں پیش کی گئی۔ واقعی کافی حد تک تلخ ہے۔ لوگ عجیب و غریب سے پوسٹ بنا کر بنا سوچے سمجھے لائیک اور کمنٹ تک کردیتے ہیں۔ جیسے

ابھی حال ہی کا ایک واقعہ ہے میری نظر سے ایک پوسٹ گزری جہاں ایک صاحب نے اسٹیٹس لگایا تھا کہ گزشتہ شب ان کی کار کا ایکسیڈنٹ ہوگیا جس میں ان کی ساس صاحبہ کا انتقال ہوگیا اور ان کی بیوی کی ٹانگ میں فریکچر آ گیا اس لیے ان کے لیے دعا کی جائے...... ایسے پوسٹ پر بھی ۸۷ لائیک تھے اور کچھ ماہ پہلے جب زلزلہ آیا تھا تب بھی فیس بک، ٹویٹ، واٹس ایپ الغرض ہر سوشل میڈیا پر اسی سے متعلق پوسٹ تھے...... اللہ کے عذاب سے ڈرنے اور استغفار کے بجائے لوگ پوسٹ کرنے میں مگن تھے گویا اللہ کا قہر وغضب بھی ان کے لیے ایک پوسٹ کے مترادف ہے اور تو اور ایسی پوسٹ پر بھی لوگوں کے لائیک تھے...... حالانکہ لائیک کا مطلب ہے پسندیدگی تو اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ لوگوں کو یہ عبرت ناک عذاب یہ حادثات والے اسٹیٹس پسند آئے...... یہ حال ہے ہماری قوم کا نوجوانوں کا۔ جنہیں آگے جا کر ملک وقوم کی حفاظت کرنی ہے مگر وہ سمجھ بوجھ سب گروی رکھ کر اندھی تقلید کی پیروی میں اس حد تک دوڑے چلے جارہے ہیں کہ انہیں اسٹیٹس کا صحیح مطلب اور لائیک کا صحیح استعمال تک نہیں آتا...... یہ معصوم ذہن جو کل کے روشن ستارے اور ملک کے مضبوط معمار ہوں گے ان کے ننھے ذہنوں کو روشن کرنے کے بجائے انہیں سوشل میڈیا کا کریز اور فیشن ڈال دیا۔ بچے کچے ذہنوں کے مالک ہوتے ہیں، گیلی مٹی کی مانند یہ ہم بڑوں پر لاگو ہوتا ہے انہیں صحیح سانچے میں ڈھالیں۔ انہیں ملک وقوم کی پہچان اور اپنے مذہب سے روشناس کرائیں۔

آج سالانہ فنکشن کے دن بہتری کی طرف ایک قدم جنہوں نے اٹھایا ہے انہیں نہ صرف سراہنا چاہیے بلکہ ان کے اقدام کو سرخرو کرتے ہوئے بہ حیثیت والدین، باحیثیت ٹیچرز، بہ حیثیت پبلک ریلیشن آفیسر ہمیں اپنے بچوں پر نظر رکھتے ہوئے انہیں سوشل میڈیا کا صحیح استعمال، قائد کا پیغام اور عزم یاد دلانا ہے اور تعلیم وشعور کے زیور کے ساتھ ماضی میں دی جانے والی یادگار قربانیوں کے حوصلے سے بھی آراستہ کرانا ہے......

یہ آج کا پیغام بھی ہے اور آج سے ''مشن بھی...... جیسے قطرہ قطرہ مل کر دریا بنتا ہے اسی طرح ہم سب کی تھوڑی تھوڑی کوشش ہی سہی ہمیں سوشل میڈیا کے دلدل سے باہر لائیں گی۔ آج سے ہم سب کو اپنا اور اپنے آس پاس موجود اپنوں کا احتساب کرنا ہے...... بے حد شکریہ آپ سب کا۔'' آفتاب لاکھانی کی پُرامن اور احتسابی تقریر کے اختتام پر ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔

''اب بہت ساری داد اور تالیوں کے ساتھ میں اس ٹیبلو کی ٹیم اور ان کی ہیڈ کو اسٹیج پر آنے کی دعوت دیتا ہوں۔'' ہال میں ایک بار پھر سے تالیوں کی آواز سنائی دینے لگی۔ جسے سن کر جہاں بچوں کے چہروں پر خوشیوں کے رنگ چھائے۔ وہیں نظیفہ کے چہرے پر بھی کامیابی وسرشاری کے رنگ اپنی بہار دکھا رہے تھے۔ اپنی ٹیبلو ٹیم کے ہمراہ جب وہ اسٹیج پر پہنچی اور مہمان خصوصی سمیت میڈم کا شکریہ ادا کرنے کے لیے جونہی مائیک تھاما اس سریلی کھنکتی آواز کا بھی راز کھل گیا۔

وہ خوش، مطمئن اور پُرسکون تھی۔ اس کی آنکھوں سے چھلکتی الوہی سی چمک دور بیٹھے آذمیر کو بہ خوبی نظر آرہی تھی۔ آج بالآخر اس نے اپنا کہا سچ کر دکھایا تھا ننھا سا قطرہ معاشرے میں طغیانی لا چکا تھا اور یہ احتسابی لمحہ یقیناً ملک وقوم کے مستقبل کے لیے بہتر ثابت ہونا تھا۔

صدف آصف

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

نبیل شرمیلا کی محبت میں سرشار ہوتا ہے جبکہ شرمیلا ابھی تک نبیل کی محبت پر اعتماد نہیں کر پاتی اسے یہی لگتا ہے کہ نبیل اس کے ساتھ مخلص نہیں ہے جبکہ اس کی یہ بے اعتمادی نبیل کو شدید اضطراب میں مبتلا کر دیتی ہے دوسری طرف صائمہ نبیل کو شرمیلا کے ساتھ کچھ برا کرنے سے باز رکھنے کی کوشش کرتی ہے لیکن وہ صائمہ کی باتوں کو نظرانداز کرتے اسے آئندہ رابطہ کرنے سے منع کر دیتا ہے۔ صائمہ اپنے طور ایک بار پھر شرمیلا کو سمجھانے کی کوشش کرتی ہے اور اس کے مکروفریب سے آگاہ کرنا چاہتی ہے لیکن شرمیلا اس کی مہمان نوازی کرنے کے بجائے خود کمرے میں بند ہو جاتی ہے اور مزید بات کرنے سے انکاری ہوتی ہے صائمہ کے لیے شرمیلا کی یہ بے رخی دہ اس سے نبیل کی فون کالز کے متعلق پوچھتی ہے جس پر شرمیلا صاف مکر جاتی ہے۔ ریحانہ بیگم اسریٰ اور آفاق شاہ کو گھر پر مدعو تو کر لیتی ہیں لیکن بہزاد خان کو بتانے کا مشکل مرحلہ ابھی انجام نہیں پاتا دوسری طرف سفینہ بھی ان کے سامنے آنے سے انکاری ہوتی ہے وہ سفینہ کو اپنی محبت کا واسطہ دے کر تیار کر لیتی ہیں اسریٰ اور آفاق شاہ کو سفینہ کا سوگوار حسن بے حد پسند آتا ہے اور یہ محتاط سی لڑکی ان کے دل میں جگہ بنا لیتی ہے۔ دلشاد بیگم سفینہ کے رشتے کی بابت سائرہ کو بتا کر ایک نئی چال چلنے میں کامیاب رہتی ہیں وہ فائز کو تمام حالات اس انداز میں بتاتی ہیں کہ فائز سفینہ کی خوشی کے لیے اپنے رشتے اور محبت سے دستبردار ہونے کو تیار ہو جاتا ہے دوسری طرف سفینہ فائز کی منتظر ہوتی ہے کہ وہ اس سے تمام معاملات ڈسکس کرتے حالات کو بہتر بنانے کی کوشش کرے گا لیکن فائز یک طرفہ فیصلہ کرتے اپنی محبت سے دستبردار ہو جاتا ہے سفینہ کے لیے فائز کی یہ بے اعتنائی شدید تکلیف دہ ہوتی ہے دلشاد بیگم سائرہ اور فائز کو یہ گھر چھوڑنے پر آمادہ کر لیتی ہیں جلال خان اس تمام صورت حال پر ٹوٹ کر رہ جاتے ہیں اور نہایت بے بسی محسوس کرتے ہیں بہزاد خان بھاوج کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن وہ کسی کی بات سننے پر آمادہ نہیں ہوتیں۔ روشنی کی بچکانہ حرکتیں دن بدن بڑھتی جاتی ہیں ایسے میں آفاق شاہ اس کے مستقبل کو لے کر متفکر ہوتے ہیں جب ہی انہیں یہ پتا چلتا ہے کہ روشنی کسی لڑکے سے بائیک چلانے کی ٹریننگ لے رہی ہیں تو وہ ششدر رہ جاتے ہے۔ فائز کچھ سامان لینے واپس خان ہاؤس آتا ہے اور سفینہ سے ملاقات کے دوران بدگمانی کے گہرے سائے دور کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ ایسے میں سفینہ بھی اس کی محبت کا دم بھرتے حالات کو بہتر بنانے کی بات کرتی ہے تاکہ اس رشتے کی بات کو یہیں ختم کیا جاسکے فائز بھی سفینہ کے اقرار پر ایک نئے انداز میں سوچنے لگتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

فائز صاف شفاف سڑک پر خراماں خراماں گاڑی میں چلا جا رہا تھا اتفاق سے راستہ بھی سنسان تھا مگر اس کا دھیان تیز رفتاری کی جانب بالکل نہیں گیا، جانے کن خیالوں میں گم مسکراتا ہوا بہت وجیہہ دکھائی دے رہا تھا اس نے فرنٹ مرر میں

خود کو دیکھا اور گھنے بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے سیٹی پر دھن بجائی، سفینہ سے ملاقات کیا ہوئی اس کا مزاج ہی بدل گیا، کسملندی کی جگہ سرشاری نے لے لی، بہت دنوں سے الجھنوں اور دکھوں کا شکار ذہن ہلکا پھلکا ہوگیا۔
"میں بھی کتنا بے وقوف ہوں جو سفینہ کا رشتہ کہیں اور ہونے کی خبر سنتے ہی ہاتھ پیر چھوڑ بیٹھا۔" اس نے کلچ دباتے ہوئے خود کو جھاڑا۔
"اچھا ہوا جو سفینہ نے میرے جذبوں پر پڑی گرد کو اپنی محبت کے آنچل سے جھاڑ دیا ورنہ میں تو ایسے ہی اندھیرے میں سر ٹکراتا پھرتا۔" وہ سگنل کی بتی سرخ دیکھ کر بریک پر پاؤں رکھتے ہوئے بولا۔ "میں اس سے الگ ہونے کا سوچ بھی کیسے سکتا ہوں۔" فائز کے اندر تازگی اور توانائی سماتی چلی گئیں۔
"کچھ نہ کچھ تو کرنا پڑے گا۔" وہ زمانے کے آگے ڈٹ جانے کا ارادہ لیے مختلف تدبیروں پر غور کرتا رہا۔ گلی کا موڑ کاٹتے ہوئے کئی تجاویز کو مسترد کیا اور نانو کے گھر پہنچ گیا۔ گاڑی پارک کی اچانک اس کے دماغ میں ایک زبردست ترکیب کلبلائی۔
"یس...... ممی میری اس بات سے کبھی بھی اختلاف نہیں کریں گی۔" اس نے گاڑی لاک کرنے سے قبل دل ہی دل میں خود کو سراہا۔
"بس نانو کوئی گڑبڑ نہ کردیں۔" وہ ٹھنڈی سانس بھرتا ہوا مین گیٹ کو ان لاک کرتا دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔

❁......❁......❁

روشنی نے مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق صبح صبح اٹھ کر اپنے گھر کے قریبی واقع پارک میں جا کر جاگنگ شروع کردی، اسریٰ خالہ کی ڈانٹ پھٹکار اور بھائی کی نصیحتوں سے بچنے کا یہ ہی بہترین طریقہ تھا۔ وہ پارک میں داخل ہوئی تو دل میں عہد کیا کہ پورے گراؤنڈ کے کم از کم پانچ چکر تو لگائے گی مگر پہلے چکر میں ہی اسے چکر آنے لگے۔ دوسرے میں سانس بری طرح سے پھولنے لگا، جسم پسینے میں تر بتر ہوا تو وہ تھک کر تھوڑی دیر کے لیے لکڑی کی بنچ پر بیٹھ گئی اور دوسرے لوگوں کو واک کرتے ہوئے دیکھنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد سامنے والے ٹریک سے سنی دوڑتا ہوا دکھائی دیا۔ اسے بیٹھا دیکھ کر ہاتھ لہرا کر وش کیا۔ وہ بھی اٹھ کر اس کے قریب چلی گئی۔ اب وہ دونوں ایک ہی ٹریک پر تیزی سے چہل قدمی کررہے تھے۔
"یار ایک بات بتانا؟" سنی نے روشنی کے قریب سے بھاگتی ایک خوب صورت لڑکی کو بغور گھورتے ہوئے سوالیہ انداز میں کہا۔
"ہاں بولو۔" اس نے اپنی جگہ پر کھڑے ہو کر وارم اپ کرتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔
"تم کس سے شادی کرو گی؟" سنی نے سوال کرتے ہی دور ہونے میں عافیت جانی...... اس کا کیا بھروسا ایک ہاتھ جڑ دے۔
"شادی؟" روشنی نے کنفیوز نگاہوں سے اپنے دوست کو دیکھا۔
"ہاں شادی۔" سنی نے مزے سے تصدیق کی۔
"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟" وہ اب بھی اس کا مطلب نہیں سمجھی۔
"بھئی صاف بات ہے تم سے کوئی لڑکا تو شادی کرنے سے رہا۔" سنی کے ہونٹوں سے زوردار قہقہہ نکلا۔
"کیا ایک زور کا ہاتھ پڑے گا ٹھیک ہوجاؤ گے۔" وہ چیخی اور جوگرز سے مٹی اڑاتے ہوئے دھمکایا۔
"مار کٹائی کی کیا بات ہے، سیدھا جواب دے دیتیں۔" سنی باز نہیں آیا، روشنی نے منہ بسور کر خاموشی اختیار کی۔
"ایسا لگتا ہے لاجواب ہوگئی ہو۔" وہ ٹریک سوٹ میں ایک کم عمر پیارا سا لڑکا نظر آئی، سنی کی نگاہوں کا مرکز بنی ہوئی تھی۔

''اس میں لاجواب ہونے کی کیا بات ہے؟'' روشنی نے حیران ہوکر سنی کو دیکھا، اس کے چہرے پر دبی دبی ہنسی مذاق اڑاتی سی لگی۔

''گھر جا کر خود کو غور سے آئینے میں دیکھنا۔ ہر سوال کا جواب مل جائے گا۔'' وہ مضحکہ خیز انداز میں جتاتا ہوا برا لگا۔

''کیوں کیا میں اتنا برا ہوں۔'' روشنی نے اپنا سرتاپا جائزہ لیا اور ہونٹ لٹکا کر پوچھا۔

''یہاں سوال اچھا اور برا ہونے کا نہیں۔'' وہ اسے سمجھانے لگا۔

''اچھا تو پھر کیا مسئلہ ہے۔'' روشنی بھی پیچھے ہی پڑ گئی۔

''کوئی بھی لڑکا ایسی لڑکی کو اپنی شریک حیات نہیں بنا سکتا، جو آدھی تیتر، آدھی بٹیر ہو۔'' بولتے بولتے اس کی ہنسی چھوٹ گئی۔

''کیا بکواس ہے تم مجھے پرندوں سے کیوں ملا رہے ہو؟'' روشنی نے جل کر پیر پٹخا۔

''اچھا تم خود انصاف سے بتاؤ کہیں سے بھی لڑکی لگتی ہو۔'' سنی اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی گاڑی کے پاس لے گیا اور سائیڈ مرر میں اس کا عکس دکھاتے ہوئے بولا۔

''مجھے لڑکی وڑکی نہیں بننا میں ایسے ہی اچھا ہوں۔'' روشنی نے بے پروائی سے اپنے بوائے کٹ بالوں میں گلابی انگلیاں پھیریں۔

''اچھا بھئی جیسی تمہاری مرضی۔'' سنی نے اپنی چوڑی کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھا تو بات لپیٹ دی۔

''ہاں کیوں کہ میں ہر معاملے میں اپنی مرضی چلاتا ہوں۔'' روشنی نے گردن اکڑا کر کہا تو سنی نے اسے ترس بھری نگاہوں سے دیکھا۔

''اوکے جیسی تمہاری مرضی اب میں چلتا ہوں۔ یونیورسٹی سے لیٹ ہو رہا ہوں۔'' اس نے بے پروائی سے شانے اچکائے اور گاڑی کا لاک کھولا۔

''چلو ٹھیک ہے بائے۔'' روشنی نے بھی بے اعتنائی دکھائی اور منہ موڑ کر جانے لگی۔

''ایک منٹ روشنی چلو بیٹھو میں تمہیں ڈراپ کر دیتا ہوں؟'' سنی نے فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے اسے آفر کی۔

''نہیں یار میں خود ہی واک کرتا ہوا چلا جاؤں گا۔'' روشنی کو سنی کا انداز بہت برا لگا، منہ پھلا کر انکار میں سر ہلایا۔

''ایک بات پوچھوں؟'' روشنی نے اسٹیئرنگ پر ہاتھ رکھ کر اسے روکنا چاہا۔

''ہاں یار جلدی بولو دیر ہوگئی تو ناشتے کی جگہ ڈیڈ کی ڈانٹ ملے گی۔'' اس نے اگنیشن میں چابی گھماتے ہوئے کہا۔

''کیا تم مجھ سے شادی کرو گے؟'' روشنی کی بات پر وہ اپنی سیٹ پر سے اچھل پڑا۔

❁ .... ❁ .... ❁

فائز تیزی سے صحن پار کر کے کسی کام سے باہر نکل رہا تھا کہ اسے تھوڑا رکنا پڑا، شرمیلا سرخ لباس میں گلابوں سے بھری ایک چلبلی ٹہنی بنی سیڑھیاں اتر رہی تھی۔ فائز نے اسے نظرانداز کر کے باہر نکلنے کا سوچا۔

''معاف کیجیے گا۔'' شرمیلا اس کے قریب پہنچ چکی تھی، بڑی ادا سے سرخ لب کھولے اور ایسے ترچھی ہو کر نکلی جیسے وہ اچھوت ہو۔

''اسے کیا ہو گیا ہے؟'' شرمیلا کی اس حرکت پر فائز کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا، مڑ کر بے اختیار اسے دیکھتا رہا۔

''ہونہہ۔'' شرمیلا نے گردن جھٹک کر اپنے سرخ بڑے سے دوپٹے جس کا سنہری آنچل رات کے اندھیرے میں جگنوؤں کی چمک سمیٹے ہوئے تھا، بڑی ادا سے پیچھے سے آگے کی جانب بازو پر لیا۔

”یہ کتنی بدل گئی ہے۔“ شرمیلا کی اونچی ہیل کی ٹک ٹک فائز کے کانوں سے دیر تک ٹکراتی رہی، من میں ناگواری جاگی۔ اس نے بڑی شان سے سامنے سے آتی نئے برانڈ کی چمکتی ہوئی گاڑی کو ہاتھ سے اشارے سے روکا۔

”چلیں جناب۔“ مڑ کر فائز کو ایک اتراہٹ بھری مسکراہٹ سے نوازا اور فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر بیٹھتے ہوئے بولی۔

”شیور......“ نبیل نے سر ہلایا اور گاڑی زن سے بھگا دی وہ دونوں ایک کانسرٹ میں جارہے تھے۔

”یہ لڑکی تو شروع سے ہی جھلی ہے۔“ اس نے منہ بنایا۔ ”مگر بتول خالہ کو کیا ہوگیا ہے، جو بالکل ہی آنکھیں بند کرلی ہیں۔“ فائز نے فکرمندی سے سوچا اور پھر سر جھٹک کر باہر کی جانب قدم بڑھا دیے۔

اپنی گاڑی تک کا فاصلہ طے کرتے ہوئے وہ بے اختیار شرمیلا کا سفینہ سے موازنہ کر بیٹھا، شرمیلا کا حسن آگ لگانے، جلا کر بھسم کردینے اور بے چین کرنے والا تھا، جبکہ سفینہ کی خوبصورتی چاند کی چاندنی کی طرح پاکیزہ، نرم سفید دودھیا سی، جو وجود میں سکون کی لہریں جگادے، اندرونی اطمینان کا باعث بن جائے، اسے اپنی چاہت پر فخر سا محسوس ہوا۔

❁......❁......❁

”تم سیریس ہو؟“ سنی نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر روشنی کو دیکھنے کے بعد یقین دہانی چاہی۔

”یس۔“ اس نے گردن ہلائی۔ سنی کو اس پر پیار آیا، معصوم چہرے کو درخت سے چھن چھن کر آتی ہوئی سورج کی شعاعیں حسین بنارہی تھیں۔

”ہاں مگر ایک شرط پر۔“ سنی نے اسے نگاہوں میں جذب کرتے ہوئے کہا۔

”شرط......! کیسی شرط؟“ نرم لب کھلے اور پھر بند ہوگئے۔

”تم میری آئیڈیل میں ڈھل جاؤ۔“ وہ جانے کس جذبے کے تحت بولتا چلا گیا۔

”تمہارا آئیڈیل؟“ روشنی نے مسکراتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

”ہاں آئیڈیل......“ وہ بڑے مزے سے بولا۔

”اس میں کون کون سی خصوصیت ہونی چاہیے؟“ اس کی سوالیہ نگاہیں سنی پر جم گئیں۔

”میں تمہیں ایک مکمل مشرقی لڑکی کے روپ میں دیکھنا چاہتا ہوں۔“ اس نے بولنا شروع کیا۔

”اُف یہ تو بڑا مشکل کام ہے۔“ ...... وہ بڑبڑائی۔

”جسے مہندی، چوڑی سے عشق ہو، لجائی شرمائی، دبلی پتلی سی پیاری سی لڑکی۔“ اس نے بولنا شروع کیا تو رکا نہیں۔

”اومائی گاڈ......!“ اس نے اپنے سراپے پر نگاہ ڈالی اور مایوس ہوگئی۔

”جس کے پاس سے ہوا بھی گزرے تو وہ خوف زدہ ہوکر میرا ہاتھ تھام لے۔“ سنی کا خواب ناک لہجہ، اس کے دل کو اتھل پتھل کیے دے رہا تھا، وہ ایک دم سرپٹ بھاگ کھڑی ہوئی، سنی کے زوردار قہقہوں نے اس کا پیچھا کیا۔ یہاں تک کہ وہ پارک کی باؤنڈری پار کرگئی۔

❁......❁......❁

جامنی سفید پرنٹڈ شلوار قمیص پر سلیقے سے دوپٹہ لیے گھنے بالوں کو سادی سی چوٹی کی شکل دے کر ایک سائیڈ میں ڈالے ہوئے وہ ایک مکمل مشرقی لڑکی دکھائی دی۔ آئینے میں اپنا عکس دیکھتے ہوئے سفینہ نے کئی بار فائز کو سوچا۔

”میں بھلا آپ کے بنا جی سکوں گی؟“ اس نے اپنی آنکھوں کے گلابی پن سے نگاہیں چرا کر اسے پکارا۔

”کیا فائز سچ مچ میں زمانے سے لڑ کر مجھے حاصل کرلیں گے؟“ اس نے آہستہ سے آئینے میں ابھرتے اپنے عکس سے سوال کیا۔

"وہ صرف میری چاہت و محبت ہی نہیں اعتماد اور یقین بھی ہیں۔" وہ سرشاری سے سوچتی رہی۔ "میرے مان کو قائم رکھنے کا اختیار اب فائز کے ہاتھوں میں چلا گیا ہے۔" اس نے آنکھ بند کر کے خیالوں میں التجا کی۔

سفینہ کو محبوب کی یاد کیا آئی، ایک دلفریب مسکراہٹ اس کے نرم گلابی ہونٹوں کو چھوگئی، وہ بے اختیار باہر نکل آئی، کچھ دیر بعد اوپر کا زینہ طے کر کے، چھت کی کھلی فضاؤں میں جاتے ہوئے، نیلے بادلوں سے اٹھکیلیاں کرتے ہوئے ہوا کے جھونکے اسے سرشار کر گئے، موڈ یک دم خوش گوار ہونے لگا۔ ایک تو غضب کا موسم اس پر تصور جاناں، فاخرہ بتول کا کلام ہونٹوں پہ خود بخود مچلنے لگا۔

کسی بھی آنکھ کی تتلی پہ چپکے سے
اترتی ہے، نشاں سا چھوڑ جاتی ہے
یقیں کے رنگ دھندلا کر
گماں سا چھوڑ جاتی ہے
محبت کا کوئی کلیہ، کوئی قانون
لوگوں کی سمجھ میں نہیں آسکتا
کوئی بھی اس کے گہرے بھید ہرگز پا نہیں سکتا
چمکتی دھوپ کی ان چلچلاتی زرد تاروں سے
بُنا ہے اس کو فطرت نے
یہ سب رنگوں سے پرتر ہے
مگر ہر رنگ اس میں گھل گیا گویا
چھوؤ تو ہاتھ کی پوریں گلابی ہوں
سماعت میں اترتی دھیمی دھیمی چاپ جیسی ہے
کتاب زیست کے بھولے ہوئے سے باب جیسی ہے
محبت خواب جیسی
ہے

نبیل اپنے باپ علی مراد کے بلاوے پر دوسرے دن دوپہر سے پہلے ہی گاؤں پہنچ گیا۔ وہ اپنی وسیع و عریض حویلی میں داخل ہوتے ہوئے کچھ گھبرایا ہوا سا تھا۔

"میرا بچہ۔" سکینہ نے بیٹے کو سامنے پا کر لپٹا کر ماتھا چوما۔

"اماں، بہت تھک گیا ہوں۔" اونچا لمبا وجاہت سے بھرپور مرد ماں کے سامنے پہنچا تو بچہ بن گیا۔

"آ جا میری جان یہاں لیٹ جا۔" سکینہ نے لاڈ دکھایا تو فوراً اماں کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا۔

"سچ میں اماں سارے زمانے کا آرام ایک طرف اور آپ کی گود میں لیٹنے کی خوشی ایک طرف۔" آنکھیں موند کر سفر کی تکان سے چھٹکارا پاتے ہوئے بولا، تو سکینہ نے محبت سے بیٹے کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ کتنے دنوں بعد آسودگی نے اس کے وجود کو اپنی گرفت میں لیا تھا۔

"اس بار تجھے جلدی شہر جانے نہ دوں گی۔" سکینہ مراد کا ہاتھ اس کے بالوں میں کیا اترا، تازگی کا احساس اس کے اندر تک سرایت کرتا چلا گیا۔

''آ گئے ہو نبیل۔'' علی مراد نے اندر داخل ہوتے ہی بیٹے کو لاڈ کر تیز سی نگاہوں سے دیکھا۔
''جی بابا جانی۔'' وہ جلدی سے اٹھا اور باپ کے پاس جا کر تعظیماً جھکا۔
''خوش رہو۔'' انہوں نے بیٹے کی پشت پر ہاتھ پھیرا۔
''آج کل کہاں ہوتے ہو؟'' ان کی تفتیشی نظریں بیٹے کا جائزہ لینے لگیں۔
''میں نے کہاں جانا ہے بابا جانی؟'' اندر سے ڈرنے کے باوجود وہ بے پروا دکھائی دینے کی کوشش کرنے لگا۔
''اچھا تو لگتا نہیں۔'' ان کی نظریں نبیل کے سراپا پر جم کر رہ گئیں، وہ پہلے سے زیادہ توانا اور خوبرو دکھائی دے رہا تھا۔
''بچے کو آرام تو کرنے دیں یہ کیا آتے ہی عدالت لگالی۔'' سکینہ نے بیٹے کی کیفیت سمجھتے ہوئے حمایت کرنا چاہی مگر بے سود۔
''آپ جانتی ہیں کہ ہم جب نبیل سے بات کرتے ہیں تو تنہائی چاہتے ہیں۔'' شوہر کی بات پر سکینہ کا منہ بن گیا۔
''جی بہتر۔'' انہوں نے سر ہلایا اور چپ ہو کر ان دونوں کے مکالمات سننے لگیں۔
''بابا جانی آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔'' نبیل نے بڑے اعتماد سے ان کی آنکھوں میں دیکھا۔
''اکبر خان بتا رہا تھا کہ تمہاری بزنس پر سے توجہ بھی کم ہو گئی ہے۔'' ان کے لہجے میں کچھ خاص تھا۔ بڑی بڑی روشن آنکھوں میں خوف چھانے لگا۔
''یہ بابا جانی کے جاسوس ہر جگہ میرا پیچھا کرتے ہیں۔'' اس نے دل ہی دل میں ملازم کو موٹی سی گالی دے کر سوچا۔
''تم آفس میں کم ٹائم دے رہے ہو جس کی وجہ سے کافی سودے کینسل بھی ہو گئے ہیں۔'' ان کی آواز کی گرج کمرے میں گونجی۔
''نہیں تو بس آج کل کاروبار میں مندا ہی بڑا چل رہا ہے۔'' اس نے آنا کانی دکھائی۔
''ہم سب سمجھتے ہیں کہ کاروبار میں کس وجہ سے مندی چھائی ہے۔'' ان کا لہجہ طنز میں بھیگا ہوا تھا۔
''بابا جانی اکبر خان کو تو یونہی باتیں بنانے کی عادت ہے۔'' نبیل نے ہر طرح سے خود کو بچانا چاہا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔
''ہم شاید ایک بار اپنی اولاد کی بات پر یقین نہ کریں مگر اکبر خان کی سچائی پر شک کرنا گناہ سمجھتے ہیں۔'' وہ پُرسوچ انداز میں نبیل کو گھورتے ہوئے بولے۔
''بابا جانی...... یہ زیادتی ہے۔'' اس نے زیر لب احتجاج کیا، جسے در خوراعتناء نہیں سمجھا گیا۔
''ہاں بھئی وہ کون سی ایسی مصیبت آپڑی، جو تم ہر شے سے بیگانہ ہوئے جا رہے ہو۔'' علی مراد نے بڑے معنی خیز انداز میں سوال کیا۔
''کچھ نہیں بابا جانی...... بس ایسے ہی ذرا دوستوں کی مصروفیت رہی۔'' اس کے لیے ان کی نگاہوں سے نگاہیں ملانا مشکل ہو گیا۔
''کسی لڑکی وڑکی کا تو معاملہ نہیں۔'' وہ معنی خیزی سے مسکرائے۔
''توبہ کریں۔'' اس نے جلدی سے کانوں کو چھو کر نفی میں سر ہلایا۔
''اچھا تو پھر ایک خوش خبری سن لو۔'' انہوں نے بیٹے کو پھانسنے کے لیے پینترا بدلا۔
''خوش خبری۔'' اس نے چونک کر ماں کو دیکھا اور اشاروں میں جاننا چاہا۔
''ہاں بھئی تمہاری شادی کی بات خوش خبری ہے۔'' وہ اس انداز میں بولے کہ نبیل ہکا بکا انہیں دیکھنے لگا۔
''ہم نے عبدالرحیم بخش کی بیٹی مومل سے تمہارا رشتہ طے کر دیا ہے۔'' مراد علی نے مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے زوردار

دھما کا کیا۔

''بابا جانی.......! آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔'' نبیل بھونچکا رہ گیا۔

''کیوں کوئی غلط بات کردی کیا؟ اڑیل گھوڑے کو نکیل ڈالنا ضروری ہوگئی ہے۔'' وہ تابڑتوڑ حملے کیے جارہے تھے۔

''ایسا ممکن نہیں ہے۔'' وہ بولا اور پھر ایک دم سے اپنی جگہ چھوڑ کر کھڑا ہوگیا۔ جس بات سے سکینہ خوف زدہ تھیں وہ ظاہر ہوکر رہی تھی۔ انہوں نے بیٹے سے اشاروں کنایوں میں پُرسکون رہنے کی استدعا کی مگر وہ بے تحاشہ مضطرب ہورہا تھا۔

❁......❁......❁

''میں پوچھ سکتی ہوں کہ تمہیں۔ سفینہ میں کیا برائی دکھائی دی۔'' اسریٰ نے مسکرا کر پوچھا۔ انہوں نے روشنی کو اپنے گھر بلوایا تھا۔

''خالہ وہ میں نے بھابیوں کے بارے میں بہت کچھ سن رکھا ہے۔'' وہ بیڈ پر دراز ہوتے ہوئے بولی۔

''کیا سن رکھا ہے؟'' انہوں نے بھانجی کا بغور جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

''یہ بھابی ہی ہے جو بھائی سے بہن کو دور کردیتی ہے۔'' وہ متوحش لہجے میں گویا ہوئی۔

''اچھا اور کچھ۔'' اسریٰ نے اس کی تصحیح کرنے سے قبل مزید اگلوانا چاہا۔

''ہاں اور خوب صورت بھابی اور جادوگرنی میں کوئی فرق نہیں ہوتا، وہ تو آتے ہی سارے گھر پر قبضہ جمالیتی ہیں۔'' روشنی کے دماغ میں عشواماں کا جملہ گونجا، وہ ہی دہرا دیا۔

''اوہ تو تم صرف اس وجہ سے سفینہ کی مخالفت کررہی ہو؟'' اسریٰ نے بھانجی کو معنی خیز انداز میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''جی یہ ہی بات ہے۔'' اس نے سعادت مندی سے سر ہلایا۔

''اچھا اب ایک آخری بات کا سچ سچ جواب دو۔'' اسریٰ نے اسے گھیرا۔

''جی پوچھیں۔'' اس نے بے فکری سے گردن ہلائی۔

''تمہیں یہ ساری باتیں کیسے پتا چلیں؟'' اسریٰ نے خلاصہ کرنا چاہا۔

''وہ بس کسی سے پتا چل گئیں۔'' روشنی نے بہانہ بنایا، عشواماں کا نام لے کر انہیں پھنسوانے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔

''میں اس 'کسی' کا ہی تو نام پوچھ رہی ہوں۔'' اسریٰ نے اپنی بات پر زور دیا۔

''وہ میرا ایک دوست ہے آپ اسے نہیں جانتی ہیں۔'' روشنی نے جان بوجھ کر بیزاری کا اظہار کیا۔

''ہونہہ.....ٹھیک ہے۔'' اسریٰ سمجھ تو گئی تھیں مگر مزید کچھ کہنے کا ارادہ موقوف کردیا۔

❁......❁......❁

''ارے بتول یہ شرمیلا کو کیا ہوگیا ہے؟'' دلشاد بانو نے چائے پیتے ہوئے تیکھے لہجے میں پوچھا۔

''خالہ کیا کہوں؟'' بتول نے ہاتھ ملتے ہوئے بیچارگی دکھائی۔

''آئے نیچے اترنا تو گناہ سمجھتی ہے مگر ہر دوسرے دن تیار ہوکر جانے کہاں نکل جاتی ہے۔'' وہ ایک دم تپ کر بولیں۔

''ہاں خالہ..... پتا نہیں اسے ہو کیا گیا ہے، میری ڈانٹ ڈپٹ کا بھی کوئی اثر نہیں ہوتا۔'' وہ ایک دم اداس ہوگئی۔

''دیکھو بھئی اپنا سمجھ کر سمجھا رہی ہوں۔'' ان کی پُرسوچ نگاہیں، بتول کے اترے چہرے پر ٹھہر گئیں۔

''جی۔'' وہ بولتے بولتے جانے کہاں کھوگئیں۔

''مجھے شرمیلا بہت پسند ہے اور سائرہ بھی اس کو بہت اچھا سمجھتی ہے۔'' انہوں نے راز اگلا۔ ''سن رہی ہو نا.....'' اب کہ ذرا آگے بڑھ کر انہوں نے بتول کا شانہ ہلایا۔

”جی......جی سن رہی ہوں خالہ۔“ وہ جلدی سے ان کی طرف متوجہ ہوئیں۔ ”آپ لوگوں کی کرم نوازی ہے۔“ وہ متانت سے گویا ہوئیں۔

”اے میں کہتی ہوں کہ بیٹی کو سمجھاؤ ذرا اپنے جامے میں رہے۔“ وہ شکوہ کناں انداز میں سمجھانے لگیں۔

”جی میں پوری کوشش کروں گی۔“ انہوں نے لاچاری سے سر ہلایا۔

”دیکھو اس میں ہی تم دونوں کا فائدہ ہے۔“ وہ معنی خیزی سے مسکرائیں۔

”میں سمجھی نہیں خالہ۔“ بتول کی الجھی نگاہیں، ان کی چمک دار نظروں سے ٹکرائیں۔

”بھئی کچھ پتا نہیں کہ سائرہ بیٹی شرمیلا کو اپنی بہو بنالے۔“ دلشاد بانو نے آخری چسکی لے کر کپ پرچ میں رکھا اور اپنا پیٹ ہلکا کیا۔

”ہائے سچ خالہ......! اگر ایسا ہو جائے تو میں تاعمر آپ کی احسان مند رہوں گی۔“ بتول پہلے تو ہک دک رہ گئی، پھر ایک دم خوشامد پر اتر آئی۔

”اوہو...... بڑی بی کوئی نیا ڈھکوسلہ لے کر آئی ہیں۔“ شرمیلا جو ابھی باہر سے آئی تھیں، ماں کو دلشاد بانو سے کھسر پھسر کرتا دیکھ کر تپ گئی۔

”ان لوگوں کو دیکھ کر میرا تو دل ہی گھبرانے لگتا ہے۔“ اس نے سر جھٹکا۔

”اے شرمیلا اسلام دعا تک بھول گئی ہو۔“ دلشاد بانو کے جتانے پر اس نے سلام کیا اور غڑاپ سے اپنے کمرے میں گھس گئی۔

”ہائے اللہ اس کی دیدہ دلیری تو دیکھو دو گھڑی بات کرنے کا بھی وقت نہیں۔“ وہ منہ پر ہاتھ رکھے شرمیلا کو جاتے ہوئے دیکھ رہی تھیں، پہلی بار اس کی آنکھوں پر چھائی اجنبیت کی رمق نے انہیں طیش میں مبتلا کر دیا تھا۔

❁......❁......❁

ریحانہ ناشتہ میز پر لگا چکی تھی۔ بہزاد خان کپڑے تبدیل کر کے وہیں پر چلے آئے، چاروں جانب نگاہیں گھما کر دیکھا اور بے دلی سے گرم چائے کا کپ اٹھا کر لبوں سے لگالیا، ہونٹ جل گئے مگر تکلیف نہیں ہوئی یا انہوں نے ظاہر نہیں کی۔ اس پورشن میں وہ تینوں نفوس موجود تھے جو شروع سے یہاں رہتے آئے تھے مگر پھر بھی پورے گھر میں پھیلی وحشت نے یہاں بھی ڈیرہ جمالیا تھا، ہر وقت ایک کمی کا احساس ان کے اعصاب پر سوار رہتا۔

”خان ہاؤس کے چپے چپے سے سوگواریت سی ٹپکتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔“ بہزاد خان نے کہا اور سفینہ کی طرف دیکھا جو سر جھکائے ہاتھوں کی لکیروں میں کچھ تلاش کر رہی تھی۔

”ہاں ٹھیک ہے مگر اب صبح صبح نہ شروع ہو جائیں۔“ ریحانہ نے انڈے پر پسی کالی مرچ چھڑکتے ہوئے انہیں روکنا چاہا۔

”آہستہ آہستہ کر کے یہ گھر خالی ہوتا جا رہا ہے۔“ انہوں نے بیوی کی بات کو ذرا اہمیت نہ دی اور با آواز بلند خود کلامی جاری رکھی۔

”بہزاد ناشتہ شروع کریں۔“ ریحانہ نے دھیان ہٹانے کے لیے، منہ بنا کر مکھن لگا سلائس ان کی پلیٹ میں رکھا۔

”پہلے اماں پھر ابا جان۔“ بہزاد خان کی آواز بھرائی، سفینہ کے وجود میں خفیف سی تھرتھراہٹ سی ہوئی۔

”کیوں ایسی باتیں کر رہے ہیں؟“ ریحانہ نے کوفت سے شوہر کو دیکھا اور خاموش کرانا چاہا۔

”اب بڑے بھائی بھی مجھے اکیلا چھوڑ کر چلے گئے۔“ انہوں نے بیوی کی بات کو درخوراعتناء نہیں جانا اور دکھ سے بولے۔

"ہاں...... تایا کے ذکر پر سفینہ نے سرد آہ بھری۔ "مجھے بھی تایا جان کی بہت یاد آتی ہے۔" اس نے آنکھوں کی گیلی سطح غیر محسوس انداز میں صاف کرنے کے بعد کہا۔ وہ بہت دیر سے ایک ہی پوزیشن اور ایک ہی زاویے سے بیٹھی جانے کیا سوچ رہی تھی، باپ کی باتوں پر اس نے لبوں کو حرکت دی۔

"تم بھی شروع ہوگئی چلو ناشتہ کیوں نہیں کررہی ہو۔" ریحانہ نے شوہر کو ان کے حال پر چھوڑا اور اپنا غصہ سفینہ پر نکالنا چاہا۔

"مجھے کچھ نہیں کھانا۔" سفینہ کے چہرے کے حسین عضلات تن سے گئے۔

"سفی میں کہہ رہی ہوں، ناشتہ کرو ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔" ریحانہ ایک دم چیخ پڑیں۔

"امی...... میرا دل نہیں کررہا۔" سفینہ نے انکار کیا اور نگاہ اٹھا کر کٹیلی نظروں سے ماں کو دیکھا۔

"کیا مصیبت ہے وہ لوگ تو وہاں مزے سے اپنی زندگی گزار رہے ہوں گے مگر یہاں سوگ منایا جارہا ہے۔" ریحانہ نے زور سے بٹر نائف پلیٹ پر پٹخی اور منہ بنا کر بولیں۔

"ہاں تمہیں تو ہر بات کی خبر ہوتی ہے۔" بہزاد نے برے طریقے سے مذاق اڑایا۔

"ہاں رہتی ہے کیوں کہ میں آپ کی بھاوج کی رگ رگ سے واقف ہوں۔" انہیں بھی ضد سوار ہوگئی، اپنی بات پر ڈٹ گئیں۔

"جانے والوں کو تو بخش دو۔" بہزاد نے چڑ کر کہا۔

"توبہ ہے وہ لوگ کون سا دنیا سے چلے گئے ہیں، جو ایسے بولا جارہا ہے۔" ریحانہ نے بولنے کو تو بول دیا، پھر احساس ہوا کہ منہ سے غلط بات نکل گئی ہے۔

"ریحانہ بیگم زبان سنبھال کر۔" بہزاد خان ایک دم بھڑک اٹھے، سفینہ نے بھی دکھی نگاہوں سے ماں کو دیکھا۔

"اگر یہی حالات رہے تو۔" ریحانہ نے تیز لہجے میں دھمکی دی۔

"تو کیا؟" بہزاد نے ناراض نگاہوں سے بیوی کو دیکھا۔

"اس گھر سے ایک اور فرد چلا جائے گا۔" ان دونوں کی جانب سے کوئی جواب نہیں آیا تو ریحانہ آپے سے باہر ہونے لگی۔

"اچھا کون؟" وہ پرسوچ انداز میں کچھ دیر سوچتے رہے پھر بولے۔

"میں اور کون۔" ریحانہ کی دھمکی سے بھی کوئی فرق نہیں پڑا، سفینہ کی آنکھیں کسی غیر مرئی نقطے پر مرکوز رہیں۔

"چلو ٹھیک ہے۔" بہزاد کے لب ہلے مگر ان کا چہرہ سپاٹ رہا کسی قسم کے جذبات واحساسات سے عاری۔

ریحانہ کے دل کو شدید قسم کا دھچکا پہنچا وہ چپکے سے اُٹھ کر کمرے سے نکل گئی۔ بہزاد نے بیٹی کو ناشتے کی طرف متوجہ کرنا چاہا مگر سفینہ ٹس سے مس نہیں ہوئی اور نہ ہی اُس کی سوچ کا ارتکاز ٹوٹا۔ بیٹی کی ایسی حالت پر بہزاد کے وجود میں اینٹھن ہونے لگی۔

"بیٹی چائے پی لو۔" ان کے اصرار پر سفینہ نے گھونٹ گھونٹ چائے اپنے اندر اتاری۔ شکنوں کا جال ہنوز اُس کی صبیح پیشانی پر موجود رہا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ وہاں ہوتے ہوئے بھی موجود نہیں کمرے کا سکوت گہرا ہونے لگا تو بہزاد خان نے اپنے سر کو ہاتھوں سے تھام لیا۔ ریحانہ کچن میں بیٹھی بہت دیر تک آنسو بہاتی رہیں۔

⁂ ...... ⁂ ...... ⁂

"اُفوہ...... کہیں سے بھی ڈھنگ کا کوئی پروگرام نہیں آرہا۔" سائرہ نے ریموٹ ہاتھ میں لے کر چینل بدلنا شروع کردیئے۔

''ممی مجھے آپ سے ایک بہت اہم بات کرنی ہے؟'' فائز نے ٹی وی لاؤنج میں داخل ہوتے ہی ٹی وی کا سوئچ آف کردیا۔

''ہاں بیٹا بولو؟'' انہوں نے فائز کو پیار بھری نگاہوں سے دیکھا اور سر ہلایا۔

''آپ نے یہ کیا کیا؟ میں تو سوچ سوچ کر پاگل ہوا جارہا ہوں۔'' وہ بڑے انداز سے بولا۔

''تم کہنا کیا چاہتے ہو فائز؟'' سائرہ کی سانس رُکنے لگی تھوک نگلتے ہوئے آہستہ سے پوچھا۔

''آپ نے دادا جان کی اتنی بڑی جائیداد یونہی بہزاد چاچا کے حوالے کردی اور خود یہاں چلی آئیں۔'' اس نے ماں کے چہرے پر نگاہیں گاڑھتے ہوئے کہا۔

''ان کے نام تھوڑی کردی؟'' سائرہ نے تن کر بیٹے کو گھورا۔

''سیدھی بات ہے، جس کا قبضہ ہو، جائیداد بھی اسی کی ہوجاتی ہے۔'' اس نے جان بوجھ کر ماں کے اندیشوں کو ہوا دی۔

''ایسے کیسے اس جائیداد پر ہمارا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا تمہارے چاچا کا۔'' سائرہ سینہ ٹھونک کر بولیں۔

''ہاں مگر اڑتی اڑتی سنی ہے کہ چاچا اس جائیداد کو بیچ کر سفینہ کی شادی کرنے کا سوچ رہے ہیں۔'' فائز پر سفینہ کی پڑھائی ہوئی پٹی کا اثر تھا، الٹا سیدھا بولتا چلا گیا۔

''بہزاد میاں ایسا نہیں کرسکتے......ویسے بھی میں تو اپنے پورشن کو کرائے پر دینے کا سوچ رہی ہوں۔'' سائرہ کے پیٹ میں مروڑ سے اٹھنے لگے۔

''ہاں مگر اب اس گھر کی ساری ذمہ داری ان کے اوپر ہے جو چاہیں کریں، ہم اتنے دور بیٹھ کر کیا کرسکتے ہیں۔'' فائز نے گہری سنجیدگی سے سوال کیا۔

''یہ بات تو میں نے سوچی ہی نہیں۔'' سائرہ سٹپٹا گئیں ان کے ہاتھ پیر ٹھنڈے پڑنے لگے۔

''ہاں میرے دماغ میں بھی اچانک ہی یہ بات آئی۔'' اس نے دل میں خوش ہوتے بظاہر مدبر بن کر کہا۔

''اب کیا کیا جائے؟'' سائرہ نے بیٹے کو مدد طلب نگاہوں سے دیکھا۔

''میرے پاس اس آنے والے طوفان کو روکنے کا ایک طریقہ ہے۔'' ماں کے ہاتھ میں پانی کا گلاس تھماتے ہوئے وہ گویا ہوا۔

''اچھا تو جلدی سے بتاؤ نا۔'' انہوں نے بیٹے کا ہاتھ مضبوطی سے تھام کر پوچھا۔

''کیا کروں اب ترپ کی چال چلوں یا نہیں ایسا نہ ہو کہ چال الٹی پڑ جائے۔'' فائز نے گھبرا کر ماں کو دیکھا اور سوچنے لگا۔

''میں تم سے کچھ پوچھ رہی ہوں فائز۔'' سائرہ نے بے تابی سے اپنا سوال دہراتے ہوئے اس کے مضبوط شانے پر ہاتھ رکھا۔

''ایک کام کریں آپ میری اور سفینہ کی شادی کروادیں۔'' اس نے ہلکے سے کھنکھارنے کے بعد دھماکا کیا۔

''کیا تم ہوش میں تو ہو۔'' سائرہ زور سے دھاڑیں۔

''جی بالکل میں پورے ہوش وحواس میں یہ بات کررہا ہوں ذرا سوچیں۔'' فائز نے تمہید باندھنے کے بعد لمحے بھر کی خاموشی اختیار کی۔

''میں اس معاملے میں کچھ سوچنا نہیں چاہتی۔'' سائرہ نے نروٹھا پن دکھایا۔

''ممی دل سے نہیں دماغ سے سوچیں۔ ویسے تو ہمیں خان ہاؤس کا آدھا حصہ ترکہ میں ملے گا مگر سفینہ سے شادی کے بعد پورا کا پورا خان ہاؤس ہمارا ہوجائے گا کیوں کہ چاچا کا کوئی بیٹا تو ہے نہیں پھر یہ جائیداد ان کے داماد کے پاس تو جائے

گی۔" اس نے دھیرے دھیرے اپنی بات مکمل کی اور سارہ کی آنکھوں میں اچانک چمک ابھر آئی۔

❁......❁......❁

"ہائے روشنی۔" سنی نے اسے بچوں کے ساتھ کرکٹ کھیلتے دیکھا تو دور سے پکارا۔

"چلو بچوں۔ اب میں جارہا ہوں کل کھیلتے ہیں۔" اس نے فوراً بال کو اپنی جیکٹ میں رکھا اور منہ موڑ کر چل دی۔

"اٹس ناٹ فیئر روشنی۔" سارے بچوں نے ایک دم شور مچایا مگر وہ ان سنی کرتی ہوئی تیز قدموں سے چل دی۔

"ارے کہاں جارہی ہو۔" سنی ایک دم چلایا اور اس کے پیچھے دوڑا۔

"مجھے ایک ضروری کام یاد آ گیا ہے۔" اس نے ترچھی نظروں سے دیکھا اور رفتار بڑھا دی۔

"اچھا سنو تو۔" سنی ایک دم اس کے سامنے آیا اور الٹے قدموں سے چلتے ہوئے اسے مخاطب کر بیٹھا۔

"ہاں بولو۔" وہ جھلا کر اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔

"میں کافی دنوں سے کچھ کہنا چاہ رہا ہوں۔" وہ خاص انداز میں بولا۔

"پلیز سنی مجھ سے کوئی فضول بات نہ کرنا۔" اس نے حفظ ماتقدم کے طور پر ہاتھ اٹھا کر اسے روکا۔

"یار تم مجھے اتنا نظر انداز کیوں کرنے لگی ہو۔" وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں بھلا میں کیوں تمہیں اگنور کروں گا۔" روشنی نے دوسری جانب دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"اصل میں مجھے اس دن کی بات پر بہت شرمندگی ہے۔" سنی نے جینز کی جیب میں ہاتھ ڈال کر کہا۔

"کون سی بات؟ میں تو سب بھول گیا۔" وہ بھی بے اعتنائی سے بولی حالانکہ جب سے اب تک سوائے اس بات کے کچھ اور سوچا ہی نہیں۔

"یار مجھے معاف کردینا۔" وہ بڑی صاف دلی سے معذرت کرنے لگا۔

"میں سمجھ نہیں پارہا کہ تم کس بات پر شرمندہ ہو؟" وہ مکمل طور پر انجان بن کر بولی۔

"وہ اس دن میں کچھ زیادہ ہی غلط بول گیا تھا۔" سنی نے شرمندگی سے نگاہیں جھکا کر کہا۔

"لیو اٹ یار۔" وہ پہلے تو خاموشی سے اسے دیکھتی رہی پھر لب کھولے۔

"تھینکس تم نے میرے دل کا بوجھ ہلکا کردیا۔" اس نے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"اٹس او کے۔" روشنی نے مسکرا کر سنی کی خوب صورت چمک دار آنکھوں میں اپنی شبیہہ دیکھی۔

"اس کا مطلب ہے ساری بات کلیئر ہوگئی نا۔" اس نے ایک بار پھر یقین چاہا۔

"ہونہہ......اب میں چلتا ہوں۔" وہ زبردستی مسکرائی اور اجازت طلب کی۔

"اچھا سنو۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر کچھ کہنا چاہا مگر جھجک گیا۔

"ہاں کہو۔" روشنی کا دل دھڑکا پلکوں میں لرزش سی ہوئی۔

"کل میری انگیجمنٹ ہے تم ضرور آنا۔" سنی کے لہجے میں خوشی کے رنگ چھائے ہوئے تھے۔

"کس کے ساتھ؟" روشنی نے بھونچکا ہو کر پوچھا۔

"میری فرسٹ کزن ہے۔" اس نے بڑے آرام سے بتایا۔

"اچھ......اچھا گڈ۔" وہ ہکلائی مگر دل کا ایک کونا ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوا۔

"روشنی از مائی آئیڈیل۔" سنی نے پیار سے کہا اور اس کے ہاتھ کو تھپتھپانے کے بعد تیز قدموں سے دور ہوتا چلا گیا۔ روشنی اسے حیرت سے جاتا دیکھتی رہی پھر سڑک پر پڑے پتھر کو جوتے کی ٹو سے لڑھکاتی ہوئی وہاں سے چل دی۔

اسے نہیں پتا چلا کہ آنکھوں سے آنسوؤں کی بارش کب شروع ہوئی۔

باہر ہلکی ہلکی بارش ہورہی تھی فائز بے اختیار باہر صحن میں نکل آیا ایک ٹھنڈا یخ ہوا کا جھونکا جو قدرے نم نم سا تھا۔ اس کے چہرے کو چھو گیا، اس کے ذہن میں خان ہاؤس میں گزاری گئی کئی برسات بھری راتوں کے مناظر گھوم گئے۔ بارشوں میں وہ خوش گوار فضاؤں کی نمی کو اپنے اندر اُتارتے ہوئے جھوم اٹھتا تھا۔ موسم تو اب بھی اتنا ہی رومان پرور اور دلکش ہورہا تھا مگر فائز کے دل کا موسم کربناک ہوا جارہا تھا۔ اس لیے طبیعت پر بوجھل پن طاری ہونے لگا اُس کے اندر کی تلخی اور اضطراب عروج تک جا پہنچا۔ وہ اداسی سے تاحد نظر دیکھنے لگا تو بہار سے چھلکتی خزاں نے اُس کی ساری توجہ اپنی جانب مبذول کروالی۔

فائز کا دل یہاں بالکل نہیں لگ رہا تھا مگر وہ ماں کی وجہ سے مجبور تھا۔ اس کا بس چلتا تو واپس اپنے گھر چلا جاتا۔ جہاں اس کا سب کچھ تھا مگر بس ہی تو نہیں چلتا تھا، وہ صحن میں بچھی چارپائی پر ایسے ہی چت لیٹ گیا اور بھیگتے ہوئے جانے کب خان ہاؤس میں پہنچ گیا۔

کوشش کے باوجود نانو کے مکان کو گھر کا درجہ دینا اس کے لیے مشکل تھا۔ اس کا گھر تو ''خان ہاؤس'' تھا جہاں ان دونوں کا بچپن گزرا دادا جان کی انگلی پکڑ کر انہوں نے گرتے پڑتے روانی سے چلنا سیکھا، دادی جان نے اسے اور سفینہ کو مار مار کر قرآن پاک ختم کروایا تو دادا جان نے خوش ہوکر ''دونوں کی دانے'' محلے کے بچوں میں بٹوائے۔ اس نے کروٹ بدلی تو ماضی کی یادوں نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ اس کی دادی ہر وقت کچھ نہ کچھ کرتی رہتی تھیں، وہ ان لوگوں کو بھی نصیحت کرتی تھیں کہ ''بیٹا جو بیٹھا، وہ اینٹھا'' اس لیے کچھ نہ کچھ کرتے رہنا چاہیے۔

اسے وہ دن یاد آنے لگا جب دادی جان نے چاچا بہزاد کے پیچھے پڑ کر عقبی حصے میں واقع کھلے ہوادار صحن کے کونے میں لکڑی کا ایک بڑا سا ڈربہ بنوایا اور پھر اس میں دیسی مرغیاں پالی گئیں، دن میں مرغیوں کو کھلا چھوڑ دیا جاتا اور وہ کچے صحن میں مٹرگشت کرتی پھرتیں۔ رات میں انہیں ہانک کر ڈربے میں بند کردیتی تھیں۔ سفینہ اور اس کی ہمیشہ انڈے کھانے پر لڑائی ہوتی...... وہ دونوں انتظار میں رہتے کہ کب مرغی ڈربے سے نکلے اور وہ انڈہ اٹھا کر بھاگ کھڑے ہوں، جس کو پہلے انڈہ مل جاتا وہ یوں خوش ہوتا جیسے اسے خزانہ مل گیا ہو مگر دوسرے کا منہ پھول جاتا۔ اس ریس میں زیادہ تر فائز جیت جاتا کیوں کہ سفینہ بچپن میں بہت گپلو سی تھی۔ اس سے تیز بھاگا ہی نہیں جاتا، بھاگتی تو دھپ سے ایک طرف لڑھک جاتی اور پھر منہ پھاڑ پھاڑ کر رونے لگتی۔ اس کے مقابلے میں فائز بڑا تھا لڑکا ہونے کی وجہ سے وہ بہت چست اور پھرتیلا تھا، دوڑ کر انڈے پر پہلے قبضہ جمالیتا تھا۔ روز روز کے جھگڑوں سے تنگ آکر، دادی نے باری باندھ لی۔ ایک دن اسے انڈہ ملتا تو دوسرے دن سفینہ کو، کبھی کبھی قسمت مہربان ہوتی تو ان دونوں کے مزے ہوجاتے۔

کیسے سادگی سے بھرپور خوش گوار دن تھے۔ وہ دونوں کبھی شرارت پر آمادہ ہوتے تو مرغیوں کے پیچھے کدکڑے لگاتے پھرتے جس کی وجہ سے مرغیاں ڈر کے مارے پورے صحن میں پھڑ پھڑاتی پھرتیں اگر دادی جان کی نگاہ پڑ جاتی تو وہ انہیں پیار سے منع کرتیں کہ بے زبان جانور کو تنگ نہیں کرتے اللہ جی ناراض ہوتے ہیں۔ دونوں ایک دم سہم کر آسمان کی جانب دیکھتے ہوئے کان پکڑ لیتے تو وہ پوتے پوتی کو بانہوں میں بھر کر ماتھا چوم لیتیں۔

کیسی معصومیت سے لپٹی ہوئی زندگی تھی، دادی کی چہیتی سفید پروں اور زرد چونچ والی مرغی ''چینا'' نے انڈے دینا چھوڑ کر کڑ کڑ کرنا شروع کردیا تو پھر محترمہ کو جمع شدہ انڈوں پر بٹھا دیا گیا۔ دادی جان نے اس کی اس دوران خوب آؤ بھگت کی اور جب انڈوں میں سے روئی کے گالوں جیسے چوزوں نے چوں چوں کرتے ہوئے دنیا میں آنکھیں کھولیں تو وہ

دونوں دوڑ کر وہاں پہنچ گئے۔اتنے پیارے چوزے دیکھ کر وہ دونوں دیوانے ہوئے جارہے تھے، ماؤں کے چیخنے چلانے کے باوجود فائز اور سفینہ نے اپنا بوریا بستر ڈربے کے قریب ہی لگا دیا۔ ہر وقت ان بچوں کی دیکھ بھال اور خاطر داری ہوتی مگر دور دور سے کیوں کہ قریب آنے پر مرغی چونچ نکال کر پیچھے دوڑتی۔

جب چوزے تھوڑے بڑے ہو کر صحن میں کٹ کٹ کرکے دانا دنکا چننے لگے تو ان دونوں کو ایسی خوشی محسوس ہوتی جیسی ایک ماں کو اپنے بچوں کو کھاتا دیکھ کر ہوتی۔ ایک دن فائز اسکول سے آیا تو چوزے کی تعداد کم دکھائی دی۔ اس کو یاد آیا کہ ''کلو'' تو کہیں دکھائی نہیں دے رہا۔ بڑی دیر تک تلاش کے بعد جب اس نے دادی جان سے پوچھا تو پتا چلا کہ بلی چٹ کر گئی ہے۔ وہ کونے میں بیٹھ کر بہت رویا۔ سوگ میں اس سے نہ کھانا کھایا گیا، نہ ہی وہ دوستوں کے ساتھ کھیلا۔ پوری رات اسے نیند بھی نہیں آئی، یوں لگا جیسے کوئی پسندیدہ کھلونا ٹوٹ گیا یا کوئی اپنا اس سے روٹھ گیا ہو، ایک ٹھیس سی پہنچی، جیسے انسیت کی ڈوری ٹوٹ گئی ہو، دل میں موجود پیار بھرا احساس ہی تھا، جس کی وجہ سے آنکھیں نم ہونے لگی ہو۔ بالکل ایسے ہی احساس کا ذائقہ اس نے زندگی میں دوسری دفعہ اس دن چکھا جب وہ ماں کے مجبور کرنے پر ''خان ہاؤس'' سے نکل کر نانو کے گھر شفٹ ہوا تھا۔ یوں لگا جیسے اس کے سر پر سے اس گھر کی چھت نہیں ہٹی، محبت کی چادر اتر گئی اور وہ تیز بارش تلے بے آسرا کھڑا ہو۔

❁........❁........❁

''کیا کہوں سکینہ بی بی تمہارے لڑکے نے ہماری زندگی عذاب بنادی ہے۔'' علی مراد نے زچ ہو کر بیوی کی جانب دیکھا۔

''آپ پہلے یہ پی لیں پھر تفصیل بتایئے گا۔'' انہوں نے شوہر کو لسی پیش کرتے ہوئے کہا۔

''آئے دن کسی نہ کسی آزمائش میں ڈال دیتا ہے۔'' انہوں نے لسی پینے کے بعد سکینہ کی طرف دیکھا۔

''کیا پھر کوئی بات ہوئی ہے۔'' انہوں نے جلدی سے منہ پونچھنے کے لیے اپنی چادر کا پلو پیش کرتے ہوئے پوچھا۔

''صاحب زادے کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔'' علی مراد نے بیوی کی چمکتی پیشانی کو دیکھا اور گاؤ تکیے سے ٹیک لگائی۔

''جوان لڑکا ہے گزرتے وقت کے ساتھ ٹھیک ہو جائے گا۔'' سکینہ نے تھکے تھکے لہجے میں سمجھانا چاہا۔

''بہت خوب جوانی تو ہم پر بھی آئی، کھل کر کھیلے بھی مگر کسی کی وجہ سے اپنا نقصان نہیں ہونے دیا۔'' ان کا تمسخر اڑاتا لہجہ ماں کے دل پر لگا۔

''اچھا آپ پریشان نہ ہوں میں کل اسے سمجھاؤں گی۔'' سکینہ نے بات سمیٹتے ہوئے اٹھنا چاہا۔

''پہلے یہ تو سن لو کہ ہوا کیا ہے؟'' علی مراد نے تنبیہ انداز میں انہیں گھورا۔

''جی سرکار۔'' وہ فرماں برداری سے شوہر کے قدموں کے قریب ہو کر بیٹھ گئیں۔

''اکبر خان بتا رہا تھا کہ چھوٹے صاحب آج کل ایک شہری لڑکی کے عشق میں پاگل بنے ہوئے ہیں۔'' علی مراد نے دانت کچکچا کر بتایا۔

نبیل جو ناشتے کے بعد باپ کی خدمت میں حاضری دینے کمرے کی طرف آرہا تھا اپنا ذکر خیر سن کر چوکھٹ تھام کر ہمہ تن گوش ہوا۔

''اچھا شاید آپ بھول گئے، وہ تو کم عمری سے اب تک بچھتر بار کسی نہ کسی لڑکی کی محبت میں گرفتار ہو چکا ہے۔'' سکینہ نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

''معاملہ اس بار کچھ سنجیدگی اختیار کر گیا ہے، موصوف کی چاہت شادی کے وعدوں تک جا پہنچی ہے۔'' وہ ہاتھ پیچھے

باندھ کر کمرے میں ٹہلنے لگے۔
"اف تو بابا جانی کو ساری باتوں کی خبر ہوچکی ہے، چلو اچھا ہی ہوا۔" نبیل نے دھڑکتے دل پر قابو پاتے ہوئے سوچا۔
"کیا خیال ہے ایک بار بیٹے کی پسند بھی دیکھ لی جائے۔" سکینہ نے حسین مسکراہٹ ہونٹوں پر سجا کر شوہر کو منانا چاہا۔
"ہم نے اکبر خان سے پہلے ہی ساری معلومات لے لی ہے۔" وہ معنی خیز انداز میں بیوی کو دیکھ کر گویا ہوئے۔
"اچھا تو جی کیا پتا چلا؟" سکینہ ان کے مقابل آ کھڑی ہوئی۔
"تمہارے بیٹے کی پسند کسی طرح بھی ہمارے خاندان کے لائق نہیں۔" ان کے لہجے کا غرور، نبیل کی پیشانی عرق آلود ہوئی۔
"کیوں بابا جانی شرمیلا میں ایسی کیا برائی ہے؟" نبیل نے بے اختیار ہو کر کمرے میں قدم رکھا اور دھیرے سے پوچھا۔
"وہ لڑکی ایک بیوہ عورت کی بیٹی ہے جو کسی اسکول میں نوکری کرتی ہے۔" ان کے نتھنے پھڑپھڑائے۔
"کسی لڑکی کا غریب ہونا اتنا بڑا جرم نہیں، جس کی وجہ سے آپ میری محبت کو مجھ سے دور کردیں۔" نبیل نے بڑی ہمت کر کے زبان کھولی۔
"وہ خاندان ہمارے قابل نہیں، اس لڑکی کو بہو بنا کر اس حویلی میں لانے کا مطلب جگ ہنسائی ہے۔" علی مراد ملامتی نظروں سے بیٹے کو دیکھتے ہوئے گرجے۔
"بیٹا...... اپنے بابا کی بات سمجھنے کی کوشش کرو۔" سکینہ نے جوان بیٹے کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بحث سے باز رہنے کا اشارہ دیا۔
"سکینہ بی بی اپنے بیٹے کو سمجھاؤ ویسے بھی اس گھر میں مول کو بہو بن کر آنا ہے۔" ان کے چہرے پر خفگی کی لالی چھائی ہوئی تھی۔
"بابا جانی...... یہ ناانصافی ہے۔" اس نے باپ کی منت کرنا چاہی۔
"تم کیا چاہتے ہو کہ ہم اس معمولی سی لڑکی کو اپنی حویلی کی بہو بنا کر لے آئیں، جو شادی سے قبل ہی تمہارے ساتھ گھومتی پھرتی رہتی ہے۔" علی مراد کے لہجے میں تمسخر کے ساتھ طنز کے رنگ بھی تھے۔
"بابا جانی وہ بہت شریف لڑکی ہے۔" نبیل کو باپ کا انداز تاؤ دلا گیا تو سختی سے مذمت کی۔
"ہاہاہا...... شریف۔" وہ زور سے ہنسے، نبیل نے ماں کی تنبیہی نگاہوں کے زیر اثر ہوتے ہوئے خود پر قابو پایا۔
"بیٹے جی تمہارے مشورے پر عمل کرلیا تو پوری برادری ہم پر انگلیاں اٹھائے گی۔" انہوں نے طیش میں دانت پیس کر بیٹے کو گھورا۔
"ایک بار اس لڑکی سے مل لیتے تو......" سکینہ سے جوان لڑکے کی اتری ہوئی صورت دیکھی نہیں گئی، ایک اور کوشش کی۔
"اماں اب کچھ کہنا سننا بے کار ہے، بابا جانی کو مجھ سے زیادہ اپنی شان و شوکت عزیز ہے مگر میں بھی ان کا ہی خون ہوں، شادی کروں گا تو صرف شرمیلا سے ورنہ نہیں۔" اس نے سرخ پڑتی آنکھوں سے ماں کو دیکھتے ہوئے فیصلہ سنایا اور دروازے پر لات مارتا ہوا باہر نکل گیا۔
سکینہ نے اضطرابی کیفیت میں اپنی انگلیاں مروڑتے ہوئے شوہر کو دیکھا، جو ساکت و جامد کھڑے بیٹے کی چوڑی پشت پر نظریں جمائے ہوئے تھے، ان کے چہرے کی معنی خیزی بیوی کو خوف میں مبتلا کیے دے رہی تھی۔

''کیوں رو رہی ہو؟'' عشو نے روشنی کو مسلسل روتے دیکھا تو پوچھا۔
''اماں اس سنی نے میری بہت انسلٹ کی ہے۔'' وہ روتے ہوئے بولی۔
''اچھا اس کی ایسی مجال کیا کہہ دیا۔'' عائشہ نے روشنی کو خود سے لگاتے ہوئے پچکارا۔
''وہ کچھ نہیں۔'' روشنی ایک دم گڑبڑا گئی۔ آفاق جو کسی کام سے اس طرف آ رہا تھا، اندر ہونے والی گفتگو غور سے سننے لگا۔
''ہائے یہ کیا بات ہوئی اب بتاؤ تو بھلا کیا کہہ دیا، اس منحوس نے؟'' عائشہ نے روشنی کے بالوں کو سنوارتے ہوئے کہا۔
''وہ کہتا ہے کہ مجھ سے کوئی لڑکا شادی نہیں کرے گا کیوں کہ میں تیتر بٹیر ہوں۔'' روشنی نے بات کو سینسر کر کے بتایا۔
''اے کم بخت ناس پیٹا دفع دور۔'' عائشہ نے ایک دم گولہ باری شروع کردی۔
''ہاں سنی یہ بھی کہہ رہا تھا کہ میں اس کا آئیڈیل نہیں ہوں۔'' روشنی نے بری طرح سے روتے ہوئے بتایا۔
''ہائے تو میری بچی تمہیں اس کی آئیڈیل بننے کی ضرورت کیا ہے۔'' عائشہ نے اسے سنبھالنا چاہا۔
''وہ کہتا ہے کہ مشرقی لڑکیاں ہی کسی بھی اچھے لڑکے کا آئیڈیل بن سکتی ہیں۔'' وہ جانے کیا کچھ بولتی چلی گئی، آفاق سناٹے میں کھڑا رہ گیا اس کے لیے مزید سننا مشکل ہوگیا تو لمبے ڈگ بھرتا ہوا وہاں سے اپنے کمرے کی جانب چلا آیا۔

''جب تک آپ کے اندر زندہ رہنے کی امنگ نہیں جاگے گی، دنیا کی کوئی طاقت آپ کو ٹھیک نہیں کرسکتی۔'' ڈاکٹر انوار نے جلال خان کی گرتی ہوئی حالت کو تشویش ناک نظروں سے دیکھا۔
''آپ ہی بتائیں میں اس ناکارہ زندگی کا بوجھ کب تک اٹھا کر جی سکتا ہوں۔'' اٹک اٹک کر اپنا مدعا بیان کرتے ہوئے ایک آنسو کا قطرہ ان کی آنکھ سے ٹپکا۔
''ایسی دل دکھانے والی باتیں کیوں کر رہے ہیں۔'' سائرہ نے ایک دم شوہر کے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔
''یہ تم پوچھتی ہو۔'' ان کی شکوہ کناں نظریں بیوی کے چہرے پر گڑیں، وہ ایک دم کسمسائیں۔
''مسز جلال پچھلے دنوں کے مقابلے میں ان کی رپورٹس بہت خراب آئی ہے۔'' ڈاکٹر نے اب سائرہ کو بغور دیکھتے ہوئے بتایا۔
''اچھا مگر ہم سب تو ان کا پہلے سے زیادہ خیال رکھتے ہیں۔'' انہوں نے ایک دم فق چہرے کے ساتھ نگاہیں چرا کر جواب دیا۔
''حیرت ہے اتنا خیال رکھنے پر میرے مریض کا یہ حال ہوگیا ہے۔'' ان کا لہجہ طنز میں ڈوبا ہوا تھا۔
''اصل میں جلال خان دوا لینا نہیں چاہتے۔'' وہ جلدی سے بولیں۔
''اس کے پیچھے بھی کوئی وجہ مخفی ہوگی۔'' ڈاکٹر نے بے مروتی سے کہا۔
''کوئی خاص وجہ نہیں ان کی بس کھانے سے رغبت بھی دن بہ دن ختم ہوتی جارہی ہے۔'' سائرہ نے جیسے راز پر سے پردہ ہٹایا۔
''تو آئی سی ایسا لگتا ہے جیسے یہ کسی شاک کے عالم میں ہیں۔'' ڈاکٹر انور نے اپنے مریض کی ذہنی کیفیت کی پیمائش کرنے کے بعد کہا۔

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔'' سائرہ نے شوہر کی کٹیلی نگاہوں سے بچتے ہوئے جھوٹ بولا۔
''اچھا آپ کہتی ہیں تو مان لیتا ہوں مگر کچھ تو ایسا ہوا ہے جس کی وجہ سے جلال صاحب کے اندر اتنی ناامیدی پیدا ہوگئی ہے۔'' ان کا لہجہ وارننگ دیتا ہوا سا تھا۔
''ڈاکٹر صاحب یقین کریں ایسا کچھ نہیں ہے۔''
''ہم لوگ اتنی محنت سے اپنے مریضوں کو صحت یاب کر کے گھر والوں کے حوالے کرتے ہیں اور آپ لوگ......'' انور اعجاز نے ناراضگی کا اظہار کرنا ضروری سمجھا۔
''پتا نہیں کیوں......؟'' سائرہ مزید بہانہ بنا رہی تھی مگر ان کی طنزیہ نگاہوں کی تاب نہ لاسکیں، ایک دم دبک کر کھڑی ہوگئیں۔
''مجھ سے وعدہ کریں کہ آپ آئندہ وقت پر دوائیں کھائیں گے۔'' ڈاکٹر انور اب جلال خان کے بیڈ کے نزدیک کھڑے ہوگئے، ہمدردی سے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔
''ان دواؤں سے میرا علاج نہیں ہونے والا۔'' جلال خان کے لہجے میں ٹوٹے ہوئے کانچ کی چبھن تھی۔
''میری ضد کی وجہ سے یہ ان حالوں کو پہنچ گئے ہیں۔'' سائرہ نے شرمندگی سے سوچا اور سر جھکا لیا۔
''ایسا نہیں سوچتے زندگی بہت خوب صورت ہے، ابھی تو آپ نے بہت ساری خوشیاں دیکھنی ہیں۔'' ڈاکٹر نے ان کی کاؤنسلنگ شروع کردی۔
''فائز ٹھیک کہتا ہے، مجھے ریحانہ سے ایک دفعہ سفینہ کے رشتے کی بات کرنی چاہیے۔'' سائرہ گہری سوچ میں ڈوب گئی۔
''اچھا آپ آرام کریں۔'' ڈاکٹر انوار نے سائرہ کو اشارے سے باہر جانے کو کہا اور کچھ دیر تسلیاں دینے کے بعد خود بھی باہر نکل آئے۔
''اس طرح سے جلال خان بھی زندگی کی جانب لوٹ آئیں گے اور پورے خان ہاؤس پر ہمارا قبضہ ہوجائے گا۔'' سائرہ نے شوہر کے ماتھے پر انگلیاں پھیرتے ہوئے سوچا اور ڈاکٹر کے پیچھے چل دیں۔
''میری دوا تو خان ہاؤس کی فضاؤں میں چھپی ہوئی ہے۔'' ان دونوں کے جانے کے بعد وہ بڑبڑائے اور سرد آہ بھری، آنکھوں میں ایک دم سے آنسو اُمڈ آئے۔

❁......❁......❁

''یہ نبیل کا فون بھی دو دن سے مسلسل بند جارہا ہے۔'' شرمیلا نے چوتھی بار کال ملائی مگر ہر بار نمبر بند جارہا تھا۔
''اس بندے کی سمجھ نہیں آتی، ملتا ہے تو یوں جیسے میرے لیے جان دینے والا ہے اور بھولے گا تو ہفتوں بات تک نہیں کرتا۔'' شرمیلا کو کوفت نے آگھیرا۔
''اب کی بار کال کرے گا میں تب بھی بات نہیں کرنے والی۔'' اس نے بے دلی سے فون کو سائیڈ پر ڈالا اور بڑبڑائی۔
''مجھے اب تک نبیل کی سمجھ نہیں آئی کہ یہ ہے کیا شے ہے۔'' اس نے سوچا تو لبوں کو مسکراہٹ چھوگئی۔
''صائمہ کہیں سچ تو نہیں بولتی۔'' ایک لمحے کو خدشوں نے سر اٹھایا اور وہ سوچ میں کھوگئی۔
''شرمیلا کہاں کھوئی ہوئی ہو کتنی دیر سے آوازیں دے رہی ہوں۔'' بتول نے اسے جھنجھوڑ کر ہوش دلایا۔
''ہاں کیا ہوا؟'' وہ ایک دم چونک کر ماں کو تکنے لگی۔
''مجھے تم سے ایک بہت اہم بات کرنی ہے۔'' بتول نے تمہید باندھی۔

''جی بولیں کیا کوئی خاص بات ہے؟'' شرمیلا نے منتظر نگاہوں سے دیکھا۔
''ہاں بات تو بہت خاص ہے۔'' بتول کے چہرے کے تاثرات بہت خوشگوار ہوئے۔
''ارے اماں آپ تو بہت خوش دکھائی دے رہی ہیں، کہیں پرائز بونڈ تو نہیں لگ گیا'' شرمیلا ہنسی۔
''میرا تو نہیں مگر تمہارا ضرور لگنے والا ہے۔'' انہوں نے شرارتی انداز میں کہتے ہوئے، اسے حیران کیا۔
''میں کچھ سمجھی نہیں......!'' وہ تجسس سے بولی۔
''ارے اس دن دلشاد خالہ کہہ رہی تھیں کہ سائرہ تمہیں بہت پسند کرتی ہیں۔'' انہوں نے بیٹی کو دوست کی طرح بتایا۔
''اوہ......اس میں کون سی نئی بات ہے میں پہلے سے ہی یہ بات جانتی ہوں۔'' ماں کی بات سن کر اسے لگا پھولے غبارے سے ہوا نکل گئی ہو۔
''ہاں مگر نئی بات یہ ہے کہ وہ تمہاری اور فائز کی شادی کرنا چاہتی ہیں۔'' بتول کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ نے دھما کا کردیا وہ فق سی بیٹھی ماں کو تکتی رہی۔

❁......❁......❁

''بس مجھے نہیں پتا آپ کو یہ کام کرنا ہے'' آفاق نے خالہ کا ہاتھ تھام کر اصرار کیا، وہ آج ان کے گھر بہت خاص بات کرنے آیا تھا۔
''لڑکے پگلے تو نہیں ہوگئے ہو کوئی یوں ہتھیلی پر سرسوں جماتا ہے۔'' وہ کھلکھلائیں۔
''اب یہ تو آپ جانیں کہ ہتھیلی پر سرسوں جمائی ہے یا مہندی مگر بس میرا کام ہونا چاہیے۔'' وہ مسکرا کر بولا۔
''اچھا ٹھیک ہے......مجھے سفینہ کے گھر بات تو کرنے دو۔'' اسریٰ نے کچھ سوچ کر سر ہلایا۔
''صرف بات ہی نہیں کرنی بلکہ انہیں منانا بھی ہے کہ ایک مہینے کے اندر شادی کریں۔'' اس نے ایک بار پھر اپنی بات پر زور دیا۔
''اچھی زورزبردستی ہے۔'' اسریٰ نے ہنستے ہوئے بھانجے کے گھنے بالوں کو مٹھی میں بھرا۔
''خالہ دیکھیں اب مزید دیر کرنے کا مطلب۔ جانتے بوجھتے کھائی میں گرنا۔'' وہ ایک دم اداسی سے بولا۔
''اللہ نہ کرے۔'' اسریٰ نے فوراً ہی اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھا۔
''مجھے تو ایسا ہی لگتا ہے، اب لوگ میری بچی میری روشنی کے جذبات سے کھیل رہے ہیں۔'' وہ ایک دم کراہا۔
''اچھا تم ان فضول باتوں کو دل پر مت لو میں بات کرتی ہوں ریحانہ سے۔'' اسریٰ نے تسلی دی۔
''خالہ یاد رکھئے گا صرف بات نہیں کرنی انہیں جلد از جلد شادی کے لیے منانا بھی ہے۔'' اس نے اٹھتے ہوئے اپنی بات پر زور دیا۔
''ہاں ان شاء اللہ اب دیکھنا میرا کمال کتنی جلدی سفینہ کو تمہاری دلہن بنا کر لاتی ہوں۔'' وہ بھانجے کو چھیڑتے ہوئے مسکرائیں تو آفاق شاہ کے چہرے پر اطمینان پھیلتا چلا گیا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

ان پاکستان زندہ باد

نیلم شہزادی

اس نے اپنی زرد رنگ کی شرٹ الماری سے نکالی' بازو پر پھیلائی جس کے دامن پر بہت خوب صورت مختلف رنگوں کے دھاگوں سے گٹار بنا ہوا تھا۔ لمبی قمیص کے نیچے تنگ پاجامہ اور دوپٹہ سرخ رنگ کا تھا۔ یہ جوڑا اس نے بہت شوق سے بنوایا تھا۔ عرشیہ رنگ برنگے دھاگوں سے بنے گٹار پر ہاتھ پھیرنے لگی جیسے گٹار کے تاروں کو چھیڑ کر کوئی دھن بکھیرنا چاہتی ہو۔

''عرشی بیٹا...... آ بھی جاؤ' دیر ہو رہی ہے۔'' ابو کی آواز پر ہڑ بڑا کے سیدھی ہوئی۔ قمیص جلدی سے طے کر کے بیگ میں رکھی' مزید ضروری اشیاء (باڈی اسپرے' ہینڈ لوشن اور کلینزنگ وغیرہ) اکٹھی کرتے بولی۔

''بس پانچ منٹ ابو جی۔'' سفری بیگ تیار کر کے اس نے بڑی چادر اوڑھی اور بیگ اٹھائے باہر نکل آئی۔ امی کے سامنے جھکی' عفت بیگم نے اس کی پیشانی چومی' کچن میں مصروف بھابی سے مل کر وہ جلدی جلدی ابو کے پیچھے ہولی جو اپنی بائیک گیٹ سے باہر نکالے اس کے انتظار میں کھڑے تھے۔ عرشیہ دو بھائیوں کے بعد پیدا ہوئی تھی سو گھر بھر کی لاڈلی تھی۔ عرشیہ کے بڑے بھائی کی شادی تین سال پہلے ہوئی تھی۔ ان کا ایک سالہ گپلو سا بیٹا تھا' دوسرا بھائی روزگار کے سلسلے میں بیرون ملک مقیم تھا۔ عرشیہ بی ایس سی کے امتحانات دے کر اب فارغ تھی۔ کوئی خاص مصروفیت نہ ہونے کی وجہ سے بور ہوتی رہتی' عرشیہ کے چاچو وقار صاحب دوسرے شہر میں رہائش پذیر تھے۔ چند دن پہلے جب ان کا فون آیا وہ کافی پریشان لگ رہے تھے۔ جاوید صاحب محض آواز سن کے ہی اپنے چھوٹے بھائی کی پریشانی بھانپ گئے۔ استفسار پر پتا چلا کہ چچی زینب کا غسل خانے میں پھسلنے کی وجہ سے بازو ٹوٹ گیا ہے۔ ڈاکٹر نے دو ماہ کا ریسٹ بتایا ہے' چچی زینب پلستر لگے بازو کی وجہ سے گھر کے کسی بھی ضروری کام کو سر انجام دینے سے معذور ہیں۔ چچا جاب کے ساتھ ساتھ گھر کی دیکھ بھال کر رہے ہیں اور بیوی کی تیمارداری بھی۔ ایسے میں وہ بے چارے اکیلے پریشان نہ ہوتے تو کیا کرتے؟ جاوید صاحب چھوٹے بھائی کی پریشانی جانتے ہی عرشیہ کے ساتھ چل پڑے۔ چچی زینب چونکہ عفت بیگم کی خالہ زاد بھی تھیں' اس لیے ان کو اپنی دیورانی سے اچھی خاصی الفت تھی خود تو وہ گھٹنوں کے درد سے مجبور تھیں' جا نہیں سکتی تھیں سو عرشیہ کو ہزاروں نصیحتوں کے ساتھ روانہ کر دیا۔

عرشیہ بھی گھر میں فراغت کی وجہ سے اکتائی ہوئی تھی' چاچو کے گھر جا کر رہنے کا سن کر کھل اٹھی۔ چچا وقار کے پاس بیٹی جیسی رحمت نہیں تھی لہٰذا وہ عرشیہ کو اپنی سگی بیٹی کی طرح ہی چاہتے تھے۔ چچا وقار یوں بھی بہت اچھے مزاج کے تھے اوپر سے ان کے تین عدد حد درجہ شرارتی بیٹے۔

ابو کے پیچھے بائیک پر بیٹھی وہ ارد گرد کا جائزہ لے رہی تھی' ڈیڑھ گھنٹے کے طویل سفر کی وجہ سے بائیک پر بیٹھے بیٹھے اس کی ٹانگیں و کمر شل ہو چکی تھی وہ ارد گرد کا جائزہ لیتی بڑی تیزی سے ہر سائن بورڈ' بینر اور پوسٹر کو مستعدی سے پڑھتی جا رہی تھی۔ ایسے میں اگر وہ بائیک کی تیز رفتاری کے باعث کوئی اشتہار وغیرہ پڑھ نہ پاتی تو دل مسوس کر کے رہ جاتی۔ اسے پڑھنے کا خبط تھا اور پڑھنے والے کو کہیں بھی ہوں پڑھنے کا سامان کہیں نہ کہیں سے

ڈھونڈ لیتے ہیں۔ مناظر پیچھے کی طرف بھاگتے جارہے تھے تارکول کی سیاہ سڑک ہم سفر بنی بھاگی چلی جارہی تھی۔ جولائی کی تیز دھوپ جھلسائے دے رہی تھی بائیک نے موڑ کاٹا تو سڑک کے دائیں جانب چھوٹی چھوٹی چار دیواری شروع ہوگئی اور اس جھلسا دینے والی دھوپ اور حبس کے موسم میں بھی وہ ان گنت لوگ تھے جو خاموشی اوڑھے بے حس و حرکت اپنی آخری آرام گاہوں میں لیٹے ہوئے تھے۔

''کیسے کیسے عظیم لوگ کیسی بے بسی سے سو رہے ہیں۔'' عرشیہ نے شہر خموشاں پر نگاہ ڈالتے افسردگی سے سوچا اور آیت الکرسی کا ورد کرنے لگی۔ امی کے ساتھ کہیں جاتے ہوئے اگر کبھی قبرستان کے پاس سے گزر ہوتا تو وہ آیت الکرسی پڑھنے لگتیں اور عرشیہ کو بھی پڑھنے کی تاکید کرتیں وہ کہتیں۔

''منوں مٹی اوڑھے یہ مسلمان لوگ اپنے گھر (قبرستان) کے پاس سے گزرنے والوں کو حسرت سے تکتے ہیں کہ کوئی ہے جو ہم پر آیت الکرسی پڑھ کر ہماری اندھیری قبروں کو روشن کردے۔ آیت الکرسی قبروں پر ہونے والے عذاب کو روکتی ہے اس لیے جب بھی قبرستان کے پاس سے گزرو تو آیت الکرسی ضرور پڑھا کرو۔ آج ہم کسی کے لیے پڑھیں گے تو کل کوئی ہمارے لیے پڑھے گا کیونکہ نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا کچھ نہیں۔'' وہ ماں کی نصیحت کو یاد کرتی آہستہ آواز میں آیت الکرسی پڑھتی جارہی تھی پڑھ کر شہر خموشاں کی جانب نگاہ کرکے ہلکی سی پھونک ماری تو سامنے چھوٹی سی دیوار پر لکھے الفاظ کو پڑھ کر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔ وہاں بڑے بڑے حروف میں لکھا تھا۔

''نماز ادا کرو اس سے پہلے کہ تمہاری نماز ادا کردی جائے۔'' اس کا پورا جسم خوف سے لرز گیا' اس کی سوچیں بائیک کے پہیوؤں کی طرح دوڑنے لگیں۔

''ہم انسان کتنی غفلت میں ڈوبے ہوئے ہیں' دنیا کو اپنا مسکن بنا رکھا ہے حالانکہ یہ تو ایک سرائے ہے' ہم اپنی نماز (نمازِ جنازہ) کو بھولے ہوئے ہیں اور تو اور فرض نماز کی ادائیگی میں بھی سستی برتتے ہیں' کل سے پڑھیں گے' اسی سوچ نے ہمیں نماز سے دور کر رکھا ہے۔ نماز آج اور ابھی سے پڑھنی چاہیے' کل کس نے دیکھی ہے؟'' وہ خود سے سوال و جواب کرتی' آئندہ کوئی بھی نماز قضا نہ کرنے کا عہد کرنے لگی۔

وہ انہی سوچوں میں غلطاں تھی جب چاچو وقار کا گھر آگیا۔ ابو نے بائیک روکی' اتر کر دروازے پر دستک دی' چچی کی حالت واقعی بہت خراب تھی۔ بازو پر پلستر اور بخار نے ادھ موا کر رکھا تھا' تینوں بچوں کا حلیہ بھی ملگجہ تھا۔ کچن گندے برتنوں سے یوں اٹا پڑا تھا جیسے بلدیہ والوں نے سارے شہر کے برتن (تجاوزات سمجھ کر) اٹھا کر یہاں پھینک دیئے ہوں۔ عرشیہ نے کمر کسی' پہلے واشنگ مشین لگا کر کپڑے دھوئے پھر کچن میں برتنوں کا ڈھیر

دھوکر ٹھکانے پر رکھے۔ تینوں بچے خوشی سے چہکتے اس کے اردگرد منڈلاتے رہے کیونکہ عرشی آپی ان کی فیورٹ آپی تھی۔ وہ کام نمٹانے کے ساتھ ساتھ ان کی باتیں بھی سنتی جارہی تھی جو ایک دوسرے کو مات دینے کے چکر میں مسلسل بولے جارہے تھے۔ سب سے بڑا علی آٹھویں جماعت میں تھا پھر ولی تھا جو گریڈ فائیو میں تھا اور سب سے چھوٹا مٹھو حد درجہ شریر اور باتونی۔ عرشی نے ان کی فراٹے بھرتی زبانوں کو روکنا چاہا۔

"ارے بھئی باری باری بولو مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آرہی۔" عرشی نے تینوں کو مصنوعی خفگی سے گھورا' تینوں یک دم چپ ہوئے اور پھر سے اکٹھا بولنے لگے۔

"آپی میری بات سنیں......"

"پہلے میری بات سنیں.....آپی۔"

"نہیں...... یہ میری آپی ہیں...... پہلے میری بات سنیں گی۔" آوازوں کے شور میں سب سے اونچی آواز مٹھو کی تھی۔

"مٹھو میاں......آرام سے بات کرتے ہیں۔" وہ مٹھو کے گال پر چٹکی کاٹ کر بولی۔

"آپ کو نہیں پتا' یہ علی بھائی بہت تیز ہیں' مجھے بولنے نہیں دیتے۔" مٹھو لڑنے مرنے کے سے انداز میں بولا۔

"اُف مٹھو......تم کتنا بولتے ہو؟ کم جھگڑا کرو بھائی سے۔"

"جھگڑا "کم" ہوتا ہی نہیں ہے۔" مٹھو نے ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے آپی کی کم عقلی پر جیسے ماتم کیا' یہ کہتے ہوئے اس کا لہجہ اتنا پُراعتماد اور بے ساختہ تھا کہ عرشیہ زور سے ہنس دی۔

"اُف...... یہ آج کل کے کمپیوٹرائزڈ بچے......"

شام تک وہ تھکن سے چُور ہوچکی تھی' اس کی نازک طبیعت کو اتنا سا کام ہی کافی تھا۔ اپنے گھر میں ایک کام خود اور دوسرا بھابی کو تھما کے تھوڑا آرام کرلیتی تھی لیکن یہاں معاملہ دوسرا تھا' چچی کو دلیہ بنا کر کھلایا وہ دوا کھا کر بے فکری سے سوگئیں کیونکہ عرشی کی سلجھی ہوئی طبیعت سے وہ بخوبی واقف تھیں۔ اس نے آلو والے چاول پکائے' بچے اتنے دنوں سے بازاری کھانا کھا کھا کر اوب چکے تھے۔ آلو چاول دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور پیٹ بھر کر چاول کھائے۔ دھلے دھلائے صحن میں چار پائیاں بچھادیں۔ کالے اور سفید دھاری دھار کھیس بچھا کر سفید تکیے رکھے اب فراغت ہی فراغت تھی' رات کو وقار گھر لوٹے تو عرشی کو خود سے لگا کر خوب پیار کیا۔

جاوید صاحب دو دن گزار کر واپس چلے گئے' شام کے بعد چچا وقار اکثر بچوں اور عرشی کو لے کر آئس کریم کھانے کی لیے نکل جاتے۔ چچی کے لیے پیک کروالاتے' اس تبدیلی پر عرشیہ بہت خوش تھی۔

❀ ❀ ❀

فرشی پنکھے "گھر......" کی آواز کے ساتھ رک گئے' بجلی پھر چلی گئی۔ صد شکر یو پی ایس کا انتظام تھا ورنہ اس لوڈشیڈنگ نے تو جینا محال کررکھا تھا۔ عرشیہ کی طبیعت گرمی سے گھبرا گئی تھی وہ چپکے سے اٹھ کر چھت پر چہل قدمی کرنے چلی آئی۔ چہل قدمی کرتے وقت عرشیہ نے عجیب سی آوازیں سنیں' وہ آوازیں بہت عجیب تھیں۔ بہت تکلیف دہ' درد کو چیرتیں یوں جیسے کسی بکرے کو ذبح کیا جارہا ہو لیکن گرمی کی شدت نے ابھی عرشیہ جاوید کے حواس اتنے مختل نہیں کیے تھے کہ وہ ایک انسان اور جانور کی آواز میں تمیز نہ کرسکتی۔ اس نے آوازوں کی سمت کا تعین کرتے ہوئے دیوار کے ساتھ کان لگا کر غور سے سننا چاہا۔ بخدا وہ کسی انسان ہی کی آواز تھی' یکلخت عرشیہ کو خوف کے اژدھے نے دبوچا وہ پور پور پسینے سے بھیگ گئی شاید کسی بے یارومددگار پڑی کسی نئی زندگی کو جنم دیتی عورت کی درد سے بلبلانے کی آواز تھی یا کسی آسیب زدہ شخص کی آواز؟ وہ خوف سے کانپتی نیچے چلی آئی' بجلی آگئی تھی لیکن ساری رات وہ کروٹیں بدلتی رہی۔

"یااللہ یہ کیا ماجرا ہے؟" وہ آوازیں رہ رہ کر اس کی سماعتوں میں درد کی میخیں گاڑتی تھیں۔ صبح صادق جب

"اللہ اکبر" کی صدا گونجی تو اس نے شکر کا کلمہ پڑھا اور اٹھ کر وضو کرنے چل دی۔ چاچو نے پہلے چچی کو وضو کرنے میں مدد دی پھر علی، ولی کو جگایا۔ علی کے جاگنے کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ فجر کے لیے اٹھنا اس کا معمول ہے، علی ہشاش بشاش تھا۔ اتنے چھوٹے بچے کا فجر کے لیے اتنی آسانی سے جاگنا قابل رشک تھا جبکہ ولی منہ بسورتا، آنکھیں ملتا چاروناچار باپ اور بھائی کی تقلید میں چل پڑا۔ نماز و تلاوت سے فراغت پانے کے بعد وہ ناشتا تیار کرنے لگی۔ ناشتا کرتے وقت جب اس نے علی سے پوچھا کہ اتنی صبح وہ کیسے جاگتا ہے تو علی نے ذہانت سے بجی اپنی آنکھوں کو گھما کر بڑی ادا سے جواب میں شعر پڑھا۔

کس قدر گراں تم پہ صبح کی بیداری ہے
ہم سے کب پیار ہے ہاں! نیند تمہیں پیاری ہے

عرشیہ کی ساری حیرانگی تحلیل ہوگئی، بلاشبہ چاچو اور چاچی نے اپنے بچوں کی بہت اچھی تربیت کر رکھی تھی، عرشیہ دل ہی دل میں قائل ہوگئی تھی۔

❀......❀......❀

ناشتے کے بعد کاموں سے فراغت حاصل کر کے بعد وہ چچی کے پاس آبیٹھی۔ بچے اسکول اور چاچو آفس جا چکے تھے، چچی زینب کے ساتھ اس کی بہت اچھی دوستی تھی اور اس میں بھی زیادہ کمال چچی زینب کا ہی تھا۔ باقی سب کی طرح وہ چچی زینب سے بھی خوب پیار بٹورتی تھی (چچی زینب بارہا عرشیہ کا ہاتھ اپنے خوبرو بھائی کے لیے، جیٹھ اور جٹھانی سے مانگ چکی تھی۔ چچا وقار بھی اس تحریک میں پوری شد و مد سے پیش پیش تھے۔ عفت بیگم اور جاوید صاحب یہ کہہ کر ٹالتے آرہے تھے۔

"عرشی ابھی پڑھ رہی ہے، پہلے تعلیم مکمل کرلے تو پھر سوچیں گے۔" وہ ابھی چچی سے رات والی بات کا تذکرہ کرنے ہی لگی تھی کہ گیٹ پر بیل ہوئی، ذرا برے موڈ سے وہ گیٹ کھولنے چلی آئی۔

"کون......؟" اس نے بےزاری سے پوچھا۔

"آئس کریم۔" سوال گندم جواب چنا۔ گیٹ کے پار کھڑے شخص نے یک لفظی استفسار سے ہی شناخت کا دریا عبور کر ڈالا تھا۔ وہ جو گیٹ کا آٹو میٹک لاک کھول چکی تھی، یک دم رکی۔

"نہیں، ہمیں آئس کریم نہ تو خریدنی ہے نہ ہی کھانی ہے، کہیں اور جا کر بیچو آئس کریم۔" گیٹ بند کرتی بولی مگر یہ کیا...... گیٹ سے باہر کھڑے شخص نے دروازے میں پاؤں رکھ کر لاک کو آپس میں پیوست ہونے سے روک دیا۔ عرشیہ بُری طرح جھنجھلائی اور دروازے کو ذرا سا کھولا اور دانت پیستے ہوئے بولی۔

"کیا مصیبت ہے، ہمیں آئس کریم......" باقی کے لفظ دم توڑ گئے۔ آنے والا اندر آچکا تھا، دراز قد و قامت، بھوری آنکھیں، صاف شفاف رنگت اور ہونٹوں پر شرارتی مسکراہٹ، چاکلیٹ کلر کی پینٹ پر براؤن شرٹ پہنے وہ کافی فریش نظر آرہا تھا۔

"السلام علیکم!" عرشیہ شانوں پر پھیلے دوپٹے کو خواہ مخواہ ٹھیک کرنے لگی۔

"ارے عون تم...... بنا بتائے؟" چچی بھی اپنے بھائی کو دیکھ کر چلی آئیں۔ وہ خفت سے سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ خاموش سی کھڑی تھی۔ چچی ہنستی ہوئی لاؤنج میں آبیٹھیں۔

"اب ایسی بھی کیا بےزاری، بندہ دروازہ کھولتے وقت تھوڑا دھیان ہی دے لیتا ہے۔" اس نے اپنے ہی سر پر ہلکی سی چپت رسید کی۔ اگلے چند منٹ اس نے چچی کے کچن میں آنے کا انتظار کیا وہ نہ آئیں تو اسے خود ہی آداب میزبانی نبھانے کا غم لاحق ہوا۔ کولڈ ڈرنک کے ساتھ کچھ اسنیکس رکھ کر ٹرے لیے لاؤنج میں آئی تو مٹھو کو ماموں کی گود میں چڑھا پایا۔ مٹھو حسب معمول نان اسٹاپ شروع تھا۔ عون اپنی آپا کا بازو تھامے بڑی فکر مندی سے کچھ کہہ رہا تھا۔ عون نے ایک بھرپور نظر اس کے سراپے پر ڈالی جو بنا ہم کلام ہوئے ٹرے ٹیبل پر رکھ چکی تھی۔ گہرے سرخ رنگ کے سوٹ میں شانوں تک

آتے سیاہ بالوں کو کیچر میں مقید کیے سیدھی دل میں اترتی گئی۔ وہ خاموشی سے واپس پلٹنے لگی تو سماعتوں کے پردے سے بھاری مردانہ آواز ٹکرائی۔

''آپا...... آپ کے سسرالیوں میں سلام کا جواب دینے کا کوئی رواج نہیں؟'' وہ پلستر لگے بازو کا جائزہ لیتا نیچے منہ کیے بڑی معصومیت سے بولا۔ عرشی کی نظروں کے سامنے سے تھوڑی دیر پہلے کا منظر گزرا تو اسے اپنی نالائقی پر افسوس ہوا کہ سلام کا جواب تو اس نے دیا ہی نہیں تھا خود کو سرزنش کرتے کہا۔

''السلام علیکم!'' مبادا بہن بھائی کوئی اور پھلجڑی چھوڑیں۔

''اونہو آپی...... یہ تو سلام ہوا' سلام کا جواب ہوتا ہے وعلیکم السلام۔'' لیکن وہ مٹھو کو اگنور کرگئی وہی اسے بھاری پڑ گیا۔

''کتنا تیز ہے یہ مٹھو بھی' بالکل اپنے ماموں پر گیا ہے۔'' اس نے ٹھنڈی آہ بھر کے سوچا۔

''اوہ میرے یار...... خوش کردیا' یہ ہوئی نا بات۔'' ماموں کو بھانجے پر زیادہ ہی پیار آرہا تھا۔

''سلام تو درکنار میرے ننھے دوست...... یہاں تو لوگ آئس کریم بیچنے والا سمجھ کر منہ پر گیٹ بند کردیتے ہیں۔'' اپنا دکھڑا سناتے ہوئے مزید کہا تو عرشیہ نے دانت پیس لیے۔

''وعلیکم السلام!'' اور ایک گھوری مٹھو کی طرف اچھالتی نکل آئی (تم سے تو بعد میں پوچھوں گی)

❀......❀......❀

علی بہت سے کاموں میں اس کی مدد کرتا تھا' اگست کا مہینہ شروع ہوچکا تھا۔ چچی کا بازو بھی اب کافی بہتر تھا مگر ابھی زیادہ حرکت نہیں دے سکتی تھیں۔ عون اکثر شام کو آجاتا' سموسے لے آتا عرشیہ چائے تیار کرکے لے آتی اور سب شام کی چائے سے لطف اندوز ہوتے۔ عون حد درجہ ہنس مکھ اور ہر دل عزیز شخصیت کا مالک تھا' چچی کی طبیعت سنبھلتی دیکھ کر عرشیہ نے واپس جانے کی بات کی تو بچوں نے شور مچادیا۔

''آپی...... آپ اتنی جلدی نہیں جاسکتیں۔'' ولی بولا۔

''رک جاؤ ناں آپی...... قسم سے سموسے کھلاؤں گا۔'' علی نے کچھ اس طرح لجاجت سے کہا کہ اسے مانتے ہی بنی اور چچی نے بھی تو سختی سے منع کردیا تھا۔

دن گزرتے رہے چچی کا بازو بہت حد تک ٹھیک ہوگیا تھا۔ اس دن بچے (عون) ماموں کے ساتھ گئے ہوئے تھے' چچی کے میکے میں صرف ایک بھائی ہی تھا جو اسی شہر میں مقیم تھا۔ گرمی نے پچھلے سارے ریکارڈ توڑنے کی ٹھان لی تھی۔ چچی اور وہ سرِشام چھت پر چلی آئیں' اِدھر اُدھر کی ڈھیروں باتیں وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا (ان ڈھیروں باتوں کا مرکز چچی کا پیارا بھائی تھا جن کو سن کر عرشیہ بس مسکراتی رہی)۔

اندھیرا گہرا ہورہا تھا جب عرشیہ نے پھر سے وہ مبہم آوازیں سنی تھیں' جانور کے ذبح ہونے کی' انتہائی تکلیف دہ آواز......

''چچی یہ کیسی آواز ہے؟'' عرشیہ نے چچی سے سوال کیا اور اس رات والی ساری روداد بھی کہہ ڈالی۔ چچی ہلکا سا مسکرائیں عرشی کو نجانے کیوں یہ مسکراہٹ درد سے بھیگی محسوس ہوئیں۔

''یہ تو نور بابا کی آواز ہے۔ نور بابا بیمار رہتے ہیں' انہیں دورے پڑتے ہیں۔ یہ پچھلی گلی میں ان کا گھر ہے' میں تمہیں کل حاجرہ بی (نور بابا کی بہن) کے پاس لے چلوں گی' تمہیں تمہارے سارے سوالوں کے جواب دیں گے۔'' چچی نے اسے حاجرہ بی سے ملوانے کا وعدہ کیا اور بنا کچھ بتائے عرشیہ کی تجسس کو ہوا دے ڈالی۔

❀......❀......❀

دوسرے روز وہ چچی زینب کے ساتھ حاجرہ بی سے ملنے چلی آئی۔ چچی نے دروازے پر دستک دی تو ایک چھوٹی سی بچی نے دروازہ کھولا۔ چچی کی بے تکلفی دونوں گھروں کے اچھے روابط ہونے کا پتا دے رہی تھی' وہ

ماہنامہ داستانِ دل ساہیوال

ادب کی دنیا میں ایک نیا نام

نئے لکھنے والوں کے لئے ایک بہترین پلیٹ فارم

اگر آپ لکھاری ہیں اور تحریر کسی مستند ادارے میں بھیجنا چاہتے ہیں تو ابھی داستانِ دل کو بھیجیں۔ آپ کی تحریر قریب کے شمارے میں پبلش کی جائے گی۔ آپ اپنے افسانے، ناولٹ، ناولز، کہانیاں، جگ بیتیاں، آپ بیتیاں، غزلیں یا پھر نظمیں ہمیں ای میل کے ذریعے، ڈاک کے ذریعے یہاں تک کہ وٹس ایپ کے ذریعے بھی بھیج سکتے ہیں۔ بس آپ کی تحریر اردو میں لکھی ہونی چاہیئے۔ اگر آپ نئے لکھاری ہیں تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، آپ اپنی تحریر ہمیں بھیجیں ہم اس کو صحیح کر کے اپنے شمارے کا حصہ بنائیں گے۔ اگر آپ لکھنا نہیں جانتے تب بھی آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں آپ ہمیں کوئی بھی اچھی سی غزل یا اقوال زریں انتخاب کے لئے بھیج سکتے ہیں۔ وہ بھی داستانِ دل کا حصہ بنے گا۔ اس کے علاوہ آپ اپنی تحریر موبائل پر بھی میسج کر سکتے ہیں بس اردو میں تحریر ہو۔

ہمارے داستانِ دل کے سلسلے کچھ اس طرح سے ہیں

محبت نامے، ملک کی ممتاز شخصیات کا انٹرویو، افسانے ناولز، ناولٹ، غزلیں، نظمیں، حمد، نعت اور انتخاب

اس کے علاوہ آپ کی ہر تحریر کو ہمارے شمارے میں خاص جگہ دی جائے گی۔ آپ ہمارے سارے شمارے پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر پڑھ سکتے ہیں اور پڑھ کر اپنی رائے دے سکتے ہیں

ہمارا ایڈریس ہے۔

ندیم عباس ڈھکو چک نمبر L-5/79 ڈاکخانہ L.5/78 تحصیل و ضلع ساہیوال

وٹس ایپ نمبر: 03225494228

ای میل ایڈریس ہے abbasnadeem283@gmail.com

بہت پرانا گھر تھا ہندوؤں کے ہاتھوں سے بنا موٹی موٹی دیواروں والا۔ گھر تھا تو چھوٹا سا مگر تھا ٹھنڈا' وہ ایک کمرے میں داخل ہوئیں جہاں ایک معمر خاتون براجمان تھیں (لگتا ہے یہ ہی حاجرہ خاتون ہیں عرشیہ نے سوچا) ان کے بال سفید تھے' چہرہ جھریوں سے سجا ہوا۔ نظر کا چشمہ لگائے وہ پان کھا رہی تھیں' وہ دونوں سے بہت گرم جوشی سے ملی تھیں۔ اِدھر اُدھر کی بہت سی باتوں کے درمیان چچی نے عرشیہ کا تفصیلی تعارف کرایا۔ کمرے میں دو چار پائیاں بچھی تھیں ایک کونے میں ترتیب سے تین موڑھے رکھے تھے جن پر نیلے رنگ کے بڑی بڑی جھالروں والے کور بھی چڑھائے گئے تھے۔ چھت سے لگا پنکھا ہلکی ہلکی ہوا دے رہا تھا' دروازے کے پیچھے دیوار پر لگی کھونٹی پر کھجور کے پتوں سے بنا مصلیٰ لٹکا ہوا تھا۔ اس کے اوپر سفید منکوں والی تسبیح بھی تھی' نیم تاریک کمرے میں تسبیح کے دانے چمکتے تھے۔ عرشیہ کمرے کا جائزہ لینے میں محو تھی جب ایک درمیانی عمر کی عورت شیشے کے گلاسوں میں سرخ شربت لیے چلی آئی۔

"نور بابا کی طبیعت کیسی ہے؟" چچی نے پوچھا عرشیہ متوجہ ہوئی' آخر معمہ حل ہونے والا تھا۔

"بے سدھ پڑا ہے اپنے کمرے میں' رات بھر دورے پڑتے رہے ہیں۔ حرماں نصیبی تو دیکھو کتنی لمبی زندگی لے کر آیا ہے۔" عرشیہ نے ساری توجہ حاجرہ بی کی طرف مبذول کی۔ چچی زینب نے آنے کا مدعا بیان کیا تو حاجرہ بی مسکرا دیں۔

"بڑی پیاری بچی ہے' اللہ نصیب اچھے کرے۔" چند لمحوں کے توقف کے بعد وہ اپنی کہانی سنانے لگیں۔ وقت کئی دہائیاں پیچھے کی طرف بہنے لگا' حاجرہ بی جیسے خود فراموشی کا شکار تھیں۔ عرشیہ کو ان کے ہم قدم ہونے کے لیے بہت تیزی سے چلنا پڑ رہا تھا۔

"ہمارا گاؤں امرتسر کے علاقے میں تھا' میری بے بے (ماں) دو بہنیں تھیں' ایک ہی گاؤں میں شادی ہونے کی وجہ سے گھر بھی نزدیک نزدیک تھا۔ ہم صرف دو بہنیں تھیں' میں اور حور بانو...... حور مجھ سے بڑی تھی۔ وہ صرف نام کی حور نہ تھی' واقعی حور تھی جبکہ خالہ جان کے پاس اوپر تلے کی تین بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا۔ نور محمد بہنوں سے بڑا تھا' نور محمد (خالہ زاد بھائی) اور حور بانو ہم عمر تھے۔ ساتھ پلے بڑھے ایک دوسرے کو چاہنے لگے تھے......" حاجرہ بی کی آنکھیں ماضی کے اچھے دنوں کی یاد سے چمک اٹھیں۔

"نور محمد بہت سادہ دل کا مالک اور بہت محنتی نوجوان تھا۔ تھوڑی بہت ذاتی زمینیں تھیں جن پر وہ بہت دل جمعی سے ہل چلاتا' خوب محنت کرتا اور خوب فصل اٹھاتا۔ ہندوستان میں فسادات روز بروز بڑھتے جا رہے تھے۔ مسلمانوں کے دل ہر لحہ خزاں رسیدہ پتے کی مانند کانپتے رہتے' انہی دنوں حور بانو کا نکاح نور محمد سے کر دیا گیا تب نور محمد اٹھارہ سالہ خوب بڑھتا ہوا شیر جوان تھا من کے انوکھے رنگوں نے دونوں کی شخصیت کو مسحور کر رکھا تھا۔ دونوں بہت خوش تھے' ابھی شادی کو سال بھر کا عرصہ نہیں بیتا تھا کہ حور بانو کو رب سوہنے نے ایک نئی خوش خبر سنا دی (حاجرہ بی کے سوکھے ہونٹوں پر مسکان ابھری) سب اپنی اپنی زندگیوں میں مگن تھے جس روز ہمارے گاؤں پر قیامت برپا ہوئی تھی۔" حاجرہ بی اپنے آبائی گاؤں کے گلی کوچوں میں پھرتی پھرتی جیسے الجھی تھیں۔ وہ کسی غیر مرئی شے کو گھورنے لگی تھیں۔ ان کی بوڑھی آنکھوں میں خوف و دہشت کے سائے لرزنے لگے' جھریوں سے بھرے چہرے کے تاثرات ناقابل بیان حد تک اذیت ناک تھے۔

"ہاڑھ کا مہینہ تھا اور بدھ کا دن' سورج اپنی راجدھانی پورے گاؤں پر نچھاور کر رہا تھا۔ چمکتی کرنیں فصلوں پر ہن برساتی تھیں اور وہ حسب معمول کھیتی بھاڑی کو نکل چکا تھا۔ ہم دونوں بہنیں بہت بچپن میں یتیم ہوگئی تھیں جبکہ خالو جان (نور محمد کے والد) اکثر بیمار رہتے تھے لہٰذا بیشتر وقت گھر پر ہی گزارتے تھے دو دن پہلے ساتھ والے گاؤں میں خوب خون خرابہ ہوا تھا تو ہمارے گاؤں میں

خوف و ہراس پھیلنا یقینی امر تھا۔ کچھ لوگ ہجرت کو نکل گئے تھے، کچھ تیاریوں میں مصروف، ہم لوگوں نے بھی تیاریاں شروع کردی تھیں۔ میری عمر اس وقت بمشکل دس برس تھی، میں اور نور محمد کی منجھلی بہن نگہت، نور محمد کو بلانے کھیتوں کی طرف دوڑیں۔ گاؤں میں عجیب سی پُراسراریت پھیل گئی۔ خاتون جان نے شام تک گاؤں چھوڑنے کا ارادہ باندھا لیکن بدنصیبی کالے منہ کے ساتھ ہمیں تاڑے بیٹھی تھی......" حاجرہ بی کی آنکھیں درد سے شق ہوتی نظر آئیں۔ عرشیہ کا دل چاہا کہ انہیں روک دے، اتنے اذیت ناک لمحوں کی یاد کا پل صراط پار کرنے سے مگر حاجرہ بی تو وہاں تھی ہی نہیں جیسے......

"گاؤں میں افراتفری کا عالم تھا، ہم دونوں بہت تیز بھاگتی جاتی تھیں کہ ایک گلی کا موڑ مڑتے ہوئے میرا پاؤں رپٹا اور اوندھے منہ گر گئی۔ نگہت نے لحہ بھر کو مڑ کر دیکھا مگر رکی نہیں......" ان کا زخمی لہجہ دل کو تکلیف دیتا تھا۔ "کاش میں اسے روک سکتی۔" انہوں نے ایک سسکی سر جھکا کر نیم تاریک کمرے میں خاموش فضا کے حوالے کی جیسے اس وقت کی بے بسی پر آج بھی خود کو ملامت کررہی ہوں۔

"جس گلی میں وہ مڑی تھی وہاں سے عجیب بے ہنگم بڑا سا شور برپا ہوا، بھیڑیوں کے ہنسنے کا شور، وہ ذلت کے بھیڑیے تھے چودہ سالہ نگہت ان کے نرغے میں پھنس چکی تھی، بہت سے ہٹے کٹے مرد تھے۔ میں گلی کے نکڑ سے سر نکالے دیکھے جاتی تھی، ان کے ہاتھوں میں چمکتے چاقو اور تیز چھریاں تھیں۔ وہ نگہت کے آس پاس گھومنے لگے، شیطانی قہقہے لگاتے، میں بھاگ کر نگہت کے پاس جانا چاہتی تھی مگر زمین نے میرے پاؤں جکڑ لیے۔ خوف نے مجھے برف کردیا تھا، بدقسمتی شروع ہوچکی تھی۔ نور محمد بھی گاؤں میں برپا ہونے والے ہنگامے کے شور سے گھر کی طرف بھاگا آرہا تھا لیکن شیطانوں کے جھنڈ کو بیچ گلی میں دیکھ کر اسی گلی کے مخالف نکڑ پر رک گیا۔ جب نور محمد کو اندازہ ہوا کہ کوئی لڑکی مصیبت میں ہے تو اس کی غیرت نے جوش مارا، وہ انہیں للکارتا ہوا بنا کسی ہتھیار کے لپکا تو اسلحے سے لیس ان بھیڑیا صفت مردوں نے نور محمد کو بہت مارا، کچھ نے نور محمد کو قابو کر رکھا تھا۔ نور محمد پر چھریوں کے وار کرنے لگے، ابھی تک نور محمد بے خبر تھا کہ وہ بدقسمت لڑکی اس کی بہن ہے، جس کی وہ مدد کرنا چاہتا ہے پھر...... نہ تو زمین شق نہ آسمان پھٹا، شیطان کے چیلے عصمت دردی کرتے رہے، نور محمد مار کھاتا رہا (شیطان برہنہ ہو کر ناچنا چاہتا ہوگا) نور محمد بری طرح زخمی ہوچکا تھا جبکہ نگہت وجودِ پاکستان کو اپنے خون سے سینچتی دم توڑ گئی، ننھی سی جان اتنا ظلم برداشت نہ کرسکی زخمی نور محمد نے اٹھ کر جب ذرا دور گری چادر اٹھا کر بھنبھوڑی ہوئی لاش پر رکھنا چاہی تو بھائی کی نظروں نے اپنی بہن کی چادر پہچان لی۔ ایک لرزاں؟ آسمان و زمین پر طاری ہوا، ایک بھائی کو ایسا لگا وہ بے گور و کفن وجود پر دھاڑیں مار مار کے روتا تھا پھر اس نے اپنے آنسو پونچھ ڈالے اور لاش کو کندھوں پر ڈالے گھر کی طرف بھاگا۔ میں بری طرح ڈر چکی تھی، اپنی طرف بڑھتے نور محمد میں مجھے وہی بھیڑیے نظر آنے لگے، میں اندھادھند بھاگتی دوسری طرف کو نکل گئی۔" حاجرہ بی کی سسکیاں ابھرتیں تو چھت سے لگا پنکھا اپنے پروں پر اٹھائے دیواروں تک پہنچاتا تھا۔ پورا کمرہ درد سے بھر گیا ہر شے افسردہ دکھتی تھی۔

"باقی کی اذیت نور محمد نے تنہا جھیلی، جب نور محمد بہن کی مسلی ہوئی لاش گھر لے کے پہنچا تو بدقسمتی اس سے پہلے وہاں پہنچ چکی تھی۔ دروازے پر بوڑھا باپ گرا ہوا تھا، جس کے پیٹ میں چھرا گھونپا گیا تھا، انہونی نے اسے ڈرایا تو بہن کی لاش باپ کے ساتھ رکھ کر اندر کی طرف دوڑا، وہاں اپنی شریک حیات کو بے لباس پایا، حور بانو کا ساتواں ماہ چل رہا تھا ظالموں نے پیٹ چاک کرکے نومولود نیزے پر لٹکا دیا تھا۔ حور بانو کی لاش کی شکست و ریخت بتاتی تھی کہ اس کے حسن کو مسمار کرنے والے بڑی تعداد میں تھے۔ حور بانو کی کھلی آنکھیں جیسے سوال کرتی تھیں "کہاں رہ گئے تھے نور محمد؟ اپنی حور بانو

کو ذلیل جانوروں کے حوالے کردیا؟ کیوں ہونے دیا ایسا تم نے نور محمد...... کیوں......؟" نور محمد کی آنکھوں نے شرم وحیا کی پیکر اپنی محبوبہ بیوی کو اس حالت میں دیکھا تو اپنا آپ بھول بیٹھا۔ نومولود کو نیزے سے اتار' کپڑے میں لپیٹ کر سینے سے لگایا۔ خالہ جان اپنی چھوٹی بیٹی کے ساتھ بہن کی طرف گئی تھیں' اس لیے بچ گئیں جبکہ نور محمد کی بڑی بہن نے خود کو رضائیوں والی پیٹی میں چھپالیا۔ سچ کہتے ہیں "جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے" نور محمد نے گھر کے کچے صحن میں ایک گڑھے نما قبر کھودی' باپ' بہن اور بیوی کی لاش کو اس میں دبا کر' کپڑے میں لپیٹے مردہ وجود کو سینے سے لگائے بھاگ نکلا۔ گھر کے باقی افراد اسے بھول چکے تھے کیونکہ صدمے نے اس کی سوچنے سمجھنے کی حس مفلوج کردی تھی۔" حاجرہ بی منہ پر ململ کے دوپٹے کا پلو رکھے' پھپک پھپک کر رودیں' روتے روتے ان کی ہچکی بندھ گئی۔ جلد ہی خود کو سنبھالا اور پھر گویا ہوئیں۔

"میں دوڑتی' بھاگتی خالہ کے گھر آپہنچی' اتنے میں نور محمد کی بڑی بہن بھی باہر نکل آئی پھر ہم دونوں مل کر بھاگنے لگیں تب تک گاؤں کے مختلف حصوں سے آگ کے شعلے بلند ہوچکے تھے۔ ہمارا گھر بھی آگ کی لپیٹ میں آچکا تھا' انسانی چیخ وپکار سے آسمان کا کلیجہ پھٹتا تھا' زمین اپنے اوپر انسانوں پر ہونے والے اس قبیح فعل پر آنسو بہاتی تھی' کراتی تھی۔ میری ماں' خالہ جان اور خالہ جان کی چھوٹی بیٹی بھی جل چکی تھیں۔ نور محمد کا کوئی اتا پتا نہ تھا شاید کہیں مرکھپ گیا تھا' ہجرت کو روانہ ہوتے قافلے کے ساتھ ہم بھی چل پڑیں' بہت سی آفتیں جھیل کر ہمارا قافلہ جب پاک وطن کی زمین پر پہنچا تو ایک سر پھرا نوجوان دھرتی ماں کے سینے سے لپٹ کر چیخ چیخ کر روتا تھا' اس کی دلخراش چیخوں نے اس کے حواس سلب کرلیے۔ وہ نوجوان خون سے تربہ تر کپڑے کو بازوؤں میں بھینچے ہوئے تھا' اس میں سے نومولود کی مسلی ہوئی لاش نکلی' وہ (سر پھرا جوان) نور محمد ہی تھا میرا خالہ زاد میری

پیاری آپا کا سہاگ، شمع آپا کا بھائی...... وہ نور محمد ہی تھا۔
شمع آپا اپنے اجلے دامن پہ دو مختلف درندوں کی درندگی کے نشان لیے میری انگلی تھامے ذہنی توازن کھو چکے نور محمد کا ہاتھ پکڑے یہاں آن بسی (موجودہ گھر کو کھوئی ہوئی نظروں سے دیکھا) کچھ عرصے بعد شمع آپا نے ایک مہاجر مرد سے نکاح پڑھوایا اور خود اپنی عصمت کے جلے دامن کے غم کو سینے سے لگائے، روتی کرلاتی یہ دنیا چھوڑ گئیں تب سے اب تک میں نے یہاں زندگی گزاری ہے۔ نور محمد میرے ساتھ ہی رہتا ہے، رب سوہنے کے فضل سے آج میرا گھر بھرا پڑا ہے۔ بیٹیاں، بیٹے سب اپنے گھروں میں آباد ہیں، نور محمد کی حالت ایسی ہی ہے کبھی کبھی دورے شدت پکڑ جاتے ہیں جب بھی پاکستانی جھنڈے پر نظر پڑتی ہے تو اسے سینے سے لگا لیتا ہے اور منہ سے عجیب و غریب آوازیں نکالتا ہے جیسے کچھ کہنا چاہتا ہو مگر کہہ نہ پاتا ہو۔" حاجرہ بی نے ماضی کے دروازے کو بند کرتے ہوئے حال کی دنیا میں قدم رکھا، ان کی آواز میں صدیوں کی مسافت بھری تھی۔
"حاجرہ بی...... آپ بہت عظیم ہیں، آپ لوگوں نے اس پاک وطن کی خاطر بہت قربانیاں دی ہیں۔ ہم نے ہی اسلاف کی قربانیوں کو بھلا دیا ہے، ہم تو اس کی قدر و قیمت سے بھی ناواقف ہیں۔" عرشیہ روتی ہوئی حاجرہ بی کے ہاتھوں کو عقیدت سے چومنے لگی، بے سدھ سوئے ہوئے نور محمد کو ایک نظر دیکھ کر گھر لوٹ آئیں، نور بابا کی دلخراش چیخوں کی وجہ جان کر اس کا دل بہت اداس ہو گیا تھا۔

❁......❁......❁

14 اگست میں صرف دو دن باقی تھے، علی، ولی اور مٹھو بہت پُرجوش تھے سب کی تیاریاں عروج پر تھیں۔ اس بار عرشیہ کے اندر آزادی کا احساس نئے اور انوکھے رنگ سے اجاگر ہوا تھا۔ 13 اگست کو اس نے پاکستان کے لیے اپنی جان، اپنا مال اور اپنی عزتیں قربان کرنے والوں کے ایصال ثواب کے لیے قرآن خوانی کروائی تھی، اس نے اور چچی زینب نے شکرانے کے نفل ادا کیے کہ آج وہ ایک آزاد ملک میں ہیں، زندہ قوم ہیں۔
14 اگست کی صبح بڑی چمکیلی و روشن تھی، بچوں نے سفید کرتا شلوار پہن رکھے تھے اور گلے میں سبز دوپٹے ڈالے ہوئے تھے۔ عون بھی رات کو آ گیا تھا، اس نے بھی سفید لباس زیب تن کر رکھا تھا، ماموں بھانجے پورے گھر کو جھنڈیوں سے سجا رہے تھے۔ آزاد فضا میں مہدی حسن کی پُرسوز آواز ہوا کے پروں پر اڑتی سماعتوں سے ٹکرا رہی تھی۔
"یہ وطن تمہارا ہے...... تم ہو پاسبان اس کے"
عرشیہ نے سفید پاجامے پر لمبی سبز قمیص پہن رکھی تھی، شولڈر کٹ بالوں کو بیک کومب اسٹائل دے کر پیچھے سے کھلا چھوڑ رکھا تھا۔ کانوں میں سفید و سبز آویزے پہنے، سفید لمبا دوپٹہ کندھوں پر پھیلائے اسٹائلش سی عرشیہ معمول سے زیادہ ہی پیاری لگ رہی تھی۔ وہ پرچم کو ڈنڈے میں پرو رہی تھی، جب علی کی آواز نے اسے متوجہ کیا۔
"عرشی آپی...... مجھے آپ سے یہ امید نہیں تھی۔"
اس کی آواز خفگی لیے ہوئے تھی ذرا فاصلے پر کھڑے عون کے کان بھی کھڑے ہوئے جو مٹھو کے چہرے پر سفید اور سبز رنگ سے پرچم بنا رہا تھا۔ برش ہاتھ میں پکڑے ناسمجھی سے دیکھنے لگا (کیا ہو گیا میری نئی نویلی منگیتر صاحبہ سے)۔
"کیا ہوا علی...... کیوں غصہ کر رہے ہو؟" چچا وقار نے بیٹے کے پھولے چہرے کو دیکھتے پوچھا۔
"ماموں یار! یہ کھلا تضاد ہے (لڑکپن کے معصوم چہرے پر برہمی تھی) غداری ہے۔" اب کے ماموں کو پکارتے اس نے اپنا ڈرامہ جاری رکھا۔ چچی زینب نے تعجب سے علی کو دیکھا۔
"عرشی آپی...... یہ تو سراسر فراڈ ہے، آپ...... آپ......" (لفظ غصے کی زیادتی سے بے قابو ہو رہے تھے)۔ "آپ سموسے مجھ سے منگوا کر کھاتی رہی ہیں اور

منگنی عون ماموں سے کرلی۔" بات پوری کرتے ماموں کو دیکھ کر آنکھ دبائی اور حفظ ماتقدم کے طور پر ماموں سے دور جا کھڑا ہوا اور قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ چچی کے منہ سے ہنسی کا فوارہ پھوٹ پڑا تو خوش گواریت نے سارے ماحول کے گرد گھیرا ڈالا تھا۔

پچھلی رات کو چچا اور چچی نے بھائی اور بھاوج کو راضی کرلیا تھا' عرشیہ کی پڑھائی کے بہانے کو چٹکیوں میں حل کردیا کیونکہ عون کو اس کے مزید پڑھنے پر کوئی اعتراض نہ تھا وہ اپنی تعلیم جاری رکھ سکتی تھی اور چچا کی لاڈلی بھتیجی ان کی نظروں کے سامنے رہتی سو حیلے بہانوں کو پس پشت ڈال کر جاوید صاحب نے ہاں کردی کیونکہ ان کی پیاری سی عرشیہ کے لیے عون بہت ہی مناسب تھا۔ رشتہ پکا ہوا جس کی علی کو بھی کہیں سے بھنک پڑ گئی تھی تبھی تو اس نے یہ ڈرامہ کیا۔ پہلے سب ناسمجھی سے علی کو دیکھ رہے تھے مگر اب اس کی شرارت سمجھ میں آئی تو سب ہنس پڑے۔

"امانت چچن کی اولاد...... ڈرامے باز ٹھہر جا تیری تو خوب خبر لیتا ہوں۔" عون مصنوعی خفگی سے علی کے پیچھے دوڑا۔

"بچاؤ...... بچاؤ......" کہتے علی بھاگ رہا تھا' آگے آگے علی اور پیچھے پیچھے عون ماموں سب خوب ہنس رہے تھے تبھی گیٹ زوردار آواز سے کھلا۔ سب کی ہنسی کو بریک لگے' وہ نور بابا تھے سبز رنگ کا چولا پہنے ہوئے وہ صحن میں لگی جھنڈیوں کو دیکھ کر بچوں کی سی خوشی سے اچھلنے لگے۔ زور زور سے تالیاں پیٹنے لگے' ان کے منہ سے "غوں غاں" کی آوازیں نکلتی تھیں۔ انہوں نے عرشیہ کے ہاتھ سے جھنڈا جھپٹ لیا اور جھومتے ہوئے دائیں سے بائیں لہرانے لگے سب کی آنکھیں خوشی وغمی کے تاثرات سے لبریز تھیں پھر سب نے ایک گونج دار آواز سنی......

"پاکستان زندہ باد......" بلاشبہ وہ نور محمد بابا کی آواز تھی' بہت صاف اور واضح تینوں بچے نور بابا کے ساتھ مل کر اچھلنے لگے۔

سب کو نور محمد بابا کی طرف متوجہ ہوتا دیکھ کر عون غیر محسوس انداز میں عرشی کے پہلو میں آن کھڑا ہوا۔ اس کا نرم ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھ میں لے کر ہولے سے دبایا اور ایک سرگوشی پھولوں کی نرماہٹ لیے عرشی کی سماعتوں کے حوالے کی۔

"جشن آزادی مبارک......" خوب صورت تازہ کھلی کلی کی سی مسکراہٹ عرشیہ کے عنابی ہونٹوں پر نمودار ہوئی۔ چچی نے دونوں کو ساتھ ساتھ کھڑے دیکھا تو نظر لگ جانے کے ڈر سے نگاہوں کا زاویہ ہی بدل ڈالا۔ سفید اور سبز رنگ کے کپڑوں میں دونوں ساتھ ساتھ کھڑے بہت پیارے لگ رہے تھے۔ ایک دوسرے کو مکمل کرتے" عرشیہ ہولے سے ہنستی ہاتھ چھڑا کر" اور آپ کو بھی......" بولی جسے عون نے سینے پر ہاتھ رکھتے تھوڑا سا جھک کر مسکراتے ہوئے وصول کیا تبھی علی نے گلا پھاڑ کر سب کو پکارا۔ سب نور محمد بابا کے گرد جمع ہوگئے' نور محمد بابا پرچم تھامے ہاتھ بلند کیے زور سے کہتے جاتے تھے۔

"پاکستان......" (سب یک زبان بولتے) "زندہ باد......" نور محمد بابا کی صدا جو پچھلے کئی سالوں سے حلق میں پھنسی ہوئی تھی آج گلے کے پھندے سے آواز بلند ہوئی تھی۔ ان کا وجود عجیب سی سرشاری سے ہمکنار تھا' یوں جیسے جو کچھ وہ کہنا چاہتے تھے آج "غوں غاں" کو شکست دیتے کہہ اٹھے تھے۔

وقت گواہ تھا کہ اس دن کے بعد کبھی کسی نے نور محمد بابا کی درد بھری' دلخراش چیخوں کی آواز نہیں سنی تھی۔

سمیرا غزل صدیقی

وہ جب سے ابتہاج وقار کے سنگ رخصت ہو کر اس کے گھر آئی تھی، زندگی جیسے ایک پُرسکون سفر سے کانٹوں کے سفر میں ڈھل گئی تھی۔ تین غیر شادی شدہ اور دو شادی شدہ نندوں بمعہ ساس سسر جیسے بھرے پُرے گھر کی وہ اکلوتی بہو بن کے خود پر نازاں ہونے کے بجائے ہر پل خود کو کسی اذیت میں محسوس کرتی تھی۔ صبح سے شام تک کولہوں کے بیل کی طرح کام میں جتی رہتی ذرا کمر سیدھی کرنے کو لیٹتی تو ساس صدا لگاتیں۔

"اری عالیہ...... شام کی چائے نہیں پلانی کیا؟ پتا بھی ہے سسر کو چار بجے ہی چائے چاہیے ہوتی ہے۔" وہ فوراً چائے تیار کرتی، برتن سمیٹتی جیسے ہی کچن سے باہر نکلتی چھوٹی اور گھر بھر کی لاڈلی نند اسماء حکم صادر فرما دیتی۔

"بھابی آپ کو پتا ہے نا میں چائے نہیں پیتی، میرے لیے فریش مینگو جوس بنا دیں پلیز۔" عالیہ کا دل تو چاہتا کہ کہہ دے کہ خود بنا لو مگر خود پر گڑھی ساس کی خونخوار نظروں سے گھبرا کے وہ فوراً کچن میں گھس جاتی پھر یہ سلسلہ رات گئے تک چلتا رہتا۔ کوئی سبزی نہیں کھاتا تو کوئی گوشت، کسی کو روٹی پسند تھی تو کسی کو چاول...... میاں صاحب کی الگ فرمائشیں کبھی زردہ کھانا ہے تو کبھی رس ملائی اور وہ اکیلی نازک سی جان دن بھر سب کی پسند کا خیال رکھتے رکھتے خود کو ہی فراموش کر بیٹھتی تھی۔ اس کی صحت تو پہلے بھی کچھ خاص نہ تھی اب تو مزید گھر کاموں میں گھن چکر بنے رہنے سے صحت دن بہ دن گرتی جارہی تھی مگر یہاں پروا کسے تھی انہیں تو ایک کل وقتی ملازمہ مل گئی تھی۔ کھیر پکائی والے دن ساس صاحبہ نے بڑے ہی لاڈ سے اپنی بیٹیوں کو کہا تھا۔

"بھئی اب میری ذمہ داری ختم، تمہاری بھابی آگئی ہیں آخر کو اکلوتی جو ہیں اب اپنی ساری فرمائشیں اسی سے کرنا۔ میرے تو اب آرام کرنے کے دن ہیں۔" بیٹیاں کھلکھلا کے ہنسی تھیں، پہلے تو اسے اطمینان تھا کہ دو نندیں شادی شدہ ہیں مگر یہ اطمینان بھی صرف خواب و خیال ہی ٹھہرا تھا۔ ہفتہ کو اس کی دونوں نندیں اپنے بچوں اور میاں سمیت میکے پر ڈیرہ جمالیتیں اور خاطر مدارت کا یہ سلسلہ اتوار کی رات تک جاری رہتا۔ کنواری نندوں کو تو اتنی توفیق نہ ہوتی کہ بھابی کا ہاتھ بٹالیں، کبھی غلطی سے وہ ابتہاج سے شکایت کربیٹھتی تو وہ چھوٹا سا جملہ کہہ کے اپنا فرض ادا کردیتا۔

"یار میری امی بچپن سے یہ سب اکیلی سنبھالتی آئی ہیں تو پھر تم سے کیسے نہیں سنبھل سکتا گھر اور بہنیں تو بے چاری کل کو رخصت ہوجائیں گی، کچھ وقت تو انہیں میکے میں سکون سے گزارنے دو اور پلیز یہ گھر کے مسئلے امی سے ڈسکس کیا کرو، سارا دن آفس میں ویسے ہی اتنا کام ہوتا ہے اب سر دبا دو میرا۔" وہ فوراً تکیہ رکھ کے لیٹ جاتا، عالیہ کلستی رہ جاتی۔

اسے ابا اماں یاد آتے جہاں وہ بڑے ٹھاٹ باٹ سے رہتی تھی، گریجویشن کرنے تک تو اسے اماں نے گھر کے کاموں کو ہاتھ نہ لگانے دیا تھا ہاں گریجویشن کرتے ہی اسے اماں نے گھرداری میں ماہر کردیا۔ برادری سے باہر شادی کا رواج نہ تھا سو ابا نے اپنے دور پرے کے رشتہ داروں میں ضروری چھان بین کے بعد رشتہ طے کردیا۔ شادی سے پہلے اماں کو کیا پتا تھا کہ وہ بیٹی بنا کے نہیں اسے نوکرانی بنا کے لے جارہے ہیں۔ ظلم تو یہ تھا کہ وہ کبھی میکے

رکنے تک نہ جاسکتی تھی جب بھی رکنے جانے کا کہتی ابتہاج منع کردیتے۔
"تمہیں پتا ہے نہ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔" وہ اتنی سی محبت پر ہی خوش ہوجاتی' ہاں صبح سے شام تک کے لیے ہر پندرہ دن میں ابتہاج اسے چھوڑ آتے تھے۔ اماں اس کی حالت دیکھ کے اندر ہی اندر گھٹتیں رہتیں۔
"صبر کرو بیٹا...... اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ نندیں اپنے گھر کی ہوجائیں گی' ابتہاج تو تمہارا خیال رکھتے ہیں نا؟" وہ اس کا سر سہلاتیں محبت سے پوچھتیں۔
"جی امی...... ابتہاج بہت اچھے ہیں۔" وہ پھیکی سی ہنسی ہنس دیتی۔ سچ تو یہ تھا کہ دن بھر کے کاموں کی مصروفیات میں اسے اور ابتہاج کو نہ کبھی کہیں جانے کا موقع ملتا نہ ہی گھر میں وہ گھنٹوں باتیں کرسکتے تھے کبھی جو باہر جانے کا پروگرام ہوتا نندیں بھی فوراً تیار ہوجاتیں ابتہاج بھلا کیسے انکار کرتے۔ اماں بیٹے کی سعادت مندی پر نہال ہوجاتیں اور وہ ہر پل کلستی رہ جاتی۔ حالات کی گردش میں زندگی گزرتے پانچ ماہ ہونے کو چلے تھے اور اب تو ساس کو خوش خبری کا انتظار تھا اور وہ بے چاری آنے والے وقت کے بارے میں سوچتی ہی رہ جاتی۔

❁ ❁ ❁

آج کل اس کی ساس کو اپنی تینوں کنواری لڑکیوں کی شادی کی فکر سوار تھی ان کا ارادہ دو بیٹیوں کی شادی ساتھ کرنے کا تھا ویسے بھی ساری ذمہ داری ابتہاج کی تھی سو انہیں خرچے کی کیا فکر تھی۔
"اری عالیہ بیٹا...... تم بھی اپنے میکے میں کوئی لڑکا دیکھو نہ خیر سے تمہاری نندیں بھی تمہاری بہنیں ہی تو ہیں۔" وہ تخت پر بیٹھی چاول چُن رہی تھی کہ ساس نے آج بڑے ہی پیار سے اسے مخاطب کیا تھا۔ اس کا دل جل کے رہ گیا بھلا یہ بھی کوئی دنیا ہوئی مطلب ہوا تو پیار سے بات کرلی جو مطلب نکل گیا تو تُو کون میں کون......
"جی امی...... کوشش کروں گی۔" وہ فقط اتنا ہی کہہ پائی صاف انکار تو نہ کرسکتی تھی ساس کو۔ تینوں کنواری نندیں شاپنگ کے مشن پر نکلی ہوئی تھیں سو ساس کو بھی مطلب کی بات کہنے کا بڑا آسانی سے موقع مل گیا تھا۔ عالیہ نے وہاں سے اٹھنے میں ہی عافیت جانی ویسے بھی اسے شام کے کھانے کی تیاری کرنی تھی۔
آج نندوں کا مشترکہ فرمائشی پروگرام پلاؤ کھانے کا تھا اور سسر کا حکم تھا کہ وہ پلاؤ بغیر کباب کے نہیں کھاتے سو اسے ابھی کافی مشقت کرنی تھی اوپر سے گرمی کا موسم شروع ہوتے ہی کراچی کی معصوم عوام پر بڑے ہی زور سے گرجنے برسنے کو تیار تھا۔ قیامت کی گرمی کا آغاز ہوچکا تھا وہ ابھی یخنی چڑھا کے باہر صحن میں سل بچھا کے کبابوں کا مصالحہ پیس رہی تھی کہ حنا' نازیہ اور شازیہ ڈھیروں شاپرز اٹھائے کھلکھلاتی ہوئی اندر آئی تھیں۔ ایک پل کو انہیں

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

دیکھ کے اس کا دل بھی چاہا کہ کیا ہوتا جو وہ اسے بھی اپنے ساتھ لے جاتیں مگر اس نے سختی سے اپنی خواہش اندر دبالی تھی۔

"اری بہو یہ مصالحہ بعد میں پیس لینا' دیکھ نہیں رہیں کتنی گرمی میں بچیاں خوار ہو کے آئی ہیں' ذرا شربت بنا دو پہلے۔" ساس نے آواز لگائی تو وہ فوراً کھڑی ہوگئی ایک پل کو اس کے دل میں خیال آیا تھا کہ وہ بھی تو بھری دوپہر میں چولہے کے سامنے کھڑی تھی کیا اسے ذرا سی دیر کو ستانے کی ضرورت نہ تھی مگر اگلے ہی پل وہ صبر کے گھونٹ پیتی شربت بنا لائی۔ وہ تینوں اماں کو لان کے سوٹ دکھا رہی تھیں اس نے کافی دیر تک انتظار کیا کہ شاید وہ اس کے لیے بھی کچھ لائی ہوں مگر اس کا انتظار انتظار ہی رہا۔

بھری گرمی میں اسے بھی لان کے کپڑوں کی ضرورت تھی مگر یہاں تھا کون اس کی ضرورتیں سننے والا جب اس کی ضرورتیں آتیں تو ابتہاج کو بھی بہنوں کا فرض یاد آجاتا۔ شام میں بھی وہ ابتہاج سے کپڑوں کی فرمائش کیے بنا نہ رہ سکی تھی۔

"پلیز یار تم بڑی ہو وہ بچیاں ہیں اور میکے میں ہی بندہ عیش کرتا ہے' تھوڑا صبر کرلو ایک بار ان کی شادیاں ہوجائیں پھر تمہاری ساری خواہشیں پوری کردوں گا۔"

ابتہاج نے عالیہ کا ہاتھ نرمی سے دبایا تو وہ بھی سمجھدار بیوی تھی شوہر کی فکروں کو سمجھنے والی' سو ہر خواہش کی طرح اس نے یہ خواہش بھی آج اپنے دل میں دبالی اور اب اس نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ کوئی فرمائش نہیں کرے گی۔

❋ ❋ ❋

نند ہاتھ میں کل کا لایا ہوا سوٹ پکڑے اسی کا انتظار کر رہی تھی۔

"بھابی یہ پلیز میرا سوٹ سی دیں گی آج آپ' مجھے کل میلاد میں پہننا ہے اپنی دوست کے ہاں' آپ کی امی نے کہا کہ آپ بہت اچھی سلائی کرتی ہیں' بھئی ہم بھی تو دیکھیں۔" عجیب فرمائشیں تھیں عالیہ کا فق چہرہ دیکھ کے بھی وہ لوگ اس کی طبیعت کا اندازہ نہیں لگا پائے تھے۔

"لو بھلا پوچھنے کی کیا ضرورت ہے' کیوں نہیں سیے گی' اکلوتی بھابی جو ٹھہری تیری۔" عالیہ کی جگہ ساس نے جواب دیا تھا ایک تو اسے اس لفظ "اکلوتی بھابی" سے چڑ ہونے لگی تھی۔

"جی ضرور۔" جی تو چاہا تھا کہ چیخ کے منع کردے مگر منہ کھولنے سے پہلے ابتہاج کی لو دیتی نظریں اس کے سامنے آگئیں وہ چاہ کے بھی انکار نہ کرسکی۔ عورت ہوتی ہی ایسی ہے ایک شوہر کے لیے اپنا گھر بار اپنا وجود سب مٹا دیتی ہے مگر اسی شوہر کے گھر والے اسے بہو سمجھنے کی بجائے نوکرانی سمجھ بیٹھتے ہیں سو وہ بھی اچھی بہو اور پرفیکٹ بہو ہونے کا تاج سر پر سجائے کام میں لگی رہتی۔ اس کی طبیعت مزید خراب ہونے لگی تھی۔ وہ کچن صاف کرکے ذرا سی دیر کو ستانے بیٹھی ہی تھی کہ ساس کی پاٹ دار آواز گونجی۔

"اری او عالیہ...... آج جمعرات ہے مشین لگالو بہت کپڑے ہوگئے ہیں۔ تمہارے ابو کا ایک بھی سوٹ دھلا ہوا نہیں ہے۔ کل جمعہ کی نماز کے لیے مسئلہ ہوجائے گا۔" ساس تو حکم دے کے پاندان لے کے بیٹھ گئی تھیں' اس کی جان پر بن آئی ایک تو بخار اوپر سے کاموں کا انبار۔ نندیں بھی کالج اور بڑی نند اپنے کام لے کے بیٹھ گئی تھی اس سے کہنا بھی فضول تھا' وہ بے دلی سے باہر آئی ہمت کرکے مشین لگائی پھر دوپہر کے کھانے کی تیاری میں لگ گئی۔

بس ایک سکون تھا کہ جو بھی تھا جیسا بھی تھا ساس اور نندیں اس کی خدمت سے خوش تھیں اور ابتہاج کی نظر میں بھی اس کی بڑی عزت تھی۔

ابھی شام میں اسے سوٹ کی سلائی بھی کرنی تھی' کھانے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد اس کی ہمت مکمل طور پر جواب دے گئی۔ وہ کمرے میں جاتے ہی لیٹ گئی تھی' نجانے کب اس کی آنکھ لگی اسے ہوش نہ تھا۔ آنکھ کھلی تو شام کے پانچ بج رہے تھے وہ اپنے آپ کو کوستی ہوئی اٹھی تھی۔

آنسواور پھول

کہنے کوتو آنسواور پھول دومختلف چیزیں ہیں لیکن غور کیا جائے تو یہ ایک ہی سکے کے دورُخ ہیں۔ آنسواور پھول‘ خوشی اور غم دونوں میں ساتھ دیتے ہیں‘ کسی کے ملنے پر خوشی کے آنسو تو کسی کے کھوجانے پر غم کے آنسو......

اسی طرح خوشی کی سیج پر پھول سجائے جاتے ہیں تو اس دنیا سے رخصت ہونے والوں کی مرقد پر بھی عقیدتاً پھول رکھے جاتے ہیں۔ کبھی کبھی ایک آنسواور ایک پھول کی اہمیت ساری دنیا میں سب سے زیادہ ہوتی ہے تو کبھی انہی آنسوؤں اور پھولوں سے بے اعتنائی برتی جاتی ہے بقول شاعر......

کسی کے ایک آنسو سے ہزاروں دل تڑپتے ہیں
کسی کا عمر بھر رونا یونہی بے کار جاتا ہے

اسی طرح پھول بھی کبھی تو سب سے قیمتی تحفہ سمجھے جاتے ہیں اور کبھی بے دردی سے پاؤں کے نیچے روندے جاتے ہیں مگر حقیقت یہی ہے کہ آنسواور پھول جذبات کی ترجمانی کے لطیف ترین ذرائع ہیں‘ انہیں ناقدری کی نذر نہیں کرنا چاہیے بلاشبہ وہ خوش قسمت انسان ہیں جنہیں یہ دونوں نذرانے ملتے ہیں۔

عظمیٰ بٹ......سمندری

”یا اللہ خیر کرنا آج کیسے اتنا سوگئی‘ ابو کی چائے کا ٹائم بھی نکل گیا‘ کسی نے اٹھایا بھی نہیں مجھے ویسے تو ذرا سا لیٹوں تو سب آوازیں دینے لگتے ہیں۔“ منہ پر پانی کے چھینٹے مارتے ہوئے بڑبڑائی تھی۔ دوپٹہ سنبھال کے وہ کمرے سے باہر نکلنے ہی والی تھی کہ صحن سے آتی آوازوں نے اسے کمرے میں ہی رکنے پر مجبور کردیا تھا۔

”ارے بہن کیا بتاؤں کیسی نکمی بہو ملی ہے۔ اب یہی دیکھ لو پانچ بج گئے ہیں مگر محترمہ ابھی تک سو کے نہیں اٹھیں۔ یہ کپڑے دیکھ رہی ہو‘ کالج سے آئی میری دونوں بچیوں نے دھوئے ہیں پھر شام کی چائے پکائی‘ کہاں لیٹنے کو ملتا ہے میری بچیوں کو سارا دن بھابی کے ناز نخرے اٹھانے میں نکل جاتا ہے۔ بھئی اکلوتی بھابی جو ٹھہری مزاج بگڑ گئے بھائی کو لے کے نکل گئی تو ہمارا کیا ہوگا۔ اللہ بچائے ایسی بہوؤں سے۔“ وہ اپنی پڑوسن سے اور بھی کچھ کہہ رہی تھیں مگر عالیہ کا دماغ تو بس اس ایک لفظ ”نکمی“ پر آ کے رک گیا تھا۔ آٹھ مہینوں کی خدمت کا ایوارڈ آج اسے مل گیا تھا۔ اچھی بہو کا سہارا ہوا میں اڑ گیا تھا‘ وہ وہیں بیٹھتی چلی گئی‘ کن لوگوں کے لیے مر رہی تھی وہ جو اس کے خلوص کو تسلیم تک نہ کرتے تھے۔ ایسا ہے تو ایسا ہی سہی اس نے بھی آنسو پونچھتے ہوئے فیصلہ کیا تھا کہ وہ بھی جیسے کو تیسا کے مصداق انہیں ویسی بن کے دکھائے گی جیسا وہ کہہ رہی تھیں اس نے باہر جانے کا ارادہ ترک کر کے وضو کر کے نماز پڑھی۔ ذہن میں بار بار ایک ہی لفظ ”نکمی“ گونج رہا تھا اور آنسو بہتے چلے جارہے تھے۔

❀

ماموں جی بس کردیں

ام ایمان قاضی

خالہ کے گھر کے پاس ہی اس کے قدم بے ساختہ سست پڑ گئے۔ ایک چور نظر ادھر ادھر ڈال کر وہ آہستہ سے لوہے کا گیٹ کراس کر کے اندر آ گئی۔

"ارے فجر آئی ہے۔" خالہ سامنے ہی پودوں کو پانی دے رہی تھیں۔ پائپ وہیں کیاری میں چھوڑ کر خوش گوار حیرت سے اس کے پاس آ گئیں اور اسے گلے سے لگالیا۔

"بس آپ کے وہ ہٹلر بھائی گلی میں کہیں نظر نہیں آ رہے تھے ورنہ انہوں نے میری چوکیداری کا ٹھیکا لے رکھا ہے۔" منہ بنا کر اس نے کہا تو راحت خالہ خود بھی افسردہ ہو گئیں۔

"بس بیٹا کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں نہ کبھی خود بستے ہیں اور نہ دوسروں کو بستا دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ ہمارے بھائی کا شمار بھی ان لوگوں میں ہوتا ہے اور حیرت تو مجھے فرحت پر ہوتی ہے جو سب جان بوجھ کر آنکھیں بند کیے بیٹھی ہے۔ اچھا بیٹا تم ایسا کرو منہ ہاتھ دھو لو جب تک میں کھانا لگادوں۔ میری بچی بھوکی آئی ہوگی۔ بھائی تو شروع سے ہی ایسے ہیں اور ایسے ہی رہیں گے۔ جب تک اللہ کی طرف سے ہدایت کا راستہ نہیں ملتا تم پریشان مت ہو۔" راحت خالہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا کہ منہ ہاتھ دھو کر کچن میں ہی آ جائے۔

"خالہ...... کل ماموں امی سے ایک رشتے کا ذکر کر رہے تھے۔ میں نے سن لی ان کی بات۔ اس لیے آئی تھی کہ آپ کو بتا دوں۔" بے حد جھجک کر اس نے کہا تو ہاٹ پاٹ سے روٹی نکالتی خالہ راحت کے ہاتھ سست پڑے۔

"اچھا بیٹا تم فکر نہ کرو۔ تم اس گھر کی بہو ہو اور میرے ولید کی دلہن۔ تمہیں اور کوئی نہیں لے کر جا سکتا۔ تمہارے خالو اور ولید آتے ہیں تو ان سے بات کر کے شام کو ہی آتے ہیں تمہاری ماں سے بات کرنے۔ رشتے ناتے بچوں کے کھیل تھوڑی ہیں جو جب جی چاہا کھیل چھوڑ دیا۔ جب جی چاہا ایک فریق کو چھوڑ دوسرے کا ہاتھ پکڑ لیا۔ تم آرام سے کھانا کھاؤ۔" راحت خالہ بے حد غصے میں آ گئیں۔ فجر کو خاطر خواہ تسلی ہوئی ورنہ جب سے ماموں کی بات سنی تھی اسے سکون نہیں مل رہا تھا کہ کیسے خالہ اور ولید کو آگاہ کرے۔ موبائل صرف ماموں کے پاس تھا۔ جس کا استعمال وہ خود بھی ایسے کرتے تھے۔ گویا کسی سے بات کرنے یا میسج کرنے سے بیلنس جیسی نعمت اگر ختم ہو گئی تو پھر کیسے اور کہاں سے آئے گی۔

پھر وہ دونوں چائے پی ہی رہی تھی کہ ولید کی آمد ہوئی۔ روایتی عہد و پیمان کے بجائے ایک خاموش نگاہ اور عہد تھا دونوں کے پاس ایک دوسرے کے لیے۔ جبھی ولید کی آنکھیں جھکیں اور فجر کو بھی اسے دیکھ کر خوشی کے ایک عجیب احساس نے گھیرا۔

"تمہارے بخیل ماموں نے کیسے اجازت دے دی ہمارے گھر کی دہلیز پار کرنے کی۔ ابھی ملے تھے گلی میں۔ سلام کا جواب بھی نہیں دیا اور نظروں سے ہی گویا تیر مارنے کی کوشش کی۔" وہ خوشگواریت کے احساس کے تحت کرسی کھسیٹ کر بیٹھتا ہوا بولا۔ جب کہ فجر ماموں کی آمد کا سن کر فوراً گھبرا کر کھڑی ہوئی۔

"بری بات ولید۔ انسان سے نہیں اس کی برائی سے نفرت کرو۔ ان کا نام عقیل ہے۔ میں آئندہ کوئی فضول بات نہ سنوں اور بیٹا تم بیٹھو آرام سے۔ چلی جانا شام کو۔"

"نہیں خالہ وہ تو آج شہر سے باہر جانے کا کہہ کر

نکلے تھے تو ہی میں آ گئی تھی یہاں۔ ورنہ آپ کو تو پتہ ہے ان کی عادت کا۔ اور امی بھی انہی کے کانوں سے سنتے اور انہی کے آنکھوں سے دیکھنے لگی ہیں بہت دنوں سے۔" وہ روہانسی ہو کر بولی اور ٹیبل پر رکھی اپنی چادر اٹھا کر اوڑھی۔

"جی ہاں خالہ جنہیں پہلے ماموں کی صلاحیتوں کا اندازہ ہی نہ تھا اس لیے خار کھاتی تھیں ان سے مگر اب تو جب سے خیر سے دونوں بہن بھائی بزنس پارٹنر بنے ہیں ایک ہی پارٹی ہے دونوں کی۔ جاؤ فجر بی بی۔ ورنہ تمہارے ماموں نے تو پرچہ کٹوا دینا ہے میرے خلاف۔" فجر تو اتنی حواس باختہ ہوئی کہ فوراً ہی سلام کر کے اپنا بیگ اٹھا کر چلی گئی۔

"کیا ہو گیا ہے ولید...... بیٹا تمہیں پتہ بھی ہے فجر کا کوئی قصور نہیں...... پھر بھی اپنے ماموں اور خالہ کا غصہ تم اس پر اتار دیتے ہو۔ وہ تو بیچاری یہ بتانے آئی تھی......" راحت ہولے ہولے اسے فجر کی اور اپنی پریشانی بتانے لگی جس کے سننے کے بعد ولید کے چہرے کا رنگ بھی اڑ گیا اور اس سے کھانا کھانا دوبھر ہو گیا۔

......☆☆☆......

"یہ دیکھ لو فرحت اس لڑکی کے کام اور تیور...... میرے ہزار منع کرنے کے باوجود ان لوگوں کے گھر جاتی ہے۔ جن سے ہمارا ہر رشتہ ختم ہو چکا ہے۔" فجر نے ناگواری سے ماموں کی طرف پھر اپنی امی کی طرف دیکھا۔

"مجھے پتہ ہے جب سے خالو نے آپ سے اپنا قرض واپس مانگا ہے آپ ان سے خار کھانے لگے ہیں۔ جب کہ پہلے تو بڑی تعریف کرتے تھے ان کی۔"

"دیکھ لیا اس گھر سے آنے کے بعد بغاوت کا اثر۔ ارے وہ بالشت بھر کا لونڈا نہ جگہ دیکھتا ہے نہ موقع محل فوراً ہی بے عزتی کر دیتا ہے میری...... جب ان کو رشتہ داری کا لحاظ نہیں تو ہم کیوں کریں۔" فجر کے بول اٹھنے پر وہ چمک کر بولے۔ امی نے بھی کڑی نظر سے فجر کو گھورا۔

"کیا بدتمیزی ہے فجر...... بڑے ماموں کے سامنے بھی کوئی زبان کھولتا ہے بھلا۔ ایک تو تم نے ہماری اجازت کے بغیر غلط کام کیا۔ ان لوگوں کے گھر چلی گئیں۔ اب آگے سے بول رہی ہو۔ یہی تربیت کی ہے میں نے تمہاری اور یہی سکھا رہی ہے تمہیں تعلیم۔" امی نے اسے آڑے ہاتھوں لیا۔ فجر کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اسے بے ساختہ اپنے شفیق سے ابو یاد آئے جن کی ناگہانی موت نے سب کچھ بدل دیا تھا۔ وقت حالات لوگ حتیٰ کہ اس کی اپنی امی بھی۔ اچانک ٹیپو اس کے کان میں گھسا۔

"ویسے آپا۔ حلیے میں ماموں ہرگز اپنا رعب نہیں جما پا رہے۔ کپڑے تو بوسیدہ ہیں ہی ذرا جوتوں سے جھانکتے پاؤں بھی ملاحظہ کر لو۔" اس کے کہنے پر اس کی نظر بھی ماموں جی کے حلیے کی طرف گئی جو ٹہل ٹہل کر ان کو یہ بتانے کی کوشش کر رہے تھے۔

"کہ وہ ہی دنیا میں ان کا واحد اور مخلص رشتہ بچا ہے اور لوگ چونکہ ان کے دشمن ہیں سو ان کے خلاف باتیں کرتے ہیں کئی سال پہلے کا سلوایا ہوا سوٹ ان کے بدن پر بے حد مضحکہ خیز لگ رہا تھا اور واقعی دونوں جوتے سامنے سے تھوڑے سے پھٹے ہوئے تھے جس میں سے جرابوں کے ساتھ پاؤں کا تھوڑا سا حصہ باہر جھانک رہا تھا۔

"اب یہی دیکھ لو میری بات کو توجہ سے سننے کی بجائے کانوں میں کھسر پھسر ہو رہی ہے۔" وہ تلملائے کیونکہ فجر تو لڑکی ہونے کے ناتے ان کی بات سن بھی لیتی تھی عمل بھی کرتی تھی مگر ٹیپو آٹھویں جماعت کا طالب علم تھا۔ جو اپنے ابو کا بے حد لاڈلا تھا اور سال بھر پہلے فوت ہو جانے والے ابو کے بعد بھی وہ ابو کی جگہ ہرگز ان کو نہیں دے پایا تھا۔

کہاں اس کے شفیق، بچوں پر بے تحاشہ پیار لٹانے اور ان کے منہ سے نکلنے سے پہلے فرمائشیں پوری کر دینے والے بے حد خوب صورت ابو۔ جو اپنے اعمال میں بھی

اپنی شکل وصورت کی طرح خوب صورت تھے۔اور کہاں
بلا کے کنجوس ماموں جی اپنی ذات کے لیے تو بخیل تھے
ہی دوسروں کا کھلا خرچ کرنا، پہننا، اوڑھنا، کھانا، پینا انہیں
اس حد تک ناپسند تھا کہ بس نہ چلتا وہ دنیا کی روزی روٹی کا
خود ہی وسیلہ بن جائیں اور دنیا میں فضول خرچی کرنے
والوں کو مزہ چکھادیں۔

امی، ابو ہمیشہ ان کی ایسی بہت سی عادات پر نالاں نظر
آتے تھے۔مگر ابو جی کی ناگہانی موت نے ماموں جی کو
خود بخود ان کی سرپرستی کرنے پر مجبور کردیا تھا اور فجر آج
تک سمجھ نہیں پائی تھی کہ اب تک ماموں جی سے خار
کھانے والی امی کیسے ان کی ہر بات ماننے لگیں۔اس حد
تک کہ ابو جی کی پسند اور مرضی سے طے کیے ہوئے فجر اور
ولید کے آپس کے رشتے سے مکر گئیں کہ ماموں جی اس
کے لیے تیار نہیں تھے۔اور ماموں جی تو پہلے دن سے ہی
ولید کے ابا کو کچھ خاص پسند نہیں کرتے تھے اور ابو جی کی
وفات کے کچھ ماہ بعد ماموں جی اور ولید کے ابا کے
درمیان رقم کا کوئی تنازعہ ہوا تھا اور ماموں چونکہ ٹھہرے
ان کے سرپرست سو انہوں نے نہ صرف رشتہ ختم کرنے کا
اعلان کردیا تھا بلکہ فجر کے وہاں آنے جانے پر بھی پابندی
لگادی تھی مگر ٹیپو ٹھہرا ولید کا سدا کا حمایتی۔ابھی ماموں
کے سنہری اقوال پر مشتمل تقریر باقی رہتی تھی۔رفیق احمد جو
کہ ولید کے والد صاحب تھے اور راحت جو وہاں پر موجود
دونوں افراد کی بہن تھیں چلے آئے۔انہیں دیکھ کر فرحت
آپا تو چپ ہوگئیں اور سلام کا جواب بھی دیا جب کہ
ماموں کے ماتھے پر ناگوار بل پڑ گئے اور انہوں نے اپنی
ناگواری جتا بھی دی۔

”جی فرمایئے کس لیے تشریف لائے ہیں
آپ؟“ انہوں نے سلام کا جواب دیتے ہی خاصی
بے رخی سے پوچھا۔

”ماموں جی ہمارے گھر کی روایت رہی ہے ہمیشہ
اور اس گھر کی بھی کہ کبھی مہمان چاہے دشمن کیوں نہ ہو
ان کو بھی عزت واحترام دیا جاتا ہے اور یہ تو پھر ہمارے
اپنے ہیں۔آپ نے نہ تو انہیں بٹھایا نہ کوئی خاطر
مدارات کی روکھے منہ سے پوچھ رہے ہیں کہ کیسے آنا
ہوا؟ راحت خالہ ہماری خالہ ہیں ان کو ہمارے گھر آنے
کے لیے کسی کام کی ضرورت نہیں ہے۔“ ٹیپو کہاں
برداشت کرسکتا تھا۔ ولید بھائی کے امی ابو کے لیے
ماموں کا ایسا رویہ۔امی جز بز ہوگئیں جب کے خالو نے
اسے بری طرح سے گھورا۔

”تم باہر جاؤ ہزار بار کہا ہے کہ بڑوں کے معاملے
میں بچے نہیں بولتے۔“

”اور تم بھی جاؤ فجر۔“ ماموں جی کے حکم پر فجر تو چپ
چاپ اٹھ گئی جبکہ ٹیپو پیر پٹختا ہوا وہاں سے گیا اور یہی نہیں
کیا اس نے فجر سے پیسے لے کر کولڈ ڈرنکس لاکر خالو خالہ
کے سامنے رکھیں اور لینے پر اصرار بھی کرنے لگا۔امی
خوامخواہ شرمندہ ہوگئیں جب کہ ماموں ایسی جرأت اور
پھر فضول خرچی پر بے ہوش ہونے کو تھے۔“ ہاں تو میں
کہہ رہا تھا کہ اولاد کی زندگی کا فیصلہ کرنے کا حق صرف
والدین کو ہوتا ہے۔فجر کے والد نہیں ہیں ان کی جگہ پر
میں ہوں تو مجھے اور فجر کی ماں کو مناسب نہیں لگا یہ رشتہ سو
ہم نے بات ختم کردی۔اس میں ناراضی یا غصے والی بات
ہی نہیں ہے۔کون سا کوئی منگنی یا نکاح ہوا تھا۔بھائی
صاحب مرحوم نے پتہ نہیں کس جھونک میں آکر اس
وقت ہاں کردی تھی ورنہ فرحت کی تو اس وقت بھی ناں ہی
تھی۔“ وہ دھڑلے سے جھوٹ بول رہے تھے۔

”ماموں جی وعدہ خلافی اور بات سے پھرنا سخت
گناہ ہے جب کہ بات بھی ابو جی کی طے کی ہوئی ہو،
پھر آپ کو آپا سے بھی پوچھنا چاہیے۔“ ٹیپو نے سیانوں
کی طرح کہا۔

”تم چپ رہو ٹیپو اور باہر جاؤ۔“ فرحت سختی
سے بولیں۔

”تم سے تو تمہارا بیٹا زیادہ سمجھدار ہے فرحت......
ورنہ کیا تم اپنی بیٹی کے دل کا حال اور مرضی نہیں جانتی یا
عقیل کی عادات وخصلتوں کو جو خود تو اس کے پیچھے اندھا

دھند چل پڑی ہو اب اپنے بچوں کی خوشیوں کو بھی اس خودغرض شخص کے کہنے پر آ کر خراب کرنا چاہتی ہو۔ جس کی اپنی اولاد در در کی ٹھوکریں کھا رہی ہے جو اپنی اولاد کا نہ ہو سکا وہ تمہارا یا تمہاری اولاد کا کیا ہوگا۔“ خالہ راحت نے ملامت بھرے لہجے میں بہن کو فجر کی خوشی کے بارے میں یاد دلانا چاہا۔ فرحت چپ ہو کر رخ موڑ گئیں۔ عقیل ماموں طنزیہ مسکرائے۔

”اب تو آپ دونوں کو جواب مل گیا ہوگا۔ آپ لوگ تشریف لے جا سکتے ہیں اب۔“

”چلو راحت بیگم بس اس سے زیادہ بے عزتی سہنے کی ہمت نہیں ہے مجھ میں۔ میں تو صرف اس لیے چلا آیا تھا کہ بچوں کی خوشی عزیز تھی ہمیں مگر جب یہ ماں ہو کر کچھ نہیں سوچ رہی تو ہم تم کیا کر سکتے ہیں۔“ خالو شکستگی سے کہتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔

”تم پچھتاؤ گی فرحت دیکھ لینا۔ جیسے اس نے اپنی بیوی بچوں کو چھوڑ دیا ویسے تمہیں بھی چھوڑ دے گا ایک دن بیچ راہ میں جس دن تم سے اس کے سارے مطلب پورے ہو گئے۔ اس شخص کا کوئی رشتہ کوئی اصلیت نہیں ہے۔ صرف پیسہ اس کی مال و متاع ہے۔“ راحت خالہ عقیل ماموں کی طرف اشارہ کر کے رو رہی تھیں جب کہ دروازے کی جھری سے لگ کر کھڑی فجر بھی روتے ہوئے اپنے کمرے میں بھاگ گئی۔ اس کے بالکل پاس کھڑے ٹیپو نے تلملائے ہوئے سوچا کہ کاش اس کے پاس کوئی جادو کی چھڑی ہوتی تو وہ پلک جھپکنے میں سارا منظر تبدیل کر دیتا اور سب کچھ ویسے کر دیتا جیسے ابو جی کی زندگی میں تھا۔ وہ چپ چاپ کھڑا خالہ راحت اور خالو کو جاتا ہوا دیکھے گیا۔

......☆☆☆......

”انہوں نے اتنی باتیں سنائیں اور جواب میں آپ بغیر کچھ کہے چلے آئے۔“ وہ حیرت اور غصے کے ملے جلے تاثرات کے تحت بولا۔

”تو تمہارے خیال میں اور کیا کرنا چاہیے تھا ہمیں؟ آرام سے بھی بات کی۔ غصے سے بھی مدعا پہنچایا۔ فجر خود لڑکی ذات کیا کر سکتی ہے۔ ٹیپو بے چارہ خود بچہ ہے۔ باقی رہے دونوں فریقین تو دونوں سرے سے انکاری ہیں۔ اب بتاؤ بھلا کہ کیا‘ کیا جا سکتا ہے؟“ رفیق صاحب کی قوت برداشت کچھ زیادہ ہی تھی جبھی آرام سے بولے ورنہ راحت خالہ تو جب سے آئی تھیں غصے سے بولتے بولتے جب تھک جاتیں تو رو دیتیں۔

”امی آپ روئیں تو مت......“ وہ جھنجلایا۔ ”اور جب تک ولید رفیق زندہ ہے فجر آئے گی تو اسی کی زندگی میں دلہن بن کر ورنہ میں بھی دیکھوں گا کہ میرے ہوتے ہوئے ماموں بخیل کیسے اس کا رشتہ کسی اور جگہ کرتے ہیں۔“ غصے سے وہ ہاتھ پر ہاتھ مار کر بولا۔

”کیا...... کیا کرو گے تم ولید‘ خدا کے لیے ولید...... تم میرے جگر کے ٹکڑے ہو تو وہ بھی میرا ماں جایا ہے۔ کوئی ایسا قدم مت اٹھانا جس سے میں جی نہ سکوں۔“ راحت خوف زدہ ہو کر اپنا رونا ہی بھول گئیں۔

”ارے میری پیاری امی جی...... آپ کیا سمجھیں میں خودکشی کر لوں گا یا آپ کے بھائی کو مار کر جیل چلا جاؤں گا۔“

”خدا نہ کرے آپ روئیں نہ اسے کیسی باتیں کر رہا ہے یہ......“ وہ روہانسی ہو کر پریشان بیٹھے رفیق صاحب کو مخاطب کر گئیں۔

”ایسا کچھ نہیں کرنے والا میں...... پریشان مت ہوں۔ بس جو لوگ شرافت سے نہ مانیں تو ان کے ساتھ ویسا ہی طریقہ اپنانا پڑتا ہے جیسے وہ ہوں۔“ کچھ سوچ کر کہتا وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔

”یا اللہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ کس کی نظر بد لگ گئی ہمارے گھروں کو۔ اچھے بھلے رشتوں میں دراڑیں پڑنے کو ہیں۔ آپ سمجھائیں ولید کو۔ وہ کچھ ایسا ویسا نہ کر بیٹھے...... میرا تو دل ہول رہا ہے۔“

”کچھ نہیں ہوتا راحت بیگم...... پریشان مت ہو۔ جوان بچہ ہے۔ فجر کے ساتھ دلی وابستگی بھی تو بہت ہے

اس کی۔ اب انکار سن کر غصہ نہ ہو تو اور کیا کرے۔ میں اسے سمجھاؤں گا اور ایک بار پھر جائیں گے فرحت کے پاس جب عقیل نہ ہو گھر پر۔ ہوسکتا ہے اکیلے میں کچھ اس کا دل نرم پڑ جائے......" وہ ان کا ہاتھ پکڑ کر سمجھانے لگے۔

......☆☆☆......

فجر کا اس دن سے موڈ خراب تھا وہ ماں سے کچھ زیادہ کلام نہیں کر رہی تھی اور ماموں کی تو شکل دیکھنے کو بھی دل نہیں کرتا تھا آج کل۔ فرحت سب دیکھ رہی تھی مگر اس کی دل جوئی کرنے کا مطلب تھا ہار مان لینا ماں کی نرمی دیکھ کر وہ زیادہ پھیلتی سو نظر انداز کیے رہیں۔ ٹیپو ہی دونوں طرف کے پیغامات پہنچانے کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے تھا۔ ہاں اس کا ولید سے میل جول بھی ویسے کا ویسا ہی تھا باوجود ماموں کی روک ٹوک کے۔

"آپی...... امی کہہ رہی ہیں کہ ماموں کے کمرے کی صفائی ان کی موجودگی میں کردیں تاکہ ہر چیز کی موجودگی کی تسلی کرنے کے بعد وہ کام پر جاسکیں۔" فجر نے الجھ کر اسے دیکھا۔

"او ہو آپی امی کہہ رہی ہیں صفائی کریں آ کر...... باقی باتیں تو میں اپنے دل کی آواز سنا رہا ہوں آپ کو......"

"ایک تو ان کی عادت اور نکتہ چینی ناقابل برداشت ہوتی ہے۔ اوپر سے ان کے سامنے کوئی کام کرنا...... اف......" فجر جلتی کڑھتی ماموں کے کمرے تک آئی۔ حسب معمول وہ خود وہاں موجود تھے۔ اسے دیکھ کر ٹھک سے الماری بند کر کے تالا لگا کر دوبارہ کھینچ کر چیک کیا۔ آیا کھلا تو نہیں رہ گیا۔

"آؤ بھئی بہت سست اور نکمی لڑکی ہو تم...... کتنی دیر ہوگئی کہہ رہا ہوں کہ جو کچھ کرنا ہے جلدی کرلو۔ میں نے کام پر بھی جانا ہے۔ میں کون سا چھوٹا بچہ ہوں جو گندگی ہوگی میرے کمرے میں مگر تمہاری ماں کو بھی خبط ہے صفائی کا۔ آؤ اب کیا دروازے میں جم کر کھڑی ہوگئی ہو۔"

وہ پلنگ پر بیٹھ کر بولے۔
"آپ کی موجودگی میں، میں خاک کچھ کر پاؤں گی۔آپ جائیں میں بعد میں کرلوں گی۔" وہ تڑخ کر بولی۔
"نہیں بھئی...... میں اگر آج ایک کامیاب بزنس مین ہوں تو اس کا راز بھی یہی ہے۔ایک گر کی بات ہے کہ اعتبار کسی کا بھی مت کرو اور نہ ہی کسی سے توقع رکھو۔" وہ چمک کر بولے۔
"کیوں یہاں کون سے ایسے خزانے دفن ہیں جو میں چرالوں گی۔" اس نے عام سے لہجے میں چڑ کر جواب دیا۔ ماموں کی آنکھیں خطرناک حد تک پھیل گئیں۔
"بھئی تم تو بہت خطرناک لڑکی ہو۔کیسی بڑی باتیں ایسے بے سوچے سمجھے نکال دیتی ہو منہ سے۔" انہوں نے چور نظروں سے اپنی بند الماری کو دیکھا۔
فجر ان کی باتوں پر توجہ دیے بغیر اندر آئی۔صوفے کے پیچھے پڑا ہوا کارپٹ برش اٹھا کر کارپٹ سے نادیدہ گند صاف کیا۔ پھر جب چادریں اور صوفے کے کور اٹھا کر ابھی ڈسٹنگ کا ارادہ کر رہی تھی کہ ماموں جی نے بیڈ کے نیچے سے ٹرنک گھسیٹا۔اس کو کھول کر اس میں سے دو انتہائی بوسیدہ سوٹ نکال کر صوفے پر رکھ دیئے اور بیڈ کے نیچے سے ہی ایک چھوٹی سی ٹوکری برآمد کی۔"فرحت نے کہا تھا دھونے والے کپڑے نکال دینا۔ یہ دھونے والے ہیں اور یہ......" انہوں نے کچھ سوچ کر بوسیدہ کپڑوں کی طرف اشارہ کیا"ان کو آگ لگادو۔" ان کے اس طرح کہنے پر فجر کی آنکھیں پھیل گئیں۔
"آگ ہی کیوں نہ آپ نے......؟" ان کی عجیب سی بات سن کر اسے باقی سب کچھ بھول گیا۔
"بس ویسے ہی پرانے ہوگئے ہیں۔"
"تو پرانے کپڑوں کو آگ تو نہیں لگائی جاتی...... دے دیں کسی غریب کو۔" اس کی بات مکمل نہیں ہوئی تھی کہ وہ زور سے گرج اٹھے۔
"ایک تو تم دونوں بہن بھائی کو فضول بحث کرنے کا بہت شوق ہے۔ تمہیں میں نے جو کہا ہے وہ کرو اور جاؤ اب یہاں سے......" فجر نے غصے سے وہ سب کپڑے اٹھائے اور ڈسٹنگ کیے بنا ہی باہر آگئی جہاں امی نے واشنگ مشین لگائی ہوئی تھی۔ دھلنے والے سوٹ اس نے لاکر پاس ہی رکھ دیئے۔ جب کہ ماموں جی بھی اسی اثنا میں اپنا کمرہ مضبوطی سے لاک کر کے تین چار دفعہ اس کو چیک کرنے کے بعد خود ہی باہر آگئے تھے۔
"مجھے دوست لڑکی تم تو پورا سال سوچنے میں لگادو گی۔" انہوں نے پرانے کپڑے اس کے ہاتھ سے لیے اور لمحوں میں خاکستر کرڈالا۔
"آپ کچھ سوچ رہی ہیں کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا تو مائی ڈیر آپی...... وہ اس لیے کہ یہ کسی عام انسان کے پرانے کپڑے نہیں ہیں۔ ہمارے ماموں جی کے ہیں۔ جن کو اگر آپ ایک نظر کھول کر دیکھ لیتیں تو اپنی خستہ حالت اور بوسیدگی کا حال خود ہی بیان کردیتے۔ وہ اس قابل ہرگز نہیں ہوتے کہ کسی اور کا تن ڈھانپ سکیں۔ ماموں جی کو یہاں آئے تھوڑے ہی دن ہوئے ہیں تو ان کے جوہر آہستہ آہستہ ہی کھلیں گے۔ میں تو اس محلے میں یہ تماشہ کئی بار دیکھ چکا ہوں پھر مجھے ولید بھائی نے بتایا تھا کہ ماموں صرف کنجوس ہی نہیں بلکہ ایک بخیل شخص ہیں۔ جنہوں نے اپنے اور اپنی اولاد کے اوپر خرچ کرنا ہمیشہ گناہ سمجھا ہے۔" فجر حیرت سے راکھ ہوتے ماموں کے کپڑے دیکھتے ہوئے ٹیپو کی باتیں سنتی گئی۔ ماموں سے ان کا رشتہ سلام دعا تک تھا بلکہ ابو جی تو ان کی بہت سی ناپسندیدہ عادات کے بناء پر انہیں گھر میں بھی نہیں آنے دیتے تھے۔
کچھ ماموں جی کی خود فطرت ایسی تھی۔ برسوں سے محلے کے نکڑ والے ایک کمرے کے مکان میں تن تنہا رہتے تھے۔ بیوی سے ان کی کبھی بن نہیں پائی تھی ان کی کنجوسی اور بخل کی بدولت وہ روٹھ کر جوان بیٹی کے ہمراہ ماں کے گھر جابیٹھیں کہ میاں ان کے مطالبات مان کر

ان کو منانے آئیں گے۔ مگر ماموں کی طرف سے طلاق نامہ دیکھ کر بے ہوش ہوگئی تھیں۔ ماموں کی بیوی اور بیٹی کی کفالت بھی اس کے میکے والے ہی کر رہے تھے۔ بہنیں سمجھا سمجھا کر تھک گئی تھیں۔ نتیجتاً وہ سب سے ہی کنارہ کش ہوگئے اور اپنی الگ دنیا بسالی تھی۔

ماموں کسی سرکاری اسپتال میں ڈسپنسر تھے مگر پھر سنا تھا کہ ریٹائرمنٹ کے بعد کسی دوست کے ساتھ مل کر کاروبار کرلیا تھا۔ ابوجی کہتے تھے بخیل انسان میں ہر برائی ہوتی ہے تو ماموں جی کے سلسلے میں بھی ایسی ہی بات تھی۔ نماز، قرآن و دیگر ارکان اسلام سے دور ماموں ہر ایک کو شک کی نظر سے دیکھتے تھے۔ ہر ایک سے بدگمان رہنا ان کی اضافی صفت تھی۔ سو جلد ہی تمام رشتہ داران سے منہ موڑ گئے۔

امی اسے کچھ کہہ رہی تھیں جب وہ اپنے خیالات سے باہر آئی۔ ساتھ والی بتول خالہ آئی ہوئی تھیں امی نے اسے مشین سے کپڑے نکال کر دوسرے ڈالنے کو کہا اور خود ان کے ساتھ باتوں میں مگن ہوگئیں۔ پھر اس کی حیرت اور پریشانی کی حد نہیں رہی جب اس نے ماموں جی کے دونوں سوٹوں کو مختلف ٹکڑوں میں پھٹے ہوئے دیکھا۔ اصل میں استعمال کر کر کے کپڑا اتنا گھس چکا تھا کہ مشین کا گھماؤ برداشت نہ کرسکا۔ اسے اس صورت حال پر ہنسی آگئی۔ کالر، کف اور قمیص اور شلوار کے الگ الگ حصے اس کے ہاتھ میں تھے۔

"تمہارے بھائی جیسا بے حس انسان تو نہ دیکھا نہ سنا فرحت...... برا مت ماننا مگر تمہاری بھاوج کا کینسر آخری اسٹیج پر ہے اور جانتی ہو کہ بیماریوں پر کتنے پیسے لگتے ہیں۔ وہ ایسی بیچاری توبہ میرے اللہ۔" بتول خالہ نے گال پیٹے۔ پھر کانوں کو ہاتھ لگایا۔

"غریب لوگ ہیں پھر بھی سمجھو خود کو گروی رکھ کر بھی علاج کروا رہے ہیں بیٹی کا۔ اسے بیوی نہ سہی بیٹی کی ماں سمجھ کر ہی کچھ علاج معالجے کی مدد کر دیتا تمہارا بھائی۔ اور گھر سے تو نکال ہی دیا تھا غریب کو زیور بھی جہیز کا رکھ لیا اس نے۔ راحت کے پاس بھی گئی تھی میں کل کہ رشتہ دار سمجھ کر نہ سہی غریب سمجھ کر ہی کچھ امداد کر دو بے چاروں کا بھلا ہو جائے گا۔ میں تو جتنی تمہاری رشتہ دار اتنی اس بدنصیب کی بھی۔ حالت دیکھی نہیں گئی اس کی مجھ سے۔"

وہ رو پڑیں...... فرحت بے اختیار نظریں چرا گئیں۔

"رفیق میاں تو اسی وقت تیار ہوگئے راحت کو لے کر جتنا ہوسکا کریں گے۔ اب تم سے بھی اپنی بیٹی سمجھ کر التجا کر رہی ہوں کہ مدد کرنا یا نہ کرنا تمہارا ذاتی معاملہ ہے مگر مریض کی عیادت بھی اخلاقی فریضہ ہے انسان کا۔" فجر کو ماموں جی کے کپڑوں کا غم بھول گیا وہ تو پوری طرح سے بتول خالہ کی بات سن کر ماموں جی کی بیوی کے غم میں ڈوب گئی۔

"خالہ میرا تو جانا عقیل پسند نہیں کرے گا۔ مگر میرا نام لیے بغیر تم یہ پیسے بھابی کی ماں کو پکڑا دینا۔" جب بتول خالہ جانے لگیں تو فرحت جلدی سے اندر گئیں اور کچھ ہرے نیلے نوٹ لا کر خالہ بتول کی مٹھی میں دبا دیے۔

"جیتی رہو...... اللہ اجر دے گا۔" وہ ایسی کئی دعائیں دیتی رخصت ہوئیں تو فجر ساری خفگی بھول کر ماں کے پاس آگئی۔

"کیا یہ خالہ بتول ٹھیک کہہ رہی تھیں۔ ماموں جی اتنے ظالم تھے کہ بیوی اور بیٹی کو نکال دیا اور کبھی پلٹ کر خبر نہیں لی۔" فرحت نے ایک نظر اسے دیکھا پھر آہستہ سے بولیں۔

"بس بیٹا قسمت میں ایسے ہی لکھا تھا ورنہ اپنا گھر کون خراب کرنا چاہتا ہے۔ بھائی کی عادت شروع ہی سے ایسی تھی جیسی تم دیکھ رہی ہو پھر بھابی ہی کچھ سمجھوتا کرلیتی مگر جہاں دونوں طرف ضد آجائے وہاں گھر برباد ہی ہوتے ہیں۔ بھائی نے اپنا رشتہ توڑ دیا تھا۔"

"مگر امی آپ اور خالہ کی بھتیجی تھی وہ عقیل ماموں کی بیٹی۔ آپ لوگ بھی کبھی نہیں گئے۔"

"بس بیٹا اس بچی کی بہت جلدی اس کے ماموں

نے ایک اچھا رشتہ دیکھ کر شادی کردی تھی۔ وہ خوش باش ہے اپنے گھر۔ پہلے پہل ایک دوبار ہم بہنیں گئیں تھیں مگر بھابی نے اچھا خاصا بے عزت کیا ہمیں۔ بس پھر دوبارہ جانے کی ہمت ہی نہیں ہوئی۔" فرحت ٹھنڈی سانس بھر کر بولیں۔ یوں جیسے وہ وقت یاد کررہی ہوں۔

"ماموں اچھے بھلے الگ رہتے تھے اب یہاں کیوں آگئے ہیں مجھے ذرا بھی نہیں اچھے لگتے ہر بات پر اعتراض، ہر بات پر روک ٹوک۔" وہ منہ پھلا کر بولی تو فرحت نے اسے خفگی سے دیکھا۔

"فجر تم بچی نہیں ہو جو میں تمہیں روز سمجھاؤں کہ تمہارے ابوجی کی وفات کے بعد میں بہت اکیلی ہوگئی تھی بیٹا ایک جوان ہوتی بچی اور کمسن بچے کے ساتھ کیسے رہتی اکیلی وہ پھر بھی میرے بھائی ہیں کتنے ہی بے حس، کنجوس اور شکی مزاج سہی۔ بہن کے سر پر ہاتھ رکھنے تو آئے ناں ورنہ معاشرہ ایک اکیلی عورت کے ساتھ کیسا سلوک کرتا ہے سب جانتی ہو۔"

"ولید اور خالہ نے کتنا کہا کہ ہم ان کے ہاں چل کر رہیں۔" اس کے شکوہ پر انہوں نے اسے بے بسی سے دیکھا۔

"بچوں والی باتیں مت کرو فجر۔ تمہارے خالو لاکھ اچھے سہی بہنوئی ہیں میرے اور میں ایک بیوہ عورت کو کیا زیب دیتا ہے کہ بال بچوں سمیت بہن کے گھر جا پڑوں۔ اب جاؤ اور ذرا کچن دیکھو میں یہ کپڑے کھنگال کے آتی ہوں۔" انہوں نے جب دیکھا کہ وہ آہستہ آہستہ اس موضوع کی طرف آرہی ہے جس کو وہ ختم کرچکی تھیں اسے تو بھگا دیا۔

ماموں جی شام کو لوٹے تھے۔ کھانے کے دسترخوان پر حسب معمول ماموں جی نے اپنی پلیٹ میں سالن ڈال کر فرحت کو ایک نوالہ پہلے چکھنے کو دیا۔ اتنے دن گزر جانے کے بعد بھی ماموں جی کا اعتبار ان پر بحال نہ ہوسکا تھا۔ وہ ہر کھانے پینے کی چیز پہلے ان میں سے کسی ایک کو چکھنے کو دیتے پھر پانچ منٹ تسلی کرلینے کے بعد اس میں کوئی زہریلی چیز نہیں ملی ہوئی۔ خود کھانا شروع کرتے۔

امی ایک بار پھر ان کی اس حرکت پر خفت زدہ ہوگئیں۔ پھر آہستہ سے نوالہ توڑ کر ان کی پلیٹ میں سے تھوڑے سے سالن کے ساتھ کھالیا۔ ٹیپو نے فجر کو کہنی مار کر متوجہ کیا۔

"ویسے ماموں جی...... آپ کو یہ شک کیونکر ہے کہ ہم آپ کے کھانے میں کچھ ملائیں گے...... ایسا خطرہ تو ایسے لوگوں کو ہوتا ہے جو بہت زیادہ دولت مند ہوں یا پھر جن کے بہت دشمن ہوں۔ اب یہ تو آپ بتاسکیں گے کہ ان میں سے اصل بات کون سی ہے؟" ٹیپو کے کہنے کی دیر تھی کہ ماموں جی کے منہ کے زاویے بری طرح بگڑ گئے۔

"دیکھ لو فرحت...... اس چھٹانک بھر کے لونڈے کی زبان...... ابھی بھی کہتی ہو بھائی شک کرکے ہمارے دل مت دکھاؤ۔ یہ ایسے مذاق کرسکتا ہے تو کچھ ایسا ویسا عمل بھی کرسکتا ہے۔" وہ رنجیدگی بھری خفگی سے بولے۔

"ٹیپو...... میں تمہیں کہہ رہی ہوں کہ آرام سے کھانا کھاؤ اور مت ایسی فضول باتیں منہ سے نکالا کرو۔" فرحت نے گھر کا مگر ٹیپو کہاں ماں کے کہنے میں آنے والا تھا۔

"میں نے تو ایک بات کی تھی امی غصہ تو تب آتا ہے جب سچ کڑوا لگے اس کا مطلب دونوں میں سے ایک بات سچ ہے۔" وہ بول کر اپنی پلیٹ پر جھک گیا۔

"اس کا قصور نہیں ہے فرحت اس کو لگام دو۔ بگاڑ رہا ہے رفیق کا لڑکا اسے' ایسی غلط سلط پٹیاں وہی پڑھاتا ہے۔" ماموں جی کھانا بھول کر خشمگین نظروں سے رغبت سے کھانا کھاتے ٹیپو کی طرف گھورے جارہے تھے۔

"آپ کھانا کھائیں بھائی' میں اس کو سمجھادوں گی۔"

"فجر آپی میں پڑھنے بیٹھ رہا ہوں۔ دودھ جب سب کو دو تو سب کے گلاس میں ایک ایک چمچ زہر...... اوہ سوری چینی ڈال کر دے دینا۔" ٹیپو کے ہاتھ ماموں جی کی ایک اور کمزوری لگی تھی۔ اب اس نے ماموں جی کو

چونکتے امی کو گھورتے اور فجر کو مسکراتے دیکھا تو خود بھی مسکراہٹ دبا کر اندر بھاگ گیا۔
"بہت بگاڑ دیا ہے۔ کھلا پیسہ اولاد کے ہاتھ میں دے کر والدین بہت بڑی دشمنی کرتے ہیں ان کے ساتھ۔ اس کا جیب خرچ بند کردو تم کل سے۔" فجر جب برتن سمیٹ رہی تھی اس نے ٹیپو کے حوالے سے ماموں جی کو لیکچر دیتے سنا اور خود کچن میں آ گئی۔
"آپی......" ٹیپو نے سرگوشی میں پکارا۔
"کیا ہے ٹیپو۔" وہ پیچھے کو مڑی تو اسے انگلی سے چپ کا اشارہ کرتے اس نے جیب سے ایک موبائل نکال کر اسے تھمایا۔
"ولید بھائی نے دیا تھا۔ رات کو بارہ بجے کال کریں گے۔ آف ہے یہ اسی وقت آن کرنا۔ سائیلنٹ پر لگا ہوگا۔" وہ اسے سرگوشیوں میں سمجھانے لگا۔ فجر نے کانپتے ہاتھوں سے موبائل پکڑا۔
"اسے جا کر چھپالو۔ میں جب تک ماموں جی کو تقریر کرنے کے لیے ایک اور ٹاپک دے کر آتا ہوں۔" اس نے ماموں جی کو جو ٹیپو کی بدتمیزیوں پر امی جی کو بہت کچھ سنا اور سمجھا رہے تھے۔ اس کی طرف اشارہ کر کے کچھ اس انداز میں کہا کہ فجر کی ہنسی چھوٹ گئی۔
وہ بے چینی سے رات بارہ بجے کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کا ایم سی ایس کا آخری سال تھا۔ آخری سیمسٹر سے پہلے وہ ڈیڑھ ماہ کے لیے گھر میں تھا اس عرصہ میں ایسا کچھ کرنا چاہتا تھا جس سے وہ فجر کی طرف سے مطمئن ہو جائے ورنہ ماموں جی سے بعید نہیں تھی کہ وہ اس کے پیچھے فجر کو رخصت کر دیتے۔ بارہ بجے وہ امی ابو سے مطمئن ہو کر کہ وہ سو گئے ہیں۔ لاؤنج سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ ایک بیل کے بعد ہی عجلت میں کال ریسیو کر کے دوسری طرف سے ہلکی سی "ہیلو" کی آواز آئی۔ ولید کھل ہی اٹھا۔ کتنے دنوں سے اسے دیکھنا نصیب نہیں ہوا تھا۔ آج جا کر دشمن جان کی صرف آواز سننے کو ملی تھی۔
"ولید...... کچھ کرو پلیز۔ ماموں اس بار میرا رشتہ کرنے کی مکمل ٹھانے بیٹھے ہیں۔ امی سے کہہ رہے تھے کہ ایک دو دن میں لڑکے والے دیکھنے آئیں گے۔" وہ سرگوشی میں بول رہی تھی پھر بھی ولید کو پتہ چل گیا کہ اس کی آواز رندھی ہوئی تھی۔
"ایسا کچھ نہیں ہونے والا فجر۔ جب تک میں زندہ ہوں۔" اس کی لہجے میں مضبوطی نے فجر کو جذباتی سہارا دیا۔ "لیکن تمہیں خود کو مضبوط کرنا ہے۔" وہ مزید بولا۔
"کیسے...... کیسے ولید میں کیا کر سکتی ہوں؟ کچھ بھی تو نہیں۔" وہ رو دینے کو تھی۔
"کیوں نہیں کر سکتی۔ منہ میں زبان نہیں ہے کیا؟ انکار کر دینا۔ صاف انکار۔ تمہاری مرضی کے خلاف کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ نہ ہی پکڑ کر زبردستی تمہارا انگوٹھا لگوا سکتے ہیں۔ تم اپنے انکار پر ڈٹی رہو۔ کل میں واپس یونیورسٹی جا رہا ہوں۔ سیل پر مسلسل رابطہ رکھوں گا۔ یہ تین چار ماہ کسی طرح روکو۔ یہ سب کس طرح کرنا ہے یہ میں تم پر چھوڑ رہا ہوں۔ میں آ کر خالہ سے ایک بار پھر خود بات کروں گا۔ پھر دیکھتا ہوں کہ وہ کیا کرتی ہیں کیا کہتی ہیں؟"
"ورنہ کیا کرو گے تم؟" اس کی خوف زدہ آواز پر وہ جھنجلا گیا۔
"اُف ایک تو تم بزدل لڑکیاں۔" وہ چڑا۔ "اب رونے مت لگ جانا۔" وہ دھیما ہوا۔
"پتا ہے ولید میں نے کبھی اس طرح نہیں سوچا تھا کہ ہم پر ایسا وقت آئے گا کہ ماں باپ سے چوری چوری یوں بات کیا کریں گے اور نہ ہی مجھے پسند ہے ایسی باتیں...... لیکن یہ والدین ہمارے ساتھ اچھا کرتے کرتے بعض دفعہ بہت برا کر جاتے ہیں۔ پہلے اتنے چاؤ سے یہ رشتہ جوڑا۔ محبت دی، اعتماد دیا اور جب ہم ایک رشتے، ایک محبت اور ایک احساس کی ڈور میں مضبوطی سے بندھ گئے۔ اپنی انا اور مطلب کے لیے ہمیں الگ کرنے پر تلے ہیں۔ ہر دفعہ غلطی اولاد کی نہیں ہوتی ہے بعض دفعہ اولاد کو چور راستوں کی طرف والدین خود دھکیلتے

ہیں۔ ماموں جی کے کہنے میں آ کر امی ایک دفعہ بھی نہیں سوچ رہیں کہ اتنا عرصہ ایک نام اپنے نام کے ساتھ سنتے، ایک چہرہ اپنے دل میں بسائے اب میں کیسے کسی اور کو قبول کرسکتی ہوں...... کیسے تمہاری جگہ کسی اور کو دے سکتی ہوں؟“ وہ یاسیت کی انتہا پر تھی۔ پھر اس نے ماموں کی بیوی کی بیماری والی بات بھی ولید کو بتادی۔

”تمہیں تو اب پتا چلا ہے۔ ہمیں تو بہت پہلے کا پتہ ہے۔ امی تو جاتی رہتی ہیں وہاں۔ بھائی کی بے حسی کی تلافی کرنے نہ سہی انسانیت کے ناتے ہی سہی۔“ رات قطرہ قطرہ بھیگ رہی تھی اور وہ دونوں کئی دنوں کی کتھا ایک دوسرے کو سنانے میں مگن تھے۔

”کب سوچا تھا کہ کبھی یہ دن بھی آئیں گے ان کی زندگی میں جب اپنے ہی یوں ظالم سماج بن جائیں گے۔“ ٹیپو کے کراہنے کی آواز پر وہ اٹھ بیٹھی۔ لائٹ شاید گئی ہوئی تھی۔ جبھی کمرے میں گھپ اندھیرا تھا۔

”فجر کیا ہوا؟ کون ہے؟ لائٹ جلاؤ بیٹا۔“ امی کی آواز پر اس نے ٹٹول کر اندازے سے چارجنگ ٹارچ جو سائیڈ ٹیبل پر ہی دھری تھی برآمد کی۔ لمحوں میں کمرہ روشن ہوگیا۔ ٹیپو اپنے بستر پر ہلکا ہلکا کراہ رہا تھا۔ امی پریشان سی اپنے بستر سے اٹھ بیٹھیں۔

”ٹیپو کیا ہوا؟“ وہ بھاگ کر اس کے پاس آئی۔

”پیٹ میں بہت درد ہے فجر آپی۔ کافی دیر سے ہے مگر اب برداشت سے باہر ہے۔“ وہ کراہتا ہوا بولا۔

”کچھ فضول تو نہیں کھالیا باہر سے۔ فجر میری دراز میں حکیم صاحب والی دوا پڑی ہے وہ دو اسے۔“ امی اب خود بھی ٹیپو کے پاس آگئیں اور اس کے پیٹ پر ہاتھ لگا کر درد کے صحیح مقام کا پوچھنے لگیں۔

”پتہ نہیں امی...... بس کوئی چیز ہے جو اندر چیر رہی ہے۔“ اس کی آنکھیں نم ہوگئی۔ فجر اور زیادہ گھبرا گئی۔

”امی اسے ڈاکٹر کے پاس لے چلتے ہیں۔ پتہ نہیں کیا مسئلہ ہے؟“

”ہوں۔“ امی بھی اب پریشان نظر آنے لگیں۔ ”فجر تم جاؤ بیٹا...... اپنے ماموں کے کمرے کا دروازہ بجا کر جگاؤ انہیں۔“

”خالو یا ولید کو بلا لیتے ہیں امی۔“ جملہ زبان پر آنے سے پہلے ہی اس نے حلق میں روک لیا۔ ان کے ہر دکھ سکھ میں وہی تو سب سے پہلے پہنچتے تھے۔

پانچ منٹ کی مسلسل دستک کے بعد ماموں جی سرخ آنکھیں لیے دروازے پر نمودار ہوئے۔ مسئلہ سننے کے بعد موڈ کچھ اور بگڑا تاہم کچھ کہنے سے گریز کیا اور فوراً ہی واپس اندر چلے گئے۔ فجر کو جی بھر کر غصہ آیا۔ ٹیپو کا زرد چہرہ آنکھوں کے سامنے پھر گیا اور حیرت کی انتہا نہ رہی جب واپس آکر ماموں کوئی دو کلو کا پرانے زمانے کا تالا اپنے کمرے کو لگاتے اور پھر دو تین منٹ اس تالے کو کھینچ کھینچ کر اس کے پکا بند ہونے کی تصدیق کرتے دیکھا۔ ان کے گھر میں سب کمروں کے لاک تھے۔ اس کمرے میں شفٹ ہونے کے بعد ماموں نے باقاعدہ کنڈی لگوائی تھی اور گھر سے باہر جاتے وقت وہ وزنی تالا لگا کر چابی کو جیب میں احتیاط سے رکھتے تھے۔ یہاں تک تو چلو ٹھیک تھا مگر اس وقت جب صرف دس منٹ کے فاصلہ پر اماں اور ان بہن بھائی کے مشترکہ کمرے تک ہی جانا تھا تو یہ کون سی احتیاط تھی۔

”ماموں جی جلدی کریں ناں۔“ وہ جھنجلائی۔

”ہاں بھئی لڑکی آرہا ہوں۔ چھری تلے دم تو لو۔ تمہارے ماں باپ نے پتا نہیں کیسی تربیت کی ہے تم بہن بھائی کی۔ عجیب اتاولا بنادیا ہے۔ تمہارا بھائی ہے تو ایک نمبر کا بدتمیز اور نہایت فضول خرچ۔“ ساتھ ساتھ چلتے ہوئے دل کے پھپھولے پھوڑتے چلے۔

”پھکی کھلادی ہے۔ اس سے کچھ فرق پڑا ہے۔ اس کا مطلب ہے کوئی الٹی سیدھی چیز کھائی ہوگی تم نے۔“ فرحت بیگم نے بیک وقت بھائی اور ٹیپو دونوں کو مخاطب کیا۔ ٹیپو کو تو درد نے نڈھال کر چھوڑا تھا کہ وہ چپ چاپ لیٹا رہا۔ ہاں ماموں جی کی توپوں کا رخ ضرور امی کی طرف ہوگیا۔

"ہاں تو اور جیبیں روپوں سے بھر بھر کر بھیجو ان کی۔ چھٹانک بھر کا لڑکا۔ پچاس روپے اور یہ لڑکی سو روپے روزانہ اسکول، کالج لے کر جاتے ہیں۔ تم خود بتاؤ کبھی ایک دھیلا بھی دیا کرتے تھے ابا، اماں جی ہمیں۔ روکھی روٹی وہ بھی دن میں ایک دفعہ نصیب ہوتی تھی۔" ٹیپو نے بے زاری سے کروٹ بدل لی۔ اگرچہ اس خوف ناک درد سے نجات مل گئی تھی۔ مگر ماموں جی کی باتیں بھی اس سے کم نہیں تھیں۔ وہ کم ہی ان کی ایسی باتیں برداشت کر پاتا تھا۔ مگر اس وقت کچھ دیر پہلے والی حالت کے زیر اثر تھا تبھی ابو لنے کو جی نہ چاہا۔ یہی فجر کی حالت تھی۔ اسے یہ بے وقت کی راگنی ہرگز پسند نہیں آئی جبھی تکیے پر سر رکھ کر پاؤں کے پاس پڑی چادر سر تک تان لی۔

"آج کے اور کل کے وقت میں زمین آسمان کا فرق ہے بھائی۔ پچاس سو کا آتا ہی کیا ہے بھلا؟ کبھی کبھار وین سے لیٹ ہونے یا پوائنٹ نکل جانے کی صورت میں ٹیکسی، رکشہ کرنا پڑتا ہے۔ کرائے، مہنگائی، اشیاء خورد نوش کس کس چیز کو پیٹیں۔" فرحت بیگم نے بھائی کے فضول خرچی پر مشتمل لیکچر کو بند کرنا چاہا کہ اپنے بچوں کے موڈ دیکھ چکی تھیں۔ پھر خود بھی سونا چاہتی تھیں۔

"ارے پیدل چلنے کی عادت ڈالی ہوتی تو آج یوں کرایوں کے غم میں نہ بیٹھی ہوتیں تم۔ مجھے دیکھو پچاس سال کا ہوں۔ آج تک ایک گولی نہیں کھانی پڑی کبھی سر درد کی بھی نہیں۔ دس دس میل پیدل چلتا ہوں۔" ماموں جی چمک کر بولے۔ فرحت کے منہ سے بے اختیار ایک طویل سانس خارج ہوئی۔ کنجوسی کی پہلی سیڑھی سے شروع ہونے والا راستہ بخیلی کے دلدل میں داخل کر دیتا ہے جس کی گہرائی کا کوئی اختتام نہیں۔

ماموں جی اسٹاپ سے بس میں سوار ضرور ہوتے مگر بہت جلد ہی نزدیکی اسٹاپ سے پہلے پہلے اتر جانے کی بھی جلدی ہوتی۔ کرایہ مانگنے پر الٹا کنڈیکٹر پر ہی احسان جتاتے۔

"ارے واہ بھئی میں تو پیدل چلنے کا شوقین بندہ تیں ایسے ہی سوار ہو گیا۔ اب بھلا اس دس بارہ گز کے سفر کا تم کرایہ لو گے؟ شرم نہیں آئے گی تمہیں؟" بہت دفعہ بے عزتی کروائی۔ کچھ تو کبھی لڑنے پر آ جاتے۔ کچھ سست کرایہ لیے بغیر چھوڑ دیتے۔ یہ اور بات ہے کہ کوئی مائی کا لعل ماموں جی سے کرایہ نہ نکلوا سکا تھا۔ پھر اگلے بیس پچیس منٹ پیدل چلنے کے بعد اگلے اسٹاپ کی بس پر وہی حرکت کرتے۔ اب تو کئی سالوں کے بعد لوگ ان کو جاننے کے بعد ان سے کرایہ مانگنا ہی چھوڑ چکے تھے۔

ابو نے جب یہ بات امی کو بتائی تھی تو وہ خود بھی بے چاری شرمندہ ہو گئی تھیں۔ اصل میں ایک روز ابو جس گاڑی میں تھے۔ اس میں ماموں جی بھی سوار ہوئے تھے۔ ابو جی نے ہی امی کو گھر آ کر یہ واقعہ سنایا تھا۔ "ایک دو دفعہ تو فرحت دل کیا کہ کرایہ دے دوں۔ مگر تمہارے بھائی کا کچھ بھروسہ نہیں تھا۔ مجھ سے ہی لڑنا شروع کر دیتے۔ اصل میں ایسے لوگ خود تو خرچ نہیں کرتے دوسروں کا بھی خرچ کرنا برا لگتا ہے انہیں۔" فرحت جیسے کسی خیال سے چونکی۔ شکر ہے ان کی بے توجہی دیکھ کر ماموں جی واپس پلٹ رہے تھے۔

"دروازہ اچھی طرح بند کر لو۔" جاتے جاتے وہ تاکید کر کے بولے۔ فرحت آہستہ سے سر ہلاتی پیچھے آئی تھیں۔ اگلے دن فجر کالج، ٹیپو اسکول اور ماموں جی کاروبار کے سلسلے میں کسی پارٹی سے ملنے گئے تھے۔ صبح ناشتے کے وقت بھی ٹیپو اور ماموں جی کی ہلکی پھلکی نوک جھونک ہو ہی گئی تھی۔

"ویسے ماموں جی آپ نے بتایا نہیں کہ آپ کا بزنس آخر ہے کس قسم کا؟ آفس وغیرہ کہاں ہے اور یہ جو پارٹیوں شارٹیوں سے ملاقاتیں ہوتی ہیں وہ کہاں ہوتی ہیں اور کیسے ہوتی ہیں؟" ماموں جی جب امی کو اپنے جانے کے بارے میں بتا رہے تھے۔ ٹیپو کی زبان میں کھجلی ہوئی۔ ویسے بھی رات والے درد کو بھول کر اب بالکل فریش تھا۔

"ہزار دفعہ کہا ہے۔ جو تمہارے مطلب کی بات نہ ہو

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماء راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

اس میں نہ گھسایا کرو۔"

"لو ماموں جی میں کہاں گھس رہا ہوں۔ اصل میں مستقبل میں بزنس مین بننے کا ارادہ ہے میرا تو اس سلسلے میں ہر قسم کے بزنس اور بزنس مین سے متعلق انفارمیشن رکھنا میرا شوق ہے۔ یہ اور بات ہے کہ آپ جیسا بزنس مین زندگی میں شاید پہلا اور آخری دیکھا ہے۔" اس نے مزے سے بریڈ پر جیم لگاتے ہوئے کہا۔ فجر مسکرائی تھی ٹیپو کو پوری طرح فارم میں دیکھ کر اور ماموں جی کو جز بز ہوتے دیکھا۔ امی نے بھی حسب توقع گھوری سے نوازا اسے اور ٹوک دیا۔

"ناشتہ کرو آرام وسکون سے۔" پتہ تھا کہ ماموں جی کو اپنی ذاتیات، بزنس کے متعلق بات کرنا اور بتانا سخت ناپسند تھا۔ ان کے خیال میں دنیا کا ہر وہ شخص جوان سے اس قسم کے معاملے میں بات کرتا تھا۔ انہیں کسی نہ کسی طریقے سے راستے سے ہٹا کر ان کی دولت ہتھیانا چاہتا تھا۔ جب سے ٹیپو ماموں جی کی اس شکی اور نفسیاتی گرہ سے واقف ہوا تھا۔ چھیڑ چھاڑ کر کے ان کے ناک میں دم کیے رہتا۔ جب کہ ماموں جی کے خیال میں وہ رفیق اور ولید کا چیلا تھا وہی اس کے ذریعے ماموں جی کی ہر خبر ٹیپو سے لیتے تھے۔ ماموں جی کے بقول وہ ایک انشورنس کمپنی میں کام کرتے تھے مگر ٹیپو کو اس میں بھی تامل تھا۔

"امی جی آپ کے بھائی کی ظاہری حالت دیکھ کر لوگ ان کو چندہ تو دے سکتے ہیں۔ مگر اپنی زندگی یا اس جیسی قیمتی چیزوں کی انشورنس ہرگز نہیں کرا سکتے۔" ماموں جی کے اٹھ جانے کے بعد اس نے اپنے نادر خیالات سے امی کو آگاہ کیا۔

"تمیز سیکھو ٹیپو تم اب بڑے ہو گئے ہو۔ مت بھولو کہ وہ بڑے ہیں تم سے۔"

"لو فجر آپی اس میں بھلا بدتمیزی کا کوئی سوال بنتا ہے۔ انیس سو ساٹھ کے شیروانی سوٹ جس کو زندگی میں بس ایک بار ہی استری کیا گیا تھا۔ تین تین انچ کی سلوٹیں ماموں جی کے ہر سوٹ کا مستقل حصہ ہیں۔ ایسی حالت میں بھلا کون ان سے بیمہ کراتا ہوگا۔ میں ان نایاب لوگوں سے ملنا چاہتا ہوں۔" وہ مچلا۔ امی کچھ کہنے کو تھیں۔ مگر اس کے اسکول وین کے ہارن کو سن کر انہوں نے سکون کا سانس لیا۔ ٹیپو کے جانے کے پانچ منٹ بعد فجر بھی چلی گئی اور ابھی وہ گھر کو سمیٹنا شروع ہی ہوئی تھی کہ ایک خاتون ان سے ملنے چلی آئیں۔ وہ اسے نہیں پہچانتی تھیں نہ اس سے پہلے کبھی دیکھا تھا۔ بہرحال اسے بٹھا کر پانی پلایا پھر آمد کی وجہ دریافت کی کہ وہ عورت بے حد پریشان لگی تھی۔

دفعتاً فرحت بیگم ساکت رہ گئیں جب وہ عورت ان کے پیروں میں گر کر روتے روتے کچھ کہنے لگی۔ اس کے الفاظ پر ان کا دھیان ہی کب تھا وہ تو اس کے انداز پر ششدر رہ گئیں۔ کچھ لمحوں بعد جب ہوش وحواس لوٹے فوراً اسے سیدھا کر کے بٹھایا۔

"بی بی اللہ کے بعد آپ کا آسرا ہے۔ ورنہ تو کنگال ہو چکے ہیں ہم تو...... گھر میں کھانے کو روٹی نہیں۔ بیمار بچہ تڑپ تڑپ کر رو رہا ہے۔ علاج کو پھوٹی کوڑی ہاتھ میں نہیں۔ بیٹی بیوہ ہو کر دو بچوں کے ساتھ در پر آن بیٹھی ہے۔ اوپر سے قرض کا خوف ناک اژدھا ہے جو منہ کھولے سب کچھ نگل گیا۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

فرحت بیگم کو بہت افسوس ہوا تھا یہ ساری بپتا سن کر۔ پھر بھی وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھیں کہ وہ خاتون ان کے پاس کیوں گریہ کر رہی تھیں۔ پھر خاتون نے ان کے استفسار پر بتایا۔

"عقیل احمد جوان کے بھائی ہیں۔ انہوں نے دو سال پہلے ان کے بیٹے کی بیماری اور بیٹی کی شادی کے لیے قرض دیا تھا۔ دو لاکھ روپے قرض میں دی جانے والی رقم سود میں اب تین گنا ہو چکی ہے۔ بقول ان خاتون کہ وہ قرض کی اصل رقم تو کب کی ادا کر چکے ہیں مگر سود ہے جوان کی جانوں کو خون چوسنے والی بلاؤں کی طرح چمٹ گیا ہے اور ان کی جان لے کر ٹلے گا۔" فرحت کو اگرچہ بہت افسوس بھی ہوا تھا اور غصہ بھی آیا تھا عقیل بھائی پر مگر

بھائی سے تصدیق کیے بغیر کچھ کہہ نہیں سکتی تھیں۔ بہر حال خاتون سے اتنا کہا کہ وہ اپنے بھائی سے بات کریں گی۔

"آپ سچ کہہ رہی ہیں ناں۔ آپ اس موذی بلا سے ہمیں چھٹکارا دلا دیں تو میں آپ کا احسان کبھی نہیں بھولوں گی۔ میں گھروں میں کام کرتی ہوں۔ میاں ٹیکسی چلاتا ہے۔ اپنی ٹیکسی تو کب کی اس قرض اتارنے کے چکر میں بک گئی۔ بیٹا پہلے باپ کے ساتھ ہی کام پر جاتا تھا مگر اسے بھی جب سے بیماری نے جکڑا ہے الٹا ہمارا محتاج ہے۔ ایسے میں اور قرض اتارنے کا تقاضا...... اب جب ہماری کمر بیٹی کی بیوگی نے توڑ دی ہے۔ آپ کے بھائی کا کہنا ہے کہ اس ماہ تک مدت پوری ہو رہی ہے۔ مطلوبہ رقم نہ دی تو ہمارا سامان نکال کر پھنکوا دے گا اور گھر کی نیلامی کردے گا۔ مکان وہ پہلے ہی ایک دو لوگوں کو دکھا کے جا چکا ہے۔" خاتون روتے روتے اب تھک گئی تھی۔ جبھی تھکی تھکی سی بول رہی تھی۔

فرحت کا دل اس کے جانے کے بعد بھی بے حد بوجھل رہا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے اپنی ناشکری کی معافی بھی مانگتی رہی کیونکہ اس عورت سے ملنے سے پہلے تک ان کو اپنے اللہ سے ہزار شکوے تھے کہ ان کا جیون ساتھی اتنی جلدی کیوں لے لیا جب کہ ابھی بہت سی ذمہ داریاں تھیں۔ ان کے سر پر۔ سوچتیں ٹیپو ہی کچھ بڑا ہوتا۔ ان کا سہارا بننے کے لائق یا فجر کی جگہ ان کا کوئی بیٹا ہی ہوتا۔ آج پتا چلا تھا یہ سب ان کی خود ساختہ پرچھائیاں تھیں۔

......☆☆☆......

"کیسے ہیں ولید؟"

"میں ٹھیک ہوں تم سناؤ۔"

"آج سورج کہاں سے نکلا بھئی تم نے خود مجھے کال کرلی۔" وہ خوش گوار حیرت میں گھر کر بولا۔

"کیوں یاد کرنے کا حق صرف آپ کو ہے۔ مجھے نہیں؟" فجر آج مسلسل حیران کرنے پر تلی ہوئی تھی۔

"واہ بھئی ہماری جدائی نے تو لوگوں کے جذبوں کو زبان دے دی ہے۔ حیرت سے بے ہوش ہی نہ ہو جاؤں۔" وہ بے حد خوش ہوا۔

"امی اور ماموں کے ڈر سے فون آن بہت کم رکھتی ہوں۔ وہ تو آپ کو ایک ضروری بات بتانی تھی اس لیے خود کال کرلی ورنہ آپ تو موبائل بھیج کر بھی کال کرنا بھول گئے تھے۔" اس کے شکوے پر وہ مسکرایا۔

"دیکھو فجر میں نے خالی محبت نہیں کی تم سے بلکہ عزت بھی کرتا ہوں تمہاری اور وقت سے پہلے جذبوں کے اظہار کا ہرگز قائل نہیں ہوں۔ نہ ہی چوری چھپے کی جانے والی ملاقاتوں کا۔ موبائل بھیجنے کا مقصد صرف اتنا تھا کہ میری غیر موجودگی کا فائدہ اٹھا کر ماموں جی تمہارے بارے میں کوئی ایسا ویسا فیصلہ نہ کرلیں۔ فون بلاوجہ کرکے نہ تو تمہیں پریشان کرسکتا ہوں اور نہ ہی چاہتا ہوں کہ کسی کی نظروں میں تمہارے لیے شک آئے۔ باقی یاد ان کو کیا جاتا ہے جو بھول جائیں۔ جو دل میں بستے ہیں دل کی ساری بستی آباد ہی ان کے دم سے ہوتی ہے۔" اتنی محبت، عزت...... فجر کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ واقعی وہ ایسا ہی تھا۔ حالانکہ رسمی سی بات بڑوں کے درمیان ہوچکی تھی مگر اس کے جذبے صرف دل سے نظروں تک کا ہی سفر طے کرتے تھے۔ انہیں کبھی اظہار کا محتاج نہیں بننے دیا تھا۔

"خیر تم بتاؤ کیا ضروری بات کرنی تھی۔ سب ٹھیک تو ہے ناں۔"

"ہوں ٹھیک ہے سب۔ ابھی امی کے لیے چائے لے کر گئی تو ماموں جی کسی رشتے کی تفصیل سے امی کو آگاہ کررہے تھے۔ انہوں نے آنے کے لیے دو دن کا ٹائم دیا ہے۔ میں نے امی کی بات نہیں سنی کہ انہوں نے کیا کہا۔ فوراً ہی آپ کو بتانے بھاگی ہوں۔" آواز ہلکی سی بھرائی ہوئی تھی فجر کی۔

"ہوں۔" وہ کچھ سوچ کر بولا۔

"تم فکر مت کرو اور آنے دو ان کو۔ رشتے ناتے اتنی

آسانی سے نہ تو ٹوٹتے ہیں نہ بنتے ہیں جتنا تمہارے ماموں جی نے سمجھ رکھا ہے۔ ان کے آنے کے بعد مجھے بتانا اور تم نے نہیں جانا ان کے سامنے۔ کوئی بہانہ کرلینا کالج سے لیٹ آنا۔ امی کے پاس چلی جانا۔ کچھ بھی۔ پھر میں بتاؤں گا کہ کیا کرنا ہے۔" وہ سنجیدگی سے اسے تفصیل بتاتے ہوئے بولا۔

جب کے فجر کے رشتے کی بابت سننے کے بعد فرحت بیگم نے فوری طور پر ماموں کو اس عورت کا قصہ جلدی سے سنا کر حقیقت دریافت کرنی چاہی وہ بچوں کی غیر موجودگی میں ہی سارا معاملہ جاننا چاہتی تھی۔ جانتی تھی ان کے بچے اپنے ماموں سے اچھے خاصے برگشتہ ہیں اور ٹیپو نے تو یہ سن کر ناک میں دم کر دینا تھا سو ان کے آنے سے پہلے پہلے جلدی جلدی سارا معاملہ جاننا چاہتی تھیں۔

"ان کی یہ جرأت کہ ہمارے گھر تک آ گئے یہ کیڑے مکوڑے۔ مت پوچھو فرحت کیسے فریبی اور لوفرباز ہیں یہ لوگ۔ روتے روتے یہ شخص آیا تھا میرے پاس کوئی پھوٹی کوڑی دینے کو تیار نہیں تھا اسے میں نے اپنے دوست کی منت کر کے قرضہ دلوایا تھا وہ بھی دونوں فریقین کی پوری رضامندی سے۔ قرض کے بعد بھی تقاضے تھے۔ کوئی زور زبردستی نہیں تھی۔ پورا اور پکا کام تھا۔ دستخط تھے تین چار گواہان کے۔ اب سال ہوگیا مکر گئے کم بخت۔ کہتے ہیں نہیں ہیں پیسے کہاں سے لائیں؟ جب نہیں ہیں پیسے تو اتنا بڑا گھر کیوں رکھا ہوا ہے۔ میں بزنس مین ہوں۔ ارے بیس مرلے کا میرا تو گھر نہیں ہے۔ کم بختو آدھا بیچو پورا بیچو قرض دے کر جان چھڑاؤ۔ دوست الگ میرا سر کھاتا ہے اور انہوں نے الگ پریشان کر رکھا ہے۔"

"ارے دھیرج ماموں جان اتنا غصہ اور گھن گرج بھلا آپ کا ننھا وجود سہار پائے گا بھلا۔ بندہ خوشی اور غم کے جذبات کا اظہار اپنی پرسنالٹی کے حساب سے کرے تو زیادہ بہتر ہے۔ اب اسی غصے میں ہی لڑھک گئے تو قصور تو ہمارا ہوگا کہ نجانے کیا کہہ دیا۔ کیا کھلا دیا۔" ٹیپو بلا گھماتے ہوئے آیا اور ماموں جی کے غصے سے کانپتے وجود کو دیکھ کر امی کی گھورتی نظروں کی پروا کیے بغیر بولے چلا گیا۔

"دیکھو لڑکے...... اس وقت میرے منہ نہ ہی لگو تو بہتر ہے یہ نہ ہو تمہارا یہ بیٹ لے کر تمہاری مرمت کردوں۔ ویسے بھی تم دن بدن بدتمیز اور گستاخ ہوتے جا رہے ہو۔"

"بھلائی کا تو زمانہ ہی نہیں ہے میں تو آپ کے بھلے کو ہی مشورہ دے رہا تھا۔ یہی مشورہ میں فیس کے ساتھ دیتا تو لوگ کیسے لپک جھپک کر آتے کہ پیسے سے چیز مل رہی ہے ضرور قیمتی ہوگی اور مفت بات چاہے خزانے سے قیمتی کیوں نہ ہو کوئی قدر ہی نہیں۔ جا رہا ہوں میں۔" وہ بیٹ کو ویسے ہی گھماتا ماموں کے غصے کو خاطر میں لائے بغیر وہاں سے چلتا بنا۔

"پھر بھی بھائی یہ غریب لوگ ہیں۔ اپنے دوست کو سمجھائیں قرضہ کی رقم تو وہ ادا کر چکے ہیں۔ معاف کردے اب۔" فرحت بیگم پر عورت کا غم سوار تھا۔

"پاگلوں جیسی باتیں مت کرو فرحت۔ یہ کاروباری باتیں ہیں۔ ان کی نزاکتیں تم عورتوں کی سمجھ کی بات نہیں ہے۔ بہرحال میں بات کروں گا۔" ماموں جی کچھ رکھائی سے بولے۔ فرحت بیگم نے بھی زیادہ بحث نہ کی کہ بھائی کے مزاج کا پتہ تھا۔ کچھ خاص مروت رکھنے اور منانے کے قائل نہیں تھے۔

"اچھا ٹھیک ہے بھائی۔ کچھ رقم چاہیے تھی فجر اور ٹیپو دونوں کے داخلہ کی فیس دینی ہے اور گھر کی ایک دو چیزیں بھی منگوانی تھیں۔" ماموں جی کے ماتھے کے بل کچھ اور گہرے ہوئے۔ شاید فرحت بیگم نے غلط وقت پر غلط بات کردی تھی۔

"لیکن بہن......" ماموں جی کے لیے ہر وہ بات غلط تھی جس میں رقم یا روپے یا خرچ ہونے کا تقاضہ ہوتا۔

"اپنے بچوں کی فضول خرچیوں کی عادات کو لگام دو

فرحت۔ پہلے ہی بہت بگڑ گئے ہیں۔ ابھی کچھ دنوں پہلے ہی تو داخلہ لیا ہے۔ ان بچوں نے تمہیں الو بنایا ہوا ہے اور تم ان کی باتوں پر آ جاتی ہو۔“

کچھ دن پہلے نہیں بھائی کچھ ماہ پہلے، پہلے سمسٹر کی اور اب دوسرے سمسٹر کی فیس جانی ہے۔ میرے بچے شرارتی سہی مگر جھوٹے نہیں ہیں۔“

”اچھا اچھا مل جائیں گے پیسے اور پیسے ذرا ہاتھ روک کر خرچ کیا کرو۔ ایک تو ہر ماں کی طرح تمہیں بھی اپنے بچے فرشتے نظر آتے ہیں۔“ سر پر مشہور زمانہ ٹوپی جس کا اصل رنگ روپ کھو چکا تھا، کو جماتے باہر نکل گئے۔

فرحت بیگم عجیب پریشانی کے عالم میں بیٹھی رہ گئیں۔ بھائی کے یہاں آ جانے سے انہیں مرد کا سہارا تو مل گیا تھا مگر پہلی بار ان کو لگا کہ انہیں اپنی تمام پونجی بھائی کو نہیں پکڑانی چاہیے تھی۔

فجر کے ابو کے جتنے بھی واجبات ان کی کمپنی نے ادا کیے تھے وہ سب انہوں نے یہ سوچ کر بھائی کے حوالے کیے تھے کہ وہ اپنے کاروبار میں انویسٹ کرلیں گے۔ یوں ساری عمر بھائی کے زیردست نہیں رہیں گے اور اخراجات کی مد میں بھی انہیں بھائی کا کسی قسم کا محتاج نہیں ہونا پڑے گا۔ آج ان کو لگا ان سے غلطی ہوگئی تھی۔ ہر بار ہر ضرورت کے لیے بھائی کے سامنے ہاتھ پھیلاتے کئی باتیں سننے کو ملتیں اور ایک دو بار دبے لفظوں میں پوچھنے پر کہ انہیں وہ ماہانہ خرچہ دیا کریں، ان سے عجیب ہی بات سننے کو ملی تھی۔

”بزنس کرنا آسان کام نہیں ہے فرحت بیگم۔ جان جوکھوں میں ڈالنی پڑتی ہے، ہزار نقصانات کے بعد ایک منافع ہاتھ آتا ہے۔ مل جائے گا خرچہ بھی مہینے کے مہینے ابھی صبر کرو۔ چل رہا ہے نہ گھر، بھوکا نہیں بٹھایا کوئی۔“ اور ہر بار ہی ماموں جی کو ان کے بچوں کی فضول خرچی بے حد کھلتی۔

فجر کے ابو کے زمانے میں فراوانی نہ سہی، تنگی ہرگز نہ تھی کسی چیز کی۔ فریج کبھی فروٹس سے خالی نہ ہوتا کہ مرحوم خود بھی خوش خوراک تھے۔ بچوں پر خرچ کرنے میں بھی خوشی محسوس کرتے۔ انڈے، بریڈ، جیم، دودھ کا تو باقاعدہ نکڑ والے اسٹور سے کھاتہ تھا۔ مگر اب کچھ عرصے سے ان سب نے ان سب چیزوں کو دیکھا تک نہ تھا۔ ابو جی کی زندگی میں روزانہ تین کلو دودھ گھر آتا اور اب ماموں جی نے وہ بھی ایک کلو کردیا تھا۔ ابھی بھی ان کے نزدیک یہ فضول خرچی تھی۔ ہفتے میں تین دن سبزی اور تین دن گوشت کھانے کی روٹین رکھنے والے وہ لوگ اب گوشت کا ذائقہ بھولتے جارہے تھے۔ ماموں جی کی مہربانی سے دال، آلو اور چاول اب یہی تین چیزیں دستر خوان کی زینت بنتی۔ اس پر بھی ٹیپو خوب بولتا، فجر بھی منہ بنائے رہتی اور ماموں جی اور فرحت کے بچوں کے درمیان مخالفت کی دیوار روز بروز بلند سے بلند ہوتی جارہی تھی۔

”اچھا فرحت...... میرے بہت اچھے دوست ہیں فاروق صاحب۔ میں نے فجر کا رشتہ طے کردیا ہے ان کے بیٹے سے۔ بہت اچھا گھرانہ ہے، پڑھا لکھا، خوب صورت اور برسر روزگار بھی ہے لڑکا۔“

ماموں جی فجر اور ٹیپو کے اسکول اور کالج جانے کے منتظر تھے۔ جب ہی ان کے جاتے ہی فرحت نے ٹیبل پر سے ناشتے کے برتن سمیٹنے شروع کیے۔ ماموں جی کی بات سن کر وہ حیرت زدہ رہ گئیں۔

”اتنی جلدی کیسے بھائی...... دیکھے بھالے...... ملے بغیر کس طرح......“

”اوہ...... بھئی کیسا دیکھنا بھالنا...... سالوں پرانی میری دوستی ہے، آنا جانا ہے، اچھا طرح جانتا ہوں۔ تب ہی تو ہاں کی ہے رشتے کی۔ کل بلایا ہے اس لیے کہ تم مل لو...... بس پھر میں فجر کے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتا ہوں اور یقیناً تم بھی ایسا ہی چاہتی ہو۔ تمام ذمہ داری میری ہے بس۔ ضمانت دے رہا ہوں ہر قسم کی۔ تم بس ذہنی طور پر تیار ہوجاؤ اور اپنی بیٹی کو بھی بتا

دینا۔" ماموں جی تو اپنی سنا کر چلتے بنے مگر فرحت کو سخت مشکل میں ڈال گئے۔

"یہ بھائی بھی کمال کرتے ہیں۔ رشتے بھلا ایسے ہوتے ہیں؟" وہ سارا دن اسی ادھیڑ بن میں رہیں کہ کیسے لوگ ہوں گے۔ اگر ان کو اور فجر کو پسند نہ آئے۔ وہ تھک کر بیٹھ گئیں۔ چاہتی تو وہ بھی یہی تھی کہ فجر کو جلد سے جلد اپنے گھر کا کر دیں مگر اتنی جلدی؟

"خیر وہ لوگ آئیں تو سہی...... دیکھنے اور ملنے کے بعد ہی میں کوئی فیصلہ کروں گی۔" یہ سوچ کر وہ ایک بار پھر گھر کے کام کاج میں لگ گئیں۔

......☆☆☆......

ماموں جی صبح سے غائب تھے۔ کھانا کھاتے فجر اور ٹیپو نے امی کی غائب دماغی والی کیفیت کو محسوس کیا۔ فجر تو چپ چاپ رہی تاہم ٹیپو کم ہی اپنے دل کی بات اندر رکھ پاتا تھا۔

"کیا بات ہے امی؟" وہ بغور ان کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"تاریخ گواہ ہے کہ ہمارے گھر میں جب جب بدترین واقعات پیش آئے، ناخوشگوار حالات ہوئے۔ ان کے پیچھے ہمارے عظیم ماموں جی کا زرخیز دماغ پایا جاتا ہے...... مطلب ان کے ذہن کی کارستانیاں۔" امی کو غصے سے گھورتے پاکر بھی وہ باز نہ آیا۔

"کچھ نہیں ہوا۔ تم جاؤ یہاں سے مجھے فجر سے کچھ بات کرنی ہے۔"

"کیا ہے امی مان لیں کہ میں اب بڑا ہو گیا ہوں۔ بچہ نہیں ہوں جو اس طرح ہر اہم بات کے وقت مجھے گھر سے باہر بھیج دیا جاتا ہے یہ غلط روایت بھی ماموں جی کی ڈالی ہوئی ہے۔ جب کہ ابو جی کے ہوتے کیسے جمہوریت بھری فضا تھی ہمارے گھر کی۔" اس نے امی کو ایموشنل بلیک میل کرنا چاہا اور خاطر خواہ کامیاب بھی ہو گیا۔

"اوہو بڑے میاں بیٹھو تم بھی ادھر ہی۔ وہ فجر...... بیٹا کل کالج سے چھٹی کر لو۔" وہ ذرا سا ہچکچا کر بولیں۔ فجر اور ٹیپو دونوں ہی چونکے اور دونوں کے ذہن میں ہی خطرے کی گھنٹی بجی۔

"تمہارے ماموں جی کے دوست کی فیملی ہے۔ انہوں نے تمہیں دیکھنے کے لیے آنا ہے۔ بہت اچھے لوگ ہیں۔"

"ماموں جی کے دوست اور اچھے؟ اور اگر ماموں جی جیسے اچھے ہوئے تو امی سوچ لیں۔" اب کے ٹیپو پھر بولا تو امی نے اپنے پاؤں سے جوتا اتار لیا۔

"اسی لیے...... اسی لیے تمہیں بیٹھنے نہیں دے رہی تھی میں۔ اٹھو...... اٹھو جا کر پڑھو بیٹھ کے۔" وہ خوب غصے میں آ گئیں کہ ذہنی طور پر پریشان تو پہلے تھیں اب ٹیپو اگرچہ سچ کہہ رہا تھا مگر ان کے غصے کو باہر نکالنے کی وجہ بن گیا تھا۔

"لوگوں کو دیکھتی ہوں تو اتنی اتنی عمر کے بچے سہارا بنے ہوئے ہیں اور میرے بچے ہیں کہ عمر گزرنے کے ساتھ ساتھ مزید بچہ بنتے جا رہے ہیں۔ جانتے بھی ہو تمہارے ابو کے بعد میں کتنی اکیلی، کتنی تنہا رہ گئی ہوں۔ فجر کی جلد از جلد کسی اچھی جگہ شادی ہو جائے اب تو یہی مقصد رہ گیا ہے زندگی کا۔ ایسے میں الٹا بھائی صاحب کا احسان ماننے کے ان سے ایسا رویہ ہے تم دونوں کا کہ میں شرمندہ ہوتی رہتی ہوں ہر وقت۔" اب وہ بری طرح روتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ اور ان کے ایسے ردعمل پر ٹیپو اور فجر دونوں دم بخود رہ گئے۔

"امی...... میں تو مذاق کر رہا تھا آپ کو پتہ ہے ناں میں آپ کو اور فجر آپی کو اداس نہیں دیکھ سکتا اس لیے...... آپ روئیں مت میں آئندہ کبھی کچھ نہیں کہوں گا پرامس۔" ٹیپو نے فوراً آ کر ان کے گرد اپنے بازو لپیٹ لیے۔ فجر بھی دوسری طرف آ کر بیٹھ گئی۔

"اور امی میں نے کچھ بھی نہیں کہا۔ ٹیپو بھی سچ کہہ رہا ہے وہ تو ایسے ہی بات کر رہا تھا اس کا مقصد آپ کا دل دکھانا نہیں تھا۔" فجر نے کہا تو امی نے سر ہلاتے ہوئے آنسو پونچھے۔

''بس بیٹا...... تم لوگوں کا بھی کوئی قصور نہیں۔ مجھے تمہارے ابو جی کی ہمراہی کی اتنی عادت ہوگئی تھی کہ اب ان کے بغیر مجھے سمجھ نہیں آرہی۔ زندگی جو کبھی پھولوں کی سیج تھی کانٹوں کا بستر کیسے بن گئی۔ میری باتوں کو دل پر مت لیا کرو۔ جاؤ بیٹا تم بھی اور فجر مجھے چائے دے دو جاؤ۔'' وہ گہری سانس لے کر بولیں۔

فجر اگر عام حالات ہوتے تو رشتے والی بات پر امی سے انکار کردیتی مگر فی الحال اسے اپنی تعلیم مکمل کرنی تھی۔ مگر ابھی امی کی حالت دیکھ کر بہت ڈر گئی تھی۔ سو ڈھیلے قدموں سے اٹھ کر چلی آئی۔ مگر رات کو امی کی بتائی ہوئی بات کے متعلق ولید کو بتانا نہیں بھولی تھی۔

''ٹھیک ہے فجر...... تم فکر مت کرو۔ میں بس چند دنوں میں آرہا ہوں۔ تم کوئی بھی بات کہے بغیر اپنے آپ کو نارمل رکھو۔ میں ایک دفعہ پھر امی ابا کو بھیجوں گا خالہ کی طرف۔ اس بار اگر ناں ہوئی تو تمہیں میرا ساتھ دینا ہوگا۔''

''کیسا ساتھ ولید...... کیا کرنے والے ہیں آپ؟''

''کچھ نہیں فجر...... کچھ بھی ایسا نہیں جس سے تمہاری عزت پر حرف آئے۔ بس میں تمہیں وقت آنے پر بتاؤں گا۔ بس خود کو مضبوط رکھنا ہے۔ ٹیپو سے بات کرواؤ میری۔ بہت یاد آرہی ہے اس کی۔'' فجر جب کال ختم کرنے لگی تو ولید کے کہنے پر اس نے چند لمحے کچھ سوچا۔

''وہ جلدی سو جاتا ہے ولید۔ میں کل کوشش کرکے آپ کی اس سے بات کرادوں گی۔''

''اوہ ہاں مجھے خیال ہی نہیں آیا کہ بہت رات ہوگئی ہے۔ تم بھی ساری فکریں ذہن سے جھٹک کر سو جاؤ۔'' فجر نے ساری پریشانیاں اس کے حوالے کرکے دل ہلکا ہوتا محسوس کیا اور سونے کے لیے لیٹ گئی۔ وہ ہمیشہ سے اس کی پریشانی خود پر لے کر اسے ایسے ہی ہلکا پھلکا کردیا کرتا تھا۔

اگلے دن لڑکے کے ماں باپ اور خود لڑکا بھی آیا تھا۔ بظاہر تو اچھے خاصے لوگ لگ رہے تھے۔ لڑکا بھی شائستہ مزاج کا پڑھا لکھا نوجوان تھا۔ پھر سب سے بڑی بات عقیل ماموں کی ضمانت اور ان لوگوں کا ہاں کے لیے مسلسل اصرار تھا۔ جب ہی فرحت بیگم کے ہاں کرتے ہی لڑکے کی ماں نے جھٹ پٹ انگوٹھی فجر کی انگلی کی زینت بنادی۔ وہ ہکا بکا دیکھتی رہ گئی اور احتجاج کرنے کا ارادہ دھرا کا دھرا رہ گیا۔ امی کا رات والا رونا ابھی تک ذہن میں تھا ورنہ وہ کبھی اتنی جلدی راضی نہ ہوتی۔

اس کے بعد وہ جو کمرے میں جا کر بند ہوئی تو مہمانوں کے جانے کے بعد بھی باہر نہ نکلی۔ ولید کو فون کرکے ساری صورت حال سے آگاہ کردیا تھا۔ جواباً اس نے کہا کہ وہ پریشان نہ ہو وہ جلد ہی پہنچ رہا ہے۔ مگر فجر یقیناً یہ بات نہیں جانتی تھی کہ وہ لوگ بہت جلد شادی بھی کرنا چاہتے تھے اور آج ہی تاریخ بھی لے جانا چاہتے تھے۔ امی کے متامل ہونے پر ماموں جی نے کہا تھا کہ وہ لوگ بے فکر ہوجائیں باقی معاملات وہ فون کرکے طے کرلیں گے اور ان کو ان کی حسب منشا شادی کی تاریخ بھی مل جائے گی۔

''ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا بھائی۔ میں نے رشتے کے لیے ہاں کردی ہے مگر مجھے شادی کی تیاری کے لیے کچھ وقت چاہیے۔ میری اکلوتی بیٹی ہے اسے ایسے کیسے خالی ہاتھ رخصت کرسکتی ہوں میں۔'' فرحت بیگم اس وقت تو چپ چاپ بیٹھی رہیں مگر مہمانوں کے جانے کے بعد بھائی سے الجھ پڑیں۔

''ارے فرحت کمال کرتی ہو بھئی۔ اپنے بھائی پر بھروسہ کیا ہے تو پورا کرو ناں۔ میری عقل کو داد دو کہ فجر کے لیے ایسا ہیرے جیسا لڑکا ڈھونڈا ہے اور ان کو صرف لڑکی سے مطلب ہے۔ جہیز جیسی خرافات سے کوسوں دور بھاگنے والے لوگ ہیں۔ جہیز لینے سے منع کردیا ہے انہوں نے۔'' ماموں جی نے فخر سے سینہ پھلا کر فرحت بیگم کو حیران کردیا۔

''یہ ان کی اعلیٰ ظرفی ہے بھائی جو انہوں نے ایسا کہا ہے مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ہم اپنی بچی کو خالی

ہاتھ رخصت کردیں۔ ویسے بھی والدین جو کچھ اپنی بچیوں کو دیتے ہیں وہ ان کی سہولت کی غرض سے دیتے ہیں اور جب ہماری حیثیت ہے کچھ دینے کی تو کیوں نہ دیں؟ آپ مجھے رقم دیں تاکہ میں کل سے ہی خریداری شروع کرسکوں۔"

"اچھا بھئی تم عورتوں سے باتوں میں کون جیت سکا ہے بھلا۔ میں کچھ رقم صبح تمہیں دے دوں گا۔ اس کی جو چھوٹی موٹی خریداری ہے وہ کرلو۔ کپڑے اور برتن وغیرہ۔ باقی بڑا بڑا سامان فرنیچر وغیرہ میں خود ہی لے کر بھجوادوں گا۔ لڑکے والوں کے گھر۔ اصل میں کاروبار میں ایک دم ہی ایک بڑی رقم ڈالی ہے تو ابھی گنجائش نہیں ہے میرے پاس کچھ زیادہ۔" فرحت بیگم کو اگرچہ بہت سی باتوں سے اختلاف تھا۔ مگر پھر بھی بھائی کی فطرت سے واقف تھیں کہ وہ اتنا خرچ ہوتا دیکھ رہے تھے یہ بھی ان کی برداشت سے بہت زیادہ تھا۔

"اچھا بھائی بھاری نہ ہی ایک آدھ سونے کا ہلکا پھلکا سیٹ بھی لینا ہے اور بھاری سیٹ اور چوڑیاں میرے پاس ہیں۔ وہ بھی پالش ہوجائیں گے۔" اتنے زیورات کا سن کر عقیل ماموں کی آنکھیں پھٹ گئیں۔

"بس چوڑیاں ہی کافی ہیں فرحت۔ ہلکا سیٹ رہنے دو اور تم جس بھاری سیٹ کا کہہ رہی ہو وہ بھی مجھے دو کاروبار کے لیے اور رقم کی ضرورت ہے مجھے۔ یہاں وہاں ادھار کے لیے ہاتھ پھیلائے پھر رہا ہوں اور میری بہن کو بھائی کی مشکل کی کوئی پرواہی نہیں ہے۔" غصے کے مارے ماموں جی تو یہاں وہاں ٹہلنے لگے۔ یہ غم ہی ہضم نہیں ہورہا تھا کہ بہن کے پاس سونا بھی موجود ہے۔ وہ تو سمجھے تھے کہ وہ ان کی تمام پونجی ہتھیا چکے ہیں۔ اب تو صدمے سے انہیں اختلاج ہونے لگا تھا۔ ماموں جی کی فطرت میں شامل تھی یہ بات کہ ان سے کسی کے پاس دولت اور روپیہ دیکھنا کم ہی برداشت ہوتا تھا۔ اور وہ اسے اپنی تحویل میں لینے کے لیے کسی بھی حربے کو آزمانے سے نہیں چوکتے تھے۔

"کمال کرتے ہیں بھائی۔ فجر کی شادی کے لیے یہ سیٹ بڑی خوشی سے اس کے ابو نے بنوایا تھا۔ یہ تو میں ضرور اسے دوں گی اور آپ کو میں اپنی ساری پونجی دے چکی ہوں تاکہ آپ اپنے کاروبار میں لگائیں اور مجھے خرچ کے لیے کسی قسم کی پریشانی نہ ہو اور نہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے پڑے۔ حالانکہ رفیق بھائی نے بھی مجھے کہا تھا کہ وہ فجر کے ابو کے آفس سے ملنے والی واجبات کی رقم بینک میں جمع کرادیتے ہیں یا اپنے کاروبار میں لگالیتے ہیں۔ مجھے مناسب منافع بھی دیں گے اور ہر ماہ کا مقرر خرچ بھی...... اس وقت میں نے سوچا تھا کہ بیٹی کے سسرال کا معاملہ ہے۔ میں کیا ان سے پیسوں کا حساب کتاب لیتی اچھی لگوں گی یہی سوچ کر انکار کردیا تھا۔ وہ اتنی معمولی رقم ہرگز نہیں تھی عقیل بھائی۔ لاکھوں میں تھی۔ کاروبار میں نقصان ہوا تو فائدہ بھی تو ہوا ہوگا کبھی۔ آپ نے مجھے ہمیشہ نقصان کی ہی خبر دی بس جیسے ہی حالات بہتر ہوں مجھے اپنی رقم واپس چاہیے۔ میں نے صرف بیٹی کی شادی نہیں کرنی بیٹے کا مستقبل بھی سنوارنا ہے۔ ایسے تو نہیں چل سکتا یہ سب۔" فرحت بیگم نے صاف صاف بات کرنے کی ٹھانی۔ عقیل ماموں کو بہن سے اتنے صاف جواب کی توقع نہیں تھی۔ جب ہی بغلیں جھانکنے لگے۔

"اوہو بھئی فرحت تم گھر بیٹھی عورتیں کاروبار کے تقاضے نہیں سمجھتی ہو۔ کاروبار میں پہلے پہل صرف دینا...... دینا اور دینا پڑتا ہے پھر کہیں جاکر لینے کی باری آتی ہے۔ بہرحال فکر مت کرو کل تمہیں میں کچھ رقم دیتا ہوں۔ ضروری ضروری خریداری کرلو۔ پھر آگے دیکھتے ہیں کیا کرنا ہے؟" ماموں جی کا ارادہ جو پہلے کسی قسم کی مالی مدد سے انکار کا تھا اب فرحت کے تیور دیکھ کر بدل گیا تھا۔

اگلے دن ٹیپو کے اسکول اور فجر کے کالج جانے کے بعد ماموں جی نے کچھ رقم فرحت کو پکڑائی تھی۔

"بس اتنے...... اتنی کم رقم میں تو پوری کراکری بھی نہیں آتی بھائی۔ جب کہ میں تو آج بہت سی خریداری

نمٹانے کا سوچ بیٹھی تھی۔" فرحت نے ہاتھ میں پکڑے دس ہزار کو دیکھ کر حیرت سے کہا۔

"اپنی طرف سے کچھ شامل کرلو فرحت۔ ایک دو دنوں میں ایک پے منٹ ملنی ہے پھر دے دوں گا تمہیں۔"

ماموں جی کو یقیناً وہ رقم یاد تھی جو ابھی پچھلے ہفتے ہی فجر کے ابو کا اچھے وقتوں میں خریدا پلاٹ بکا تھا وہ ان کے اوران کے دوست کی ملکیت تھی۔ ان کے دوست کو رقم کی ضرورت تھی تو وہ گھر آ کر فرحت سے ملے تھے کہ یا تو وہ انہیں آدھے پلاٹ کی رقم دے دیں یا پورا فروخت کرنے دیں تاکہ ان کی ضرورت پوری ہوسکے۔ شکر ہے ماموں جی اس دن گھر پر نہیں تھے۔ ان کو ٹیپو نے ریسیو کیا تھا اور فرحت بیگم کا پیغام دیا تھا کہ جتنی جلدی ہوسکے پلاٹ فروخت کرکے رقم ان تک پہنچادی جائے اور محض پندرہ دن میں اس شخص نے رقم فرحت بیگم کے حوالے کی تھی۔ یہ اور بات تھی کہ عقیل ماموں اس دن موجود تھے۔ ان کی عقابی نظروں میں رقم کو دیکھ کر ایک مخصوص چمک جاگی تھی اور لومڑی جیسا ذہن یہ تانے بانے بننے میں لگ گیا تھا کہ یہ رقم ان سے کیسے محفوظ رہ گئی اور کہاں سے آگئی۔

مگر اس بار کاروبار میں نقصان کا رونا اور رقم کی اشد ضرورت کا رونا بھی فرحت بیگم کو نہ پگھلا سکا تھا اور انہوں نے پلاٹ کی فروخت کا مختصر قصہ بھائی کو سنا کر رقم اپنے پاس محفوظ کرلی تھی۔ بھائی کے جانے کے بعد وہ سوچ رہی تھیں کہ بازار کیسے اور کس کے ساتھ جائیں۔ ہمیشہ ایسے مواقع پر دونوں بہنیں مل کر چلی جاتی یا پھر بہن سے تعلقات خراب ہونے کے بعد فجر کے ساتھ چلی جاتیں۔

"کل فجر سے کہوں گی کہ چھٹی کرلے گی۔ تو کئی کام نمٹ جائیں گے۔" انہوں نے سوچا اور پھر معمول کے کاموں میں لگ گئیں۔ دفعتاً لینڈ لائن پر ہونے والی بیل سے چونک گئیں۔ عقیل بھائی تو اس فون کو بھی کٹوانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ بلاوجہ کا خرچہ اور ہر وقت کی گھنٹیوں کی ٹن ٹن الگ مگر اس بار فجر اور ٹیپو کے ساتھ فرحت بیگم خود بھی اڑ گئیں۔ فجر کے ابو کا موبائل آپ کے پاس ہے عقیل بھائی۔ بچوں کے اسکول، کالج میں یہ نمبر دیا ہوا ہے۔ پھر کبھی ضرورت بھی پڑ جاتی ہے بات کرنے کی کسی نہ کسی ایمرجنسی کے موقع پر۔ تب کہیں جا کر عقیل ماموں چپ ہوئے تھے۔ انہوں نے فون ریسیو کیا اور دوسری طرف جو خبر انہیں دی گئی اس نے ان کے ہوش اڑا دیئے۔

ٹیپو کی اسکول میں طبیعت اس قدر خراب ہوئی تھی کہ اسے اسپتال لے جانا پڑا تھا۔ فرحت بیگم نے حواس باختگی میں فون بند کرکے چادر اوڑھی اور گھر لاک کرکے باہر آگئیں۔ انہیں یاد آیا کہ وہ جس اسپتال کا نام بتا رہے تھے وہ، وہ بھول چکی ہیں۔ مارے بے بسی کے آنکھیں ایک بار پھر دھندلا گئیں۔ کچھ سمجھ نہ آنے پر بہن کے گھر کا دروازہ کھول کر اندر چلی آئیں۔ صحن ہی میں چارپائی پر دھوپ کے مزے لیتا ولید نظر آیا۔

"ولید...... میرا بچہ...... میرا ٹیپو۔" اسے دیکھ کر وہ اپنی پچھلی ساری کدورت بھول کر بلک بلک کر رو دیں۔

"خالہ کیا ہوگیا ہے؟ ہمت کریں اور مجھے بتائیں کہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟ کیا ہوا ٹیپو کو؟" وہ خالہ کو اتنے دنوں بعد اپنے گھر پر دیکھ کر حیران رہ گیا اور خالہ کے اس طرح رونے اور ٹیپو کے بارے میں کچھ کہنے کی کوشش پر پریشان بھی ہوگیا۔ راحت بھی آگئیں اور بہن کو پانی پلایا اور ساری بات پوچھی۔

"اچھا خالہ آپ فکر مت کریں۔ امی کے ساتھ بیٹھیں میں ٹیپو کے اسکول سے اسپتال کا پتہ کرکے پھر آپ کو لے جاتا ہوں۔"

"نہیں نہیں ولید...... میں ساتھ چلوں گی۔ میرا ٹیپو بے ہوش ہوگیا تھا اسکول میں۔ اب نجانے کس حال میں ہو۔" وہ بے قراری سے کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

فجر کو کالج کال کرکے ولید نے ساری صورت حال بتائی تھی۔ نتیجتاً وہ بھی اسپتال میں تھی۔ ٹیپو اگرچہ ہوش میں

تھا مگر پُر نقاہت اور نڈھالی اور کے چہرے سے عیاں تھی۔ فرحت بیگم کو ٹیپو کے پاس چھوڑ کر وہ دونوں ڈاکٹر کے پاس آئے تھے۔

"دیکھیے جناب آپ کے پیشنٹ کے پیٹ میں موجود چھوٹی آنت بل کھا گئی ہے۔ جس کو آپریٹ کر کے ہی اپنی اصل حالت میں لایا جاسکتا ہے۔ نہیں تو پیشنٹ مسلسل اسی تکلیف میں مبتلا رہے گا۔ ہر عمل جسم کے اندر اچانک وقوع پذیر نہیں ہوتا بلکہ پہلے پہلے کیسز پیٹ میں درد اور وومیٹنگ اس کی علامات ہیں۔ عموماً ایسے کینسر میں مریض کے پین کو گیس سمجھ کر نظر انداز کردیا جاتا ہے اور یہیں ہم غلطی کر جاتے ہیں۔ مرض کو ابتداء سے پکڑ لیا جائے تو علاج میں آسانی ہوتی ہے اور مریض کو کم تکلیف برداشت کرنا پڑتی ہے آپریشن کی نوبت بھی نہیں آتی۔ آپ کے کیس میں بھی ایسا ہی ہوا ہے۔ اب آپریشن کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ اب اور آپریشن کے بعد بھی ایک لمبی احتیاط ہے۔" ڈاکٹر کے تفصیل بتانے پر فجر کو یاد آیا کہ اس قسم کا درد ٹیپو کو اس سے پہلے کئی بار ہوا تھا وہ اور امی ماموں جی سے کہتی رہی تھیں کہ اسے ڈاکٹر کو دکھا لیا جائے۔ جواباً ماموں جی کی ایک لمبی تقریر ہوتی۔ جس میں فضول خرچی کی عادت پر کنٹرول کرنے پر زور دیا جاتا اور امی کو خصوصی ہدایت ہوتی کہ ان دونوں کا جیب خرچ بند کردیا جائے کیونکہ اسکول کالج میں ناقص غذا کھانے سے صحت تو خراب ہوتی ہے سو ہوتی ہے گھر میں رزق بھی ضائع ہوجاتا ہے۔ ایسی ہر صورت حال میں وہ ہمیشہ سیون اپ کی بوتل کے ساتھ ٹیپو کو حکیم صاحب کی بنی دیسی پھکی چٹا دیتے اور واقعی کچھ ہی دیر میں ٹیپو کا درد ختم ہوجاتا تو کم از کم امی کو بھی وجہ وہی لگنے لگتی۔ یوں ٹیپو کو ڈاکٹر کو دکھانے کا معاملہ جو التوا کا شکار ہوتا رہا تھا۔ آج ایک سنگین غلطی کا نتیجہ بن کر سامنے آیا تھا۔

خالہ جی اور فرحت بیگم بھی پہنچ چکے تھے۔ اسپتال کے ڈیپوز، آپریشن کے اخراجات اور دوائیوں وغیرہ کے لیے رقم فی الحال ولید نے ہی دی تھی۔ پتہ تھا کہ خالہ ایمرجنسی میں ان کے گھر خالی ہاتھ آئی تھیں اور وہاں سے وہ لوگ سیدھا اسپتال آئے تھے۔ ٹیپو آپریشن تھیٹر میں تھا۔ جب کہ وہ سب باہر تھے۔ ماموں جی کا حسب حال کوئی اتہ پتہ نہیں تھا۔

"ولید وہ ٹھیک تو ہوجائے گا ناں......"

"بالکل ٹھیک ہوجائے گا ان شاء اللہ۔ تم خود موجود تھیں جب ڈاکٹرز نے تسلی دیتے ہوئے کہا تھا کہ دیر ہوگئی ہے لیکن بہت دیر نہیں ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ خیر کرے گا۔ حوصلہ کرو اور خالہ کو بھی حوصلہ دو۔" آدھے گھنٹے بعد ان سب کو ٹیپو کے کامیاب آپریشن کی اطلاع ملی تھی۔

"ایسا کریں آپ سب لوگ اب گھر جائیں۔ ویسے بھی یہاں صرف ایک بندہ مریض کے ساتھ رک سکتا ہے۔ میں ہوں یہاں۔ سب تھکے ہوئے ہیں گھر جا کر تھوڑا آرام کرلیں۔ صبح پھر آجایئے گا۔ ابو آپ سب کو گھر لے جائیں۔" ٹیپو کو ہوش میں دیکھ کرل کر جب سب باہر آئے تھے تب ولید نے کہا۔

"نہیں میں اپنے بچے کے پاس رہوں گی۔"

"اور میں بھی امی۔" فجر نے کہا۔ مگر ولید نے بصد اصرار انہیں واپس گھر بھیج دیا۔ گھر آنے پر بہت غصے میں ماموں جی ملے تھے۔

"یہ بھی کوئی طریقہ ہے ایسی کون سی خریداری تھی جو رات تک ہورہی ہے اور گھر کو تالے لگے ہوئے ہیں۔ کمال ہے پورا کا پورا خاندان ہی نکل کھڑا ہوا۔ میں روزی، روٹی کے چکر میں صبح سے شام خوار ہوتا ہوں اور یہاں پروا ہی نہیں کہ گھر پر کوئی بھوکا ہوگا۔ بس محنت کی کمائی لٹانے کا شوق ہے سب کو۔" فجر کو اتنا غصہ آیا کہ اس نے کوئی جواب دینا گوارا نہیں کیا اور سیدھا جا کر اپنے کمرے میں دم لیا۔ ہاتھ میں پکڑے شاپرز بیڈ پر رکھے۔ جن میں ولید کھانا پیک کروا کے لایا تھا کہ صبح سے کسی نے کچھ نہیں کھایا۔ گھر جا کر پکانا نہ پڑے سب بھوکے نہ سوئیں۔ باہر امی دھیرے دھیرے بھائی کچھ گوش گزار

کررہی تھیں۔

''اتنا کچھ ہوگیا اور مجھے کسی نے بتانا بھی گوارا نہیں کیا۔'' ماموں جی کے تو حلق سے کھانا نگلنا مشکل ہوگیا۔ جب پتہ چلا کہ ولید اور خالو جی کی فیملی ساتھ تھی اور مشکل کی اس گھڑی میں وہ ہمیشہ کی طرح ساتھ تھے۔

''پریشانی اتنی شدید تھی کہ خیال ہی نہیں آیا آپ کا۔ وہ تو شکر ہے ولید گھر پر تھا۔ اسی نے سب کچھ سنبھالا ورنہ نجانے کیا ہوجاتا۔''

''اچھا اچھا اب آگے پیچھے بچھنے کی ضرورت نہیں ہے اس کے اور نہ ہی زیادہ منہ لگانے کی۔ خوامخواہ جان کو آجائیں گے۔ پہلے ہی بڑی مشکل سے پیچھا چھڑایا ہے ان سے۔'' امی کے چہرے پر ماموں جی کے فرمان سے ناگواری چھائی تھی۔ تاہم خاموش رہیں۔ فجر البتہ خاموش نہ رہ سکی اور تڑخ کر بولی۔

''بالکل منہ نہیں لگائیں گے۔ مگر ان کا قرض چکادیں پہلے۔ ڈیڑھ لاکھ تو ڈاکٹر کی آپریشن کی فیس تھی۔ ہزاروں میں دوائیاں آئیں اور اسی طرح مہنگے مہنگے ٹیسٹ ہوئے ان کی رقم کا ولید نے پتہ بھی نہیں چلنے دیا کیسے اور کہاں سے بندوبست کیا۔ پرسوں ٹیپو نے ڈسچارج ہونا ہے سو کل ہی ساری رقم کا انتظام کردیں تاکہ ان کی رقم لوٹائی جاسکے۔ باقی رہ جائے گا احسان جو ہم مرکر بھی شاید نہ ادا کرسکیں۔'' ماموں کی آنکھیں ابل پڑیں اور انہوں نے ہاتھ میں پکڑا نوالہ واپس پلیٹ میں رکھا۔

''ایسی کیا موت آگئی تھی تم لوگوں کو کہ سرکاری اسپتال سے اس مہنگے ترین اسپتال کا رخ کرلیا۔ یہیں سے تو اس لونڈے کی ہمدردی کا اندازہ کرلو۔ باپ کا مال سمجھ کر پانی کی طرح پیسہ بہادیا۔ اب میں کہاں سے لاؤں اتنا روپیہ؟ صبر کرو مر نہیں رہے وہ لوگ دے دیں گے پیسے جب ہوں گے ہمارے پاس۔ تمہاری شادی کی تاریخ دے دی ہے میں نے۔ اس کے ہزاروں خرچے ہیں۔ پیسے کوئی درختوں پر نہیں لگے ہوئے جو میں توڑ توڑ کر تمہیں دیتا رہوں۔'' ٹیپو کا حال احوال پوچھنے کے بجائے ماموں جی کو پیسوں کی فکر نے بے حال کردیا اور پیسوں کا تقاضہ چاہے کسی بھی صورت میں ہوتا وہ ایسے ہی بے مروت اور کٹھور بن جایا کرتے تھے۔ جب کے فجر نے شادی کا سن کر ایک شاکی نظر امی کی جانب دیکھا اور پلیٹ کھسکا کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ ولید کو کال کرنے کے لیے مگر جب خیال آیا کہ وہ اسپتال میں ہے اور بے حد تھکا ہوا بھی تو بے اختیار ڈھیلے ہاتھوں سے موبائل واپس بیگ میں رکھ دیا۔

ولید اور خالہ کی فیملی سے ملنے کے بعد اس نے کئی خوش فہم خوابوں کو پھر سے جگہ دے دی تھی۔ اب ماموں جی کی بات سن کر گم صم ہوگئی۔ ساری رات اس ادھیڑ بن میں گزر گئی۔ صبح امی کے ساتھ ماموں جی بھی اسپتال جانے کو تیار تھے۔ ماموں جی کی موجودگی کے باعث اسے ولید سے بات کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ ولید سے بھی وہ اکھڑے اکھڑے سے رہے۔ بلکہ سرے سے بات ہی نہ کی۔ اسے کون سا پروا تھی۔ وہ مسلسل ٹیپو سے بات کررہا تھا۔ پھر ماموں جی ایسے کائیاں بندے تھے جب دیکھا کہ ولید نے تمام ڈیوز وغیرہ کلیئر کرالیے ہیں اور ٹیپو کے ڈسچارج ہونے کا ٹائم آیا وہ کھل کر میدان میں آگئے۔

''ہاں تو میاں بہت مدد کرلی تم نے ہماری۔ وہ تو میں یہاں موجود نہیں تھا ورنہ تمہارا یہ احسان نہ لینا پڑتا ہمیں...... اب ایسا کرو چلتے پھرتے نظر آؤ یہاں سے۔'' جب تک وہ ڈاکٹرز سے مل کر واپس آیا۔ ماموں جی ٹیپو، فجر اور فرحت بیگم کو گھر بھجوا چکے تھے۔ انہوں نے یہ کہہ کر فرحت بیگم کو روانہ کیا تھا کہ وہ اور ولید اسپتال کے معاملات نپٹا کر آتے ہیں اور آنا فانا ٹیکسی کروا کے جب ان کو روانہ کرکے آئے ولید کو حیران پریشان کھڑا دیکھ کر کہا۔

''میں نے کسی پر کوئی احسان نہیں کیا اور نہ ہی روپے پیسے کو آپ جیسی اہمیت دیتا ہوں۔ مجھے اپنے رشتوں کا خیال رکھنے کے لیے آپ کی اجازت کی ہرگز

ضرورت نہیں ہے۔" اس نے بے حد اطمینان سے کہا اور ان کی سائیڈ سے نکل گیا۔ اس کے جانے کے فوراً بعد ماموں نے جیب سے موبائل نکال کر عجلت میں کوئی نمبر پریس کیا۔

"ہاں شیخ یہی آدمی ہے جس کے ساتھ میں نے ابھی بات کی ہے۔ بغیر کوئی نقصان پہنچائے صرف چند دن کا مہمان بنانا ہے اسے...... ہاں ہاں بے فکر رہو۔ جلد ہی رقم بھی مل جائے گی کام ہوتے ہی......" پھر مطمئن ہو کر انہوں نے فون بند کر کے جیب میں رکھا اور یہ دیکھے بغیر کہ اپنے مضحکہ خیز حلیے سمیت وہ کتنی نظروں کا نشانہ بن رہے ہیں۔ سیٹی بجاتے وہاں سے چل دیئے۔

"ولید بھائی کیوں نہیں آئے آپ کے ساتھ؟" انہیں دیکھ کر پہلا سوال بے تابی سے ٹیپو نے کیا تھا۔ فجر نے متلاشی نظروں سے ان کے پیچھے دیکھا کہ اس کا نمبر اسے کچھ دیر سے بند مل رہا تھا۔

"بس اب میں اس لونڈے کا نام نہ سنوں کسی کی زبان سے اس گھر میں۔ عمر اور رشتے کا لحاظ کیے بنا اسپتال میں ہی حساب کتاب کرنے کھڑا ہو گیا۔ کہ ابھی کہ ابھی میری رقم نکالو ورنہ ڈسچارج سلپ نہ دوں گا۔ وہ تو ایک جاننے والے کام آئے ان سے فوراً رقم منگوا کر اس بھیک منگے کے حوالے کی تب ہی گھر آئے بیٹھے ہو۔ ارے سب پیسے کے پجاری ہیں ادھر۔ لڑکی تم بڑی اکڑ رہی تھیں۔ قرضہ اور احسان، احسان کر کے دیکھ لو یہ حال ہے خونی رشتوں کا۔ میں نے بھی کہہ دیا کہ آئندہ سے مر گئے ہم تمہارے لیے، تم ہمارے لیے۔" دھڑلے سے بولے جانے والے سفید جھوٹ پر امی تو پھر بھی کچھ کچھ ماموں جی کے کہنے میں آ گئیں۔ جب کہ فجر بے یقینی سے ان کو دیکھے گئی۔ مگر ٹیپو کو ایک فیصد بھی اس جھوٹ پر یقین نہ آ سکا۔

"میں ہرگز یقین نہیں کر سکتا کہ ولید بھائی ایسا کر سکتے ہیں یا کہہ سکتے ہیں۔ ہاں البتہ آپ سے کچھ بعید نہیں۔" اس کی صاف گوئی پر ماموں جی کا دل چاہا کہ اس چھٹانک بھر لڑکے کا گلا دبا دیں۔

"دیکھ لیا یہ عزت ہے میری تمہاری اولاد کے دل میں۔ بہرحال یقین کرو یا نہ کرو تمہارے اس سگے نے میری بے حد بے عزتی کی۔ اسپتال کا سارا عملہ گواہ ہے۔ مگر تم لوگوں کو جب میری بات کا یقین ہی نہیں ہے تو لاکھ قسمیں کھا لوں میری بات نہیں مانو گے۔"

"اچھا ٹھیک ہے بھائی۔ اچھا کیا آپ نے اس کا قرض ادا کر دیا وقت پر۔ باقی آپ کی بے عزتی والی بات پر مجھے بھی غصہ ہے۔ ولید کی آپ سے لاکھ چپقلش سہی اسے آپ کو برا بھلا نہیں کہنا چاہیے تھا۔" فرحت بیگم ایک بار پھر ماموں جی کے بچھائے جال میں پھنس گئیں۔

"اپنی لڑکی کو دو لفظوں میں بتا دو فرحت۔ کل بارہ بجے تک آنا ہے انہوں نے۔"

"مگر بھائی اتنی جلدی کیسے سب؟" وہ بوکھلا گئیں۔

"ارے بھئی میں ہوں ناں...... کچھ نہیں ہوتا۔" پھر حسب معمول انہوں نے فرحت بیگم کو چکنی چپڑی باتوں میں بہلا لیا۔

فجر اس سب سے بے خبر بار بار ولید کو کال ملا رہی تھی ماموں جی کی اتنی بڑی مبالغہ آرائی اس سے ہضم نہیں ہو رہی تھی۔ مگر ولید کا نمبر مسلسل پاور آف تھا۔ ایسا تو کبھی نہیں ہوا تھا کہ ولید کا نمبر اسے بند ملا ہو۔ رفیق احمد باہر آئے تھے۔ ولید کا پتہ کرنے اور ٹیپو کی خیریت معلوم کرنے مگر ہر طرف سے سازش کا گہرا جال بچھائے ماموں جی اس طرف سے ہرگز غافل نہیں تھے۔ ان کی اتنی بے عزتی کی کہ انہوں نے آئندہ وہاں آنے سے ہی توبہ کر لی۔ ساتھ ہی ماموں جی نے بتا دیا کہ وہ اپنے بیٹے کو بھی منع کر دیں کہ اس گھر کے آس پاس بھی دکھائی نہ دے۔ رفیق احمد بے حد دل گرفتہ سے واپس آئے تھے۔

مگر رات گہری ہونے پر ان میاں بیوی کی تشویش شدید پریشانی میں بدل گئی۔

"نہیں سے پتہ کریں رفیق...... میرا تو دل ہول رہا ہے میرا بچہ کبھی اتنی رات تک گھر سے باہر نہیں رہا اور اگر

کبھی رکنا بھی پڑ جائے تو کال کر کے بتا دیتا ہے۔ آج اس کا نمبر مسلسل بند ہے اور آپ بتا رہے ہیں کہ فرحت کے گھر بھی نہیں ہے تو کہاں گیا میرا بچہ...... کہیں اسے کسی نے......“ آگے زبان نے ساتھ نہ دیا تو وہ رو دیں۔ رفیق احمد خود بے حد پریشان ہوگئے۔ آج کل کے حالات بھی تو ایسے ہی غیر متوقع سے تھے۔

”اللہ خیر کرے گا۔ ہو جاتی ہے کبھی کوئی ایمر جنسی میں پھر ایک دو جگہ فون کر کے پتہ کرتا ہوں۔“ انہوں نے محض انہیں تسلی دی تھی ورنہ وہ ہر اس جگہ فون کر کے ولید کا پتہ کر چکے تھے جہاں ذرہ برابر بھی اس کے ہونے کا یقین ہو سکتا تھا۔ پھر ساری رات آنکھوں میں کٹ گئی اور ولید کا پتہ نہ چل سکا۔

”یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں امی...... ایسا تو کوئی غیروں کے ساتھ بھی نہیں کرتا جیسے آپ میرے ساتھ کر رہی ہیں۔ مجھے ماموں جی سے کوئی گلہ نہیں ہے مگر آپ تو میری ماں ہیں ناں......“ امی کے منہ سے یہ سن کر کہ آج اس کا نکاح ہے وہ بری طرح سے شاکڈ رہ گئی۔

”ایسا کچھ نہیں ہے فجر...... تم دیکھنا تم بہت خوش رہوگی۔ تمہارے ابو کے بعد میں بہت اکیلی رہ گئی ہوں اور جلد سے جلد تمہارا فرض ادا کرنا چاہتی ہوں۔“

”ایک بار صرف ایک بار مجھے ولید سے بات کرنے دیں۔“ وہ بری طرح سے رو دی۔

”پھر...... آپ جو اور جیسا کہیں گی میں ویسا کروں گی۔“

”ولید کو بھول جاؤ فجر...... اگر وہ تمہارے ساتھ مخلص ہوتا تو آج یہاں ہوتا پھر عقیل بھائی نے کچھ سوچ کر ہی منع کیا تھا ولید کے رشتے کا......“ وہ آہستہ سے بولیں۔

”اچھا جاؤ مل آؤ اور بتا آنا کہ آج تمہارا نکاح ہے اور اس کے بعد میں تمہاری اور کوئی ضد نہیں ماننے والی۔“ امی نے نجانے کیا سوچ کر کہا۔ فجر نے روتے ہوئے چادر پہنی اور خالہ کے گھر آ گئی۔ خالہ خود بے حد پریشانی کی حالت میں اسے دیکھ کر اس کے گلے لگ کر رونے لگیں اور ولید کی گمشدگی کا بتایا۔ فجر کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔

”کہاں ہے ولید؟ ایسا کیسے کر سکتا ہے وہ میرے ساتھ...... خالہ اسے بلائیں خدا کے لیے ماموں جی میرا نکاح کر رہے ہیں آج۔ اس نے کہا تھا فجر پریشان مت ہونا۔ مجھے بلا لینا میں سب ٹھیک کر دوں گا۔ خالہ مجھے بتائیں وہ کہاں جا سکتا ہے؟ کہاں سے مل سکتا ہے؟ میں اسے لے آؤں گی۔“ وہ بے قراری سے خالہ کے ہاتھ تھام کر رو دی۔

”تمہارے خالو ہر جگہ پتہ کر آئے۔ تمام جگہوں پر فون بھی کر لیا۔ کسی کو کچھ نہیں پتہ کہ وہ کہاں ہے۔ تم دعا کرو فجر...... میرا بچہ جہاں ہو خیریت سے ہو اور جلدی لوٹ آئے ورنہ میں جی نہیں پاؤں گی۔“

”جی تو میں بھی نہیں پاؤں گی خالہ...... بتا دیجیے گا کہ فجر آئی تھی اور اب بہت دیر ہوچکی۔“ ان کے ساتھ بیٹھ کر وہ روتی رہی آخر مایوس ہو کر اٹھ آئی۔ تھوڑی دیر میں مہمان آ چکے تھے وہ کسی بت کی طرح ساکت تھی یہ سوچتے ہوئے کہ ولید اسے دھوکا کیسے دے سکتا ہے۔ بڑی مشکل سے بگڑی بات سنبھلی تھی تب ہی ماموں جی سر جھٹکتے وہاں سے باہر نکلے تاکہ فرحت کو بتا دیں کہ وہ مولوی اور گواہوں کے ہمراہ اندر آ رہے ہیں مگر فرحت کی حواس باختہ شکل نے ان کو ٹھٹکا دیا۔

”کیا ہوا؟“ انہیں کسی انہونی کا احساس ہوا۔

”فف...... فجر نہیں ہے بھائی......“ ان کے منہ سے کانپتے ہوئے جو الفاظ نکلے انہوں نے ماموں جی کو بھک سے اڑا دیا۔

”کیا بکواس کر رہی ہو تم...... کہاں گئی...... کہیں بھاگ تو نہیں گئی کمینی......“ بازو سے فرحت بیگم کو کھینچتے ہوئے اندر لائے اور فجر کے لیے ان کی زبان مغلظات اگلنے لگی۔ فرحت بیگم کو لگا جیسے وہ الفاظ نہیں کوئی برچھیاں ہوں جو ان کو چاروں طرف سے آ کر زخمی کر رہی ہوں۔

”اب بولو بھی کہ کہاں جا سکتی ہے؟ میں باہر بیٹھے

مہمانوں کو کیا منہ دکھاؤں گا؟'' ماموں جی نے اپنی زبان پر چڑھایا غلاف بھی اتار پھینکا جس کی وجہ صرف اور صرف فجر تھی جس کی وجہ سے ان کی جیتی بازی پلٹنے کو تھی۔ مگر فرحت بیگم کی مسلسل چپ اور بہتے آنسوؤں نے انہیں بکنے جھکنے کے بعد آخر کمرہ چھوڑنے پر مجبور کردیا۔ ماموں جی کے کمرے سے باہر جاتے ہی فرحت بیگم ہاتھوں میں منہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔

باہر بہت دیر تک زور زور سے بولنے کی آوازیں آتی رہیں پھر دونوں فریقین گھر سے چلے گئے تھے شاید تبھی خاموشی کی دبیز چادر نے سارے منظر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور اس سناٹے کی دیوار کو فون کی گھنٹی نے توڑا تھا۔

''ہیلو......امی میں فجر آپی کو چھوڑ آیا ہوں جہاں آپ نے کہا تھا۔ اب تو بتائیں کہ کیا بات ہے۔'' ٹیپو عجلت میں پوچھتا بہت پریشان لگ رہا تھا۔

''تم کسی سے کوئی بات کیے بنا گھر آؤ پھر بات ہوگی۔ ہاں عقیل اب شاید یہاں لوٹ کر نہ آئے کہ اب اس کے فائدے کا یہاں کچھ نہیں رہا۔ اگر موجود بھی ہو تو منہ سے بھاپ بھی نہیں نکالنی تم نے۔ شکر ہے میں نے بروقت اپنی بچی کو بچالیا ورنہ پوری زندگی پچھتاوے مجھے چین نہ لینے دیتے۔'' انہوں نے فون کا ریسیور کریڈل پر رکھتے تھک کر سوچا اور سر کو تھام کر وہیں بیٹھ گئیں۔ وہ فجر کو بٹھا کر ماموں جی کا پتہ کرنے گئی تھیں جب بیٹھک کے پاس قدرے تیز آواز میں بولتے آدمی کی آواز سن کر وہیں رک گئیں۔

''نہیں عقیل احمد ہر بار تمہاری نہیں مانی جائے گی تم سے ساری بات طے ہو چکی ہے کہ لڑکی دو گے تو تمہارا سارا قرضہ معاف ہوجائے گا۔ اب حق مہر پر کیسی بحث؟''

''بھئی اپنی بچی کی سیکورٹی بھی تو چاہئے مجھے۔'' ماموں جی کی آواز پر وہ آدمی شاید استہزائیہ ہنسا تھا۔

''تم اور رشتوں کا تقدس......؟ رہنے دو عقیل احمد تم تو سگی ماں کے پاس بھی روپے کی خوشبو سونگھ لو تو اس کا بھی خون چوسنے سے گریز نہیں کرو۔ سود کے کاروبار نے تمہیں پیسہ خور جانور بنادیا ہے مگر میں تمہاری فطرت جانتا ہوں آخر کو تمہارا پارٹنر رہا ہوں کسی زمانے میں، بس کرو لڑکی ہمارے حوالے کرو ورنہ کئی اور کھاتے کھلنے کا خطرہ ہے۔ ہم تم سے پھر کبھی رقم کا تقاضا نہیں کریں گے اور تم بھی لڑکی کو یاد مت کرنا۔'' فرحت بیگم سنسناتے دماغ اور جسم کے ساتھ اندر آئیں۔ ٹیپو کو اٹھا کر کاغذ پر ایک ایڈریس لکھ کر دیا تھا کہ فجر کو یہاں چھوڑ کر آئے اور ان سے کہے کہ وہ کچھ دن فجر کو اپنے پاس رکھیں اس کی جان کو خطرہ ہے جب تک وہ خود آکر اسے لے نہ جائیں۔ ٹیپو اور فجر تو بہت کچھ پوچھنا اور کہنا چاہتے تھے اور ٹیپو اگرچہ ابھی ٹھیک طرح سے مسلسل چل نہیں پاتا تھا کہ اس کے ٹانکے درد کرتے تھے مگر وہ ان دونوں کو جلدی بھیجنے پر بضد تھیں تو یقیناً کوئی سیریس بات تھی۔ پچھلے دروازے سے ان دونوں کو روانہ کرکے وہ بیٹھیں تو اردگرد کے لوگوں کے اشاروں کنایوں میں کی گئی اور بعض اوقات کھلم کھلا کی گئی باتیں ذہن میں گردش کرنے لگیں۔ جو وہ عقیل احمد کے حوالے سے کرتے تھے ان کی سود کے کاروبار کے حوالے سے مگر عقیل احمد نے ہمیشہ یہ کہہ کر جھٹلایا تھا کہ وہ سب لوگ جلتے ہیں ان سے۔ ماموں کی رفیق احمد سے جھگڑے کی ابتدا بھی سود ہی تھا۔ رفیق احمد نے کسی زمانے میں فجر کے ابو اور عقیل ماموں سے کچھ رقم بطور قرض لی تھی اور فجر کے ابو کے گزرنے کے بعد فرحت بیگم کو تو وہ رقم لوٹا دی تھی مگر جب عقیل احمد کو رقم لوٹانا چاہی تھی تو انہوں نے وہ رقم بھی لے لی تھی اور مزید تقاضا کیا تھا کہ کیونکہ مخصوص وقت گزر چکا ہے قرض کی ادائیگی کا تو اب انہیں تین گنا رقم ادا کرنی ہوگی اور رفیق احمد کے انکار پر انہوں نے ایک نئی دشمنی کی داغ بیل ڈالی تھی۔ پھر ولید اور فجر کا رشتہ ختم کرا کے دم لیا تھا آنسو فرحت بیگم کی آنکھوں سے لڑیوں کی صورت بہنے لگے۔

عقیل ماموں اتنی جلدی کہاں ہار ماننے والے تھے۔ فجر کی تلاش میں پہلے رفیق احمد کے گھر گئے تھے مگر ان

کے گھر کا کونہ کونہ تلاش کرنے پر بھی فجر ان کو نہ ملی تو پریشان حال میاں بیوی کو دھمکیاں دیتے وہاں سے لوٹ آئے تھے۔ پھر اس سے اگلے دو دن ان کے فجر کو ڈھونڈنے میں لگ گئے جیسے زمین کھا گئی تھی یا آسمان نگل گیا تھا جب کہ رفیق احمد کے پولیس کو اغوا کرنے کی رپورٹ کے بعد وہ تھوڑے خوف زدہ بھی تھے کہ وہ معاملے کو اتنا الجھانا نہیں چاہتے تھے۔ ان کا ارادہ فجر کے نکاح کے بعد ولید کو چھوڑ دینے کا پروگرام تھا اب ولید کو خود انہوں نے غائب کرایا تھا اور فجر خود غائب ہوئی تھی۔ ان کا کام بدستور اٹکا ہوا تھا۔ پولیس روز ہی ان کے محلے کے لوگوں سے تفتیش کرنے آتی۔ بوکھلا کر انہوں نے ولید کو چھوڑنے کا حکم دیا تھا اور خود اصغر چوہدری سے بچنے کے لیے ایک اور دوست کے ہاں آ گئے تھے کیونکہ اصغر چوہدری کا دعویٰ تھا کہ انہوں نے حق مہر والی بات نہ ماننے پر اپنی بھانجی کو خود کہیں غائب کرا دیا تھا۔ عقیل احمد دوہری مشکل کا شکار تھے۔ اب انہیں فوری طور پر اصغر چوہدری کو دینے کے لیے ایک بڑی رقم کا بندوبست کرنا تھا اور وہ اب روز اسی سلسلے میں کبھی کہیں تو کبھی کہیں مجبور لوگوں کی مجبوریاں خریدنے میں مصروف نظر آتے۔ آخر بیس لاکھ کوئی معمولی رقم نہیں تھی۔

عقیل احمد اس دن کے بعد دو دن مسلسل آ کر فرحت بیگم کو دھمکاتے رہے تھے کہ فجر کا اگر انہیں پتہ ہے تو وہ انہیں بتا دیں مگر جب پولیس نے ولید کے سلسلے میں ان کے محلے کا دورہ شروع کیا تو وہ غائب ہو گئے تھے اور چوتھے روز ولید کی برآمدگی کی خبر سن کر فرحت بیگم دوڑ کر بہن کے گھر آئی تھیں اور روتے ہوئے سب سے معافی مانگتے ہوئے یہ سارا قصہ کہہ سنایا تھا۔ عقیل ماموں کا ایک پیر یہاں تو ایک وہاں تھا اور اس دن جب وہ ایک قرض خواہ سے رقم وصول کر کے واپس آئے انہیں کسی مہمان کے آنے کی اطلاع ملی۔ میرے مہمان وہ حیرت سے کہتے باہر آئے تو ٹھٹک کر رک گئے۔ محبت اعتماد اور سچ کی روشنی چہروں پر لیے فجر اور ولید تھے۔

”تم بدذات لڑکی، ماں باپ کی عزت خاک میں ملا کر اب کس منہ سے واپس آ گئی ہو؟“ وہ اسے مارنے کو آگے بڑھے تھے۔ جب ولید نے ان کا ہاتھ پکڑ کر انہیں روک دیا۔

”بس کر دیں ماموں جی...... اب تو بس کر دیں...... سود کے گندے کاروبار نے آپ کی ہوس کو ایک گہری دلدل میں بدل دیا ہے۔ جس میں آپ روز بروز دھنستے جا رہے ہیں۔ بیوی بچوں کو تو نکال باہر کیا تھا آپ نے۔ مگر لالچ نے اتنا اندھا کر دیا آپ کو کہ ایک بہن کے بیٹے کو اغوا کروایا اور دوسری بیوہ بہن کی ساری رقم ہتھیا کر اس کی بیٹی کو ہی بیچنے کا پروگرام بنا لیا۔ بھانجی بھی تو بیٹی ہوتی ہے مگر آپ کو بیٹی کا خیال نہیں تو بھانجی کس کھاتے میں ہے۔ بس کر دیں اس سے پہلے کہ توبہ کا دروازہ بند ہو جائے۔“ کہہ کر وہ رکا نہیں فجر کا بازو پکڑ کر واپس پلٹ گیا کیونکہ ماموں جی کے سپاٹ چہرے کو دیکھ کر اسے لگا کہ مزید کچھ کہنا اپنے الفاظ ضائع کرنے کے مترادف ہوگا کہ جن کے دلوں پر مہر لگی ہو ان پر الفاظ کا اثر نہیں ہوتا۔ ماموں جی کی ہدایت نجانے اس جہاں میں ممکن تھی یا نہیں کوئی نہیں جانتا تھا۔ وہ اپنی نو بیاہتا بیوی کا ہاتھ پکڑے یہی سوچتا چلا گیا۔ پتا نہیں اس کی کوئی نیکی اللہ کو پسند آئی تھی یا فجر کی اور اس کی پاکیزہ محبت تھی جو وہ دونوں ماموں جی کی گہری سازش سے بچ کر آج ایک دوسرے کے جیون ساتھی تھے۔

شکستہ خواب کا آنگن

صبا جاوید

کالج کے آہنی گیٹ کے پار' ٹریفک کے اژدھام سے گھری سڑک کو عبور کر کے قدرے فاصلے پر اجتناب اس کا منتظر تھا۔ قدموں تلے آگ اگلتی زمین' سر پر شعلے برساتا آسمان' بدن کو جھلساتی حدت سے بھری پُرتپش ہوا' موسم کے خطرناک تیوروں اور رکاوٹوں سے بے نیاز وہ محوِ انتظار تھا۔ تھوڑی دیر بعد سیاہ عبائے میں لپٹا وجود اسے شدید گرمی میں بھی ٹھنڈک اور لطیف احساسات سے دوچار کرنے لگا تھا۔ اس کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ مچل اٹھی تھا۔ گرے اسکارف کے ہالے میں مقید حسن سمٹ کر آنکھوں میں بس گیا تھا۔ چند لمحوں کی مسافت کے بعد وہ اس کے سامنے تھی۔

"سوری...... مجھے آنے میں دیر ہوگئی اور آپ کو انتظار کرنا پڑا۔" اس کی کشادہ پیشانی پر پھسلتے پسینے کے قطرے دیکھ کر وہ فکر و ندامت کے ملے جلے اثرات میں بولی۔

"اٹس اوکے' آپ کے انتظار سے بھی مجھے محبت ہے۔ اس میں اس قدر شوریدگی ہے کہ یہ سب مظاہر قدرت مجھے آپ کے ساتھ محبت کرتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔" وہ احترام سے بولا۔ جواباً وہ جھینپ سی گئی۔ بہرحال وہ اس کے تاثرات جانچ نہیں پایا کہ وہ نقاب کیئے ہوئے تھی۔

ایک گہری نگاہ اس کے متناسب سراپے پر ڈال کر اس نے بائیک اسٹارٹ کردی۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اس کے پیچھے بیٹھ جائے۔ فریحہ کچھ ہچکچاتی ہوئی اس کے پیچھے بیٹھ گئی۔

اجتناب اسے ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں لے آیا تھا جہاں وہ اکثر و بیشتر ملتے تھے۔ اس نے قدرے کونے والی ٹیبل کا انتخاب کیا۔ جو داخلی دروازے سے کافی فاصلے پر اور نظروں سے کچھ اوجھل تھی۔

فریش جوس کا آرڈر دے کر اب وہ فریحہ کی حرکات و سکنات کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔ اس کا مخروطی ہاتھ گود میں دھرا تھا جبکہ دوسرے ہاتھ کی انگلیوں سے وہ ٹیبل کی سطح کھرچ رہی تھی۔ اس کی سفید آنکھوں پر سیاہ لانبی پلکیں نقاب میں چھپے چہرے کی کشش و خوبصورتی کا چیخ چیخ کر اعلان کر رہی تھیں۔ اس نے بڑی محویت سے ان حسین جھکی پلکوں کا نظارہ کیا تھا۔

"آپ نقاب اتار سکتی ہیں۔ ادھر کسی کی نظر آپ پر نہیں پڑے گی۔ آپ کی داخلی دروازے کی طرف پشت ہے اور ویسے بھی یہ ٹیبل قدرے ہٹ کر ہے۔" اجتناب نے نرمی سے کہا تو اس نے پن کھول کر جیسے چاند کو پردوں کی قید سے آزاد کردیا۔

"کیا تم اس پُرخلوص اور اجلے حسن سے دستبردار ہوسکتے ہو اجتناب۔" اس کے ملیح چہرے پر نگاہیں ٹھہراتے ہوئے اس نے خود سے سوال کیا۔

"بالکل نہیں۔" اس کے دل نے فوراً اس کے حق میں فیصلہ دیا تو وہ بے ساختہ اپنے دل کی حالت پر خود ہی مسکرا اٹھا۔

"کیا خاموش رہنے کے لیے بلایا ہے آپ نے مجھے۔" اسے مسلسل چپ کی بکل اوڑھے دیکھ کر اجتناب نے خفیف سی چوٹ کی۔

"نہیں تو۔" اس کے خمیدہ لب فوراً وا ہوئے اور اجتناب کو لگا جیسے چاروں طرف جلترنگ بج

اٹھے ہوں۔

"تو پھر؟" وہ تھوڑا سا اس کی طرف جھکا۔

"پاپا کے ایک دوست ہیں' ان کا بیٹا امریکہ سے جرنلزم کی ڈگری لے کر لوٹا ہے' پرسوں ہانی کی برتھ ڈے پر وہ لوگ انوائیٹڈ تھے۔" اس نے دھیرے سے بات کا آغاز کیا۔ اشتال بہت غور سے اس کی بات سن رہا تھا اور اس کے یوں خاموش ہونے پر سوالیہ نگاہیں اس کے چہرے پر جما دیں۔

"انہوں نے اپنے بیٹے کے لیے مجھے پسند کیا ہے اشتال' پاپا انہیں برسوں سے جانتے ہیں' میری فیملی کو وہ ہر لحاظ سے میرے لیے مناسب اور موزوں دکھائی دیتے ہیں۔ وہ اس پرپوزل کو ایکسپٹ کرنے والے ہیں۔" اس کا گلا رندھا۔ اپنی آواز کی کپکپاہٹ پر قابو پانے کے لیے وہ لمحہ بھر کا توقف کر گئی۔ اتنے میں ویٹر ان کا مطلوبہ آرڈر سرو کرنے لگا۔ دونوں نفوس کے مابین بامعنی خاموشی ٹھہری سی گئی۔ فریحہ نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں اٹھا کر اسے شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھا جن کی سطح میں نمی ٹھہری سی گئی تھی اور ان آنکھوں کے حزن وملال نے اشتال کو بری طرح تڑپا دیا تھا۔

"آپ کے پیرنٹس کو جلدی کس بات کی ہے فریحہ' ابھی تو آپ کالج میں پڑھ رہی ہو۔" وہ جھنجلا کر بولا۔

"ہر ماں باپ کو اپنی بیٹیاں بروقت اپنے گھروں کی کردینے کا خواب ہوتا ہے اور جب قابل غور رشتے آئیں تو ان کی فکریں سمٹنے لگتی ہیں۔" وہ ناصحانہ انداز میں بولی۔

"مگر میرے پاس تو ابھی کوئی جاب بھی نہیں ہے فریحہ' ایسی صورت میں آپ کے والدین مجھے کسی امریکہ پلٹ پر فوقیت کیونکر دیں گے۔" وہ کچھ متفکر سا استفہامیہ انداز میں بولا۔

"میں نہیں جانتی۔" وہ ناسمجھی کے عالم میں بولی۔

"تو پھر مجھے کچھ وقت دیں۔" اس نے ایک ٹھنڈی آہ خارج کی۔

"چاہے اس وقت سے پہلے مجھے کوئی اور لے جائے۔" وہ آنکھوں میں خفگی بھر کر جارحانہ انداز میں بولی۔

"اچھا مجھ سے دور جانے کا اتنا خوف ہے۔" وہ تمام سنگینیاں بھلا کر شرارت سے بولا۔ جواباً وہ رخ موڑ گئی۔

"اچھا...... زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ آپ صرف میری ہیں' اس بات کا یقین رکھیں۔" اس کے چہرے سے چھلکتے خوف وہراس کو کم کرنے کی خاطر وہ ہلکے پھلکے انداز میں بولا اور محبت کے اس پرذوق اظہار نے جیسے اس کے خدشات ذائل کردیے تھے اس کے لبوں کے سنگ

اس کی سحر طراز آنکھیں بھی مسکرانے لگی تھیں اور انتشال اس مسکراہٹ پر جان بھی وار سکتا تھا۔

پھر چند ادھر ادھر کی باتوں کے بعد وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ انتشال نے بھی لنچ پر رکنے کی ضد اس سے نہیں باندھی تھی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ فریحہ کالج سے بلاتوقف اس کے ساتھ آئی ہے' اس کی مشکلات کا اندازہ کرتے ہوئے وہ بھی بل پے کرتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

......☆☆☆......

فریحہ ایک متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والی بے ضرر سی لڑکی تھی۔ بے شک زندگی تزئین آرائش اور تعیشات سے آزاد تھی لیکن خدا نے حسن کی دولت سے مالا مال کیا تھا۔ عبدالرحمان اور ان کی زوجہ بھی سیدھے سادھے ملنسار اور خوش اخلاق تھے۔ فریحہ کی پرورش میں وہ تمام عناصر نمایاں تھے جو کسی شخصیت کی تعمیر کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ اس کے والدین اس کی پرورش بہترین خطوط پر کررہے تھے۔ اس سے چار سال چھوٹی ہانیہ عبدالرحمان تھی جو میٹرک کے امتحانات کے بعد فارغ تھی۔ ہانیہ عبدالرحمان سے دو سال چھوٹا عادل تھا جو آٹھویں جماعت کا طالب علم تھا۔ زندگی اپنی مخصوص ڈگر پر سبک روی سے رواں دواں تھی جب اس نوخیز کونپل سے وجود میں جذبات کی شوریدہ سری جگانے انتشال آپہنچا۔ فریحہ اپنے بی ایس سی کے ایڈمیشن کے فارم جمع کروانے آئی تھی اور انتشال بھی اپنی کسی عزیزہ کے فارم جمع کروانے آیا تھا۔

ایک نظر میں ہی وہ بڑی بڑی سیاہ آنکھیں اس کی دھڑکنوں کو اتھل پتھل کرگئیں اور دھیرے دھیرے وقت کے بہتے دریا نے انہیں غیر محسوس انداز میں محبت کے رشتے سے باندھ دیا۔ فریحہ کے اندر محبت کا پُرکیف سا جذبہ سینچنے لگا تھا۔ محبوب کو چاہنے کے احساس میں اس قدر سرشاری تھی کہ وہ کچی ڈور سے بندھی اس کی جانب کھنچنے لگی۔ پیار کا انوکھا احساس اس کی نس نس میں لہو بن کر دوڑنے لگا تھا۔ انتشال سے دستبرداری گویا اپنے وجود کو فنا کرنے کے مترادف تھا۔ اس کی سنگت میں اسے اپنا آپ بھولنے لگتا تھا۔ جس سفر پر وہ چل نکلی تھی اس سے واپسی ناممکن تھی۔ وہ اکثر و بیشتر اس سے ملنے چلی جایا کرتی تھی اور انتشال کی محبت کا اعتقاد اپنے دامن میں سمیٹ کر واپس آجاتی۔ مگر اب جب اس قصے کو دو سال کا عرصہ بیت چکا تھا اور انتشال اپنی تعلیم مکمل کرکے کسی اچھی نوکری کی تلاش میں تھا تب عبدالرحمان کے دوست کے بیٹے کی نسبت نے محبت کے اس پُرسکون سمندر میں تلاطم برپا کردیا تھا۔

عجیب بے کلی اور بے چینی کا احساس مسلسل وجود میں چٹکیاں بھر رہا تھا۔ چاروں اُور درد پھیلا تھا جو رگوں کو کاٹ رہا تھا۔ دل پر دھڑکن کی رفتار کم کرنے لگا تھا۔ خود سے اس کی جنگ چھڑ گئی تھی۔ انتشال سے دست برداری ناممکن تھی۔

......☆☆☆......

چاہتوں کے تیقن کے ہزاروں تارے آنچل پر ٹانکے وہ پُرامید سی گھر لوٹ آئی۔ انتشال کے الفاظ نے فریحہ کے اندر اطمینان بھر دیا تھا اور صد شکر کہ چند دنوں سے اس کی شادی کا تذکرہ بھی زبان عام نہ تھا۔ اس نے بے ساختہ ہی سکھ کا سانس لیا۔ پھر بی ایس سی کے فائنل امتحانات کے لیے ڈیٹ شیٹ آگئی اور وہ سب کچھ ذہن سے محو کرتے ہوئے پڑھائی میں جت گئی۔ البتہ انتشال کا اعتماد اس کے ہمراہ تھا اور کبھی کبھار میسج پر بات کرکے بھی دل کی بے قراری کو قرار مل جاتا۔

جس دن آخری پیپر دے کر وہ لوٹی تو کچھ رنجیدہ و ملول تھی کہ جب تک یونیورسٹی میں ایڈمیشن نہ ہوجاتا انتشال سے ملاقات ناممکن تھی۔ بجھی بجھی سی وہ ڈرائنگ روم کا زینہ پار کررہی تھی جب اسے

گھر میں غیر معمولی ہلچل کا احساس ہوا۔ اور تب اس کی روح تک منجمد ہوگئی جب اس ہلچل اور ہڑبونگ کا عقدہ اس پر کھلا۔ وہ ٹک ٹک مسکراتے اور مسکراہٹیں بکھیرتے چہرے دیکھ رہی تھی۔ اپنے دل کی بربادی پر وہ اس قدر ہراساں تھی کہ ایک لفظ زبان سے ادا نہ ہوا اور وہ فریحہ کو اپنے نام کرتے ہوئے رخصت ہوگئے۔

جب تک اپنے دل میں بچھے ماتم کدے کو وہ سمجھ پاتی تب تک بہت دیر ہوچکی تھی۔ آنسو ڈھیرے سے پلکوں کی باڑ پھلانگ کر چہرے پر بہہ نکلے اور وہ بے ساختہ گھٹنوں میں منہ دے کر بے بسی سے رودی۔

......☆☆☆......

اس کی انگلی میں اشعر ارسلان کی انگوٹھی جگمگا رہی تھی۔ ارسلان کے گھر والے اسے اپنے خاندان کا حصہ بنانے پر مہر ثبت کرچکے تھے۔ اشعر ارسلان کو دو ماہ بعد واپس امریکہ جانا تھا لہٰذا ماندہ مراحل بڑی تیزی سے انجام پارہے تھے۔ عجب سی وحشت اسے چاروں طرف سے گھیرے بیٹھی تھی۔ امتثال کے علاوہ اس نے تصور میں بھی خود کو کسی کے ساتھ نہیں سوچا تھا مگر بے بسی کا جان لیوا احساس اس کے وجود میں پنجے گاڑے بیٹھا تھا۔ وہ ہوا کی مخالف سمت کو سمجھ نہیں پارہی تھی۔ اشعر ارسلان کی فیملی جلد شادی پر زور دے رہی تھی لہٰذا ان کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے عبدالرحمان نے تاریخ دے دی۔

فریحہ بولائی بولائی سی اندر باہر چکر لگا رہی تھی۔ تقدیر کی اس افتاد نے اسے بوکھلا کر رکھ دیا۔ بار بار امتثال کا وجیہہ چہرہ اس کی آنکھوں میں گھوم جاتا' خود پر بند باندھتے وہ ہلکان ہوچکی تھی مگر امتثال کی محبت ہر شے پر حاوی ہوتی دکھائی دیتی تھی۔ جب دل کسی طور سمجھوتے پر راضی نہ ہوا تو اس نے دوٹوک بات کرنے کی ٹھانی۔ غروب آفتاب کا وقت تھا۔ سورج کی نارنجی کرنیں مغرب کے کناروں

پر چپل کرالوداع کہہ رہی تھیں۔ تب وہ ستے ہوئے چہرے کے ساتھ لاؤنج میں چلی آئی۔

"کیا ہوا ہے فری؟" اسے شکست خوردہ سا دیکھ کر آصفہ بیگم نے متفکر انداز میں پوچھا۔ جواباً وہ زور وشور سے رونے لگی اور اس کے تواتر سے بہتے آنسوؤں نے انہیں مزید پریشان کردیا۔

"فری...... میری بچی کچھ تو بولو۔" اسے بانہوں میں سمیٹ کر آصفہ بیگم محبت سے گویا ہوئیں۔

"امی...... میں...... مم...... میں۔ یہ شادی نہیں کرسکتی۔" آنسوؤں کے درمیان وہ قطعیت سے بولی۔

"دماغ ٹھیک ہے تمہارا' ایک ہفتہ باقی ہے شادی میں' اور تم انکار کررہی ہو۔" آصفہ بیگم نے اسے خود سے الگ کیا اور اسے یوں دیکھا جیسے اس کی صحیح الدماغی پر شک ہو۔

"میں کسی اور سے پیار کرتی ہوں امی۔" اس نے امید ویاس سے سوچی آنکھیں آصفہ بیگم کے ہراساں چہرے پر سجا کر کہا' جبکہ وہ دم بخود رہ گئیں۔

"آج تو تم نے ایسی بات کہہ دی ہے فری' مگر آئندہ کبھی میں تمہارے منہ سے ایسی بات نہ سنوں۔ تمہارے پاپا کو پتہ چل گیا تو وہ تمہیں جان سے مار ڈالیں گے۔" خود کو سنبھالتے ہوئے انہوں نے فریحہ کو سرزنش کی۔

"مار ڈالیں مجھے' جو دکھ وکرب اور اذیت میں سہہ رہی ہوں اس سے موت بھلی ہے۔" بالوں کو دونوں ہاتھوں سے نوچتے ہوئے وہ ہسٹریائی انداز میں چلائی۔

"فریحہ یہ کیا پاگل پن ہے۔" اس کے بالوں کو چھڑاتے ہوئے آصفہ بیگم اب کے قدرے سختی سے پیش آئیں۔

اتنے میں عبدالرحمان' ہانیہ کو اکیڈمی سے لے کر آگئے اور فریحہ کی ناگفتہ بہ حالت دیکھ کر پریشان ہو اٹھے۔

"کیا ہوا ہے میری بیٹی کو؟" انہوں نے فوراً آگے بڑھ کر اسے کارپٹ سے اٹھایا اور صوفے پر اپنے برابر بٹھایا۔

"کچھ نہیں...... ہم سے دور جانے کے خیال سے رنجیدہ اور بوجھل ہے' میں نے سمجھایا ہے آپ پریشان نہ ہوں۔ ٹھیک ہوجائے گی۔" آصفہ بیگم نے بات سنبھالنے کی کوشش کی تو فریحہ کی شکوہ کناں نگاہوں نے دانستہ ان کے چہرے کا طواف کیا۔

"بس اتنی سی بات پر میرا بیٹا پریشان ہے۔" اسے خود سے لگاتے ہوئے عبدالرحمان نے بشاشت سے کہا وگرنہ ان کے دل پر ایک بوجھ سا آن پڑا تھا۔

"چلو جاؤ' فری جا کر منہ ہاتھ دھولو' پھر رات کے کھانے کی تیاری کرو۔" آصفہ بیگم اسے جلد ہی منظر سے غائب کردینا چاہتی تھیں۔

"ایسے دل چھوٹا نہیں کرتے فریحہ۔ آپ کا جب دل اداس ہو آپ اپنے مما اور پاپا سے ملنے فوراً آجانا۔" انہوں نے اسے تسلی دی تو اس کے آنسوؤں میں کچھ اور شدت آگئی تھی۔

"پاپا مجھ پر یہ ظلم مت کریں۔ میں اس شخص کے ساتھ کبھی مسرت وشادمانی کی زندگی بسر نہیں کرسکتی۔ میرے اندر کسی اور کی چاہت کا جہان آباد ہے' اسے بنجر مت کریں پاپا۔ مجھے برباد ہونے سے بچالیں۔" وہ ہچکیوں کے درمیان ان سے ملتجی لہجے میں بولی۔

"کیا کہا آپ نے؟" اسے خود سے الگ کرتے ہوئے عبدالرحمان نے قدرے درشتی سے کہا جیسے اپنی سماعتوں سے گزرنے والی بات کی تصدیق چاہتے ہوں۔

"ہانیہ آپ جا کر اپنے کمرے میں آرام کرو۔" کسی انہونی کے پیش نظر آصفہ بیگم نے اسے منظر سے غائب کرنا چاہا اور حکم ملتے ہی وہ دو دو سیڑھیاں پھلانگتی فرسٹ فلور کی عمارت میں گم ہوگئی۔

''پاپا میں کسی اور سے پیار کرتی ہوں۔ وہ بہت اچھا ہے پاپا۔ پلیز آپ اس سے ایک بار مل لیں۔ میں اشتغال کے بغیر نہیں رہ سکتی۔'' وہ محبت میں دیوانگی سے چلا رہی تھی' دونوں ہاتھ عبدالرحمان کے سامنے جوڑے وہ سراپا التجا بنی ہوئی تھی آصفہ بیگم کا بس نہیں چل رہا تھا کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائیں۔

''بند کرواپنی بکواس فریحہ...... اور دفع ہو جاؤ اپنے کمرے میں۔'' آصفہ بیگم اسے مزید گوہر فشانی سے باز رکھنے کی خاطر بولیں۔

''پاپا پلیز۔'' آصفہ بیگم کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ سسکتی ہوئی ان کے قدموں میں بیٹھ گئی اور بیٹی کے منہ سے اس قدر بے باک اظہار محبت سن کر عبدالرحمان کا ضبط ہارنے لگا تھا۔ انہوں نے پورے زور سے قدموں میں بلبلاتی فریحہ کو ٹھوکر ماری تھی۔

ردعمل کے طور پر وہ لڑھکتی ہوئی صوفے سے جا ٹکرائی تھی۔ آصفہ بیگم کے منہ سے دل خراش چیخ برآمد ہوئی' وہ فوراً اس کی طرف لپکیں جو پیشانی پر چوٹ لگنے کے سبب بوکھلا گئی تھی۔

''بچی ہے عبدالرحمان...... میں سمجھاؤں گی' غلطی ہوئی ہے اس سے۔ پلیز ایسا سلوک مت کریں۔'' آصفہ بیگم نے تڑپ کر کہا۔

''آپ ہٹ جائیں آصفہ۔ اس نے میرے اعتماد کا خون کیا ہے۔ اسے میں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔'' انہیں بازوؤں سے پرے دھکیل کر وہ اس پر جھپٹ پڑے تھے۔ فریحہ کو بازو سے دبوچ کر انہوں نے اپنے سامنے کیا اور پھر اس کے چہرے پر تھپڑوں کی بارش کردی۔

''پاپا میرا جرم کیا ہے؟'' وہ ہچکیاں بھرتے ہوئے گویا ہوئی۔ اس آواز میں سرگوشی تھی اور نوحوں کی سی صدا تھی۔ اس کی بات نے عبدالرحمان کے غصے کو مزید ہوا دی۔

''تم نے اپنے باپ کے سامنے غیر مرد کا نام لیا ہے۔ تم نے اپنے والدین کے اعتماد پر نقب لگائی ہے۔ تم نے اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کے لیے بے حیائی کا درس چھوڑا ہے۔'' وہ غصے سے بپھرے بولے اور ساتھ ساتھ مکے' تھپڑ اور ٹھوکریں لگاتے جارہے تھے۔ آصفہ بیگم کی دہائیاں اور نازک وجود عبدالرحمان کے فولادی وجود اور شیر کی سی دھاڑ کے غصے کو قابو میں لانے سے معذور رہا تھا۔

فریحہ کے منہ سے خون نکل رہا تھا' اس کے چہرے پر تھپڑوں کے نشان ثبت ہو گئے تھے۔ اس کے بازوؤں اور گلے پر خراشیں تھیں اور پورا جسم نیل زدہ تھا۔ ان کے ہاتھوں کے وار تب ہی بند ہوئے تھے جب اس کا وجود بے سدھ ہو کر زمین بوس ہوا تھا۔ وہ ہانپتے ہوئے صوفے پر بیٹھ گئے تھے۔ غصے کی شدت سے ان کا پورا وجود کانپ رہا تھا۔

''لے جاؤ اسے میری نظروں سے دور اور کہہ دو کبھی اپنی شکل نہ دکھائے۔ اس کے لیے میرے گھر کے دروازے بند ہیں۔'' نفرت سے سلگتی نگاہ ڈال کر بے حال سی فریحہ پر ڈال کر وہ تیزی سے باہر نکل گئے۔

......☆☆☆......

پورے بدن سے ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ اس کا سر بہت بھاری اور مضمحل سا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ غائب دماغی سے چند لمحے یونہی بے حس و حرکت لیٹی رہی اور پھر گزشتہ شب گزرا واقعہ پوری جزئیات سمیت اس کے ذہن کے پردے پر گھوم گیا۔ اس کے وجود میں درد کی لہریں اٹھ رہی تھیں۔ دو سفید موتی خاموشی سے اس کی آنکھوں کے کناروں پر بہہ نکلے۔

''تم سے محبت کرنے کا انعام ملا ہے اشتغال' کہاں چھپ گئے ہو۔'' اس نے بڑے کرب سے اسے پکارا جس سے رابطہ کرتے کرتے وہ تھک گئی تھی مگر ایک دن بھی اس کا نمبر آن نہ ملا تھا۔ اکیلے

خود سے اور خود سے وابستہ لوگوں سے لڑتے لڑتے اس کے اعصاب تھکنے لگے تھے۔ فریحہ نے آنکھیں موند کر شاید خود سے اور وقت کے کٹھور پن سے نظریں چرائیں۔

اور پھر اس کی توقعات کے برعکس‘ اس کی محبت کو بے حیائی اور بے باکی کا نام دیتے ہوئے اپنے قدموں تلے روند دیا گیا۔ وقت اور مجبوریاں غیرت کے نام پر جیت گئیں۔ وہ ٹکر ٹکر اپنی ہار کا تماشہ دیکھتی رہی۔ اسے بیاہ کر اشعر ارسلان کے سنگ رخصت کر دیا گیا۔ عبدالرحمان نے بھول کر بھی اسے تسلی دینا گوارا نہیں کیا تھا۔ البتہ آصفہ بیگم نے ہزاروں نصیحتیں اس کے پلو کے ساتھ باندھ دی تھیں۔

بالآخر روایت کے مطابق اسے حجلہ عروسی میں لاکر بٹھا دیا گیا اور فریحہ میں اتنی طاقت نہ تھی کہ وہ اٹھ کر اپنی نشست بدل لیتی۔ کچھ دیر کے بعد ایک جاذب نظر مرد کمرے میں داخل ہوا اور اس قدر حسین مجسم دیکھ کر مبہوت ہی ہو گیا۔

”خدا کس کس طرح انسان کو نوازتا ہے۔“ اس کا اندازہ آپ کو دیکھ کر مجھے ہوا۔“ اشعر ارسلان کی بازگشت اس کے کانوں کے قریب سرسرائی۔

اس نے پورے استحقاق سے فریحہ کے حنائی ہاتھ تھام لیے اور بڑے پیار سے اپنے ہونٹ اس کی ہتھیلی کی پشت پر رکھ دیئے۔ فریحہ کے اندر نوحے بلند ہونے لگے تھے اس نے بڑی تیزی سے اس کی گرفت سے اپنے ہاتھ آزاد کروائے۔

پوری کوشش کے باوجود وہ اپنے اندر یہ احساس نہیں جگا پائی تھی کہ اسے اشعر ارسلان کو تقدیر کا فیصلہ سمجھ کر قبول کرنا ہے۔ اشعر ارسلان کو دیکھ کر اس کے دل کے بین مزید بلند ہوئے تھے۔ اس کے چھوتے ہی فریحہ کے اندر باہر درد کا جان لیوا احساس بسیرا کرنے لگا تھا۔ اسے محسوس ہوتا تھا کہ گیا کچھ کھو کر وہ اس شخص تک پہنچی تھی اپنا آپ اس شخص کو سونپنا فی الوقت اسے ناممکن دکھائی دیتا تھا۔

”اوں ہوں...... آج آپ کی نہیں چلے گی‘ مسز اشعر۔ آج کی رات صرف میں کہوں گا اور آپ سنیں گی‘ آپ کی سننے کے لیے تو ساری عمر پڑی ہے۔“ شرارت سے کہتے ہوئے اس نے ایک پُر وثوق نگاہ اس کے وجود پر ڈالی اور بے ساختہ اسے بانہوں میں بھر لیا۔ جواباً وہ شدتوں سے رو پڑی اور اس ردعمل پر اشعر ارسلان پریشان ہوا۔ وہ فوراً اس کی گرفت سے نکلی۔

”پلیز...... مجھے کچھ وقت دے دیں...... میں...... مم...... مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔“ اس نے بے ربط سے چند الفاظ کہہ کر چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں چھپا لیا اور سسک اٹھی اور اس کی اس قدر معصومیت پر اشعر بے ساختہ مسکرا اٹھا۔ اس کی مسکراہٹ بڑی گہری اور بامعنی تھی۔

”قیامت برپا کر کے پُرسکون ہونا چاہتی ہیں۔“ آنکھوں میں چاہت کا نشہ لیے وہ مخاطب تھا۔

”پلیز...... میری آپ سے ریکوسٹ ہے۔“ اسے کسی طور ٹلتا نہ دیکھ کر اس نے ہاتھ جوڑ دیئے۔

”اوہ...... بس بس مادام...... مجھے سمجھ آ گئی‘ اوکے فائن‘ جیسے آپ کی مرضی لیکن اب رونا تو بند کریں۔“ اس نے جلدی سے ہتھیلی کی پشت سے آنکھیں رگڑیں۔

”جائیں چینج کرلیں اور فریش ہو جائیں۔“ اس سے قدرے دور ہوتے ہوئے اشعر نے بجھے دل سے کہا تو فوراً کمرے سے ملحقہ واش روم میں گھس گئی جہاں پہلے سے ہی میرون سوٹ رات کی مناسبت سے لٹکا ہوا تھا۔

”تو یہ طے ہوا کہ میرے جسم‘ روح اور خیالوں‘ احساسات‘ جذبات اور سوچ پر صرف تمہارا حق ہے اشتال۔ اس شخص کا چھونا میرے اندر صرف الاؤ بھڑکائے گا۔ اس کی قربت میں سکون نہیں بے

قراری ہے۔" اس نے زخمی دل سے سوچا اور کتنے ہی آنسو پانی میں مدغم ہوگئے۔ کافی دیر تک وہ ٹھنڈے پانی سے خود کو پُرسکون کرنے کی کوشش کرتی رہی اور باتھ لے کر بدلی ہوئی حالت میں باہر نکل آئی۔ اشعر ارسلان ابھی تک اس کا منتظر تھا۔

چند لمحے وہ گومگو کی کیفیت میں بیڈ کے کنارے کھڑی رہی پھر تکیہ اٹھا کر مڑی تو اشعر ارسلان کی آواز نے اس کے پیروں میں زنجیر باندھ دی۔

"آپ کو ان تکلفات میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ بلیو می، میں آپ کو تنگ نہیں کروں گا۔" اس نے قدرے پُرسکون لہجے میں کہا تو فریحہ کچھ جھجکتی بیڈ پر تکیہ برابر کرکے اس سے قدرے فاصلے پر لیٹ گئی۔ اس کے اندر آنسو پگھل رہے تھے تب ہی تو اسے اپنا آپ جلتا محسوس ہو رہا تھا۔

"میں تم سے کبھی محبت نہیں کرسکتی اشعر ارسلان، اپنے حصے کی محبت تو میں کرچکی۔ میرے جذبات کی نوخیزی صرف اس ایک شخص سے وابستہ ہے جب میری محبت کی موت ہوگئی تو میرے احساسات بھی سوچکے ہیں میں ایک برف کی سل ہوں جو صرف جلاتی ہے، میرے دل میں تمہارے لیے کچھ نہیں اور یہ رشتہ بھی کوئی ڈور تم سے باندھنے میں ناکام رہے گا۔" اس نے بے بسی سے سوچا اور سونے کی کوشش کرنے لگی۔

☆☆☆

"میرے جذبات خالص نہیں ہیں اشعر، میں اپنی محبت بھلا نہیں سکتی اور دل میں کسی اور کو بسا کر بے ایمانی سے آپ کا آنگن آباد نہیں کرسکتی۔ یہ دوہری زندگی اور متضاد کیفیات کے ہمراہ میں نہیں جی سکتی۔ اگر آپ کو مجھے قبول کرنا ہے تو اس حقیقت کو قبول کرنا ہوگا۔"

جب اشعر ارسلان اس کا انتظار کرتے کرتے تھکنے لگا تھا تو اس نے فریحہ سے خلیجیں پاٹنے کو کہا تھا

تہی دست

دل کے اندر ہے اندھیرا کتنا
اس خرابے میں دیا کوئی نہیں
جب سے ماں چھوڑ گئی مجھ کو
ایسا لگتا ہے میرا کوئی نہیں
گھر صدیوں سے ہے خالی خالی
جیسے ہر چیز ہو سوئی سوئی
آنکھ بنجر ہے چٹانوں کی طرح
دل میں لگتا ہے نمی ہے کوئی
جب سے ماں چھوڑ گئی مجھ کو
ایسا لگتا ہے میرا کوئی نہیں
غم کے پتھر ہیں میرے سینے میں
دکھ میں ہر سانس لہو ہوتی ہے
اشک آتے ہیں مگر تھم تھم کے
آنکھ جلتی ہے کبھی روتی ہے
موت سے کیا شکایت
زندگی ہم تجھے ہار آئے ہیں
جس کو آنکھوں میں بسا رکھا تھا
مٹی میں اتار آئے ہیں
دل پہ دستک تیرے قدموں کی
خون کے آنسو رلا جاتی ہے
لوٹ کر کہاں کوئی آتا ہے
ہر گھڑی درد بڑھا جاتی ہے

فرحت مرزا...... گجرات

تب اس نے روتے ہوئے اپنا حال دل کھول کر اس کے سامنے رکھ دیا یہ جانے بغیر کہ گزشتہ دو ماہ جو آنکھیں اسے امید و یاس سے دیکھتی تھیں، ان میں کس قدر بیگانگی، لاتعلقی اور سرد مہری کا احساس ہلکورے لینے لگا ہے۔ مرد خود چاہے جیسا ہو لڑکی اجلی اور معطر ہی چاہتا ہے ہوتی ہے ایک ایسی عورت جو اپنے دل میں کسی اور مرد کو چھپائے بیٹھی ہو اسے قبول کرنا

اس مرد کی انا پر کاری ضرب ہے۔

''شاید آپ نے اپنے حصے کی ایمان داری نبھائی ہے فریحہ چاہے کسی ایک کے ساتھ ہی سہی' آپ مخلص اور بے غرض تو رہیں۔ مگر یہ سب جاننے کے بعد میں خود میں اتنا حوصلہ نہیں پاتا کہ مسکرا کر آپ کو بانہوں میں سمیٹ لوں۔ میں اتنا عظیم مرد بھی نہیں ہوں اور اس حقیقت کے منکشف ہونے کے بعد میرا دل کبھی آپ کی طرف مائل نہیں ہوگا۔ میاں بیوی جیسے پاکیزہ اور مقدس بندھن میں بندھنے کے باوجود ہم یوں زندگی گزاریں جیسے دریا کے دو کنارے' تو یہ سب وقت کا زیاں ہے۔ میں آپ کو اپنے نام کی قید سے آزاد کرتا ہوں۔ چند دنوں میں تمام قانونی کارروائی مکمل کرکے میں آپ کو طلاق کے پیپرز بھجوادوں گا۔'' اس نے کہا اور فریحہ کے لرزتے وجود کو نظر انداز کرتا لمبے لمبے ڈگ بھرتا داخلی دروازہ عبور کر گیا۔ فریحہ کا دل خزاں رسیدہ پتے کی طرح کانپنے لگا تھا۔ وہ ایسے سفید پڑتی جارہی تھی جیسے کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔

''جب اس رشتے میں کوئی سمجھوتہ نہیں تو پھر ٹوٹنے پر اتنا رنج کیوں۔'' اس نے خود سے سوال کیا۔ اپنے اندر جھانک کر دیکھا تو ایک اندھیرا قبرستان تھا جس میں مردہ جذبات اور سسکتی تڑپتی محبت کی روح منڈلاتی پھر رہی تھی' ہر سو مہیب سناٹے کی راجدھانی تھی۔

اس نے گھبرا کر خود سے نگاہیں چرائیں اس کے ماتھے پر طلاق کا کلنک لگ چکا تھا۔ مگر محبت سے وفا ابھی بھی قائم تھی۔

......☆☆☆......

آج ڈھائی سال بعد یوں سرِ راہ وہ اسے مل جائے گا اس نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ فریحہ جس قدر اس سے مل کر خوش تھی اس سے کہیں زیادہ اشتعال پُر جوش تھا۔

''میں نے پل پل صرف آپ سے محبت کی ہے فریحہ۔ میں نے خود کو اپنے جذبات کو آپ کے لیے سینت سینت کر رکھا ہے۔'' وہ اسے دیکھتے ہوئے مخمور سی سرگوشی کررہا تھا اور گزشتہ ڈھائی برس کے زخموں پر جیسے کوئی پھاہا رکھ رہا تھا اس شخص کا اقرار اسے آسمان کی پرواز بخش رہا تھا۔

''اور میں نے تم سے محبت نبھانے میں' وفا کا علم بلند کرنے میں کیا کیا کھویا ہے شاید تم کبھی نہ جان سکو۔'' وہ خود سے مخاطب تھی۔

اشعر ارسلان اسے طلاق دے کر امریکہ واپس جاچکا تھا۔ اس کی طلاق کے بعد عبدالرحمان کا رویہ پہلے سے بھی زیادہ برا ہوگیا تھا۔ بھری جوانی میں وہ اجڑ گئی تھی۔ مصائب والم نے اس کی تقدیر کی راہ لے لی تھی اور آج یوں سرِ راہ اشتعال کا مل جانا' اس کے تمام دکھ زائل ہونے لگے تھے۔ وہ گزشتہ دو سال سے دبئی میں تھا تب ہی وہ اس سے رابطہ نہیں کر پایا تھا۔ وہ اسے بتا رہا تھا اور اس کے دل پر جمی کثافتیں دھلنے لگی تھیں۔ دھیرے دھیرے وہ پھر سے اس کی زندگی میں شامل ہوگیا۔ بلکہ شامل تو وہ ہر لمحہ ہی تھا بس ظاہری طور پر اس کے ساتھ تھا۔ فریحہ نے اسے فی الحال اپنی شادی اور طلاق کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ اور جب خود پر گزرنے والی قیامت سے آگاہ کیا تو وہ بھتے سے اکھڑ گیا۔

''آپ نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔'' وہ بپھرا۔

''اس بات سے کیا فرق پڑتا ہے۔'' وہ روہانسی ہوئی۔

''فرق پڑتا ہے۔'' وہ مبہم سا بولا۔

''کیا آپ کے جذبات میں فرق آجائے گا۔'' اس نے سہمے ہوئے کبوتر کی طرح پوچھا۔ جواباً ایک تیز نگاہ اس کے سپرد کرکے وہ گاڑی کی چابیاں اٹھا کر یہ جا وہ جا۔ اب تقدیر کس رنگ میں

اس کے سامنے آنے والی تھی اس نے بے بسی سے سوچا اور مرے مرے قدموں سے خود کو بمشکل گھسیٹتی باہر آ گئی۔

.......☆☆☆.......

وہ دونوں خزاں کے پیلے اور سوکھے پتوں کو اپنے قدموں تلے روندتے اس سنسان سڑک پر قدم بہ قدم آگے بڑھ رہے تھے۔ درختوں کی شاخیں، پتوں کی سرسراہٹ سے خالی تھیں، خزاں نے درختوں کی رونق ان سے چھین لی تھی اور زمین کا سینہ آباد کردیا تھا۔ ہوا کا ایک بے درد جھونکا آیا اور ماندہ پتوں کو بھی درخت سے جدا کر گیا تھا۔ فریحہ نے بڑے کرب سے اس منظر کو جانچا تھا۔ پھر ایک نظر پہلو میں چلتے اتشان پر ڈالی جو کچھ مضمحل اور الجھا ہوا دکھائی دیتا تھا۔

''تم بہت اچھی ہو فریحہ۔'' وہ رکا اور اس کے ملیح چہرے کو دیکھتے ہوئے بہت ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ فریحہ کا دل سینے میں شدتوں سے دھڑکا اٹھا۔ اس بے تکی بات کے آگے نجانے کون سی تلخی چھپی تھی۔

''بات کیا ہے اتشان۔'' اس کی خاموشی سے گھبرا کر اس نے خود ہی اس سے استفسار کیا۔

''مجھے تم میں کوئی عیب نظر نہیں آتا، تم اب بھی میرے لیے ویسے ہی قابل احترام ہو۔'' اس نے تمہید باندھی اور فریحہ دم سادھے کوئی نئی افتاد سننے پر خود کو آمادہ کررہی تھی۔

''میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں مگر......'' وہ خاموش ہوا، فریحہ زمین پر مٹرگشت کرتے پتوں پر نگاہیں جمائے مگر کے آگے کچھ سننے کی متمنی تھی۔

''مگر امی نہیں مانتیں، وہ کہتی ہیں ایک طلاق یافتہ عورت کو کبھی اپنی بہو نہیں بنائیں گی۔'' بالآخر اس نے اپنے لفظوں کے انگارے فریحہ کے کانوں میں انڈیل دیے۔

نیزے کی کوئی انی تھی جو اس کے سینے میں آر پار ہوگئی۔ درد کی شدید لہر نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

''محبت ڈاٹ کام......بس محبت کا کھیل ختم۔''

ایک لفظ نے اس کی ساری خواہشیں نگل لیں اور اسے بے سروسامانی کی کیفیت میں تنہا چھوڑ دیا۔

جو محبت اس میں روح بن کر سمائی تھی وہ بہت چپکے سے اس کے وجود کو چھوڑ کر اپنے اصل کی طرف لوٹ گئی اور اب کی بار اس نے محبت کے پیچھے دوڑنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اپنی بدنصیبی اور محبت سے وفا کرنے کے چکر میں اپنے حصے میں آنے والی اہانت و پچھتاوا ابھی بیان نہیں کیا تھا۔ اس نے ایک زخمی نگاہ مقابل کھڑے وجیہہ مرد پر ڈالی جس کی محبت نے ایک لفظ کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے تھے۔

اسے ایک لفظ بھی کہے بغیر وہ اپنے مردہ وجود کو گھسیٹتی چل پڑی۔ قدموں تلے کچلنے والے پتوں نے بے ساختہ بین بلند کیے تھے، فضا کی پرہول تاریکی میں شکست آنکھیں پھیلائے اسے گھور رہی تھی۔ شکستوں کا کوئی جال بچھا تھا جس میں اس کا وجود پھنس گیا تھا اور محبت......!!!

سیدہ ضوباریہ

زندگی ہے یہ..... جینا ہے اور مرجانا ہے اور اس کے بیچ کا مختصر سفر طے کرنا ہے ہنس کر رو کر افسوس کر کے اور پچھتا کر...... ہزاروں کوتاہیاں ہزاروں حق تلفیاں توقعات ارمان توڑنے کا بار کندھے پر اٹھائے ایک دن منوں مٹی تلے دفن ہوجانا ہے اسے یاد آیا ایک بار گل ماموں نے کہا تھا۔

''بی بی نے مصائب کی زندگی گزاری ہے۔'' تب اسے بھی لگا تھا کہ اس کی ماں سے زیادہ دکھ شاید ہی کسی عورت نے سہے ہوں مگر آج جب اپنی زندگی کی کتاب کھولی تو ایک جھٹکا سا لگا۔ اس کی ماں کے ساتھ تو میکے کی مضبوط ڈھارس تھی ہر دکھ درد میں اس کی ماں اس کے بھائی اس کے اردگرد آ کر کھڑے ہوجاتے تھے اور وہ خود تو لق ودق صحرا میں تن تنہا کھڑی تھی۔ حالات کی تمازت نے اس کے وجود و روح کو جھلسا دیا تھا مگر کوئی نہ تھا جو اس کا درد بانٹتا۔ اس کا دم ساز بنتا۔ ماں کی آنکھیں موندتے ہی سب رشتوں نے اسے چھوت کا مریض سمجھ کر ایک طرف پھینک دیا تھا۔ مصائب کا دور کس پر گزرا تھا۔ دن رات جلے پیروں کون بلکتا پھرا تھا۔ دوسروں کی دانست میں اس نے ایک بار پھر بے وقوفی کا فیصلہ کیا کہ اپنی زندگی کے ٹوٹے دھاگے کو ایک گرہ لگانے چلی تھی وہ...... مگر اسے احساس تھا کہ یہاں اسے پھر بھی شاید کچھ سکون مل جائے کبھی کبھی کڑی تمازت کے بعد سائبان مل ہی جایا کرتا ہے۔ صحرا میں ننگے پاؤں سفر کرنے والوں کے لیے کہیں نہ کہیں ایک نخلستان ضرور ہوتا ہے۔ اس کی نظریں ماضی کی بھول بھلیوں میں کہیں کھو گئیں تھیں۔

✿......○......✿

اس نے کتاب پر سے نظریں اٹھا کر چادر اوڑھے تیار کھڑے اس مہربان وجود کو بہت توجہ سے دیکھا۔ جس سے اس نے اپنی زندگی کے تمام سالوں میں حیات برانگیخت کی تھی۔

''امی...... آپ کہاں جارہی ہیں؟'' جواب کا بہت اچھی طرح اندازہ ہونے کے باوجود اس نے سوال کیا۔

''امی جی کے گھر جارہی ہوں۔ کھانا پکا کر کچن میں رکھ دیا ہے۔ انیقہ بازار سے واپس آجائے تو گرم کر کے دونوں کھالینا...... میں شام تک واپس آجاؤں گی۔''

''امی...... ایک سوال پوچھوں......؟'' اس نے کتاب بند کردی۔ امی نے اس کی بات پر گہری نظر سے اسے دیکھا۔

''پوچھو بیٹا......''

''امی...... کیا ہر ویک اینڈ پر بڑی امی کے گھر آپ کا جانا ضروری ہے...... آپ جب بھی وہاں سے واپس آتی ہیں دو دن تک آپ کے پاؤں میں درد رہتا ہے۔ طبیعت خراب ہوجاتی ہے آپ کی......'' اس کے لہجے میں ایک بیٹی کا مان اور خلوص رچا ہوا تھا۔ ماہین کو اپنی حساس سی بیٹی پر پیار آیا۔

''دیکھو بیٹا...... جس طرح آپ کو اپنی ماں بہت عزیز ہے نا آپ اسے تکلیف میں نہیں دیکھ سکتیں بالکل اسی طرح آپ کی بڑی امی میری ماں ہیں انہوں نے بہت تکلیفیں سہہ کر ہم سب بہن بھائیوں کو پالا ہے میرا بچہ...... اب انہیں ہماری ضرورت ہے وہ اپنا فرض پورا کرچکی ہیں اب فرض کی ادائیگی کا وقت ہمارا ہے۔'' وہ بڑے رسان سے اسے سمجھا رہی تھیں۔

بہت سے معاملات میں ہادیہ کو اپنی ماں سے اختلاف سہی مگر وہ کبھی ان کے سامنے اعتراض کے پہلو نہیں نکالتی تھی نہ ہی اسے ان سے بحث کرنا پسند تھا۔ البتہ کبھی کبھار ماہین کے ساتھ کسی بات پر اگر کچھ اعتراض یا بحث کرنے لگتی تو ہادیہ اسے بھی منع ہی کرتی تھی کہ ماہین کی گزشتہ ساری زندگی کچھ تو اس کی آنکھوں دیکھی تھی اور کچھ بڑی امی اور خود ماہین کی زبانی اس نے جو کچھ سنا تھا اس سب کے بعد اسے دنیا بھر میں اپنی ماں سے زیادہ پیارا اور کوئی نہیں تھا۔ اس کے بس میں ہوتا تو وہ انہیں کبھی کوئی تکلیف بھی نہ ہونے دیتی۔ ایک بار بڑی امی سے اس نے اپنی ماں کے بچپن کی کچھ باتیں پوچھی تھیں۔ ایک فطری تجسس کے زیر اثر اور بڑی امی نے اسے بتایا تھا کہ ماہین سے پہلے ان کے ہاں سات بیٹوں نے جنم لیا مگر زیادہ سے زیادہ چھ ماہ یا سال بھر کے ہو کر وہ اللہ کو پیارے ہو جاتے پھر ان کی گود میں ماہین آئیں ان کے چار سال بعد بڑی امی کے ہاں پھر ایک بیٹے کی پیدائش ہوئی۔ بڑی امی کی سوتیلی والدہ جو پہلے سکھ تھیں بعد میں اسلام قبول کر کے بڑی امی کے والد کے عقد میں آئی تھیں انہوں نے ننھی منی ماہین کے پاؤں پر جلتی ہوئی لکڑی ماری تھی...... یہ ایک ٹوٹکا تھا۔ پرانے وقتوں میں کہا جاتا تھا کہ جس بہن کے بھائی نہیں بچتے اگر بھائی کی پیدائش کے فوراً بعد اس کے ٹخنے جلتی لکڑی سے داغے جائیں تو بھائی بچ جاتے ہیں۔ ماہین کے بھائی شہباز کو تو خدا نے زندگی دے دی مگر نخنی ماں (بڑی امی کی سوتیلی والدہ) نے بہت عرصے بعد بتایا کہ بھائی کی جان بچانے کی خاطر جس بہن کے ٹخنے لکڑی سے داغے جاتے ہیں پھر عمر بھر وہ بدقسمت رہتی ہے اس کی گود میں بیٹا نہیں کھیلتا' وہ اپنی زندگی کا ہر سکھ دے کر اپنے بھائی کی جان جو بچا چکی ہوتی ہے۔ ہادیہ کو اس وقت اپنی ماں کا درد اپنے دل میں گہرائی تک محسوس ہوا تھا۔ اس کی ماں آج سے نہیں چار سال کی عمر سے قربانیاں دیتی آرہی تھی۔ وہ جو پانچ سال کی عمر میں باپ کے سائے سے محروم ہو گئیں۔ یتیمی اور بے کسی کے عالم میں ننھے منے بھائی اور ماں کے ساتھ جنہیں ددھیال کے گھر سے نکال دیا گیا۔

وہی ماہین جو بھوک سے بلکتے بھائی کی تکلیف نہ سہہ سکی تھیں اور چھوٹا سا برتن اٹھائے پھر سے ددھیال کی چوکھٹ پر جا کھڑی ہوئی تھیں۔ سامنے رسوئی میں ان کی تائی دودھ کی بڑی سی بالٹی کے قریب کھڑی اسے گھور گھور کے دیکھتے ہوئے دانت نکوس رہی تھیں۔

''آپا جی...... گل بہت بھوکا ہے' بہت رو رہا ہے۔ امی جی گھر پر نہیں ہیں تھوڑا سا دودھ دے دیں۔'' اٹک اٹک کر اس نے مدعا بیان کیا تھا۔

''تو کیا کروں؟ جاؤ یہاں سے ہم نے یتیموں کو پالنے کا ٹھیکا نہیں لے رکھا۔'' اس کی تائی اور سگی خالہ نے اسے دھتکار دیا تھا اور وہ اپنی بڑی بڑی آنکھوں میں آنسو لیے خاموشی سے واپس ہولی۔ جلدی سے گھر آ کر اس نے خالی برتن کرے میں رکھ دیا اور دل میں شکر کیا کہ ماں گھر پر نہیں تھی ورنہ اسے بہت ڈانٹ پڑتی۔ کھری چارپائی پر اس کا ایک سال کا لاڈلہ بھائی شہباز جسے پیار سے گل کہتی تھی وہ رو رو کر سو چکا تھا۔ وہ اس کے قریب بیٹھ گئی اور حسرت سے سوئے ہوئے گل کے ننھے گالوں پر نکلے آنسو دیکھنے لگی۔

پتہ نہیں کیا بات تھی وہ گل کو کبھی روتے نہیں دیکھ سکتی تھیں...... ہادیہ نے سوچا وہ تو آج بھی ویسی ہی تھیں اپنی ماں کی سانس کے ساتھ سانس لینے والی' اپنے بھائیوں' بہنوں پر جان دینے والی...... ان کی ذرا ذرا سی تکلیف پر تڑپ اٹھنے والی۔

بڑی امی نے کچھ عرصے تک اپنے دونوں بچوں کے ساتھ بیوگی کا تکلیف دہ دور دیکھا ایک ایسا دور جب ان کے سب اپنوں نے آنکھیں ماتھے پر دھر لی تھیں۔ کوئی ان کی تکلیف کو رفع کرنے کا نہ سوچتا اور نہ ساتھ دیتا تھا۔ کیا میکہ کیا سسرال...... سب کے ہوتے ہوئے بھری دنیا میں جیسے ان کا کوئی نہیں رہا تھا' ایسے میں ایک شفیق اور سلجھے ہوئے انسان نے ان کی طرف پیش قدمی کی اور بے حد رد وقدح کے بعد بالآخر وہ مان گئیں۔ پانچ سال کی ماہین اور

ڈیڑھ سال کے شہباز کو سینے سے لگا کر وہ ایک بار پھر سے زندگی کے میدان کارزار میں آ گئیں......؟

مگر نصیب شاید یہاں بھی ان کے حق میں نہ تھا۔

جس انسان کا ہاتھ تھام کر انہوں نے زندگی کی کڑی تمازت میں ایک سائبان بنانے کا سوچا تھا وہ تو پہلے ہی سے بٹا ہوا تھا۔ ایک اور گھر بھی تھا اس کا جہاں دو بچیوں اور ایک بیوی کی منتظر نگاہیں تھیں' منصف تھا سو دو گھروں کے فرائض کو بے حد خوش اسلوبی سے نبھانے لگا۔ ماہین اور شہباز کے لیے بھی اس نے اپنا دامن پدری پھیلا دیا مگر کچھ ہی عرصہ سکون اور سکھ کی یہ چادر ان کے سروں پر تنی رہی اس عرصہ میں بڑی امی کی گود میں چار مزید زندگیاں کھلیں' ننھے شگوفے جنہیں تر و تازہ ہوا اور سکھ چین کی چھتر چھایا چاہیے تھی مگر حوادث زمانہ نے ایک بار پھر اس آنگن کو تاک لیا' منظور الحسن جو اسکول کے ہیڈ ماسٹر تھے اچانک سب کچھ چھوڑ کر تارک الدنیا ہو کر ایک ویرانے میں جا بسے۔ دو گھر اچانک بے اماں ہو گئے' چھوٹے چھوٹے بچوں کے ساتھ جوان جہان بیویاں حیران و ششدر تھیں' اپنے نصیب کے اس الٹ پھیر پر...... دوسری بیوی کو تو اس کے میکے والے اپنے ہمراہ لے گئے اور اس کا اور اس کے بچوں کا دھیان رکھنے لگے۔ مگر بڑی امی...... خالق کائنات نے ان کے دامن میں مزید ذمہ داریاں ڈالی تھیں اور ان کے اردگرد بے حسی کا دائرہ مزید تنگ ہو گیا تھا۔ سسرال کو تو ان کی دوسری شادی کی صورت ناراضگی کا ایک ٹھوس بہانہ مل گیا تھا اس لیے ان کے چہرے اور دل پتھر کے ہو گئے۔

مگر کمال تو میکے کی طرف سے تھا کہ شہر کے نامی گرامی دولت مند بھائیوں کی بہن ہونے کے باوجود وہ بے سرو سامانی کے عالم میں کرائے کے گھر میں اپنے چھ بچوں کے ہمراہ کسمپرسی کی زندگی گزار رہی تھیں۔ فقط ایک بہن تھی جو ہر قدم پر ان کے ساتھ تھی' مگر وہ خود غریبی میں اپنی سفید پوشی کا بھرم سنبھالے بیٹھی تھی۔ مالی نہ سہی مگر اخلاقی طور پر اس کا سہارا ملا ہوا تھا اور یہ بھی غنیمت تھا۔

بڑی امی بہت اچھی طرح جان چکی تھیں کہ اس بھری دنیا میں اللہ کے سوا ان کا کوئی نہیں' سب کے ہوتے ہوئے بھی وہ تنہا تھیں' اپنی زندگی کا بار انہوں نے خود اٹھانا تھا۔ وہ پڑھی لکھی نہیں تھیں کہ کہیں ملازمت کر کے اپنے بچوں کو بہتر زندگی دے پاتیں۔ ہاں کپڑوں کی سلائی کے معاملے میں ہاتھ میں مہارت رکھتی تھیں۔ سو اسی کام کو انہوں نے ذریعہ معاش بنا لیا۔ زندگی کی گاڑی کسی نہ کسی طرح رواں ہو گئی۔ دن رات کپڑے سیتے پروتے انہوں نے کچھ پیسے جمع کر لیے اور صحن میں ایک بھینس لا کر باندھ دی۔ اب دودھ فروخت کر کے کچھ مزید پیسوں کی سبیل بھی بن گئی۔

ماہین میٹرک امتیازی نمبروں سے پاس کر کے کالج میں پہنچ گئی کہ انہی دنوں اس کے ددھیال والوں کو اس کی اہمیت کا احساس ہونے لگا۔ اس کے تایا شبیر علی پانچ بیٹوں کے باپ تھے' بے تحاشا زمینوں کے علاوہ بہت بڑی حویلی کئی دکانوں اور ٹرکوں کے مالک بھی تھے۔ انہیں اپنے دوسرے نمبر والے بیٹے کے لیے ماہین جچ گئی۔ بڑی امی اس رشتے کے حق میں نہیں تھیں۔ جس گھر میں انہوں نے محض چند سال سہاگن کے طور پر گزارے تھے اور جو بیوگی کے بعد انہیں چند دن بھی نہ سہارا دے پایا تھا۔ اب اپنی بیٹی کو اس آنگن میں بھیجنے کے لیے وہ قطعی تیار نہیں تھیں۔ مگر وہ دور لحاظ و مروت کا دور تھا وہ اپنے جیٹھ کے سامنے انکار کرنے کی جرأت خود میں نہیں رکھتی تھیں ویسے بھی عارف علی کوئی ایسا گیا گزرا شخص بھی نہ تھا' اچھی خاصی خوبصورت شخصیت کا مالک' وجیہہ اور بارعب انسان تھا۔ تعلیم واجبی تھی مگر باپ کی دولت نے ہر عیب پر پردہ ڈال دیا تھا۔ ماہین کی مزید تعلیم حاصل کرنے کی خواہش کو رد کر کے بڑی امی نے اس کا رشتہ اس کے تایا زاد سے طے کر دیا۔ شاید لاشعور میں کہیں اس گھر میں بس کر اجڑ جانے کی اذیت تھی جس نے بڑی امی کو اس فیصلے پر مجبور کیا تھا۔ بڑی بڑی آنکھوں میں آنسو لیے ماہین اپنی ماں کا آنگن چھوڑ کر سسرال سدھاری۔ شادی کے تین سال بعد بادیہ بہت منتوں مرادوں سے پیدا ہوئی۔ چچاؤں کی آنکھوں کا تارا تھی تو پھپھوؤں کی اس میں جان اٹکی تھی۔ عارف علی کے لیے بھی

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

وہ جیسے سکھ کا سامان تھی کیونکہ اس سے بڑے بھائی شادی کے سات آٹھ سال بعد تک بے اولاد تھے۔ خود ہادیہ بھی شادی کے تین سال بعد دنیا میں آئی تھی اس لیے سب ہی کی آنکھوں کا تارا بن گئی۔ البتہ شبیر علی اس کی پیدائش سے ایک سال پہلے ہی پوتا یا پوتی کا ارمان دل میں لیے اس جہان سے رخصت ہوچکے تھے۔ ہادیہ کے دو سال بعد ماہین کے آنگن میں ایقہ نے آنکھ کھولی۔ گوری گوری گلابی سی سنہرے بالوں والی نازک سی گڑیا۔ جس کے نین نقش میں ماہین کی شباہت تھی۔ ماہین کے دل کی ڈھارس تو تھی وہ لیکن عارف علی کے لیے شاید دوسری بیٹی قابل قبول نہیں تھی۔ اسے جیسے ہی ایقہ کی پیدائش کی خبر ملی غصے اور بے بسی کے مارے اس کا حال ہی عجب ہوگیا۔

وہ سب سے روٹھ کر پہاڑی پر موجود درگاہ پر جا بیٹھا۔ یوں جیسے ساری دنیا سے اسے اب کچھ بھی نہیں چاہیے تھا۔ ماہین اپنی دونوں بچیوں کو سینے میں چھپائے خائف سی بیٹھی رہ گئیں۔ ان کے اندر کا ڈر ان کی پوری شخصیت پر حاوی ہوگیا۔ عارف علی کی دھوپ چھاؤں طبیعت سے تو وہ آج تک سمجھوتا کرتی ہی آئی تھیں جو کچھ بھی ان پر بیتتی تھی کبھی بڑی امی کو نہیں بتاتی تھیں۔ عارف علی پیسے والا تھا اور اس کے شوق بھی ایسے ہی تھے۔ مہنگی سے مہنگی شراب پینا اسے خاصا مرعوب تھا۔ باپ کے مرجانے کے بعد سارا کاروبار اس کے ہاتھ میں تھا اور وہ جہاں کاروبار کو بڑھا رہا تھا ویسے ویسے روپوں کی کھڑکھڑاہٹ اسے نت نئے شوق پورے کرنے پر اکساتی تھی۔ اس سے چھوٹے بھائیوں کے مزاج بھی ساتویں آسمان کو چھونے لگے تھے۔ شبیر علی نے اپنی زندگی میں اولاد کو کبھی چوں چرانہ کرنے دی تھی۔ بے حد سخت گیر طبیعت کے مالک ہونے کی وجہ سے بیوی بچوں کو محدود ذرائع میں رکھتے تھے۔ ان کے دنیا سے جاتے ہی ان کی اولاد بے نکیل بیلوں کی طرح جدھر سینگ سمائے ادھر کو بھاگ پڑی۔ عارف علی سے چھوٹے بھائی بابر کو کوٹھے کی لت لگ گئی۔ آئے روز روپوں سے جیب بھرتا اور بازاری عورتوں پر جاکر لٹا آتا...... اس سے چھوٹے بھائی کو دوستوں پر اڑانے کی عادت تھی ہزاروں روپوں کی دعوتیں اڑانا معمول تھا ان کا اور سب سے چھوٹا بھائی ہزاروں روپے خود پر لٹانے کا عادی تھا۔ آئے روز مہنگے سے مہنگے کپڑے جوتے' پرفیومز' سونے کی چین' بریسلیٹ' انگوٹھیاں...... سب کی رنگ ڈھنگ ہی عجیب تھے' ماہین جیسی حساس اور نفیس طبع لڑکی اندر سے گھٹتی جارہی تھی۔ وہ جس کا خواب تھا اس کی زندگی کا ساتھی پڑھا لکھا ہو' اچھی سی جاب کرتا ہو' صبح دفتر جائے تو وہ اس کی تیاری میں مدد کرے اور جب شام کو گھر لوٹے تو اس کے ہاتھ میں ماہین کے لیے پھولوں کے گجرے ہوں...... لیکن کیا ہوا تھا اس کے ساتھ بالکل الٹ...... عارف علی وہ شخص تھا جس کا ماہین کے خوابوں میں کہیں گزر نہیں تھا۔ وہ تین تین دن گھر سے باہر رہتا اور جب گھر لوٹتا تو شراب کے نشے میں دھت ہوتا۔ ذرا سی غلطی پر اس کے منہ سے مغلظات کا وہ طوفان اٹھتا کہ ماہین کی روح تک لرز جاتی...... اس کی آمد پر ہادیہ اور ایقہ یوں سہم جاتیں جیسے انہوں نے باپ کو نہیں کسی آدم خور درندے کو دیکھ لیا ہو۔ وہ کبھی بھی اس کے گھر آنے پر خوشی محسوس نہیں کرتی تھیں اور ماہین...... وہ تو بس لہو کے آنسو پیتی ہونٹ بھینچے دن سے رات اور رات سے دن کیے جارہی تھی۔ اپنی ماں کو کچھ بھی بتا کر اس کی اذیتوں میں اضافہ کرنے کو اس کا جی نہیں مانتا تھا۔ انہی دنوں شہباز نے ایف ایس سی کلیئر کرلیا۔ اس سے چھوٹا منصور آٹھویں میں پڑھتا تھا۔ ایک بار بیمار ہوا اور پھر پڑھائی چھوڑ کر بڑی امی کے کام میں ان کی مدد کرنے لگا۔ اس سے چھوٹی دو بہنیں اور ایک بھائی اسکول جاتے تھے۔ اس بیتے عرصے میں بڑی امی نے تھوڑی زمین خرید کر چار دیواری کرکے اس میں دو کمرے ڈال لیے تھے۔ سستا دور تھا پھر بھی انہیں کافی وقت لگا۔ بہر حال کرائے کے مکان سے ان کی جان چھوٹ گئی تھی اور سر پر اپنی چھت بن جانے سے کسی حد تک انہیں سکون بھی میسر آگیا تھا۔ یہ الگ بات کہ ان کے وجود کا ایک حصہ دن رات اذیت میں تھا۔ ماہین اپنی زندگی سے بہت ناخوش تھی مگر صبر و شکر تو جیسے اسے گھٹی

میں گھول کر پلایا گیا تھا۔ حرف شکایت زبان پر لانا اسے گوارا نہیں تھا۔ ایک مشرقی عورت کی طرح اپنی تمام تر محبت اور وفائیں اس نے عارف علی کے نام کردی تھیں وہی عارف علی جو ہوش وحواس کی دنیا میں بہت کم رہتا تھا اور جب کبھی ہوش میں ہوتا بھی تب بھی ماہین اور اپنی دونوں بیٹیوں کے لیے سوچنے کا وقت اس کے پاس نہ ہوتا تھا۔ کاروباری جھنجٹوں سے جان چھوٹتی تھی تو اسے بہن بھائیوں کا درد ستانے لگتا تھا۔ اپنی ماں کا سچا تابعدار تھا وہ' اس کی ماں نے کہا تھا۔

"دیکھو بیٹا' تمہارا باپ تمہارے بہن بھائیوں کو تمہارے آسرے پر چھوڑ کر گیا ہے۔ کبھی کوتاہی نہ کرنا...... بیوی کو پیسے دینا اچھی بات نہیں' جانتے ہو نا تمہارے باپ نے کبھی مجھے پھوٹی کوڑی نہیں دی تھی۔ رزق سے برکت ختم ہوجاتی ہے اگر بیوی کو چھپ کر پیسے دیئے تو قیامت کے دن میرا ہاتھ ہوگا اور تمہارا گریبان۔" اور عارف علی نے مرتے دم تک اس بات کو نبھایا۔ ماں' بہن' بھائی اور بس ان سے ہٹ کر کچھ بھی سوچنے کو جیسے اس نے خود پر حرام قرار دے دیا تھا۔

وہ گھرانا جہاں دن رات نعمتوں کی فراوانی رہتی تھی' دودھ' پھل' گوشت کی کبھی کمی نہ ہوتی تھی ایسے گھر میں ماہین اور اس کی دونوں بیٹیاں ہر نعمت سے محروم زندگی گزار رہی تھیں۔ عارف علی کو کبھی اتنی توفیق نہ ہوئی کہ وہ اپنے بچوں کی کسی محرومی کو ہی جانچ پاتا۔ اسی دوران ماہین نے ایک بیٹے کو جنم دیا۔ خیال تو سب ہی کا یہی تھا کہ بیٹے کی پیدائش کے بعد عارف علی خاصی حد تک سدھر جائے گا' اپنی بیوی اور دو معصوم بیٹیوں کا احساس پیدا ہوجائے گا اس کے دل میں...... لیکن قدرت نے ماہین کے لیے یہاں بھی آزمائش ہی رکھی تھی۔ جبل پیدائشی طور پر دونوں پاؤں سے معذور تھا۔ ایک بے انتہا خوب صورت بچہ پیدائشی طور پر جس کے دونوں پاؤں ٹیڑھے تھے۔ محض ڈیڑھ سال کی عمر میں نمونیہ کا شکار ہوا اور وقت پر علاج کی سہولت نہ ملنے کی وجہ سے اللہ کو پیارا ہوگیا۔ ماہین کے زخمی دل پر یہ گھاؤ بہت گہرا لگا۔ بے حد ٹوٹ گئی تھی وہ اندر سے اور کسی حد تک بے حس اور بے پروا عارف علی کے دل کو بھی چوٹ لگی تھی۔ خدا نے اسے احساس دلانا چاہا تھا کہ میں چاہوں تو بیٹا دوں چاہوں تو بیٹیاں' ایک انسان کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ میری مرضی میں مداخلت کرے اور میری عطا پر ناک بھوں چڑھائے۔ میں نعمتیں عطا بھی کرسکتا ہوں اور چھین بھی سکتا ہوں لیکن یہ ستم ظریفی ہی کہیے کہ عارف علی جیسے کور بین کو خدا کی کوئی مصلحت دکھائی نہ دی' بیٹے کے دنیا سے چلے جانے کے بعد وہ ماہین اور اپنی دونوں بچیوں سے مزید لاتعلق اور بے نیاز ہوگیا تھا۔ اس کے گھر والے اس کی بیوی اور اس کی بچیوں کے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہیں اس نے جیسے سب کچھ جانتے ہوئے اپنی آنکھوں اور کانوں کو لپیٹ لیا تھا۔ ماہین جب اس گھر میں آئی تھیں تب ان کے دیور اور نند بھی لڑکپن اور قدرے جوانی کی حدود کو چھو رہے تھے۔ انہوں نے دل وجان سے سب کی خدمت کی تھی۔ کبھی کسی جگہ ماتھے پر بل نہیں آنے دیا تھا۔

انہی دنوں ایک واقعہ ایسا ہوا جس نے ماہین کو اندر سے لرزا کر رکھ دیا۔ پہلی بار انہوں نے اس محفوظ پناہ گاہ کو ریت کی دیواروں کی مانند اپنے وجود پر گرتے دیکھا وہ بے اماں ہوسکتی تھیں ان اونچی فصیلوں والی حویلی کے اندر رہتے ہوئے بھی وہ محفوظ نہیں تھیں۔ عارف علی کی چھوٹی بہن جو ان دنوں محض سترہ اٹھارہ سال کی تھیں کسی کی محبت میں مبتلا ہوگئیں۔ حیثیت اور مرتبے میں وہ لڑکا ان سے کسی بھی حوالے سے میل نہ کھاتا تھا۔ خط لکھنے لکھانے کا سلسلہ جاری تھا کہ ایک دن بڑے بہنوئی بابو نے انہیں اور اس لڑکے کو بیرونی دروازے کے قریب دیکھ لیا۔ پھوپو تو اندر بھاگ آئیں مگر وہ بھی اپنے راستے پر جانے کی بجائے دروازے سے اندر داخل ہوئے اور سیدھا والدہ ماجدہ کے حضور حاضری دی۔

"خالہ جی...... آپ کو کچھ خبر بھی ہے کیا ہو رہا ہے آپ کے گھر میں؟" انہوں نے بغیر کسی لگی لپٹی کے کہہ سنایا تو والدہ کا ماتھا ٹھنکا۔ کچھ کچھ خبر تو تھی انہیں مگر معاملے کی

نوعیت کو ٹھیک سے سمجھ نہیں پا رہی تھیں۔

"یہ ترکھانوں کا لڑکا ہمارے گھر کے دروازے پر کیا کر رہا تھا؟ مجھے ایسا لگا دروازے پر ندرت تھی۔ آپ ذرا اپنے کان اور آنکھیں کھول کر رکھا کریں ورنہ معاملات بگڑتے دیر نہیں لگتی۔" وہ کہہ کر چلتے بنے اور والدہ گہری سوچ میں پڑ گئیں۔ ندرت کے رنگ ڈھنگ خاصے الگ سے تھے یہ تو وہ خود بھی جانتی تھیں لیکن اگر بابو نے عارف علی کو یہ بات بتادی تو وہ تو ندرت کو زمین میں زندہ گاڑنے سے بھی باز نہیں آئے گا۔ کافی سوچ بچار کے بعد وہ ایک فیصلے پر پہنچ کر مطمئن ہوگئیں۔

شام کو انہوں نے ماہین ندرت اور ندرت سے بڑی شمیمہ کو بلایا اور بابو کی ساری بات من وعن ان کے سامنے رکھ دی لیکن ندرت کی بجائے ماہین کا نام لیا۔ ماہین بے چاری کی آنکھیں مارے حیرت وصدمے کے پھیل گئیں۔

"بے جی...... آپ کیا کہہ رہی ہیں...... میں وہاں دروازے پر گئی ہی نہیں۔ صبح سے میں اور بڑی بھابی کپڑے دھونے میں لگے ہوئے تھے مجھے کچھ خبر نہیں ہوسکتا ہے بابو نے کسی اور کو دیکھا ہو......" وہ بے چاری بنا مجرم ہوئے صفائی دے رہی تھیں۔

"یعنی تمہارا خیال ہے کہ ندرت یا شمیمہ نے اس لڑکے کو بلایا ہے جو تمہارا پرانا محلے دار تھا۔ بی بی...... کچھ ہوش کے ناخن لو میری عزت دار بیٹیوں پر الزام لگاتے شرم بھی نہ آئی تمہیں۔" بے جی کے منہ سے کف جاری ہوگیا۔ ماہین بے چاری بوکھلا گئیں۔

"نہیں نہیں بے جی...... میرا یہ مطلب نہیں تھا میں بھلا کیوں ندرت یا شمیمہ کو ایسا کہوں گی یہ میری نندیں نہیں میری تایازاد بہنیں ہیں، ہم ایک خون ہیں بے جی لیکن میں سچ کہتی ہوں مجھے اس لڑکے کے بارے میں کچھ علم نہیں۔"

"بہر حال میں نے بابو کو تو سمجھا دیا ہے کہ وہ اس بات کا ذکر کسی سے نہ کرے، تم بھی ذرا خیال رکھنا ورنہ دوسری صورت میں تم جانتی ہو۔" ان کے الفاظ کے پیچھے چھپی دھمکی ماہین کو احساس دلا گئے تھے کہ وہ اس قدر طاقتور ضرور تھیں کہ جب چاہتیں ماہین کے سر سے چھت اور پاؤں تلے سے زمین کھینچ سکتی تھیں۔ وہ خاموشی سے سر جھکائے بے جی کے کمرے سے باہر آ گئی۔ اپنے کمرے میں آئی تو ننھی ہادیہ اور ربیعہ کو کونے میں گڑیا کے ساتھ کھیلتے پاکر ان کے سینے سے ایک ہوک سی بلند ہوئی تھی۔

"میری بچیاں اس گھر...... اس ماحول میں کس طرح پلیں گی میں ان کے اندر پنپنے والے خوف کو عمر بھر ختم نہیں کرپاؤں گی۔ الٰہی تو میری مدد فرما...... تو ہی عزتوں کا رکھوالا ہے۔" ماہین کی روح بین کر رہی تھی۔ آج سے پہلے انہوں نے خود کو کبھی اتنا کمزور اور اکیلا نہیں سمجھا تھا۔

❁......☯......❁

شہباز ایف ایس سی کلیئر کرنے کے بعد تعلیم کو خیر باد کہہ چکا تھا۔ اپنی ماں کی دن رات مشقت اور بچپن سے اب تک کی سب محرومیوں نے اس کے اندر کچھ بن کر دکھانے کا جوش پیدا کردیا تھا۔ اس کے تایازادا نے باپوں کی کمائیوں پر عیاشیاں کر رہے تھے خوب بڑے گھروں میں زندگی کی تمام نعمتوں سے بھرپور سہولیات سے آراستہ وقت گزار رہے تھے ایسے میں جب وہ ماہین کی تکلیف دہ زندگی کو دیکھتا اور پھر خود سے چھوٹے چار بہن بھائیوں کی محرومیوں کو دیکھتا تو لہو جیسے اس کے دماغ میں ٹھوکریں سی مارنے لگتا۔ وہ بے چین ہو جاتا انہی دنوں اس کے ایک دوست نے اس کی ملاقات انعام خان نامی ایک پٹھان سے کروائی جو خاصا اثر ورسوخ رکھنے والا شخص تھا۔ سرحد کے علاقہ غیر میں وہ ایک کامیاب اسمگلر تھا۔ اسلحے اور ریشمی کپڑوں کا ڈیلر جو بلیک میں کپڑوں کا کاروبار کرتا تھا۔ پشاور باڑہ مارکیٹ سے راولپنڈی باڑہ مارکیٹ تک۔ شہباز کو وقتی طور پر اپنے ہاتھ پاؤں پھیلانے کے لیے ایسے ہی کسی سہارے کی ضرورت تھی۔ بڑی امی سے چھپ کر اس نے انعام خان کے لیے کام کرنا شروع کردیا۔ گھر کے حالات میں کچھ بہتری آنے لگی۔ گھر کے تمام افراد اچھا اچھا کھانے اور پہننے لگے تو شہباز نے پیسے جمع کرنے شروع کردیے۔ جو کچھ وہ کر رہا تھا یہ بھی اس کا خواب نہیں تھا۔ وہ

بہت اوپر جانا چاہتا تھا۔ بہت اونچے خواب تھے اس کے اور ان خوابوں کی تعبیر کے لیے وہ کسی بھی مشکل کا دلیری سے سامنا کرنے کو تیار تھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ اپنی ضرورت کے مطابق اپنے وسائل حاصل کر پاتا۔ انعام خان اور اس کے ایک ساتھی کے ساتھ کسی بات پر شہباز کا جھگڑا ہو گیا۔ بات خون خرابے تک آ پہنچی۔ ایک طرف کچھ بن کر دکھانے کے جنون میں بے چین شہباز اور دوسری طرف پٹھان خون انعام خان' جھگڑا شدید تھا مگر اللہ نے کرم کر دیا اور کچھ بااثر لوگ بیچ میں آ گئے۔ راضی نامہ ہو گیا لیکن شہباز کا ایک اچھا آمدنی کا ذریعہ اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ وہ رات دن اسی ادھیڑ بن میں تھا' انہی دنوں ماہین بڑی امی کے گھر رہنے کے لیے آ گئی۔ شہباز کی بے چینی کو خاصی دیر تک تو وہ دیکھتی رہی اور سوچتی رہی کہ یہ خود اس معاملے میں کچھ کہے مگر خاصی دیر تک جب وہ کچھ نہ بولا تو ماہین سے رہا نہ گیا۔

"گل کیا پریشانی ہے میرے بھائی؟"

"کچھ نہیں بے بی باجی...... بس ویسے ہی۔" شہباز نے ٹالنے کی کوشش کی۔

"گل تم اچھی طرح جانتے ہو کہ تمہاری معمولی سی پریشانی بھی مجھ سے چھپی نہیں رہ سکتی اس لیے اب فوراً سے پیشتر بتا دو کیا بات تمہیں بے چین کیے ہوئے ہے۔"

"میں جرمنی جانا چاہتا ہوں' شوکت بھائی کے پاس۔" شہباز نے اٹکتے ہوئے حقیقت بیان کی۔ شوکت بھائی محلے دار تھے پچھلے طویل عرصے سے ان کی پوری فیملی وہیں سیٹل تھی۔ کبھی کبھار جب پاکستان آتے تو شہباز سے اچھی دعا سلام تھی ان کی' شاید انہوں نے وہاں کے معاملے میں شہباز کو خاصی معلومات فراہم کر دی تھیں اور اسے لے کر جانے اور اس کا ساتھ دینے کی آس بھی دلا دی تھی اور شہباز بہت اچھی طرح سمجھتا تھا کہ پاکستان میں رہ کر وہ کبھی اپنے خواب نہیں پا سکے گا اور نہ ہی اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کے لیے کچھ کر پائے گا۔ اس کے جذبوں میں کوئی کھوٹ نہ تھا نہ ہی وہ عیاشی پسند تھا' ماہین اسے بہت اچھی طرح جانتی تھیں مگر پھر بھی قدرے متذبذب تھیں۔

"گل میں جانتی ہوں تم یہ سب گھر اور گھر والوں کی بھلائی کے لیے کر رہے ہو لیکن امی جی کبھی بھی نہیں مانیں گی' تم میں ان کی جان اٹکی ہے تم اچھی طرح جانتے ہو وہ تمہاری دوری کبھی بھی نہیں سہہ سکیں گی۔" یہ ایک حقیقت تھی کہ تمام بچوں میں شہباز کا وجود بڑی امی کو اپنے ہر دکھ کی دوا لگتا تھا۔ اس کی خوشی اور سکھ کو وہ ہمیشہ اہم اور مقدم سمجھتی تھیں۔

"کسی طرح امی جی کو منالیں...... مجھے ایک بار ملک سے باہر جانے کی اجازت دلا دیں میں یقین دلاتا ہوں کہ کچھ بھی غلط نہیں کروں گا' بہت محنت سے اپنے گھر کے حالات کو بدلوں گا اگر خدا نے چاہا تو بہت جلد سب کی خواہشات کی تکمیل ہوگی۔ باجی آپ تو سمجھ سکتی ہیں کسی بھی طرح امی جی کو کنوینس کر لیں۔" گل کا لجاجت بھرا لہجہ ماہین کو تڑپا گیا۔ حقیقت میں تو وہ خود بھی اپنے پیارے بھائی کی دوری کے خیال سے بے چین ہو گئی تھیں۔

"نہیں مانیں گی کبھی بھی وہ گل۔ تم اور میں بہت اچھی طرح جانتے ہیں کہ جس بات پر وہ نہ کہہ دیں پھر ہاں کہلوانا مشکل ہے اور یہ بات تو ان سے کہہ بنا ہی میں ان کا جواب جانتی ہوں۔"

"پھر صرف ایک حل ہے اس بات کا کہ میں انہیں جاتے وقت ہی بتاؤں۔ تمام تیاریاں کر چکنے کے بعد انہیں جب پتہ چلے گا پھر تو نہیں روکیں گی ناں۔" شہباز کا مضبوط لہجہ اس کے مستحکم ارادے کا پتہ دیتا تھا۔

"بے بی...... آپ کو میری کچھ مدد کرنی ہوگی...... مجھے کچھ رقم چاہیے۔" ماہین نے حیرت سے بھائی کے چہرے کی طرف دیکھا۔ یقیناً وہ جو ارادہ کر چکا تھا اسے پایہ تکمیل تک پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کرنے کو تیار تھا۔ ماہین کو آخر ہتھیار ڈالنے پڑے۔ انہوں نے اپنے ہاتھ میں پڑی سونے کی چوڑیاں اتار کر شہباز کے ہاتھ پر رکھ دیں۔

"گل...... میرا ساتھ ہر قدم پر تمہارے ساتھ ہے۔

میری دعائیں ہر لمحہ تمہارے لیے ہیں۔ میرے پیارے بھائی...... یہ چوڑیاں اگر تمہاری ضرورت پوری کرسکیں تو میرے لیے بے حد خوشی کا مقام ہوگا۔" ماہین نے بھی مادی چیزوں کی پروا نہ کی تھی اپنی ماں، اپنے بھائی، اپنی بہنیں، بس وہ تو ان ہی کی خاطر بنی تھیں جیسے...... ہر لمحہ ہر سجدے میں کی جانے والی تمام دعائیں، وہ انہی اپنوں کے نام کرتی تھیں۔

شہباز نے بالا ہی بالا تمام تیاری مکمل کیں اور اپنی روانگی سے ایک دن پہلے بڑی امی کو بتایا۔ وہ تو ششدر رہ گئیں شاید انہیں امید نہ تھی کہ ان کا جوان بیٹا ان کا ساتھ دینے کی بجائے یوں انہیں اکیلا چھوڑ کر کوسوں دور چلا جائے گا۔ جہاندیدہ خاتون تھیں، جانتی تھیں اولاد جب بڑی ہوجاتی ہے تو پھر من مانی پر اترتی ہی ہے ایسے میں والدین کی ضد انہیں غلط راستوں پر لگا سکتی ہے اور شہباز نے تو بچپن میں ہی باپ کے سائے سے محرومی سہی تھی اور کتنی ہی محرومیوں کے سائے میں پل کر بڑا ہوا تھا ایسے میں وہ ضد اور غصے سے بھرے اپنے اس جوشیلے بیٹے کو ڈانٹ ڈپٹ یا ناراضگی کا اظہار کرکے خود سے دور نہیں ہونے دے سکتی تھیں۔ آخر کار وہ لمحہ بھی آن پہنچا جب ماں کے بہتے آنسو اور بہن بھائیوں کے اداس چہروں کو دل میں بسائے شہباز شوکت بھائی کا ہاتھ تھامے ملک سے باہر پہنچ گیا۔ جرمنی کی سرزمین پر پاؤں دھرتے ہوئے شہباز نے ایک طویل سانس لی۔

بہت بڑا فیصلہ کیا تھا اس نے...... پہلی بار وہ اپنی ماں اور بہن بھائیوں سے اتنی دور ایک بالکل اجنبی سرزمین پر کھڑا تھا۔ یوں جیسے میدان کارزار میں کسی نو آموز سپاہی کو تلوار دے کر اتار دیا جائے اور جس کے مدمقابل وقت کے سورما کھڑے ہوں۔ شہباز کے دل کی کیفیت بھی کچھ ایسی ہی تھی۔ ایئر پورٹ سے باہر اسے کھڑا کرکے شوکت بھائی اپنا سامان لینے اندر چلے گئے۔ وہ اپنا بیگ تھامے باہر کھڑا تھا آتے جاتے مصروف لوگوں کو دیکھ رہا تھا جن کے بالکل اجنبی چہروں پر کوئی ملاحت کوئی احساس دکھائی نہ دیتا تھا۔

اسے یہیں کھڑے کھڑے تقریباً ایک گھنٹہ ہو چلا تھا مگر شوکت بھائی ابھی تک نہیں آئے تھے۔ جیسے جیسے وقت گزرتا جارہا تھا ویسے ویسے شہباز پریشان ہوتا جارہا تھا۔ شوکت بھائی کے گھر کا ایڈریس یا ان کا فون نمبر لینے کی تو اس نے ضرورت ہی محسوس نہیں کی تھی۔ اس نے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں انجانی جگہ پر وہ بالکل تنہا کھڑا تھا۔ اسے ساتھ لانے والا بیچ راہ میں چھوڑ کر شاید چلا گیا تھا۔ سورج ڈھلنے لگا تو شہباز اپنا بیگ تھامے ایئر پورٹ کے ایریا سے باہر نکل آیا...... وہ بہت اچھی طرح جانتا تھا کہ ان ممالک کے رولز کتنے سخت ہیں یہ کوئی تیسری دنیا کا ملک تو تھا نہیں کہ وہ کسی پارک میں بیگ سر کے نیچے رکھ کر سو جاتا اور اسے سونے دیا جاتا، یا کسی دکان کے تھڑے پر لیٹ کر رات گزار لیتا۔ رنگ برنگے بڑے بڑے سائن بورڈز کی جگمگاہٹوں میں بھی اسے ہر طرف بے تحاشا تاریکی نظر آرہی تھی۔ اسے کم سے کم شوکت بھائی سے یہ امید نہیں تھی کہ وہ اس قدر بے حسی اور خود غرضی کا مظاہرہ کریں گے۔ وہ ان پر بوجھ بننے کے ارادے سے تو نہیں آیا تھا۔ یہ تو وہ بھی جانتا تھا کہ وہ یہاں آرام کرنے کی غرض سے نہیں آیا...... ہر طرح کی محنت مزدوری جسمانی و ذہنی مشقت کے لیے تیار تھا وہ...... کیونکہ جن لوگوں کے خواب مہنگے ہوتے ہیں ان کی مشقت بھی دگنی ہوا کرتی ہے پھر شوکت بھائی اسے اس طرح کیوں چھوڑ کر چلے گئے صرف ایک دن کی مہمان نوازی بھی نہیں کرسکے تھے وہ۔

جوں جوں رات ہوتی جارہی تھی شہر کی رونقیں اپنے عروج پر پہنچتی جارہی تھیں۔ وہ چلتے چلتے ایک کیسینو کے دروازے پر آرکا۔ آئیڈیل بار نامی یہ کیسینو اوسط درجے کے شرابیوں اور سستے جواریوں کے لیے نعمت مترقبہ تھا۔ شہباز بنا سوچے سمجھے اس میں داخل ہوگیا۔ تقریباً تمام ٹیبلو پر گاہک بیٹھے تھے کہیں جوا تو کہیں شراب کے دور چل رہے تھے۔ سامنے کاؤنٹر پر موجود شخص پہلی ہی نظر میں شہباز کو ایشیائی دکھائی دیا۔ وہ تیزی سے اس کے قریب چلا آیا۔

مقبول خواتین رائیٹرز کے شاہکار ناول شائع ہو گئے ہیں
بن مانگی دُعا
مصنفہ عِفت سحر طاہر
قیمت 1000/- روپے
دُکھ کا دریا سکھ کا ساگر
مصنفہ آسیہ مرزا
قیمت 1000/- روپے
جامِ آرزُو
مصنفہ مہوش افتخار
قیمت 600/- روپے
برف کے آنسُو
مصنفہ نازیہ کنول نازی
قیمت 500/- روپے
اے مژگانِ محبت
مصنفہ نازیہ کنول نازی
قیمت 600/- روپے
وہی اِک لمحہ زیست کا
مصنفہ فاخرہ گُل
قیمت 600/- روپے
کتابیں خوبصورت سرورق بہترین کمپوزنگ وطباعت کے ساتھ شائع ہو گئی ہیں
القریش پبلی کیشنز
سرکلر روڈ چوک اردو بازار لاہور
فون 042-37668958 — 37652546

"آر یو ایشین؟" شہباز نے پوچھا۔ کاؤنٹر پر موجود شخص نے بھاری پپوٹے بمشکل اٹھا کر نووارد کو دیکھا اور اثبات میں سر ہلاتے ہوئے پوچھا۔

"کیوں؟"

"جناب مجھے اپنے ساتھ لانے والے ایئرپورٹ پر چھوڑ کر چلے گئے ہیں میں ان کا پتہ بھی نہیں جانتا بلکہ میں یہاں کسی کو نہیں جانتا' مجھے ایک دو دن کے لیے رہنے کی جگہ چاہیے۔" شہباز نے ہکلاتے ہوئے اپنا مدعا بیان کیا تو کاؤنٹر مین بہت بھدے انداز میں ہنسا۔

"بچے...... یہ جرمنی ہے جرمنی...... داتا دربار نہیں...... تمہارے ساتھ آنے والوں نے تمہیں یہ نہیں بتایا کہ یہ یورپ کا سب سے مہنگا ملک ہے یہاں تو لوگ بات کرنے کے بھی پیسے لیتے ہیں۔"

"جناب میرے پاس کچھ رقم ہے جب تک وہ ساتھ دے گی تب تک آپ مجھے یہاں رہنے دیں میں اپنے ساتھیوں کو تلاش کرلوں گا۔" شہباز نے کہا تو اس شخص نے اسے ایسے دیکھا جیسے اس کی ذہنی حالت پر شبہ ہو۔

"جو ہاتھ سے نکل گئے انہیں تلاش کرنا فضول ہے۔ وہ کھوئے نہیں ہیں جان بوجھ کر تمہیں چھوڑ گئے ہیں۔ یہ بتاؤ کیا ال لیگل ہو۔" آخری بات اس نے قدرے رازدارانہ انداز میں کہی تھی۔ شہباز نے سر جھکالیا۔

"پھر تو تمہارا اس طرح باہر پھرنا کسی بھی لحاظ سے تمہارے لیے مناسب نہیں ہے۔ کسی بھی وقت پولیس کے ہاتھوں پکڑے جاؤ گے اور ڈی پورٹ کردیے جاؤ گے۔ اس صورت میں تمہارے پاسپورٹ پر لگائی جانے والی اسٹمپ تمہیں پھر کہیں بھی آنے جانے نہیں دے گی۔ شکل وصورت سے تو پڑھے لکھے لگتے ہو پھر تم نے اس طرح کا قدم کیوں اٹھایا؟"

"جناب...... اپنے ملک میں ڈھنگ کا کوئی کام نہیں مل رہا تھا۔ چار چھوٹے بہن بھائیوں کے مستقبل کے لیے باہر نکلا ہوں' فی الحال تو میرا دماغ میرا ساتھ نہیں دے رہا۔ سب سے بڑا مسئلہ رہنے کا ہے یہ حل ہو تو مزید سوچوں گا۔"

"ہم......" اس نے ہنکارا بھرتے ہوئے بغور شہباز کا جائزہ لیا۔ جوانی کی حدود میں داخل ہوتا یہ بھرپور اٹھان رکھنے والا جوان جو شکل وصورت میں بھی خاصا وجیہہ تھا اس کے لیے فائدہ مند ثابت ہوسکتا تھا۔

"یہ بتاؤ...... ویٹر کا کام کرو گے۔" بار کے مالک کو شہباز کی مجبوری کا اندازہ ہوچکا تھا۔ اس بات کے جواب میں شہباز نے حیرت آمیز خوشی سے اس کی جانب دیکھا۔

"میں کچھ بھی کرسکتا ہوں...... کوئی بھی کام کروں گا۔"

"ٹھیک ہے' لیکن دن کے وقت تم یہ کام نہیں کرسکو گے' نیچے بیسمنٹ میں کچھ کمرے ہیں جو میں تمہارے جیسے ال لیگل لوگوں کو کرائے پر دیتا ہوں۔ ان ہی میں سے ایک میں تمہاری رہائش ہوگی۔ تین ٹائم کھانے پینے کے ساتھ ماہانہ آٹھ سو فرانک قبول ہیں تو ابھی سے کام میں لگ جاؤ۔ شام چھ بجے سے رات تین بجے تک ڈیوٹی ہوگی تمہاری۔" اس شخص نے شہباز کا بہت بڑا مسئلہ حل کردیا تھا۔

"اوئے یاسر...... ادھر آ یہ نئے پنچھی کو کوئی ہیک ٹھیک پلا۔" اس نے قریب سے گزرتے ایک لڑکے کو آواز دی۔

"نہیں جناب...... میں شراب نہیں پیتا۔"

"او کوئی گل نہیں یہاں رہو گے تو پینے پلانے بھی لگ جاؤ گے۔ یہاں تو شراب کی نہریں بہتی ہیں بھایا جی۔" وہ خود بھی اس وقت خاصا نشے میں تھا۔

"جناب...... وہ مجھے......"

"اوئے یہ جناب شناب چھوڑو...... حاجی خان بہادر نام ہے میرا...... یہاں حاجی صاحب کہتے ہیں سب۔" حاجی صاحب اور کیسینو؟ شہباز نے ایک جھرجھری سی لی۔

"چلو تم یاسر کے ساتھ جاؤ' تمہیں تمہاری جگہ دکھادے گا اور کام بھی سمجھادے گا۔" حاجی صاحب نے اسے یاسر کے حوالے کردیا اور خود پھر سے اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔ یاسر اسے اپنے ساتھ نیچے بیسمنٹ میں لے گیا۔ سگریٹ کے دھوئیں کی بے تحاشا بو اور شراب کی سیلن زدہ بدبو سے شہباز کا جی الٹنے لگا۔ ایسے ماحول اور ایسی جگہ پر

رہنے کا تصور تو اس نے کبھی بھی نہیں کیا تھا۔ ایک کمرے میں یاسر اسے لے آیا۔

"یہ میرا کمرہ ہے۔ تم آج سے میرے ساتھ ہی رہ لینا۔ اگر کوئی پیسے ویسے ہیں تو گن کر مجھے دے دو میں سیٹھ کے حوالے کردوں گا جب جانے لگو گے تب اس سے لے لینا ورنہ چوری ہوجائیں گے اور ہاں یہ تو میں نے پوچھا ہی نہیں کہ کہاں سے آئے ہو۔"

"آج شام ہی پہنچا ہوں یہاں...... پاکستان سے آیا ہوں جن کے ساتھ آیا تھا وہ ایئر پورٹ پر چھوڑ کر چلے گئے۔" شہباز نے جواب دیتے ہوئے کمرے پر طائرانہ نظر ڈالی۔

"ظاہر ہے یہاں پر کسی بھی ال لیگل کو رکھنے والا خود مصیبت میں آجاتا ہے۔ اس کے کاغذات اور جائیداد تک ضبط کرلی جاتی ہے۔ کیا کوئی رشتے دار تھے تمہارے جس کے ساتھ یہاں آئے ہو؟"

"نہیں رشتے دار تو نہیں تھے محلے دار تھے اچھے تعلقات تھے۔"

"چلو چھوڑو...... جی میلا نہ کرو۔ یہ اپنا سیٹھ ال لیگل لوگوں کو اپنے ہاں جگہ دے دیتا ہے اس طرح اس کا کام بھی چلتا رہتا ہے اور ہم جیسوں کا بھی...... میں بنگلہ دیش سے آیا ہوں آٹھ ماہ سے کام کررہا ہوں یہاں...... جو کماتا ہوں گھر بھیج دیتا ہوں اسی وجہ سے آج تک اپنے لیے کچھ نہیں کر پایا...... وہاں بیٹھے سب سمجھ رہے ہیں یہاں آتے ہی مجھے نوٹوں کا کوئی درخت مل گیا ہے جہاں سے نوٹ اتارتے رہنے کے سوا مجھے اور کوئی کام نہیں...... میرے یہاں آتے ہی میرے چچا نے میری بہن کا رشتہ اپنے بیٹے کے لیے مانگ لیا جواب تک انہیں نظر نہیں آئی تھی۔" یاسر تاسف سے بولا تو شہباز کو لگا وہ بھی اسی جیسا ہی ہے۔

"بس اب تو یہ سیٹھ ہی رب کے بعد سہارا ہے۔"

"پردیس میں کسی کی اتنی مہربانی بھی کم نہیں۔" شہباز نے کہا تو یاسر نے بھی تائید میں سر ہلا دیا۔

"میرا نام تو تمہیں پتہ چل گیا مگر تم نے اپنا نام تو بتایا نہیں۔"

"شہباز علی نام ہے میرا۔ پاکستان کے ایک چھوٹے سے قصبے حسن ابدال سے تعلق ہے میرا۔ ایک بڑی بہن ہے شادی شدہ دو بہنیں دو بھائی چھوٹے ہیں پڑھتے ہیں ابھی اور بیوہ ماں ہے۔"

"یعنی اپنے گھر میں واحد تم کفیل ہو۔"

"ہاں...... میری ماں نے بہت مشقتیں اور مصائب جھیل کر ہم بہن بھائیوں کو پالا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اب ان کو آرام دوں۔"

"بہت اچھی سوچ ہے۔ خدا تمہاری مدد کرے۔" یاسر نے خلوص دل سے کہا۔

"تمہیں بھوک لگ رہی ہوگی میں کچھ کھانے کو لاتا ہوں اور ہاں سگریٹ پیتے ہو؟" جاتے جاتے پلٹ کر یاسر نے پوچھا۔

"نہیں۔" شہباز نے شوز اتار کر بیڈ کے نیچے کھسکائے اور خود نیم دراز ہوگیا۔ سامنے بہت طویل مسافت تھی لیکن کوئی راہ سجھائی نہ دے رہی تھی۔ اسے ایسا لگ رہا تھا کہ لامحدود سمندر کے اندر اسے چھوڑ دیا گیا ہے اس کے چاروں طرف بھنور اور جوار بھاٹے ہیں۔ اس کا وجود اس کی ٹانگیں اور بازو لہروں کی تیز روی کے سامنے شل ہوجائیں گے۔ وہ کیسے اور کس طرح خود کو سنبھال پائے گا۔ کیسے حالات سے نبرد آزما ہوگا۔

اسے ان کے غصے سے بہت ڈر لگتا تھا۔ جب تک وہ گھر میں رہتے ہادیہ کمرے کے ایک کونے میں ہی دبکی رہتی۔ ان کی آواز کی گھن گرج سے اس کی ٹانگیں لرزتی رہتیں۔ کینہ پرور آنکھوں کی سرخی اس کا دم گھوٹے رکھتی۔ ان کے چہرے کے خوبصورت نقوش غصے کی وجہ سے بے انتہا کرخت اور بے لچک سے ہوچکے تھے۔ وہ ون کلاس میں تھی جب ایک بے حد معمولی بات پر ان کا زناٹے دار تھپڑ اس کے چہرے پر پڑا تھا اور وہ تھپڑ جیسے اس کی روح پر ثبت ہوگیا تھا۔ سب اس سے لاڈ کرتے تھے اس کے یہ

منجھلے چچا بھی...... مگران کے غصے کی انتہاؤں سے وہ بہت خائف رہتی تھی۔ کچھ عرصے کے لیے وہ ملک سے باہر چلے گئے تو امی اسے اور انیقہ کو لے کر بڑی امی کے ہاں چند دن رہنے کے لیے آ گئیں۔ وہ صرف ددھیال ہی میں نہیں ننھیال کی بھی بے حد لاڈلی تھی۔ خاص کر لالہ آنٹی تو اس کی ایسی دیوانی تھیں کہ وہ جب بھی بڑی امی کے گھر آتی جاتے سمے ایک نیا فراک سی کر اسے پہناتی تھیں وہ...... اس بار تو وہ کچھ دن رہنے کے لیے آئی تھی۔ وہ اور انیقہ دن بھر چھوٹے ماموں ساجد کے ہمراہ کھیل کود میں مصروف رہتے۔ ساجد ماموں سے اصرار کر کر کے کہانیاں سننا اور گھر کے قریبی قبرستان میں سرخ رنگ کے پھول چننا ان کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ ان پھولوں کی شکل طوطوں جیسی تھی۔ سرخ رنگ کے طوطا نما پھول قبرستان میں تین بڑے بڑے گھنے درختوں پر لگتے تھے۔

''ساجی ماموں...... آئیں ناں طوطے جمع کرتے ہیں۔'' انیقہ اٹھلائی۔

''چلو...... مگر امی جی کو خبر نہ ہو ورنہ بہت ماریں گی۔''

''ہادیہ کو بھی لے کے چلیں ناں ساجی ماموں۔'' انیقہ کی فرمائشی لسٹ خاصی لمبی ہوتی تھی۔

''ہاں چلو...... مگر خاموشی سے۔'' ساجد ماموں کسی جیمز بانڈ کی طرح جاسوسی فلمی انداز میں گیٹ کھولتے انیقہ اور ہادیہ کو ہاتھ سے پکڑ کر باہر نکالتے اور آہستگی سے دروازہ بند کر کے قبرستان کی طرف چل پڑے۔

''تمہیں پتہ ہے امی جی ہمیں دوپہر کو باہر کیوں نہیں نکلنے دیتیں؟'' وہ ڈرامائی انداز میں بولے۔

''نہیں تو......'' پونیوں والا سر نفی میں ہلاتی انیقہ راز دارانہ انداز میں بولی۔ ''کیا آپ کو پتہ ہے؟''

''ہاں...... امی جی کہتی ہیں دن کو ویران قبرستان میں نہیں جانا چاہیے وہاں بدروحیں اور چڑیلیں ہوتی ہیں۔ وہ بچوں کا خون پی جاتی ہیں۔''

''مم...... میں آگے نہیں جاتی۔'' ہادیہ سہم کے رک گئی۔

''تم تو ہو ہی سدا کی بزدل...... ڈرپوک...... کیا ہے چڑیلیں ہی تو ہیں...... آج تک ہم نے نہیں دیکھیں۔ اچھا ہے ناں کسی نے پوچھا تو بتاسکیں گے ہم نے چڑیلیں دیکھی ہیں۔'' انیقہ کی مہم جویانہ فطرت پھڑکی۔

''نن...... نہیں ساجی ماموں گھر چلیں ناں۔'' ہادیہ ان کا بازو دبوچے اصرار کرنے لگی۔

''اوہو ہادی...... تمہیں ڈرنے کی بھلا کیا ضرورت ہے...... میں بھی تو ہوں تم دونوں کے ساتھ...... تمہیں اپنے ساجی ماموں پر بھروسہ نہیں ہے کیا؟'' ساجی ماموں اس طرح منہ پھلا کر بولے جیسے وہ ٹارزن اور ہادی اور انیقہ نے ان کی صلاحیتیں ماننے سے انکار کر دیا تھا۔

مرتے کیا نہ کرتے ہادیہ ان کی ہر مہم میں شریک ہوجاتی‘ اسے یاد تھا ایک دن ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ ساجی ماموں اور انیقہ نے ایک پلان بنایا اور اسے بھی اس میں شریک کرنا چاہا...... بہت خطرناک پلان تھا...... پٹ جانے کے سو فی صد چانس ہونے کے باوجود وہ دونوں خاصے دلیرانہ انداز میں سوچ رہے تھے۔ ساجی ماموں نے انیقہ کو گل ماموں کی بڑی سی جیکٹ پہنادی اور ہادیہ اور انیقہ کو لے کر بازار چلے گئے۔ پلان یہ تھا کہ ساجی ماموں سبزی فروش کو باتوں میں لگائیں گے اور انیقہ ٹوکری سے امرود اور سیب اٹھا کر جیکٹ کی جیب میں ڈالے گی۔ خطرے کی صورت میں ساجی ماموں نے اسے کوڈ بتایا تھا کہ جب خطرہ ہوگا میں کہوں گا۔

''احتیاط سے۔'' اور تم رک جانا۔ مگر دکان پر جا کر انیقہ کی لالچ اتنی بڑھ گئی کہ احتیاط سے...... احتیاط سے......'' کی تکرار اسے سنائی ہی نہ دے رہی تھی تین چار خوب موٹے تازے امرود جیکٹ کی جیب میں ڈال کر پانچواں ابھی ہاتھ میں لے کر تول ہی رہی تھی کہ دکان دار کی نظر اس پر پڑ گئی۔

''کیا کر رہی ہے گڈی؟'' اس نے خشمگیں نگاہوں سے اسے گھورا۔

''کچھ نہیں چاچا...... امرود دیکھ رہی تھی کیڑوں والا لگتا

ہے۔" انیقہ نے کمال دلیری سے جواب دیا ایک پل کو بھی نہیں گھبرائی۔

"امرود واپس ٹوکری میں رکھ دے گڈی اور چل جا یہاں سے۔" دکان دار کو شاید اس کا تجزیہ بھایا نہیں تھا اور انیقہ کا کام بھی پورا ہوچکا تھا اس نے کمال بے نیازی سے امرود واپس ٹوکری میں رکھا اور بھاری بھرکم جیکٹ کو سنبھالتی چل پڑی۔ اس دن چھت پر کپڑا بچھا کر بیٹھتے امردوں کو نمک مرچ لگا کر کھانے میں ان کا ساتھ دیتی ہادیہ نے کانوں کو ہاتھ لگایا تھا کہ وہ آئندہ ان کی کسی مہم میں شریک نہ ہوگی۔ کتنے رسکی کام کرتے تھے ساجی ماموں اور انیقہ مل کر...... لیکن اگلی بار پھر کسی نہ کسی کام میں وہ اسے پھنسا ہی لیتے تھے۔ وہ دے کی پیدائشی مریضہ تھی...... بھاگنا دوڑنا اس کے بس میں نہیں تھا۔ کبھی کبھی ساجی ماموں اور انیقہ دوسروں کے دروازے یا گھنٹیاں بجا کر بھاگ جاتے اور گھر والے اسے دھر لیتے...... ایک بار تو حد ہی ہوگئی رات کا وقت تھا سردیوں میں رات بھی جلدی اور زیادہ اندھیری ہوتی ہے۔ بڑی سی سیاہ چادر میں بھوتوں والے ماسک لگا کر ساجی ماموں اور انیقہ نے محلے کے آخری گھر میں رہنے والی صغریٰ خالہ کو اس بری طرح ڈرایا تھا کہ کتنے دن وہ بیمار رہی تھیں۔ اس دن ہادیہ کو حقیقتاً برا لگا تھا کیونکہ شرارتیں کرنا بری بات نہیں ہے مگر آپ کی شرارت کسی کے لیے دل آزاری یا نقصان کا باعث بن جائے تو پھر وہ شرارت نہیں رہتی بدتمیزی میں شمار ہوتی ہے۔ اس سب کے باوجود ساجی ماموں میں ان دونوں کی جان تھی۔ ایک پلیٹ میں کھانا کھانا' ایک جگہ چادر بچھا کر سونا اور سونے سے پہلے رات گئے تک باتیں کرتے رہنا...... وہ ماموں سے زیادہ بھائی اور دوست تھے...... اور ماہین بھی ان سے اپنے بچوں کی طرح پیار کرتی تھیں۔ وہ دن بے حد یادگار تھے...... اور پتہ ہی نہ چلا پھر سے تتلیوں کی مانند اڑ گئے۔ واپسی والے دن لالہ آنٹی نے حسب معمول اسے نیا فراک سی کے پہنایا اس کے لمبے سلکی بالوں کو سنوارتے ان کے جی میں جانے کیا سمائی کہ انہوں نے اس کے ماتھے پر آئے بالوں کی دو تین لٹیں کاٹ دیں اس کی پونیاں بنانے کے بعد جب انہوں نے اسے آئینے کے سامنے کھڑا کیا تو اسے بھی اپنے چہرے کے دونوں اطراف کٹی ہوئی لٹیں بہت پیاری لگیں۔

گھر واپس آنے کے تیسرے ہی دن رات کے چار پانچ بجے کے قریب منجھلے چچا کی آمد ہوئی۔ سارے گھر میں جیسے زندگی کی لہر سی دوڑ گئی۔ سب ہی بے حد خوش ہوئے۔ ہادیہ اور انیقہ بھی سوئی جاگی کیفیت میں دوپٹے لپیٹے انہیں سلام کرنے چلی آئیں۔ منجھلے چچا سب سے خاصے پُرجوش انداز میں مل رہے تھے۔ ہادیہ پر نگاہ پڑتے ہی وہ ایک لمحے کو چونکے ان کی مسکراہٹ جیسے ہونٹوں میں ہی بھینچ سی گئی ہادیہ کے چہرے پر بکھرے بال ان کی نگاہوں کے احاطے سے کیسے نکل سکتے تھے۔ انہوں نے عجب کیلی نگاہوں سے اسے گھورا اور پھر باقی سب کے ساتھ خوش گپیوں میں لگ گئے۔ سات سالہ ہادیہ نے ان کے چہرے کے تاثرات میں کرختگی گھلتے دیکھ تو لی تھی مگر اس کا معصوم ذہن یہ سوچنے سے قاصر رہا کہ آخران کے رویے کے پل بھر میں بدلنے کی وجہ کیا تھی؟ اور یہ عقدہ بھی تین دن بعد کھل ہی گیا۔ گھر میں مہمانوں کی آمد (جو منجھلے چچا کی تشریف آوری کے باعث تھی) کچھ کم ہوئی شام کا وقت تھا جب بڑے سے برآمدے میں بچھی چارپائیوں پر گھر کے تمام افراد براجمان تھے۔ منجھلے چچا نے ہادیہ کو آواز دے کر بلایا۔ ان کے انداز میں کچھ ایسا غیر معمولی پن تھا جسے محسوس کرکے ماہین اور انیقہ بھی گھبرا کر ہادیہ کے ساتھ ہی باہر آگئیں۔

"جی چچا جی......" سعادت مندی سے کہتی ہادیہ ان کے قریب جا کھڑی ہوئی یہ اور بات کہ اس کے دل کی حالت کسی نزع کے عالم میں مبتلا مریض کی سانسوں کی طرح مرتعش تھی۔

"سر سے دوپٹہ اتار کر دکھاؤ۔" منجھلے چچا نے ایک ایک لفظ چباتے ہوئے کہا۔ ہادیہ نے گھبرا کر سر سے دوپٹہ اتارا۔

''اہم...... بے جی یہ گھر ہے یا کسی بجرے والی کا کوٹھا' آپ کے اصول...... آپ کی سختیاں کہاں گئیں' سید زادی ہے یہ...... بال کٹوائے پھرتی ہے۔'' وہ گرجے۔

''پتر...... کیسی سختیاں' کہاں کے اصول...... جب سے تیرے آغا جی گئے ہیں میں نے تو کسی کو کچھ کہنا چھوڑ دیا ہے۔ ہر کوئی اپنی مرضی کا مالک ہے جو جی میں آئے کرتا پھرے۔'' بے جی کمال بے نیازی سے جلتی پر تیل ڈالے گئیں۔

''آغا جی دنیا سے گئے ہیں' ہم ابھی زندہ ہیں یہ آوارہ عورتوں والی چالیں ہمارے گھر میں نہیں چلیں گے۔ قصور ان کی ماں کا بھی ہے' جس کی تربیت میں یہ آپے سے باہر ہوئی جارہی ہیں۔ اپنے پچھلے گھر کے طور طریقے یہاں لانے کی ضرورت نہیں شاہوں کے گھرانے میں اس طرح کے چھچھن نہیں چلتے۔'' بڑی بے اعتنائی اور تکبر سے اپنی بات کہتے منجھلے چچا یہ بھی بھول گئے کہ ماہین کسی گئے گزرے خاندان سے نہیں تھیں۔ ان کی اپنی چچا زاد تھیں اور اس گھر میں جب آئی تھیں تو وہ کھیلتے کودتے بچپن کی دہلیز پر تھے ان کی محبت ان کی محنت ان کی خدمت ہر چیز کو فراموش کرکے آج وہ جیسے پوری حاکمیت کے ساتھ بات کررہے تھے۔

''کس نے کاٹے ہیں تمہارے بال؟'' منجھلے چچا نے اس کے بالوں کو زور سے جھٹکا دیتے ہوئے انتہائی نخوت سے کہا۔

''لالہ آنٹی نے۔'' ہادیہ آنکھوں میں آنسو بھر کر بولی۔

''تو اب لالہ آنٹی کو بلاؤ کہ تمہیں سزا سے بھی بچائے۔'' خوں آشام سرخی لیے ان کی آنکھیں اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

''مجھے معاف کردیں چچا جی۔ آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔'' متوقع سزا سے بچنے کے لیے وہ معافی تو مانگے جارہی تھی مگر دل ہی دل میں سوچ بھی رہی تھی کہ آخر ایسا کیا کیا تھا اس نے...... اس کے اپنے بال تھے اگر لالہ آنٹی نے چند بالوں کی لٹ کاٹ دی تھی تو اس میں ایسی کیا قیامت یا نقصان کی بات ہوگئی تھی جو منجھلے چچا اس سے یہ سلوک کررہے تھے۔

''آئندہ کی آئندہ دیکھی جائے گی...... ابھی معاف کردینے کا مطلب یہ ہے کہ آئندہ تمہیں ہر برائی کے لیے آزاد چھوڑ دیا جائے۔ ایسا نہیں ہوسکتا' ابھی فرش پر ناک سے سات بار لکیریں کھینچو اور کہو...... مجھ سے غلطی ہوگئی آئندہ میں کبھی ایسا نہیں کروں گی۔ فوراً ابھی...... یہ جو لوگ بیٹھے ہیں گواہ رہیں گے اس بات کے۔'' اس نے دھندلائی ہوئی آنکھوں سے برآمدے کی چارپائیوں پر بیٹھے اپنے سب پیاروں کو ایک ایک بار دیکھا اور پھر اپنی مہربان ماں کی طرف...... جن کی آنکھوں سے آنسو چھلکنے کو بے تاب تھے' مگر وہ کمال ضبط سے اپنے آنسوؤں کو چھپائے کمرے کے دروازے پر ایستادہ تھیں پھر اس کی نظر اپنی دادی کے چہرے پر پڑی جو بے نیازی سے منہ دوسری طرف کیے اس طرح بیٹھی تھیں جیسے اس سارے قصے سے ان کا تعلق ہے نہ کوئی دلچسپی...... وہاں بیٹھا کوئی شخص بھی منجھلے چچا کی مرضی کے خلاف کچھ نہ بولا تھا اس نے سب کو دیکھا اور پھر اس کی آنسو بھری آنکھوں میں بے پناہ مایوسی اور اذیت آن براجمان ہوئی۔ اس نے برآمدے کے ٹھنڈے فرش پر گھٹنے ٹیکے اور پھر فرش پر اپنی ناک رگڑی' ایک لکیر...... پھر دوسری...... پھر تیسری۔ آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر فرش پر بکھرے۔

''ساتھ منہ سے بھی بولو کہ آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔'' منجھلے چچا کی آواز گنبد بیدر کی صدا کی طرح اس کے اطراف گونجی۔

''آئندہ ایسا نہیں ہوگا چچا جی......'' اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ ماہین کی برداشت کا پیمانہ لبریز ہوگیا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر روتی کمرے کے اندر چلی گئیں۔

سات لکیریں...... فرش پر ہی نہیں اس کی روح پر بھی کھنچی تھیں' بے پناہ بے اماں' غیر محفوظ اور بے عزت محسوس کیا تھا اس کے ننھے سے دل نے آج اپنے آپ کو۔

''بس ٹھیک ہے اور بے جی...... آج رات کا کھانا ان

ماں بیٹیوں کو نہیں دیا جائے یہ ان کی سزا ہے۔" منجھلے چچا سزا سنا کر چلے گئے۔ بڑے چچا اور بڑی چچی کی آنکھوں میں تضحیک آمیز مسکراہٹ تھی۔ ہادیہ اٹھ کر کھڑی تو ہوگئی تھی مگر اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اس کی پلکوں پر منوں برابر وزن آن ٹکا ہو۔ اس سے نگاہیں تو کیا قدم تک اٹھائے نہیں جا رہے تھے۔ سب ہی اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہوگئے تو ماہین تیزی سے کمرے سے نکلیں۔ ہادیہ کو اپنے بازوؤں میں سمیٹ کر جلدی سے کمرے میں لے آئیں۔ ایک بار پھر ان کے ضبط کا دامن تار تار ہوا تھا آہیں لبوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر نکل رہی تھیں۔ وہ رو رہی تھیں بے تحاشا...... بے حد وحساب اس لیے کہ آج اس گھر میں ان کی اور ان کی بچیوں کے مستقبل کا فیصلہ ہوگیا تھا۔ ان کا سربراہ ایک بے پرواشوہر اور بے نیاز باپ تھا اور وہ جان گئی تھیں کہ اس گھر میں اب قدم قدم پر ان کے اور ان کی بچیوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک ہونے والا تھا۔ تمام عمر رونے کو یہی ایک بات کافی تھی۔

❁......◉......❁

دیارِ غیر کے دھکے کھاتے اسے تین ماہ کا طویل عرصہ گزر گیا تھا لیکن شوکت بھائی یا ان کے خاندان کے کسی فرد سے اس کا سامنا نہیں ہوا تھا۔ دن بھر بس منٹ کے سیلن زدہ کمرے میں چھپ کر رہتے ہوئے وہ قنوطیت کا شکار ہونے لگا تھا۔ اب تک اس کی کمائی کے چند روپے اس کا ہی ساتھ نہیں دے رہے تھے کجا کہ وہ اپنے گھر والوں کو کچھ بھیج پاتا۔ اپنے پہنچ جانے کی اطلاع دینے کے بعد اس نے دوبارہ گھر والوں سے بھی کوئی رابطہ نہیں کیا تھا وہ کچھ بن کر ہی اب ان کے سامنے جانا چاہتا تھا۔ بے نشان منزل اور طویل مسافت دور دور تک کہیں کوئی سایہ نہ تھا کوئی سہارا نہیں تھا۔ پتھریلے بے حس چہرے جن کے درمیان کوئی اپنا نہیں تھا۔ ایسے میں اسے ان چند چہروں کی بے حد یاد ستاتی تھی جو اس کے اپنے تھے اس کے پیارے جو اس سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔

وقت کا یہ پرندہ رکا ہے کہاں
میں تھا پاگل جو اس کو بلاتا رہا
چار پیسے کمانے میں آیا شہر
گاؤں میرا مجھے یاد آتا رہا
سب کی آنکھوں سے آنسو چھلک آئے تھے
جب روانہ ہوا تھا شہر کے لیے
کچھ نے مانگی دعائیں کہ میں خوش رہوں
کچھ نے مندر میں جا کر جلائے دیئے
ایک دن میں بنوں گا بڑا آدمی
یہ تصور انہیں گدگداتا رہا

تنہائی میں کتنی ہی بار آنسو پلکوں کی باڑ عبور کر کے اس کے چہرے پر پھیل جاتے۔ وہ کسی کے سامنے رو کر اپنے اندر کا غبار بھی نہیں نکال سکتا تھا کہ مرد کے لیے آنسو بزدلی کی علامت سمجھے جاتے ہیں لیکن تنہائی میں تو اس کے اور اس کے رب کے سوا اس کے اشکوں کا گواہ کوئی نہیں تھا۔ اسے اس کام سے بھی گھن آتی تھی۔ ایک مسلمان ایک سید زادہ ہو کر وہ دوسروں کے سامنے شراب جیسی مکروہ چیز پیش کرتا تھا۔ اپنے ضمیر کو تھپک کر سلانے کے بعد وہ تن دہی سے اپنے کام میں لگ جاتا۔ وہ غیر مسلموں کے درمیان رہتا تھا۔ جن کا کوئی دین دھرم تھا نہ کوئی حدود وقیود...... یہاں شراب کی نہریں بہتی تھیں اور دوستی محبت کے نام پر شرم وحیا کو تار تار کر دینے کو کلچر اور ماڈرن تہذیب کا نام دیا جاتا تھا۔ وہ ایک عزت دار اور اپنی ذات کا احترام کرنے والا انسان تھا۔ یہاں موجود تمام ال لیگل لڑکے شراب وشباب سے موقع ملتے ہی استفادہ کرنے سے نہیں چوکتے تھے جبکہ وہ ان دونوں چیزوں سے کوسوں دور تھا۔ یاسر نے تو اس کا نام ہی برہم چاری رکھ دیا۔ اس دن عام دنوں سے زیادہ سردی تھی بار میں شراب کے دور پر دور چل رہے تھے۔ یاسر اپنی ڈیوٹی ختم کر کے جا چکا تھا جبکہ شہباز کا ڈیوٹی ٹائم ابھی جاری تھا ایک سے دوسرے ٹیبل پر سرونگ کرتے ہوئے نشے میں دھت انگریزوں کے درمیان اپنا آپ اسے بہت حقیر اور بے وقعت لگا۔ بار کا دروازہ کھلا اور ایک تقریباً پچاس سالہ خاتون جو خاصی ویل آف فیملی سے لگ

رہی تھی ایک ٹیبل پر آن بیٹھی۔ شارٹ اسکرٹ جس کے
ڈیپ اور بیک لیس گلے کے ساتھ اس نے ڈائمنڈ کی
شاندار جیولری زیب تن کر رکھی تھی۔ قدرے سنہری بال جو
اس کی گردن پر ادھر ادھر جھول رہے تھے۔ بتاتے تھے کہ کسی
زمانے میں خاصی حسین رہی ہوگی۔ گہری نیلی آنکھوں
میں اداسی کی ہلکی سی نمی لیے سرخ لپ اسٹک سے مزین
ہونٹوں کو کاٹتی ہاتھ مروڑتی وہ عجیب سی کیفیت کا شکار تھی۔

”میم واٹ وڈیو لائک ٹو ڈرنک۔“ شہباز نے اس
کے قریب آ کر بے حد مہذب انداز میں پوچھا۔ اپنی بڑی
بڑی نیلی آنکھیں اس نے شہباز کے چہرے پر ٹکا دیں۔

”ایکسکیوزمی میم...... آئی ایم ویٹنگ فار یور آرڈر۔“
(میں آپ کے حکم کا منتظر ہوں)

”اٹس ٹو کولڈ...... آئی وڈ لائیک ٹو ڈرنک اے پیگ آف
برانڈی۔“

اس کے تراشیدہ لبوں سے نکلا اور شہباز جلدی سے
تعمیل کے لیے مڑ گیا۔ اس خاتون کو سرو کرنے کے بعد وہ
دوبارہ اپنے کام میں لگ گیا لیکن جب تک وہ خاتون وہاں
موجود رہی شہباز کو اس کی نگاہیں خود پر ٹکی محسوس ہوتی
رہیں۔ نہ جانے کیا بات تھی لیکن شہباز کو اچھا محسوس نہیں
ہو رہا تھا۔ اس کے ڈیوٹی آورز ختم ہو گئے جب وہ جانے لگا
تو اس نے دیکھا وہ خاتون ابھی تک اسی ٹیبل پر موجود تھی اور
جانے کتنی برانڈی پی چکی تھی کہ اس کی نیلی آنکھوں کے
آگے دھندلا سا غبار آ چکا تھا۔ اس نے پرس سنبھالا اور اٹھ
کھڑی ہوئی۔ پنسل ہیل شوز پر اس کا وجود لڑکھڑاتا بل کھاتا
بار کے دروازے سے باہر نکلا تھا۔ شہباز اپنے کمرے میں
آ گیا لیکن پھر بھی اس کی سوچ میں وہی خاتون در آتی رہی
کہ آخر ایسی کیا مجبوری تھی جو اتنی ویل آف خاتون اس قدر
عام سے بار میں آ کے بیٹھ گئی تھی۔ پھر اس نے امیروں کے
ایڈونچر کا نام دے کر اس معاملے کو تہہ کر کے تکیے کے نیچے
دبایا اور لمبی تان کر سو گیا۔

❀ ......☯...... ❀

اگلے کچھ دنوں میں شہباز ایک مخمصے کا شکار ہو گیا۔
لیزلی روچسٹر جو برٹن کے ٹاپ ٹین بزنس مین کی فہرست
میں شامل ریڈ روچسٹر کی وائف تھی اس سستے سے بار میں
اس کی آمد ورفت اچانک بہت بڑھ گئی تھی۔ حاجی صاحب
کے بقول ”پٹھے تیرے حسن کا جادو بول رہا ہے“ شہباز کا
کندھا ٹھوکتے ہوئے انہوں نے خاصے معنی خیز انداز میں
کہا تھا۔ وہ نا سمجھی سے ان کی طرف دیکھنے لگا۔

”تجھ جیسے برہم چاری کی تو سمجھ لاٹری نکل آئی ہے۔ یہ
بوڑھی انگریز عورتیں اگر کسی ایشیائی پر مہربان ہو جائیں تو
پھر یوں سمجھ لو کہ یہ شہر مہربان ہو گیا۔ تیری ترقی کے راستے
کھل گئے سمجھ۔“ حاجی صاحب کی مسکراہٹ میں عجیب
رشک اور معنی خیزی گھلی ہوئی تھی۔

”میں نے اس عورت کی آنکھوں میں تیرے لیے
بے حد پسندیدگی دیکھی ہے اگر وہ تجھے اپنے ساتھ چلنے کو
کہے یا شراب پینے کی آفر کرے تو منع مت کرنا۔ اس سے
راہ و رسم بڑھا کر بہت آسانی سے تجھے یہاں کے کاغذ مل
جائیں گے ایک بار یہاں کی شہریت مل جائے تو پھر جو من
مرضی ہو کرتے رہنا۔“ حاجی صاحب اسے یہاں رہنے
کے گر سمجھا رہے تھے۔

لیکن اس کا ضمیر یہ کیسے گوارہ کر لیتا کہ اپنی ترقی اور
بہتری کے لیے وہ ایک عورت کو سیڑھی بنا لے۔ کسی کے
جذبات و احساسات کا ناجائز فائدہ اٹھا کر اپنا وقت سدھار
لے اور دھوکا دے کر ایشیائیوں کی سیاہ کاریوں میں مزید
ایک سیاہ داغ کا اضافہ کرنے کا باعث بن جائے۔ ”نہیں
میں کسی کو دھوکا نہیں دے سکتا۔“

رات میں دن کا سا سماں پیدا کرتی روشنیوں میں پنسل
ہیل پر لڑکھڑاتا وجود اس کے لیے اجنبی نہیں رہا تھا۔ سستے
بار کے دروازے سے اندر آتے ہوئے اس کی گہری نیلی
آنکھوں نے سگریٹوں کے دھوئیں کے غبار میں اس اجلے
انسان کو ڈھونڈا جس کے مہذب رویے اور سلجھے انداز نے
اسے باور کرایا تھا کہ ابھی دنیا میں چند انسان موجود ہیں۔

حسب معمول جب وہ چیئر گھسیٹ کر بیٹھ گئی تو شہباز اس
کے قریب جا کھڑا ہوا۔

"میم واٹ ووڈ یو لائک ٹو ڈرنک؟" وہی معمول' وہی انداز' وہی الفاظ۔

"ٹھنگ......" اس کے تراشیدہ سرخ ہونٹ مسکراہٹ کے انداز میں پھیلے۔ شہباز اس سے نگاہ چرا کر جانے کے لیے پلٹا تو اس نے تھوڑا سا آگے کو ہو کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"آئی وانٹ یو ٹو ڈانس ود می۔" (میں چاہتی ہوں تم میرے ساتھ رقص کرو) شہباز ساکت رہ گیا۔

"بٹ میم آئی ڈونٹ نو...... ہاؤ ٹو ڈانس۔" (لیکن محترمہ میں نہیں جانتا رقص کیسے کرتے ہیں)

"آئی کین ٹیل یو...... پلیز کم ود می۔" (میں تمہیں بتاتی ہوں' پلیز میرے ساتھ آؤ) وہ پہلے ہی نشے میں دھت تھی اور اپنی بات منوانے پر مصر بھی...... شہباز یہاں اجنبی لوگوں کے درمیان کسی قسم کی بدمزگی اور خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ حاجی صاحب' یاسر اور دوسرے ساتھیوں کی معنی خیز مسکراہٹوں اور کھنکھاروں کو یکسر نظر انداز کرتا وہ لیزلی روچسٹر کے ہمراہ ڈانسنگ فلور کی طرف بڑھ گیا اور دوران رقص بہت اچھی طرح جان بھی گیا کہ رقص تو محض ایک لنگڑا بہانہ تھا' دراصل لیزلی اس کے قریب آ کر اسے خود سے روشناس کروانا چاہتی تھی۔ اپنے کندھے اور کمر کے گرد حمائل اس کے ہاتھ کے لمس کی گرم جوشی شہباز کو بہت اچھی طرح محسوس ہو رہی تھی' مگر وہ تو ایک پتھر کی مانند تھا۔ ایک سنگی دیوتا جو اپنی وجاہت کی کرشمہ سازیاں تو آزما رہا تھا مگر خود جھکنا اور محبت کے جرعے پینا جسے ناروا لگتا تھا۔ لیزلی اسے ایک شریف بزدل سمجھ کر بڑھاوا دینے کی کوشش کرتی رہی لیکن ڈانسنگ فلور پر تھرکتے شہباز کے قدموں سے لے کر اس کے ضمیر تک میں ایک پل کو کوئی لغزش یا کجی نہیں آئی تھی اور اسی طرح وہ اس کا ہاتھ تھام کر اسے بار کے دروازے تک چھوڑنے آیا تھا۔

"یو آر ناٹ ایشین۔" وہ اپنے الفاظ پر زور دیتے ہوئے بولی۔

"نو میم...... آئی ایم ایشین۔" شہباز نے یقین دلانے والے انداز میں کہا تو وہ سر جھٹکتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔ اس کے انداز اس کی آنکھوں میں شہباز کے رویے کو لے کر ایک تحیر اور بے یقینی سمٹ آئی تھی۔

"جیک لگ گیا تیرا یار......" یاسر جانے کب اس کے پاس آ کھڑا ہوا تھا۔

"ہونہہ...... تم لوگ نہیں سمجھو گے......" شہباز کندھے جھٹک کر بولا۔

"یار یہ دنیا صرف اپنا فائدہ دیکھنے کی ہے۔ تو یہاں اپنی پوزیشن پر تو غور کر۔ ال لیگل...... ہر وقت پکڑے جانے کا شدید خطرہ اور جب بھی پکڑے گئے...... بے نیل و مرام اپنے وطن کو دھکیل دیئے جائیں گے خالی ہاتھ...... خالی جیب...... یہی اپنے جو ابھی کچھ پُرامید ہوئے ہیں کچھ کھل کر سانس لینے لگے ہیں...... ہمیں اپنا ماننے سے بھی انکار کر دیں گے۔"

"مگر یاسر...... میں ایسا کوئی کام نہیں کر سکتا جس پر میرا ضمیر مجھے ملامت کرے...... اب تک میری ماں نے اپنے کندھوں کی مشقت سے ہم بہن بھائیوں کو پالا ہے ایک حرام کا لقمہ ہمارے حلق میں نہیں جانے دیا۔ پھر بھی یہاں میرا ضمیر مجھے کچوکے لگاتا رہتا ہے کہ میں شراب دوسروں کو سرو کر کے اپنے لیے روٹی کما رہا ہوں۔ اتنی محنت کے باوجود بھی مجھے یہ یقین نہیں ہو پاتا کہ یہ کمائی حلال ہے بھی یا نہیں۔ اس پر اب یہ ایک نیا ہی ڈرامہ گلے پڑ گیا ہے۔ میں یہاں کوئی دشمنی مول نہیں لینا چاہتا۔"

"دیکھو شہباز...... یہ گوروں کا ملک ہے...... یہاں کے قوانین الگ' رہن سہن جدا...... ان کے حلال و حرام کا تصور الگ ہے۔ یہاں ہم حلال اور حرام کے فلسفے میں نہیں پڑ سکتے۔ بس محنت کرو...... روٹی کماؤ' ورنہ بھوکے مر جاؤ والا اصول چلتا ہے یہاں میرے دوست۔ ہم سب تیرے دشمن نہیں ہیں یار دوست ہیں تیرے...... بھلا چاہتے ہیں تیرا۔ اب تک ایسا کبھی ہوا نہیں ہے ہم بے چاروں پر تو کبھی کسی کی نظر کرم پڑی نہیں' تیرے جیسے تیز مقدر ہمارے ہوتے تو جانے آج ہم کہاں سے کہاں پہنچے

ہوئے ''یاسر اسے اپنے ہی انداز میں سمجھانے کی کوشش کررہا تھا اور شہباز اس کی نظر دور کسی نقطے پر ٹکی ہوئی تھی اور ذہن کی تمام سوچیں ایک محور پر آن جمع ہوئی تھیں۔

''جو کچھ بھی ہے یہ سب ٹھیک نہیں ہے' لیزلی کے بڑھتے قدم اس کے لیے سرخ نشان ہیں۔ایک خطرہ......''

اسے یہاں نہیں رہنا چاہیے...... یہاں سے چلے جانا چاہیے۔مگر کہاں؟ یہ کوئی پنڈ تو تھا نہیں جہاں سے بس یا ٹرین پر سوار ہوکر وہ لاہور یا مائی باپ کراچی پہنچ جاتا جرمنی تھا' ایک انجانا ملک' انجانی سرزمین۔اجنبی لوگ اور قوانین کے نام پر آہنی شکنجے۔اسے تو یہاں کے شہروں کے نام تک نہ آتے تھے' اس کی دنیا ان تین چار ماہ میں اس بار سے شروع ہوکر اسی پر ختم تھی۔لیکن نہیں اسے اس چوہے دان سے نکلنا ہوگا' اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں تھا۔

......☯......

عید کی آمد آمد تھی۔بڑی امی نے ماہین اور دونوں بچیوں کے کپڑے دیئے تھے کہ وقت پر سی لیے جائیں۔ماہین ہر عید پر خود ہی کپڑے سیتی تھیں یا کبھی کبھی لالہ آنٹی ہادیہ اور انیقہ کے سوٹ سلائی کرکے بھجوا دیتی تھیں لیکن آج کل لالہ آنٹی کے ایف ایس سی کے پیپرز ہونے والے تھے اور جیسا کہ وہ پڑھائی کی بے حد شوقین تھیں تو آج کل ان کا زیادہ تر وقت پڑھائی میں ہی گزر رہا تھا۔ساجی ماموں سائیکل پر رمضان کی افطاری کا کچھ سامان اور کپڑے دے کر گئے تھے...... عید جیسے جیسے قریب آتی تھی ماہین کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگتے تھے' کیونکہ انیقہ کی پیدائش کے بعد سے اب تک ایک عید بھی ایسی نہیں گزری تھی جس پر عارف علی نے ہنگامہ نہ کیا ہو۔ہر بار ہی کسی معمولی سی بات پر نشے میں دھت ہوکر مغلظات بکنا اور پھر ماہین اور بچیوں کو گھر سے نکال دینا اس کا معمول تھا اور اس عید پر بہت معقول بہانہ اس کے ہاتھ آن لگا تھا۔بے جی نے اس کے کانوں میں ڈال دیا تھا کہ سب سے چھوٹے بیٹے باقر کے لیے ماہین کی دوسرے نمبر والی بہن نیلم کا رشتہ بہت مناسب رہے گا۔دوپہر کا وقت تھا سب گھر والے اپنے اپنے کمروں میں تھے جب عارف علی نشے میں لڑکھڑاتا گھر کے اندر داخل ہوا۔ماہین سامنے ہی کمرے میں فرش پر دری بچھائے سلائی مشین رکھے ہادیہ کی فراک سینے میں مصروف تھیں۔وہ جیسے ہی کمرے میں داخل ہوا ماہین نے مودب لہجے میں کھانا لانے کا پوچھا۔نفی میں جواب ملنے پر وہ اٹھ کر گئیں اور ٹھنڈا پانی لے آئیں کیونکہ عارف علی نہ تو نماز کا پابند تھا نہ ہی روزے کا...... جبکہ ماہین صوم وصلوۃ کی بے حد پابند تھیں اور بچپن ہی سے ہادیہ اور انیقہ کو بھی انہوں نے اسی طرح سکھایا تھا۔

''مجھے تم سے بات کرنی ہے۔'' پانی کا گلاس ایک ہی سانس میں چڑھا کر عارف علی ٹانگ پر ٹانگ رکھتے ہوئے بولا تو ماہین کا دل جیسے مٹھی میں آگیا۔چھٹی حس نے الارم بجادیا تھا۔عارف علی جب اس طرح بات کیا کرتا تھا تو یقیناً ایک طوفان کا پیش خیمہ ہوتی تھی اس کی یہ ابتدا۔

''جی......'' ماہین نے ایک خاموش نگاہ بستر پر سکڑی سمٹی ہوئی ہادیہ اور انیقہ کو دیکھا۔نیچی نگاہیں کیے عارف علی کو بات کرنے کا عندیہ دیتی وہ واپس سلائی مشین کے پاس جا بیٹھی تھیں۔

''بے جی نے آج صبح ایک مشورہ دیا ہے اور میرا خیال ہے کہ بہترین مشورہ دیا ہے انہوں......'' عارف علی ہنوز ادھورے جملے بول رہا تھا اور ماہین بے چین تھیں کہ وہ جلد سے جلد اپنے دماغ کی پٹاری میں سے وہ سانپ نکال کے باہر رکھ دے' جس کی پھنکاریں ان کی حساس سماعت بہت واضح سن رہی تھی۔

''بے جی کہہ رہی تھیں کہ تم خالہ جی سے باقر کے لیے نیلم کا رشتہ مانگو......'' آخرکار بلی تھیلے سے باہر آگئی۔ماہین کو تو جیسے کرنٹ ہی لگ گیا۔

''جی...... مم...... مگر یہ کیوں؟'' ان سے کچھ بن ہی نہ پارہا تھا کہ کیا بولیں اور کیسے بولیں۔

''کیوں کا کیا مطلب؟'' عارف علی نے خشمگیں نگاہوں سے ماہین کو گھورا۔''کیا کمی ہے باقر میں...... اچھا خاصا جوان گبھرو ہے روپے پیسے کی کوئی کمی نہیں...... گھر بار

ستمبر ۲۰۱۶ء کے شمارے کی ایک جھلک

الف لام میم :چناروں کی سرزمین وادی جنت نظیر کمشیر 47ء سے آگ و بارود کی زد میں ہے کوئی دن ایسا نہیں جاتا جب وہاں سے خواتین، بچوں، نوجوانوں اور بوڑھے افراد کی شہادت کی خبریں نہ آتی ہوں، بھارتی فوج کے تمام تر مظالم کے باوجود ہر گزرتے دن کے ساتھ آزادی کی تحریک توانا ہوتی جا رہی آزادی کے خواب کی تعبیر قریب سے قریب آتی جا رہی ہے کشمیریوں کو یقین ہے کہ آزادی کا سورج اب طلوع ہونے کو ہے۔

ایک سو سولہ چاند کی راتیں: یہ ناول 1947ء کی ایک کہانی پر مبنی ہے اس ناول کا پلاٹ، اس کے تمام کردار تقریباً 69 سال قبل کے یہ محبت کی ایک کہانی ہے جس نے Partition سے ایک سو سولہ دن قبل جنم لیا، انڈو پاک کی تقسیم جب ہونے جا رہی تھی اس محبت کی کہانی دوران اپنا سفر شروع کیا۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت کچھ

سونا زیور ہر چیز تو ہے اور کیا چاہیے ہوتا ہے ایک عورت کو۔

”وہ مم...... میرا مطلب ہے باقر نے کچھ زیادہ پڑھا نہیں ہے۔“ ماہین کو لگا کہ ان کے پاس ایک معقول جواز آ گیا۔

”اچھا...... آ......“ اچھا کو خاصا لمبا کرتے ہوئے طنزیہ نظروں سے ماہین کے چہرے کا احاطہ کیا۔ ”تو تمہاری بہن کہاں کی ڈاکٹری لگی ہوئی ہے یا ڈپٹی کمشنر کا کورس کرکے بیٹھی ہے۔ ہے تو اسی پھٹیچر ماسٹر ظہیر کی اولاد...... یہ بھی ہمارا احسان سمجھو جو اسے اس گھر کی بہو بنانے کا ہم نے سوچا ہے...... پورے حسن ابدال میں کاظمیوں کی ٹکر کا خاندان نہیں ہے سیدوں کا۔“ عارف علی اپنی ذات کے زعم میں بولے گیا۔ ماہین کی ہتھیلیاں پسینے سے تر ہو گئیں۔ انہیں بے جی پر شدید غصہ آ رہا تھا جنہوں نے عارف علی کی نفسیات کو اچھی طرح جانتے ہوئے بھی اس کے کانوں میں ایسی بات ڈالی جبکہ بہت اچھی طرح جانتی تھیں کہ ماہین اس گھر میں خوش نہیں تھی...... کیا والدین اتنے ہی احمق ہوتے ہیں کہ وہ یہ دیکھے بنا کہ ان کی ایک بیٹی اس گھر میں اذیت اور تکلیف میں ہے دوسری بیٹی کو بھی اسی کنویں میں دھکیل دیں۔ پیسہ، دولت، جائیدادیں ہی تو سب کچھ نہیں ہوتا۔

عارف علی اور اس کے گھر کے افراد کو کچھ اندازہ نہیں تھا کہ ماہین ان کے گھر کی چار دیواری میں کس قدر گھٹ گئی تھی۔ اسی گھٹن کے ماحول میں وہ اپنی دو بچیوں کو بھی پال رہی تھیں تو کیا وہ یہ گوارا کرسکتی تھیں کہ اس کی چھوٹی بہن بھی اس ماحول میں آ کر گھٹن اور اذیت کا شکار ہو جائے۔ وہ خوش ہوتی تو شاید خود آگے بڑھ کر لالہ اور نیلم کا رشتہ کرواتی اپنے دونوں دیوروں کے ساتھ لیکن اب وہ ایسا نہیں ہونے دینا چاہتی تھی۔

”نیلم...... اب...... ابھی پڑھ رہی ہے......“ ایک اور عذر تراشا۔

”تو......؟ ابھی منگنی کرلیں گے اس کی پڑھائی پوری ہوتے ہی شادی......“ عارف علی شاید اپنی ماں کے پاس سے اچھی طرح سمجھ بوجھ کر آیا تھا۔

”لیکن میرا خیال ہے امی جی نہیں مانیں گی۔“ آخرکار ماہین نے سیدھے سبھاؤ بات کرنے کا فیصلہ کیا۔

”کیوں...... اور یہ عذر جو تم مجھے دے رہی ہو تو بہتر ہے کہ انہیں ایک طرف رکھو اور اپنی ماں کو بھی سمجھاؤ کہ سیدھی طرح ہاں کردیں ورنہ عارف علی کی ضد تو تم سب جانتے ہی ہو۔“ پہلی بار ماہین کی دی جانے والی توجیہات اور جواز نے عارف علی کے ماتھے کے بلوں میں اضافہ کردیا۔

”آپ بھی تو جانتے ہیں امی جی کے غصے کو...... چچی ہیں وہ آپ کی وہ بھی ایک بار جو کہہ دیتی ہیں ایک قدم پیچھے نہیں ہٹتیں اور اس گھر میں وہ کیسے اپنی بیٹی دے سکتی ہیں......“ ماہین کہہ کر پچھتائیں...... کیونکہ اس بات سے عارف علی کو تو جیسے پتنگے ہی لگ گئے تھے۔

”اچھا...... کیوں اس گھر میں چھوت کے مریض رہتے ہیں یا ہم لوگ انسانوں کی فہرست میں شمار نہیں ہوتے، ہمارے سینگ نکلے ہوئے ہیں یا چار ٹانگوں والے چوپائے ہیں ہم۔“

”نن...... نہیں...... میں نے ایسا تو نہیں کہا۔“

”تم نے یہ کہا ہے کہ اس گھر میں کیسے دے سکتی ہیں وہ رشتہ یعنی کمی اور خرابی اس گھر اور گھر کے رہنے والوں میں ہوئی ناں۔ ہمیں نیچ اور کمینہ سوچ رکھا ہے تمہاری ماں نے...... ہم نے تو آج تک اسے دوسرا بیاہ رچانے پر کوئی طعنہ نہیں دیا اور وہ ہمارے شجرۂ نسب پر جرح کرنے کو بیٹھی ہے۔“ عارف علی کے منہ سے کف نکلنے لگا۔

”دیکھیں آپ امی جی کے لیے اس لہجے میں اور ایسے الفاظ میں نہ بولیں۔“ ماہین نے پُراذیت لہجے میں کہا۔ جانتی تو تھیں کہ انہوں نے تلملائے ہوئے ناگ کے پھن پر بے خبری میں ہاتھ رکھ دیا ہے۔ اب ڈسے جانا تو ان کا مقدر تھا ہی۔

”اچھا جی...... تمہاری امی ہمیں چھلنی میں ڈال کر چھانتی پھرے اور ہم بات بھی نہ کریں۔ کیا میں نہیں جانتا

کہ کیسی تربیت کی ہے اس عورت نے اپنی بیٹیوں کی کالجوں میں جاتی ہیں پڑھنے...... بال کٹوا رکھے ہیں' فیشن کے کپڑے ایسے پہنتی ہیں جیسے سارے زمانے میں اپنی نمائش لگوانی ہو۔" روایتی عورتوں کی طرح طعنے دیتا عارف علی اس وقت بالکل ہی سطحی اور عامیانہ لگ رہا تھا۔

"اگر ایسی ہی بری ہیں میری بہنیں تو آپ اور آپ کی ماں دوبارہ سے رشتہ کس لیے مانگ رہے ہیں۔" ماہین کو بھی غصہ آ گیا۔ وہ بہت اچھی طرح جانتی تھیں کہ ان کی ماں نے ان کے سب بہن بھائیوں کی تربیت میں کس طرح خود کو ختم کر دیا تھا۔ وہ ایک عورت نہیں مرد بن کر جیتی رہی تھیں۔ بغیر کسی سہارے کسی مدد کے انہوں نے اپنے بچوں کو مشقت سے پالا اور یہاں تک پہنچایا اور عارف علی بے بنیاد بات کی وجہ سے انہیں اس طرح باتیں سنا رہے تھے۔

"بے جی کے بارے میں ایک لفظ نہیں سنوں گا میں۔"

"میں نے ایسا کچھ بھی نہیں کہا صرف یہ کہہ رہی ہوں کہ وہ بہت اچھی طرح ہر بات کو جانتی سمجھتی ہیں پھر انہوں نے آپ کے کان میں یہ بات کس لیے ڈالی؟"

"کیا مطلب ہے یہ سب جانتی سمجھتی ہیں......؟ کیا مطلب ہے اس بات سے تمہارا؟" عارف علی ہتھے سے اکھڑا۔

"یہی کہ اگر میں اس گھر میں خوش ہوتی تو وہ خود باقی دونوں کو اسی گھر میں بیاہ دیتیں۔" ماہین نے اپنی بات مکمل کی تو عارف علی کو گویا کسی نے جلتے تنور میں پھینک دیا۔

"اچھا...... تم خوش نہیں ہو ایسا کیا تمہیں اوکھلی میں پھنسایا ہوا ہے' کیا کھانے پینے کو نہیں ملتا' پہننے اوڑھنے کو نہیں ملتا تمہیں...... یہی پڑھی لکھی عورتوں میں خرابی ہوتی ہے' کسی حال میں خوش نہیں رہتیں...... اگر حقیقت دیکھوں تو میرے کس کام کی ہو تم...... یہ دو دو پہاڑ پیدا کر کے رکھ دیے میرے لیے اور ایک بیٹا تک نہیں دے سکیں تم۔" ہادیہ اور انیقہ کی طرف حقارت سے دیکھتے ہوئے عارف علی نے ماہین کو طعنہ دیا۔

"یہ میرے اختیار کی بات تو نہیں۔" ماہین کی آنکھوں میں نمی آ گئی۔

"ہاں زبان چلانا تو ہے ناں تمہارے اختیار میں' منہ پھاڑ کر شوہر کے کہے کی خلاف ورزی کرنا تو ہے ناں تمہارے بس میں۔"

"میں خلاف ورزی نہیں کر رہی صرف یہ بتا رہی ہوں کہ ایسا نہیں ہو سکتا...... امی جی کبھی راضی نہیں ہوں گی۔"

"ہاں تو ٹھیک ہے۔ پھر ان سے کہو جو بیٹی دی ہوئی ہے اسے بھی اپنے پاس بٹھا لیں' اس کی بھی ہمیں ضرورت نہیں ہے' ویسے بھی اس گھر کے لوگوں سے تمہیں شکایات ہیں' آرام سے ماں کے پاس جا کر بیٹھو۔" عارف علی کٹھور لہجے میں بولا۔

"دیکھیں...... عید قریب ہے...... ایسا مت کریں...... امی جی پہلے ہی بہت پریشان ہیں میں اپنی وجہ سے انہیں مزید پریشان نہیں کرنا چاہتی۔" ماہین نے روتے ہوئے ہاتھ جوڑے۔

"فیصلہ تو ہو گیا یا تو نیلم کا رشتہ یا پھر تم بھی سدھارو یہاں سے' ہمیں ایسے رشتے نہیں چاہئیں جو دل ہی دل میں ہمیں برا سمجھتے رہیں...... تم بھی تو خوش نہیں ہو ناں میرے ساتھ...... یقینی بات ہے کہیں اور ارادہ ہوگا تمہارا...... ماں نے زبردستی پکڑ کر میرے کھونٹے سے لا باندھا...... خیر اب بھی کچھ نہیں بگڑا...... اپنے دل کے ارمان تو اب بھی پورے کر سکتی ہو تم......" عارف علی سرخ آنکھوں میں خشونت بھرے بنا سوچے سمجھے بولے جا رہا تھا آواز اتنی بلند تھی کہ پاس کے کمرے سے بڑے بھیا' بڑی بھابی بھی اٹھ کر آ گئے تھے۔

"آپ...... آپ اب مجھ پر الزام لگا رہے ہیں۔"

"الزام کیسا؟ ابھی خود ہی تو کہا ناں تم نے...... تم خوش نہیں ہو یہاں۔"

"میرا یہ کہنے کا مطلب نہیں تھا میں تو......"

"مطلب جو بھی ہو...... سیدھی صاف بات یہ کہ یا تو

میری ماں کا کہا پورا کرو یا پھر ابھی چلتی پھرتی نظر آؤ۔ یہ گھر اور اس گھر کے لوگ برے ہیں تو تم جیسے عالی مرتبہ لوگ کس طرح یہاں وقت گزاریں بھلا۔"

"نہیں...... میں کہیں نہیں جاؤں گی......" ماہین نے انکار کیا تو عارف علی طیش سے بپھر ہی تو گیا۔ اس نے کمرے کی چیزیں اٹھا اٹھا کر باہر برآمدے میں پھینکنی شروع کردیں۔ بڑے بھیا نے سمجھانے کی کوشش کی کہ یہ سب جو کچھ تم کررہے ہو فضول ہے ایک نئے رشتے کے لیے اپنے بنے بنائے پرانے تعلق کو بھینٹ چڑھا دینا کہاں کی شرافت ہے لیکن عارف علی نشے اور اپنے غرور کے زعم میں کچھ بھی سمجھنے کو تیار نہ تھا۔ ماہین کا سامان اٹھا کر باہر پھینکتے پھینکتے ہانپنے لگ گیا۔ ماں بہن کی گالیاں' کوسنے ماہین ایک طرف چپ چاپ کھڑی سب دیکھ اور سن رہی تھیں اور خاموش آنسو ان کے گالوں پر بہہ رہے تھے۔ آخری چیز جو عارف علی کے ہاتھ میں آئی وہ ماہین کا برقع تھا۔ اس نے ایک طرف کھڑی ماہین کے پیروں میں وہ برقع پھینک دیا۔

"یہ اٹھاؤ...... پہنو اور یہاں سے چلی جاؤ۔ اور ہادیہ اور انیقہ تمہارے ساتھ نہیں جائیں گی۔ یہیں رہیں گی بے جی اور بھابی کے پاس۔ میں تم جیسی عورت پر بھروسہ نہیں کرتا کہ اپنی بیٹیاں تمہیں دے دوں اور تم انہیں بھی وہی تربیت دو جو تمہاری ماں نے تمہاری اور تمہاری بہنوں کی' کی ہے۔"

"ہوش کرو عارف...... تم کیا کہہ رہے ہو۔ جھگڑا نمٹانے کی کوشش کرو۔ اتنی سی بات کا اتنا فساد کیوں بنا رہے ہو...... بیٹے والوں کا کام رشتہ مانگنا ہوتا ہے' بیٹی والے مناسب سمجھیں دیں' نہ مناسب سمجھیں انکار کردیں۔ یہ رشتے دھونس اور جبر سے نہیں طے کیے جاتے۔ اپنا بسا بسایا گھر کیوں برباد کرتے ہو بیٹیوں والے ہو کچھ احساس کرو۔" بڑے بھیا نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"بڑے بھیا آپ بہت سائیڈ لیتے ہیں ناں اس کی پوچھیں اس سے کیا کمی ہے یہاں؟ کس چیز کی کمی ہے اس گھر میں' کیوں خوش نہیں ہے یہ یہاں؟" عارف علی غصے کی انتہاؤں کو چھو رہا تھا۔

"ماہین کو ناخوش کرنے والی جو بھی چیزیں ہیں جو بھی مسائل ہیں ان سے تم لاعلم نہیں ہو عارف علی۔ بہت اچھی طرح جانتے اور سمجھتے ہو یہ الگ بات کہ مانتے نہیں۔ بہر حال جس بات کو بنیاد بنا کر تم جھگڑا بڑھا رہے ہو یہ کسی طور مناسب نہیں۔" بڑے بھیا نے حتی الامکان اپنے لہجے کو نارمل رکھ کر سمجھانے کی کوشش کی وگرنہ دل تو بے طرح چاہ رہا تھا کہ حقیقت کا آئینہ عارف علی کے سامنے اٹھا کر رکھ دیں کہ دیکھو اپنی اصل صورت...... اپنی مردانگی اور دولت کے زعم میں تم اپنی پڑھی لکھی باعزت باکردار بیوی اور پھول سی دو بیٹیوں کو کس طرح سانس سانس مرنے پر مجبور کررہے ہو...... اسی گھر میں ہر فرد سکون اور خوش حالی میں جی رہا ہے...... عیاشی سے خرچ کررہا ہے اپنی مرضی کا پہن اوڑھ رہا ہے' اور تم...... تمہیں تو آج تک یہ بھی جاننے کی زحمت نہیں ہوئی کہ کیا تمہارے بیوی بچوں کو کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟ وہ اسی گھر میں تمہارے ہوتے ہوئے بیوہ اور یتیموں جیسی زندگی کیوں گزار رہے ہیں' ان کی ضروریات' ان کی خواہشات کا خیال کس نے کرنا تھا' مرے پر سو درے تمہارا نشے کی حالت میں ان کے سامنے آنا...... بیوی تو جیسے تیسے سہہ ہی جائے گی تمہاری معصوم بچیاں کیا سوچتی ہوں گی...... تمہاری کیسی تصویر ان کے ذہنوں کے حساس گوشوں میں محفوظ ہورہی ہوگی۔" وہ یہ سب کہنا چاہتے تھے مگر جانتے تھے کہ خاموشی بہتر ہے۔ ایسی جگہ جہاں آپ کی بات کی کوئی وقعت وحیثیت نہ ہو وہاں بات کرکے گنوانے سے بہتر ہے خاموشی اختیار کرلینا۔ اور وہ تو ویسے بھی کسی کے معاملے میں کبھی کچھ بھی نہیں بولتے تھے۔ ایک چھوٹا سا فارم تھا ان کا چند گائے بھینسیں...... دن رات بس وہ انہی کاموں میں مصروف رہتے...... اکثر عارف علی جب ماہین اور بچیوں کو گھر سے نکال دیتا تو بڑے بھیا ننھی ہادیہ کا ہاتھ تھامے انیقہ کو بازوؤں میں اٹھائے بڑی امی کے گھر چھوڑ کر آتے۔ اب تو بچیاں بھی بڑی ہوگئی تھیں لیکن

عارف علی کی ناعاقبت اندیشی وقت کے ساتھ کم ہونے کی بجائے دن بدن بڑھتی ہی جارہی تھی اور حسب معمول اس جھگڑے کا نتیجہ بھی عارف علی کے حق میں ہی نکلا لیکن اس بار ایک بہت بڑی تبدیلی بھی آئی جس نے ماہین کی روح تک کو جھلسا دیا تھا۔ اس بار عارف علی نے ہادیہ اور انیقہ کو ان سے چھین کر اپنے پاس رکھ لیا تھا اور ماہین کو سامان سمیت گھر سے نکال دیا تھا۔

"سب کچھ رکھ لو مگر میری بچیاں مجھے دے دو۔ مجھے کچھ بھی نہیں چاہیے۔ میری بچیاں مجھے دے دو بس۔" برقع اوڑھے ڈیوڑھی کے پاس کھڑی ماہین کی التجائیں آج بھی ہادیہ کی سماعتوں کو زخمی کردیتی تھیں۔

وہ بلک بلک کر رو رہی تھیں اور سہمی ہوئی بیٹیاں ماں کے آنسوؤں کے ساتھ آنسو بہا رہی تھیں۔ بے بسی سے کبھی غصے میں بپھرے ہوئے باپ اور کبھی التجائیں کرتی ہوئی ماں کو دیکھ رہی تھیں اور پھر ان کی آنکھوں کے سامنے آہ وفغاں کرتی ماں بیرونی دروازے سے نکل کر ان کی نگاہوں سے اوجھل ہوگئی تھی۔ وہ ایک کونے میں دبک گئیں۔ ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑے ایک دوسرے کو سہارا دیتی ہر چیز پر اجنبیت سرد مہری اور بیگانگی کے سائے ڈھونڈتی اپنی ماں کے لیے بے چین ہوکر آنسو بہا رہی تھیں۔

"کہاں گئی ہیں ماں کی لاڈلیاں۔" عارف علی کی دھاڑ سے دونوں مزید سہم گئیں۔ وہ کمرے میں آگیا تھا۔

"ایک بات کان کھول کر سن لو مجھے کوئی روتا دھوتا دکھائی نہ دے۔ یوں سمجھو مرگئی تمہاری ماں۔ بہت اکڑ ہے اسے اپنی تعلیم کی۔ جاکے بیٹھے اپنی ماں کے گھٹنے سے لگ کر اور خبردار میں نہ سنوں تم لوگوں نے ماں سے کسی بھی قسم کا کوئی رابطہ کیا یا اس سے ملنے کی خواہش بھی کی۔ آج کے بعد اس کے بغیر رہنے کی عادت ڈال لو۔" وہ اپنی کہہ کر رکا نہیں اس کے باہر جاتے ہی انیقہ بلک بلک کر رونے لگی۔ وہ ماہین سے بہت زیادہ اٹیچ تھی۔ سوتی بھی ان کے ساتھ تھی۔

"ہادی...... ہم نے ابو کے پاس نہیں رہنا...... میں نے امی کے پاس جانا ہے۔ مجھے امی کے بغیر نیند نہیں آتی۔"

"انیقہ تم نے سنا نہیں ابو نے کیا کہا امی کا نام بھی نہیں لینا...... ورنہ پھر ماریں گے ابو۔" ہادیہ نے بردباری سے انیقہ کو تھپکتے ہوئے کہا۔

"یہ ہمارے ابو نہیں ہیں ابو ایسے ہوتے ہیں کیا؟ اتنے برے اللہ جی ہمارے ابو ہمیں بالکل بھی اچھے نہیں لگتے آپ ان کو اپنے پاس بلالیں ناں...... پھر ہم اپنی امی کے پاس چلے جائیں گے۔"

"شی...... چپ...... ایسے نہیں کہتے امی ابو دونوں بہت ضروری ہوتے ہیں۔ یہ کہو کہ ہماری امی کو ہم سے ملادیں اللہ پاک...... ہم امی کے بغیر نہیں جی سکتے۔" انیقہ کو سمجھاتے سمجھاتے ہادیہ بھی رو پڑی تھی۔

وہ پہلی رات تھی جو ہادیہ اور انیقہ نے ماہین کے بغیر کاٹی تمام رات انیقہ کسمساتی کروٹیں بدلتی رہی اور ہادیہ چپکے چپکے سسکتی رہی۔ تائی امی نے بہت پیار سے کھانا دیا مجھلی چچی جن کی ابھی نئی نئی شادی ہوئی تھی۔ انہوں نے بھی ایک دو بار آکر تسلی دلاسا دیا تھا۔ مگر ہادیہ اور انیقہ کے لیے ان کی ماں ہی تو سب کچھ تھی ایک ایسا مہربان سایہ جس کے دور ہوجانے کے بعد ان کے ننھے دل بے طرح بے تاب و بے قرار اور بے اماں ہوگئے تھے۔ انہیں چاروں طرف اندھیرا سا دکھائی دے رہا تھا۔ اس گھر کے کسی چہرے سے مانوس نہیں تھیں وہ...... بس ہر رشتے ہر تعلق کے حوالے سے ایک ڈر ایک خوف ایک ہولناکی کا احساس تھا ان کے دل میں۔ اپنی ماں کی آغوش میں چھپ کر آج تک انہوں نے خود کو بہت محفوظ سمجھا تھا اور وہی آغوش اب ان سے چھن گئی تھی۔ زندگی سے محبت کا اجلا پن رخصت ہوگیا تھا۔ دکھ اور درد کی کثافت نے ان کی روحوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ ایک دوسرے کے وجود میں تسلی اور سکون ڈھونڈتی وہ اس قدر پریشان تھیں کہ ان کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ ماہین کو گھر سے نکال کر

عارف علی نے خوب سکون سے کمرے میں بیٹھ کر شراب کا
دور پورا کیا۔ دو بوتلیں چڑھا کر اب بستر پر بے ہوش پڑا
تھا۔ بے جی نے ہادیہ کو بلایا۔
"ہادیہ...... ادھر آؤ جا کر باپ کو کھانا دے کر آؤ۔ کتنی
دیر سے وہ کمرہ بند کیے پڑا ہے۔" ہادیہ کانپتے ہاتھوں میں
ٹرے تھامے کمرے کے دروازے پر کچھ دیر کھڑی ہمت
باندھتی رہی پھر آہستہ سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔
پورا کمرہ دھوئیں اور بدبو سے بھرا ہوا تھا۔ شاید کچھ دیر پہلے
عارف علی کو اوور ڈرنک کی وجہ سے قے بھی آئی تھی۔ بستر
پر اس کے کپڑے اور نیچے فرش پر غلاظت بکھری پڑی تھی۔
اسے ابکائی سی آ گئی۔ اپنی نفیس، سگھڑ اور باشعور ماں یاد
آ گئی۔ اس ماحول میں ایسے شخص کے ساتھ اپنی زندگی کا
سب سے قیمتی دور گزارا تھا انہوں نے۔
"ابو...... ابو...... کھانا......" بمشکل تمام اس کے لبوں
سے کچھ ٹوٹے پھوٹے الفاظ آزاد ہوئے۔ مگر بے سدھ
پڑے وجود نے کوئی حرکت نہ کی۔
"ابو......" قدرے بلند آواز میں پکارا۔ مگر ہنوز جواب
ندارد...... ہادیہ میں اتنی جرأت نہ تھی کہ عارف علی کا کندھا
ہلا کر اسے جگاتی۔ اس نے ٹرے ٹیبل پر دھری اور چپ
چاپ کمرے سے نکل آئی۔
"دادو...... ابو سو رہے ہیں...... میں نے آوازیں دیں
مگر نہیں جاگے۔" اس نے دھیمے سے لہجے میں کہا۔
"اب یہ الگ مصیبت گلے پڑ گئی ہے۔ تمہارے
باپ کو سنبھالنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔" وہ تلملائی
ہوئی تھیں ایک بار پھر ماہین کا خاموش وجود اس کی
آنکھوں میں در آیا۔
خاموشی سے سب کی خدمت کرتی، سب کے کام آتی
وہ بے ضرر سی عورت...... بہت شوہر پرست بھی تھیں
وہ...... نشے میں دھت گرتے پڑتے عارف علی کو ہمیشہ
آگے بڑھ کر سہارا دینے والی۔ نشے کی زیادتی کے باعث
جب وہ قے کرتے، بیمار ہوتا تو ایسے وقت میں سگی ماں تک
اس کے کمرے میں نہ جھانکتی تھیں اور ماہین خاموشی سے
اس کی پھیلائی غلاظت صاف کرتیں اس کے کپڑے
بدلواتا، اس کا حلیہ ٹھیک کرنا، وقت بے وقت اس کی مرضی
کے مطابق اسے کھانا کھلانا...... یہ سب کچھ وہ اتنی خاموشی
سے کیا کرتیں کہ کسی کو خبر تک بھی نہ ہوتی کہ وہ اس گھر اور
گھر کے افراد کے لیے کس قدر ضروری اور اہم ہیں۔ کتنی
ہی بڑی دعوت ہوتی، باقی بھابیاں اوپر کے کام کی دیکھ ریکھ
کرتیں اور چولہے کا سارا کام ماہین کے سپرد کر دیا جاتا۔
ماتھے پر ایک بھی تیوری لائے بنا وہ بڑے بڑے دستر خوان
مہارت سے سجا دیا کرتیں۔ ہادیہ خاموشی سے تائی امی کے
کمرے میں آ گئی۔
جب سے امی گئی تھیں تائی امی نے اسے اور انیقہ کو
اپنے کمرے میں سلانا شروع کر دیا تھا۔ اور تایا ابو...... وہ تو
تھے ہی بہت پیارے...... بچپن سے ہادیہ کو مردوں کے
وجود سے بہت خوف آتا تھا...... لیکن صرف ایک تایا ابو تھے
جن سے بے حد پیار تھا اسے...... جب کبھی بھی اسے
دمے کا دورہ پڑتا تایا ابو اسے اپنے کندھوں پر اٹھا کر ڈاکٹر
کے کلینک لے جاتے اور جب تک وہ ٹھیک نہ ہو جاتی وہ
سخت بے چین رہتے۔ امی کے جانے کے بعد سب سے
زیادہ تایا ابو نے انہیں بہلایا تھا اور ان کا خیال رکھا تھا۔
انیقہ کو ہلکا ہلکا بخار تھا۔ ہادیہ اس کے قریب بیٹھی اس کا
سر دبا رہی تھی۔ دو دن سے انیقہ نے کچھ کھایا پیا بھی نہیں
تھا۔ رات رات بھر بستر پر کسمساتی رہتی تھی ڈھنگ سے
سوتی ہی نہ تھی نتیجے کے طور پر بخار ہو گیا۔ بخار کی وجہ سے
چڑچڑی انیقہ کسی کے ہاتھ سے دوا پینے کو تیار نہیں تھی۔ وہ
دوا لینے میں چور تھی۔ ماہین جانے کس طرح جتن کر کے
لاڈ اٹھا کر اسے دوا دیا کرتی تھیں۔ تائی امی نے اسی طرح
اسے پیار سے دوا دینے کی کوشش کی مگر دوا اس کے حلق
سے نہ اتری۔ پانی نگل لیا اور گولی منہ کے اندر ہی گھومتی رہ
گئی۔ ہادیہ بے حد پریشان تھی۔ آج دوسرا دن تھا۔ عارف
علی کمرے سے نہیں نکلا تھا۔ گھر کے سب افراد کو تشویش تو
تھی مگر اس کی عادت کا اندازہ ہونے کے باعث کسی نے
کمرے میں نہ جھانکا۔ یہ دو دن وہ اسکول بھی نہیں گئی

تھیں۔ کافی دیر بے چین رہنے کے بعد انیقہ کو نیند آ گئی تھی۔ وہ سوئی تو ہادیہ بھی اس کے قریب لیٹ گئی۔ اس کے ذہن میں بہت سی پرانی باتیں ایسے ابھرنے لگیں گویا کسی نے ساکن جھیل میں پتھر پھینک دیا ہو۔ اس نے کہیں پڑھا تھا۔

پہلا بچہ اپنی پیدائش کے ساتھ اپنی ماں کے تمام خوف' درد' دکھ اور نازک احساسات لے کر دنیا میں آتا ہے اور ہادیہ ایسی ہی تھی بے انتہا بزدل' ڈرپوک' اونچی آواز سے سہم جانے والی' اندھیرے سے خوف زدہ ہو کر خود میں سمٹ جانے والی......اور پھر کچھ ماحول اس کو ایسا ملا کہ وہ خود میں ہی سمٹتی چلی گئی۔ ففتھ کلاس سے ہی اسے ڈائری لکھنے کی عادت پڑ گئی۔ وہ کسی سے کچھ بھی نہیں کہتی تھی اپنے دل کی ہر بات ڈائری میں لکھ دیتی۔

''پیاری ڈائری' آج پتہ ہے کیا ہوا......؟ اور پھر ہر واقعہ' ہر درد' ہر خوف' ہر شکایت' ہر احساس' ہر خواہش' ہر حسرت الفاظ کی صورت صفحہ قرطاس پر بکھیرتی چلی جاتی۔ اپنی روح کو پُرسکون کرنے کا اس نے یہی طریقہ ڈھونڈ لیا تھا۔ کیونکہ اپنے درد اپنی حسرتیں ماں کے سامنے بیان کر کے وہ ان کے لیے اذیت کا سامان نہیں بننا چاہتی تھی اور اب تو وہ مہربان دامن بھی اس سے چھن گیا تھا۔

اسے وہ دن یاد آئے جب عارف علی نے شدید غصے کے عالم میں خود پر خنجر سے وار کر کے خود کو زخمی کر لیا تھا۔ پولیس اسے پکڑ کر لے گئی اور اس پر خودکشی کا چارج لگوا کر منجھلے چچا نے اسے جیل میں بند کروا دیا تھا۔ ایک سال تک عارف علی جیل میں رہا تھا۔ اس پورے سال اس نے دو ہستیوں کو عارف علی کے لیے بے چین دیکھا تھا ماہین اور تایا ابو...... ہر پیشی پر ڈھیروں ڈھیر سامان سے لدے پھندے تایا ابو عارف علی کی مزاج پرسی کے لیے جیل جاتے تھے' اس سے ملنے اور عارف علی کے کپڑے دھو کر استری کر کے تیار کرنا بہت سے اچھے اچھے کھانے اور مٹھائیاں اپنے ہاتھوں سے تیار کر کے اس کے لیے بھجواتی ماہین یکسر بھول جاتی تھیں کہ اس شخص کا سلوک اس کا ان کے ساتھ روا رکھا گیا تھا۔

پھر ہادیہ کو وہ وقت بھی یاد آیا جب عارف علی ہیروئن کا عادی ہو گیا تھا۔ اس کے بھائیوں نے اسے چارپائی کے ساتھ باندھ کر مارا تھا۔ تب بھی ماہین درمیان میں آ گئی تھیں اور درخواست کی تھی کہ ان کی خاطر ہی سہی عارف علی کا علاج کروایا جائے کسی Rehabilition center میں انہیں ایڈمٹ کروایا جائے۔ ماہین کی خاطر بڑے چچا اور منجھلے چچا نے عارف علی کو دو ماہ کے لیے ایک سینٹر میں ایڈمٹ کروا دیا۔ وہاں سے جب واپس آیا تو پہچان میں ہی نہ آتا تھا۔ نکھری ہوئی رنگت قدرے بہتری کی طرف مائل صحت' سب گھر والوں خصوصاً ماہین کے لیے بے حد خوش آئند تھی۔ لیکن یہ خوشی زیادہ دیر تک قائم نہ رہ پائی تھی۔ چند دن بعد ہی عارف علی دوبارہ پہلی روش پر لوٹ گیا اور پہلے سے کہیں زیادہ بری حالت کا شکار ہو گیا۔ اس کے باوجود ہادیہ کو یاد تھا کہ ماہین نے کبھی بھی عارف علی کی خدمت میں کوتاہی نہ کی تھی اول روز کی طرح وہ اس کی خدمت میں ہر پل ''حاضر ہوں'' کی علامت بنی ہوئی تھیں۔ آج تک...... ابھی تک...... اب جب کہ وہ ان سب کی زندگیوں سے نکل گئی تھیں...... وہ سراپا محبت تھیں...... سراپا احساس تھیں...... ہادیہ کی پلکوں سے دو گرم گرم آنسو اپنی ماں کی بے لوث محبت اور بے غرض خدمت کی توہین پر نکلے تھے اور گالوں پر نشان بناتے گم ہو گئے تھے۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

سہیلی

عالیہ حرا

وہ خاصی دور تھی۔ سنڈے بازار میں خریداری کے دوران کسی بچے کے کپڑے خرید رہی تھی اس کے پہلو میں آٹھ سات سال کا بچہ کھڑا تھا۔ خاصی بدل گئی تھی بے حد دبلی' گورا رنگ قدرے کم ہوگیا تھا۔ آنکھوں کے نیچے حلقے تھے مگر وہ ہما ہی تھی۔ نبیلہ کو اسے پہچاننے میں چند منٹ لگے۔ اف وقت انسان کو کتنا بدل دیتا ہے خاصے عرصے بعد اس کو دیکھا تھا۔ آخری دفعہ اس کی مایوں پر۔ زرد پیلے کپڑوں میں گیندے چنبیلی موتیا اور گلاب کے گجروں کے ساتھ کتنی خوش تھی وہ۔ اس کی آنکھوں میں ولید کے خواب تھے ہتھیلیوں میں ولید کے نام کی مہندی سجنے والی تھی۔ وہ اپنی شادی پر بہت خوش تھی۔ اس کے زور دینے پر سہیلیوں کے درمیان اس نے بھنگڑا ڈالا تھا اور پھر شرما گئی تھی۔

اپنی گود میں سوئے فراز کو تنویر کو دیا۔

''ابھی آئی۔ میری پرانی بچھڑی دوست ہے وہ۔'' نبیلہ نے بے چینی سے کہتے ہما کی طرف اشارہ کیا۔

''ولیں گئے...... دو گھنٹے۔''

''فراز کو سنبھالیں' تین بھی لگ سکتے ہیں۔'' شرارت سے کہتی اور آگے بڑھی' دوسرے لمحے ٹھٹکی۔ ہما اپنی جگہ پر نہیں تھی۔

''اوہ......'' بے تابی سے ادھر ادھر دیکھا۔ ہما اسے بہت عزیز تھی۔ اس کی مایوں مہندی ہی اٹینڈ کرسکی تھی۔ مہندی کے اگلے دن گیپ تھا سب کو پارلر کے لیے وقت جانا تھا مگر یہ پارلر بھی نہ جاسکی۔ اسلام آباد میں نانو کا انتقال ہوگیا تھا۔ انہیں فوراً جانا پڑ گیا۔ ماما کی وجہ سے دو ماہ وہاں گزارنے پڑے۔ واپسی پر پرانے گھر آنے کے بجائے نئے گھر میں شفٹ ہوئے پھر وہ ہما سے مل ہی نہ سکی۔ زندگی بہت مصروف ہوگئی اور اس نے پلٹ کر پیچھے نہیں دیکھا۔

اگلی بار اسلام آباد گئی تو اس کا رشتہ طے ہوگیا۔ کارڈ دینے ہما کے گھر آئی تو اس کے بھائی نے بے رخی و بدتمیزی سے باہر سے ہی ٹال دیا۔ مڑ کر سامنے ولید کے گھر آئی تو وہاں تالا لگا تھا۔ ہما کے بھائی ریحان کو اس سے شروع سے بیر تھا پھر وہ دوبارہ جا نہ سکی۔ شادی کی مصروفیات شاپنگ شادی اور پھر آسٹریلیا کی جانب کوچ کرنا۔ درمیان میں دو بار پاکستان بھی آئی مگر ہما سے ملاقات نہ ہوسکی۔ ادھر ادھر دیکھتی نظریں ہما کو تلاش کر رہی تھی۔ اس بار کافی عرصے بعد پاکستان آئی تھی۔ قسمت میں ہما سے ملنا لکھا تھا وہ بچپن کے دن اسکول کالج کے کارنامے وہ محبت نامہ۔ وہ شاعری کرنا بے تکان بولنا۔ وہ محبت کی کشتی اور پیار کا دریا...... ہما کے بعد کبھی دوست ہی نہ بنا سکی۔ پھر ہما بہت لکی تھی جس کو چاہا اس کو پالیا۔ ولید اس کے سامنے گھر میں رہتا تھا۔ بچپن کا ساتھ تھا ایک ہی اسکول میں پڑھا تھا ان کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی ملن ان کا مقدر تھا اور وصل تقدیر۔

ولید نے جاب لگتے ہی رشتہ بھیج دیا۔ انکار کی کوئی وجہ ہی نہ تھی اچھا سمجھ دار سلجھا ہوا ولید ہر ماں کا خواب ہوسکتا تھا۔ سفید پوش گھرانوں میں یہی دیکھا جاتا ہے۔ رشتہ پکا ہونے کی مٹھائی کھا کر ہما بہت خوش

تھی۔اس کے پاؤں زمین پر نہیں ٹکتے تھے۔آنکھوں کی چمک ایسی تھی کہ جو دیکھے بس دیکھتا ہی رہے۔

"بس دعا کرنا نبیلہ میری خوشیوں کو کسی کی نظر نہ لگے۔"

"نہیں لگتی نظر میں ہوں نہ کلنک کا ٹیکہ تیرے ساتھ۔"

"نہیں ایسے نہیں کہتے......" میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیتی۔ بہت خوشی خوشی وہ شادی کی تیاری کررہی تھی۔

میں ساتھ ساتھ ہما کو ڈھونڈ رہی تھی نجانے کہاں غائب ہوگئی تھی اس نے مجھے دیکھ تو نہیں لیا۔ مگر دیکھتی تو خود ہی آجاتی چھپتی کیوں؟ اتنے عرصے بعد جیسے میں بے قرار ہوں ویسے وہ بھی تو بے چین و بے تاب ہوگی۔ میں سر اٹھا کر اسے دیکھتی آگے بڑھ رہی تھی۔ میری نظروں میں زرد جوڑا پہنے ہلکا سا گھونگھٹ نکالے ہری پیلی چوڑیوں سے کھیلتی ماضی کی ہما تھی۔

مجھے ایک دم ہی وہ بچہ نظر آگیا اس کی ماں اسے کھینچتی ہوئی لے جارہی تھی بچہ رو رہا تھا گھسیٹ رہا تھا۔ وہ ہما ہی تھی۔

"ہما......ہما" میں پیچھے بھاگی۔ مگر وہ تیز تیز آگے جارہی تھی۔ مجھے اس سے ملنا تھا۔ پہلے اس کے اسکارف کا کونا تھاما پر شاید وہ رکنا نہیں چاہتی تھی۔ ہاتھ جھٹک کر آگے بڑھ رہی تھی۔ بازار کے رش کی فکر سمجھ رہی تھی۔

"ہما......" میں پہلے برابر ہوئی پھر دو قدم آگے بڑھ کر اس کا راستہ روکا۔ وہ سر جھکا کر اپنے بچے کو ڈپٹ رہی تھی۔

"ہما......میں نبیلہ تمہاری دوست۔" میں اس کے سامنے رکی۔ لمحہ بھر کو چونکی اور نبیلہ کے قدم زمین نے پکڑ لیے۔

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔" سر جھٹک کر آگے بڑھی مگر وہ ہما ہی تھی۔ میں دھوکہ نہیں کھا سکتی تھی۔ اس لیے میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"نہیں تم ہما ہو۔ ہما عارف۔"

"میں نے کہا نا......" اس کے لہجے میں سختی تھی بے رخی تھی۔ ہاتھ جھٹکا۔ کوئی انسان اتنا بھی بدل سکتا ہے اس کی شگفتگی اس کی رعنائی اس کی نوخیزی آنکھوں کی چمک وہ چہرے کا خمار ولید نے کیا' کیا اس کے ساتھ یا جو میں اس سے غافل رہی وہ اس بات پر ناراض ہے میں خود ہی قیاس کرنے لگی۔

"ہما کیا ہوا تمہیں؟ ناراض ہو اپنی دوست کو نہیں پہچانتی۔ میں نبیلہ ہوں۔" مگر وہ سر جھٹک رہی تھی۔ مسلسل انکاری تھی اور نکلنے کے لیے راہ دیکھ رہی تھی مگر میری گرفت مضبوط تھی اس کے فرار کی ساری راہیں بند تھیں۔

"کیا ثبوت ہے کہ میں ہما ہوں میرا نام......"

ثانیے بھر کو رکی۔ ''میں آسیہ ہوں۔''

''کیا فرق پڑتا ہے تم ہما ہو یا آسیہ شکل تمہاری ہما جیسی ہے میری دوست ہو۔ گیارہ سال ہم لوگوں نے ساتھ گزارے ہیں اور تم اتنی بدل کیسے گئی خدانخواستہ کہیں ولید......'' اس کی حالت زار نے میرے اندر کے خدشے کو ابھارا......

''اللہ نہ کرے...... اسے عمر خضر دے اللہ آمین۔'' اس نے میرا ہاتھ تھاما۔

''اوہ تو تم ہما ہی ہونا......'' میں مسکرائی۔ اس نے سر کے ساتھ نظر جھکالی۔ ''بھاگ کیوں رہی تھیں پہچانا کیوں نہیں؟''

''پہچان لیا تھا ملنا نہیں چاہتی تھی بھاگتی کہاں میں تو خود زندگی گزار رہی ہوں۔''

''آؤ کہیں بیٹھتے ہیں مگر نہیں آؤ میرے گھر چلو قریب ہی ہے میرا سسرال پچھلے ہفتے ہی آئے ہیں ہم۔''

''کیا کروگی مجھ سے مل کر......'' اس کا لہجہ بھیگ گیا۔

''یہ میں بعد میں بتاؤں گی یہ بتاؤ کہ تمہارے کتنے بچے ہیں۔''

''چار۔'' دھیما سا لہجہ تھا۔

''یہ رو کیوں رہا ہے۔'' میں نے بچے کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے دیکھا۔

''اس کی قسمت میں رونا ہے۔''

''میں تمہارے گھر چلوں؟''

''نہیں...... ہم پھر ملیں گے تم امی کی طرف آنا۔ میں آؤں گی۔'' صاف لگ رہا تھا وہ ٹال رہی ہے۔ میں اپنے بچپن کی دوست کو ایسے نہیں جانے دے سکتی تھی۔ بچپن کتنا قیمتی ہوتا ہے کوئی مجھ سے پوچھتا اور بیتے وقت کی یادیں کتنی انمول ہوتی ہیں۔

''آؤ میں چھوڑ دوں تمہیں۔''

''نہیں...... میں چلی جاؤں گی۔''

''تمہارا گھر کہاں ہے......؟''

''قریب ہی ہے۔''

''پیدل......؟'' میں نے اسے دیکھا۔

''ہاں پیدل۔''

''چلو میں ساتھ چلتی ہوں باہر گاڑی میں تنویر بیٹھے ہیں فراز کو لے کر تمہیں ملادوں......'' نبیلہ نے اس کا ہاتھ تھاما۔

''میں نے کہا نا...... امی کے گھر آنا پھر ملیں گے۔'' بیٹے کا ہاتھ تھاما۔

''نہیں آج ہی مشکل سے ملی ہو پھر ہاتھ نہیں آؤں گی۔'' نبیلہ نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑا۔ ہما نے بے بسی سے اسے دیکھا۔

''پلیز......!''

''کیا......؟ ولید شکی مزاج ہیں۔'' اس نے لب کاٹے...... اور آنکھیں بھر آئیں۔ نبیلہ اس کا ہاتھ تھام کر باہر لے آئی۔

''اب بتاؤ کہاں جانا ہے؟''

''کہیں نہیں میں سنڈے کو امی کی طرف آؤں گی تم بھی آنا۔ ملاقات ہوجائے گی۔''

''جھوٹ نہیں......'' نبیلہ نے انگلی اٹھائی۔

''میں تم سے جھوٹ نہیں بول سکتی۔'' ہما کا لہجہ دھیمہ تھا۔ نبیلہ کو کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا۔

''یار کہاں غائب ہو میں کب سے ڈھونڈ رہا ہوں امی کا فون آیا ہے گھر میں مہمان آئے ہیں میں نے پھر بھی کچھ پھل سبزی لے لی ہے۔ چلو آؤ۔'' تنویر مجھے ڈھونڈتے ہوئے آگئے۔

''اوہو سوری......''

''تنویر یہ میری دوست ہما...... اور ہما یہ میرے شوہر تنویر کمال۔'' ہما نے دھیرے سے سلام کیا۔

''السلام علیکم!''

''اچھا تو آپ ہیں جن کے قصے ان کی زبان پر اور مجھے ازبر ہیں۔'' تنویر مسکرائے۔ ہما سنجیدہ تھی۔

اس کا بیٹا بھی چپ ہوگیا تھا۔

''ہما تنویر میرے فرسٹ کزن ہیں بالکل ولید کی نیچر ہے سنڈے کو ضرور آنا۔'' نبیلہ نے ہما کا ہاتھ تھاما۔

اور وہ ''اچھا'' کہہ کر دونوں پر ایک نگاہ ڈال کر آگے بڑھ گئی۔ اپنائیت' ملن' ساری محبت سب مفقود تھی نبیلہ نے نوٹ کیا۔

''کچھ پریشان لگ رہی تھی تمہاری دوست۔''

''ہاں...... مگر ملوں گی تو پتہ چلے گا میں تو اس کے گھر جارہی تھی آپ آگئے۔'' نبیلہ نے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

''تو گاڑی میں بٹھا لیتیں گھر بھی چھوڑ دیتے۔ گھر بھی دیکھ لیتے۔''

''ہوں مگر اسے بھی جلدی تھی۔'' گاڑی کے قریب پہنچ کر دروازہ کھول کر فراز کو تنویر کی گود سے لیا۔ تنویر نے فرنٹ سیٹ پر بیٹھ کر گاڑی رش سے نکالی۔ فراز کو گود میں تھپکتے ہوئے نبیلہ بے اختیار چونکی۔

''تنویر......''

''ہوں......''

''ہما کا سسرال تو اس کی امی کی گلی میں ہے بالکل سامنے اور یہ علاقہ تو بہت دور ہے ان کے گھر سے۔ ہما کیوں کہہ رہی تھی تو میں ادھر ہی رہتی ہوں قریب میں......'' نبیلہ کا انداز تفکرانہ تھا۔ تنویر نے مسکرا کر دیکھا۔

''تمہاری دوست کی سسرال والوں سے نہیں بنی ہوگی۔ اس کے شوہر نے الگ گھر لے لیا ہوگا۔'' تنویر کے پاس ہر سوال کا جواب تھا۔

''ہوں...... مگر وہ کچھ پریشان تھی۔''

''یہ تم اس سے مل کر پوچھ لینا۔''

''ہوں۔'' اس کا انداز سوچتا ہوا تھا۔ تنویر نے گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔

"ان علاقوں میں ڈرائیونگ کرنا کتنا مشکل ہے۔" مگر ہما کو سوچتی نبیلہ تنویر کی جانب متوجہ نہیں تھی۔

✿......✿......✿......✿

"تم......" دروازہ کھٹکھٹاتے ہما کی امی نے دروازہ کھولا۔ براؤن گیٹ ابھی تک براؤن ہی تھا تھوڑا اساختہ حال ہوگیا تھا باہر سے دیواروں کا کلر بھی اتر گیا تھا۔ بوسیدگی بڑھ رہی تھی۔

"میں نبیلہ...... ہما کی دوست آنٹی...... پہچانا نہیں؟"

"اچھا......" وہ تھوڑا سا گڑبڑائیں۔

"آں......ہاں مگر ہما تو یہاں نہیں رہتی۔ سسرال میں ہوتی ہے۔" ہنوز ویسے ہی کھڑی تھیں۔

"اندر نہیں بلائیں گی آنٹی۔"

"آں...... ہاں...... آؤ...... آؤ۔ دراصل میں جارہی تھی پچھلی گلی میں فوتگی ہوگئی تھی آج سوئم ہے۔" ناچار اسے راستہ دیا۔ نبیلہ نے بے رخی نوٹ کی۔ مگر جانے کیوں ڈھٹائی نبیلہ کے اندر آگئی۔

"میں ہما سے بازار میں ملی تھی اپنے گھر نہیں لے کر گئی کہہ رہی تھی اتوار کو امی کی طرف آجانا۔ وہ بھی آئے گی۔" اندر کی جانب قدم بڑھائے۔

"اچھا......" انہوں نے چونک کر دیکھا۔

"آنٹی شادی کے بعد ہما نے گھر چینج کرلیا کیا؟" میں قدیم صوفوں پر بیٹھی ڈرائنگ روم کی سٹنگ دیکھ رہی تھی۔ لکڑی کے صوفے درمیان میں ٹیبل۔ کونے میں ٹی وی اور قالین کا ٹکڑا۔ پردے بھی وہی تھے سامنے کی جھالر والے براؤن۔ گھر میں شاید کوئی دوسرا نہیں تھا۔ انہوں نے نبیلہ کا سوال ان سنا کیا اور اندر جاکر پانی اور بوتل لے آئیں۔

"شبانہ کی شادی کردی؟"

"ہاں......اور عادل کی بھی۔"

"اچھا کیسی ہے بہو؟"

"آ...... ہاں......" گہرا سانس لیا۔ "ویسی ہی جیسی سب کی ہوتی ہیں۔" صوفے پر بیٹھیں۔

"ہما کہہ رہی تھی وہ آئے گی۔ بازار میں ملاقات ہوئی تھی کب تک آجائے گی وہ۔ فون کرتی ہوں آپ نمبر بتائیے گا۔" نبیلہ نے سیل نکالا...... اطراف کا جائزہ لے رہی تھی۔

"وہ نہیں آئے گی۔ اس کے سسرال میں کسی کا انتقال ہوگیا ہے۔"

"اوہو۔"

"مگر اس نے وعدہ کیا تھا۔"

"پھر کبھی مل لینا۔ مجھے بھی جانا ہے۔" اچانک ہی وہ بے مروت' بے لحاظ ہوگئیں۔ بالکل ویسے جیسے دروازے پر چیزیں بیچنے والی کو دیکھ کر ہم لوگ ہوتے ہیں۔

"اچھا نمبر تو دیں مجھے۔" انہوں نے مجھے دیکھا۔

"جاؤ نبیلہ...... مجھے جانا ہے ہما کا نمبر نہیں ہے میرے پاس۔" ایک لمحے میں وہ لہجہ بدل گئیں۔

نبیلہ دیکھتی رہ گئی۔ اٹھ کر اندر چلی گئیں۔ یہ ہی وہ کمرہ ہے جہاں ہما مایوں کی دلہن بنی بیٹھی تھی۔ درمیان میں سب محلہ کی لڑکیاں ڈھول کی تھاپ پر گانے گارہی تھیں۔ جن میں خود نبیلہ پیش پیش تھی۔ پھر بھنگڑا ڈالا گیا تھا۔ بے اختیار نبیلہ کے لب مسکرادیے۔

ہما کو رسم کے بعد اندر لے جایا جانے لگا تو زرقہ' فروا اور خود نبیلہ کتنی تیزی سے بھاگے تھے۔ اس کی جگہ پر بیٹھنے کے لیے۔ اور پہلے بیٹھنے کے چکر میں سب ایک دوسرے کے اوپر گرے تھے۔ مگر...... اس کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔ وہ خود زرقہ کے اوپر گری تھی اور ہما نے فروا کو چھوڑ کر دھپ اس کے شانے پر مارا تھا۔ اور سب چیخے تھے گھونگٹ کی آڑ سے ہما سے دیکھتی آگے بڑھ گئی تھی۔ آنٹی کمرے میں آگئیں۔

نبیلہ ماضی کی یاد میں مسکرارہی تھی۔

’’آنٹی......‘‘ آہٹ پر سر اٹھایا اور حیران رہ گئی۔
ہما کی امی چادر اوڑھے ہاتھ میں چابی پکڑے کھڑی تھیں گویا کہہ رہی ہوں۔ بی بی جاؤ۔ حالانکہ آٹھ سال اس محلے میں گزرے تھے ہما کا اور اس کا لمحہ لمحہ کا ساتھ تھا۔ ایک وقت کا کھانا ایک ساتھ کھاتے تھے امی کی ڈانٹ' ابو کی ڈانٹ' بھائیوں کی باتیں۔ مگر ان کی دوستی کے آگے سب بے بس تھے اور اب۔
’’مجھے جانا ہے تم پھر کبھی آ جانا۔‘‘ دروازے کی طرف بڑھیں۔ نبیلہ کیا کرتی اس بدتمیزی' بدلحاظی پر۔ اسے بے عزتی فیل ہوئی۔
’’آنٹی۔‘‘ وہ باہر نکل گئیں اسے بھی نکلنا پڑا۔ اس سے نظریں چرائے انہوں نے دروازے پر تالا ڈالا اور ایک جانب کو تیز تیز چلتی اگلی گلی میں مڑ گئیں۔
نبیلہ کیا کرتی کھڑی ہو کر گھر کے ساتھ ساتھ گھر والوں کے لہجے میں بوسیدگی دیکھتی رہ گئی اتنی بے مروتی۔ یہ سب لوگ ساتھ ساتھ مسکراتے تھے۔ ابھی نبیلہ گھر نہیں جا سکتی تھی۔ تنویر اسے چار گھنٹے کے لیے چھوڑ گئے تھے۔

’’پرانی سہیلی سے ملتے ملتے یہ وقت بھی کم ہے خیر...... پھر آ جاؤں گی۔‘‘ نبیلہ نے اترتے ہوئے بے چارگی سے کہا تھا۔ جواب میں تنویر نے اس کی ناک دبائی تھی۔
’’گھوم کر گلی کے اطراف میں دیکھا۔ تیس منٹ میں ہی ملاقات کر کے دروازہ بند ہو گیا تھا۔ مگر کیوں؟‘‘ قدم آگے بڑھائے۔
آنٹی کا نظریں چرانا...... ہما کا گریز و فرار...... کہیں کچھ تھا۔ اب کہاں جائے۔ ابھی تو قطعی تنویر کو فون نہیں کرے گی۔ اس نے ہما سے مل کر جانا تھا۔ اس کی محبت' سپردگی' برجستگی کہاں کھو گئی تھی۔ آنٹی کیوں اس سے خندہ پیشانی سے نہیں ملیں؟ ہما اس سے کیوں نہیں ملنا چاہتی تھی وہ کیوں نہیں آئی؟ رخ موڑا سامنے ولید کا گھر تھا۔ تھوڑا فاصلہ طے کر کے نیلے گیٹ کے سامنے کھڑی ہوئی۔ گھر خاصی اچھی شکل میں ہو گیا تھا۔ اوپر کی منزل بن گئی تھی اس سے اوپر تیار ہو رہی تھی ایک رونق کا سا احساس ہو رہا تھا۔ بہت پہلے یہ لوگ کتنے قریب تھے۔ اب بچے بڑے

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں:-

ہائی کوالٹی پی ڈی ایف

ایڈ فری لنکس

ایک کلک سے ڈاؤنلوڈ

ڈاؤنلوڈ اور آن لائن ریڈنگ ایک پیج پر

کتاب کی مُختلف سائزوں میں اپلوڈنگ

ناولز اور عمران سیریز کی مُکمل رینج

Click on http://paksociety.com to Visit Us

پاک سوسائٹی کو فیس بُک پر جوائن کریں http://fb.com/paksociety

پاک سوسائٹی کو ٹوئٹر پر جوائن کریں http://twitter.com/paksociety1

پاک سوسائٹی کو گُوگل پلس پر جوائن کریں https://plus.google.com/112999726194960503629

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بُک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہمیں فیس بُک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے امیج پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-

ہوگئے ہوں گے۔سب کمانے لگے ہوں گے۔اس لیے گھر کی غربت خوش حالی میں بدل گئی۔

نبیلہ کو خوشی ہوئی ولید اسے اچھا لگتا تھا۔محنتی' خوش اخلاق' اور ہر وقت مسکرانے والا۔ ہما کے غصے کے جواب میں بھی مسکراتا رہتا تھا۔

''میرا مذاق اڑاتے ہو......'' ہما منہ پھلالیتی۔

''نہیں تمہارا غصہ کم کررہا ہوں۔'' اس کی آنکھوں میں چمک ہوتی۔اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ ہما کو پلکوں پر بٹھالے۔

''تم لوگوں کی چاند سورج کی جوڑی ہوگی۔''

''آمین...... ثم آمین۔'' دونوں برجستہ کہتے۔

چاند کیوں گہنا گیا۔سورج کو کیوں گہن لگ گیا۔کون سے ایسے عوامل تھے جس نے ہما کی چہرے کا رس ختم کردیا۔اس کے چہرے سے وہ خوش کیوں نہیں تھی جو محبت کو پالینے کی بعد ہوتی ہے۔ولید کی امی بھی کوئی ایسی ویسی ساس نہیں ہوں گی بہت خوش اخلاق آنٹی تھیں۔پھر...... پھر ہما اس انداز سے کیوں ملی۔اس کے اندر گریز وفرار والی کیفیت کیوں تھی؟ نبیلہ کو کسی سوال کا جواب نہیں مل رہا تھا اس کے اندر بے چینی بڑھ رہی تھی۔سامنے عمارت کے آثار بتارہے تھے کہ مکین خاصے خوش حال' آسودہ ہوگئے ہیں۔

''مجھے تو مل جل کر رہنا اچھا لگتا ہے شادی کے بعد میں تو کبھی الگ نہیں ہوں گی چاہے آنٹی ساس بن کر کتنا بھی ظلم کریں۔'' ہنسی مذاق مل جل کر رہنا' کام کرنا ایک خاندان کی بنیاد بننا ہما کو اچھا لگتا تھا۔

خود اس کی ماں ایک جھگڑالو عورت تھیں ہر وقت غصہ ناک پر دھرا رہتا تھا۔ولید سے جانے منگنی کیسے کردی تھی۔ مطلب پرست' موقع شناس خاتون تھیں۔ ہما گھر میں سب سے مختلف تھی۔ دھیمے مزاج' سہل انداز ہر کسی کے کام آنا۔موقع محل دیکھ کر بات کرنا۔محبت' شفقت' بردباری اس کے اوصاف تھے۔ اپنی انہی عادتوں کی وجہ سے ہما اسے اچھی لگتی تھی......

مگر ہما کے ساتھ ایسا کیا ہوا؟ اسے اپنے گھر کیوں نہیں لے کر گئیں؟ اس کی ماں نے اسے گھر سے نکال باہر کیوں کیا؟ ادھر ادھر دیکھ رہی تھی شاید کوئی جان پہچان والا مل جائے۔کوئی سکھی سہیلی اس کی دوست۔ مگر نہیں۔گلی میں چند انجانے سے لوگ تھے۔ ولید کے گھر کا دروازہ بجائے۔اگر وہ نہ نکلا تو اسے پہچاننے سے انکار کردیا تو؟

''ہاں...... ہما کی ولید سے شادی ہی نہ ہوئی ہو۔'' چونکی۔

''مگر یہ کیسے ہوسکتا ہے۔یہ شادی اہم تھی۔ ہما اور ولید کی مرضی تھی۔آنٹی نے کچھ پس وپیش کے بعد طے کردی تھی۔ پھر...... پھر......'' نبیلہ کے سر میں درد ہونے لگا تھا۔

کہاں جائے کدھر جائے۔ بیگ تھام کر گلی میں آگے چلنے لگی۔ شاید کوئی جانا پہچانا چہرہ نظر آجائے۔وہ مایوس جانا نہیں چاہتی تھی۔ ہما سے ملنا ضروری تھا۔ وگرنہ...... واپس آسٹریلیا جاکر اس نے بے چین رہنا تھا اور تنویر بھی ڈسٹرب رہتے۔ پھر واپس گلی میں آگئی۔

ہر حال میں ہما سے ملے گی۔آنٹی کیسے بدل گئیں؟ کیوں بدل گئیں؟ پھر ہما اتنی بدل کیوں گئی؟ سوال تھے کہ ایک کے بعد ایک الجھن بڑھاتے جارہے تھے۔شادی کے بعد ولید نے گھر کیوں بدلا؟ ہما تو جھگڑالو نیچر کی نہیں تھی۔ ولید تو اس وقت گھر پر نہیں ہوگا۔ولید سے دوستی ہما کے حوالے سے تھی ان کے گھر بہت کم آتی جاتی تھی۔ولید کے گھر والے شاید اسے نہ پہچانیں۔سر گھما کر دونوں جانب دیکھا۔

سبزی والا آرہا تھا اس کے پیچھے ردی پیپر والا تھا۔ چند بچے گلی میں کھیل رہے تھے۔

''مونا......'' اچانک چونکی۔

مونا کے گھر جاتی ہوں اس سے بھی دوستی تھی۔ میٹرک میں ان کی دوست بنی تھی بہت اچھی نعتیں

پڑھتی تھی۔ مڑ کر دوبارہ ہما کے گھر کی جانب آئی ہما سے آگے چند گھر چھوڑ کر اس کا گھر تھا۔ متلاشی نظروں سے دیکھتی' دماغ پر زور دیتی' مونا کا گھر ڈھونڈتی آگے بڑھتی رہی۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے؟ ایک گھر کے آگے رکی۔ دروازہ بجایا۔ چند سیکنڈ بعد کھلا۔

''جی......؟'' نوعمر لڑکی نے کھولا۔

''مونا گھر پر ہے؟''

''مونا باجی کا گھر برابر والا ہے۔''

''اوہ......سوری بیٹا۔'' پلٹ کر پچھلا گیٹ بجایا۔ پھر بجایا......جواب نہ آیا۔

''یا اللہ......'' مڑ کر ولید کے گھر کی جانب دیکھا۔ اس سے ملنا ہے پہچانے نہ پہچانے۔ گھڑی دیکھی خوش قسمتی کے گیٹ کھل گیا مونا کی امی تھیں شاید۔

''مونا گھر پر ہے؟'' نبیلہ مسکرائیں۔ انہوں نے سر سے پاؤں تک دیکھا۔

''ایک تو یہ لڑکی آجائے تو ڈھیروں مصروفیات ساتھ لے آتی ہے۔ ہاں ہے۔ اندر آجاؤ۔'' وہ صد شکر کرتی اندر داخل ہوئی۔

''مونا تمہاری دوست آئی ہے۔''

''میری دوست......!'' اندر سے حیران سی آواز ابھری۔

''کون؟''

''تم دیکھ لو جا کر......'' آنٹی اندر چلی گئیں تھیں۔ چند منٹ بعد وہ باہر آئی۔ ایک بچہ گود میں تھا۔

''ارے تم نبیلہ کیسی ہو اتنے سالوں بعد......!'' بہت محبت سے ملی۔

''شکر ہے تم نے پہچان لیا۔ میں سوچ رہی تھی کہ تم بھی ہما کی امی کی طرح چلتا کرو گی۔'' مونا اس کی شکل دیکھنے لگی۔

''کیا ہوا؟''

''بیٹھو تم۔'' نبیلہ بیٹھی تو مونا نے اپنے بچے کو صوفے پر لٹا دیا۔ وہ سو رہا تھا پھر اس کے پاس آ بیٹھی۔

''تم کیسی ہو۔ اتنے سال بعد......؟''

''ہاں شادی ہوگئی پھر آسٹریلیا چلی گئی۔ دو بچے ہیں میرے ہر بار آنے پر سوچتی تھی کہ تم سب سے ملوں گی مگر مصروفیت کی وجہ سے وقت نکل جاتا ہے۔'' اس کا ہاتھ تھاما۔ ''اب بھی میں نہ آتی اگر بازار میں ہما سے ملاقات نہ ہوئی ہوتی۔ اس کی عجیب وغریب حرکتیں تھیں۔ پہلے تو مجھے پہچانا نہیں۔ جب میں نے پہچان لیا تو جان چھڑانے کی فکر میں تھی۔ میرے وعدے پر کہ گھر آؤں گی سنڈے کو آج میں اس لیے آئی تو اس کی امی تھیں لیکن ان کا انداز بھی بہت روڈ سا لگا۔ بے رخی والا انداز' کہیں سوئم میں جانا تھا چلی گئیں۔'' مونا خاموشی سب سے سن رہی تھی۔

''تمہیں اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم؟'' مونا نے پوچھا۔

''نہیں کیا ہوا؟'' نبیلہ نے اچھنبے سے اسے دیکھا۔

''اس کے ساتھ تو بہت برا ہوا۔'' مونا کے لہجے میں دکھ تھا۔ نبیلہ کا دل دوست کی محبت میں ڈوب کا ابھرا۔

''میں تو اس کی مایوں والے دن چلی گئی تھی نانو کا انتقال ہوگیا تھا۔ امی کے ساتھ جانا پڑا۔ پھر ہم واپس ہی نہیں آئے۔ بس......''

''مایوں والا دن ہی اس کی خوشی کا واحد دن تھا یہ شادی ہما کی مرضی اور پسند سے ہورہی تھی۔ ولید اتنا برا نہیں تھا بس غربت کی چکی میں پس رہا تھا۔ پھر چار بہنوں کی شادی کرنا تھی۔ وہ بڑا تھا باقی بھائی چھوٹے مگر ہما کی ضد کی وجہ سے یہ رشتہ ہوگیا۔ تمہیں یاد ہے ہما کی امی بضد تھیں کہ شادی ان کی بڑی بہن کے گھر سے ہوگی۔ آمنے سامنے گھر تھا اچھا نہیں لگتا۔ مگر ہما کہہ رہی تھی شادی بھی ادھر سے ہوگی مگر آنٹی اڑ گئیں۔ اس کے والد نشے میں دھت بولتے نہیں

تھے۔ بھائیوں کو کسی بات کی پروا نہیں تھی۔ پھر اس کی امی نے دھمکی دی تھی کہ میں یہ رشتہ توڑ دوں گی تو ہما نے کہا ٹھیک ہے میری مایوں مہندی ادھر سے ہی ہوگی۔“ نبیلہ دم بخود سن رہی تھی۔

”ہاں......“ یہ سب باتیں اس کے سامنے کی تھیں۔

”پھر......“

”پھر یہ کہ......“ مونا نے گہرا سانس لیا۔ ”مایوں تمہارے سامنے ہوئی۔ کتنی خوش تھی وہ کتنا چہرا چمک رہا تھا اس کا۔ ہما ہمارے ساتھ کتنا ناچی تھی وہ۔“ اور نبیلہ کے تو سب سامنے تھا یہ۔

”پھر وہ تو چلی گئی تھی کہ اب دو دن بعد شادی پر ملاقات ہوگی۔ جہیز کا تو ولید نے منع کر دیا تھا۔ اگلے دن یہ لوگ خالہ کے گھر چلے گئے۔ دو دن بعد شادی رخصتی ادھر سے ہونی تھی...... مگر ایسا کچھ نہیں ہوا۔ ہم لوگ خوش تھے کہ چلو ولید بھائی کے باراتی بن کر جائیں گے۔ مگر ایسا کچھ نہیں ہوا۔ شادی والے دن ان کے گھر تالا ڈال دیا گیا۔ وہ لوگ گھر پر نہیں تھے۔ شادی کا دن گزر گیا۔ اگلا دن آ گیا ہما کے گھر بھی تالا تھا۔ آنٹی ہمیں ہما کی شادی کے لیے لینے بھی نہیں آئیں۔ ہمیں گھر کا ہی نہیں پتہ تھا۔ اس کے بعد ہم نے ہما کو نہیں دیکھا۔ وہ ادھر کبھی نہیں آئی۔ سنا ہے اس کے تین بچے ہیں...... اس کے بھائیوں کی شادیاں ہوگئیں۔ آنٹی ہما کے موضوع پر کسی سے بات نہیں کرتیں۔“ نبیلہ دم بخود سن رہی تھی۔

”ولید کے گھر کا تالا تو کھلا ہے۔ کیا یہ لوگ گھر بیچ کر چلے گئے تھے؟“

”انہوں نے بیچا نہیں کرائے پر دے دیا۔ آہستہ آہستہ یہ بننے لگا اب یہ تین منزلہ بن گیا ہے اور وہ لوگ واپس بھی آ گئے ہیں۔“

”تم نے ولید سے نہیں پوچھا؟“

”ہم نے ولید کو ادھر نہیں دیکھا۔ وہ کہیں دوسرے شہر میں نوکری کرتے ہیں۔ اب ان کی بھی شادی ہوگئی ہے۔ بچے ہیں۔ امی نے ان کی امی سے پوچھا تھا تو بس انہوں نے گہرا سانس لے کر بتایا کہ ہما کی امی نے ہما کی شادی اپنے بھانجے سے کر دی۔ کیوں، کیسے اس کا جواب کوئی نہیں دیتا۔“ نبیلہ دم سادھے اس دکھ بھری داستان کو سن رہی تھی۔

”کاش وہ ضد پر اڑی رہتی۔ کاش وہ خالہ کے گھر نہ جاتی۔ کاش...... کاش......“ مونا دل گرفتگی سے کہہ رہی تھی۔

”میں...... میں ہما سے ملنا چاہتی ہوں۔“

”روبینہ کو اس کے گھر کا علم ہے۔ تم نہیں گئیں؟“

”نہیں...... مجھے آنٹی کے غصے سے ڈر لگتا ہے۔“

”روبینہ سے ہی پتہ چلتا ہے کہ اس کا شوہر بہت شکی مزاج ہے۔ مارتا ہے اور یہ شادی خالہ کی ضد کی وجہ سے ہوئی تھی۔“

”روبینہ کی شادی ہما کے شوہر کے سب سے چھوٹے بھائی سے ہوئی ہے۔“

”روبینہ آتی ہے؟“

”ہاں کبھی کبھی ادھر آ جاتی ہے کوئی تقریب ہو تو۔“

”ٹھہرو میں فون کرتی ہوں۔“ مونا اٹھ کر اندر چلی گئی۔ واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں چائے کی ٹرے تھی۔ ٹیبل پر رکھ کر نمبر ملانے لگی۔ کرب و تکلیف کے احساس سے نبیلہ سر ہاتھوں میں لیے رہ گئی۔

”ہاں روبینہ میں مونا۔ یار ہما سے بات کرنا تھی۔“

”اپنے گھر بلا لو تو میں آ جاتی ہوں۔“

”چلو ٹھیک ہے۔“

”کیا ہوا؟“

”کہہ رہی ہے اس کا میاں اپنی ماں کے ساتھ حیدر آباد گیا ہوا ہے۔ میں اسے بلا لیتی ہوں۔ میرے گھر آ جاؤ۔“

”اس کا گھر کہاں ہے؟“ گھڑی پر نگاہ کی۔

"رکشہ میں چلیں گے۔ تم چائے پیو میں عبایہ پہن کر آتی ہوں۔" نبیلہ کو کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ ہما کی ہنسی، چمکتا چہرہ نظروں سے ہٹ ہی نہیں رہا تھا۔ اگر ہما سے نہ ملتی تو اس کا احساس اسے ہر وقت بے چین رکھتا۔

ایک گھنٹے بعد وہ ہما کے سامنے تھے اور ہما دم بخود اسے دیکھ رہی تھی اور پھر اس کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ آنسو نبیلہ اور مونا کی آنکھوں کے بھی نہ تھمے۔

"مجھے دیکھو میں کتنی بدنصیب ہوں۔ کس کی بددعا ہوں کسی کے کرم کا نتیجہ ہوں۔"

"ہما تمہاری شادی کیوں نہیں ہوئی ولید سے؟" نبیلہ نے ہاتھ تھاما۔

"میں اپنی ماں کے مقابل آ گئی تھی۔ ولید سے شادی کے لیے اور اماں کی نظر میں ولید غریب تھا۔ بھکاری تھا کچھ نہیں دے سکتا تھا مجھے۔ مگر میں بضد تھی۔ اماں نے ہامی بھرلی۔ تاریخ دے دی۔ شادی کی تیاریاں میں خوشی خوشی کر رہی تھی۔ ولید سے بات ہوتی۔ کپڑے، جیولری، تیاری، گھر کی سجاوٹ وہ بہت خوش تھا اور میں......" اس نے آنسو صاف کیے مگر آنسو تھے کہ نکلے چلے آرہے تھے۔

"اس نے منہ دکھائی کے لیے خوب صورت انگوٹھی بنائی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ مجھے انگوٹھیاں کتنی پسند ہیں۔ مایوں تمہارے سامنے تھی۔" پھر امی نے اچانک ضد کی کہ رخصتی خالہ کے گھر سے ہوگی۔ کاش میں ضد پر اڑ جاتی۔ مگر اماں محبت سے بہلا پھسلا کر لے گئیں۔ خالہ کے گھر میں سب بہت خوش تھے۔ اماں بھی بہت خوش تھیں۔ بارات والے دن میں ولید کے نام کی دلہن بنی۔ اس کے نام کی مہندی لگائی تھی۔ اس کا انتظار کر رہی تھی۔ مگر اس کی بارات نہیں آئی۔ دلہا بن کر ولید نہیں آیا۔" اس کی آنکھیں اشک بار تھیں۔

''میں فون ملا رہی تھی مگر وہ فون نہیں اٹھا رہا تھا۔ خاندان والے سب جمع ہوگئے۔ میں حواس باختہ پاگلوں کی طرح نمبر ملا رہی تھی۔ باہر سب بارات کا انتظار کررہے تھے۔ ایک بج گیا اور امی میرے پاس آئیں۔ ہما بارات نہیں آئی۔ نیچے لوگ کہہ رہے ہیں ہم بارات نہیں لائیں گے...... گھر اور گاڑی دو۔ بتا میں تیرے بہن بھائیوں کا حصہ کیسے تجھ اکیلی کو دے دوں...... میں ساکت بیٹھی تھی۔ ولید تو جہیز نہیں لے رہا تھا اس نے کیسے اتنی بڑی ڈیمانڈ کردی۔''

''ہما باہر خاندان والے جمع ہیں۔ تیری بارات نہیں آئی۔ بڑے بھائی کہہ رہے ہیں کہ ہما کی شادی اسلم کے ساتھ کردو۔ اور میں مر رہی تھی، چیخ رہی تھی ایک بار میری ولید سے بات ہولینے دو۔ مگر...... میری کسی نے نہیں سنی۔ میں بے مایہ...... بے مول ہوگئی۔ میرا نکاح اماں نے دوپٹہ پیروں میں رکھ کر کروادیا۔ خالہ خوش تھیں۔ محبت سے مجھے اسلم کے کمرے تک لے گئیں۔ میرے لیے وہ رات اور اندھیری تھی۔ کرب، اذیت والی تھی۔ میں کس کی دلہن تھی اور کس کی سیج پر بیٹھی تھی...... نبیلہ کس کے نام کی مہندی لگی تھی۔ میں نے کس کے نام کا گھونگٹ نکالا تھا اور کس نے دوپٹہ میرے سر سے کھینچا تھا۔ میں کانپ رہی تھی اور وہ مجھے زندہ درگور کررہا تھا۔ میں ماتم کناں تھی اور کوئی میری کھیتی اجاڑ رہا تھا۔ میں نے ولید سے ملنا تھا میری حالت دگرگوں تھی اور کوئی مجھے جھنجھوڑ رہا تھا۔ جھنجھوڑ رہا تھا۔ مجھ پر ہنس رہا تھا مجھے ذلت کی گہرائیوں میں دھکیل رہا تھا اور میں اذیت زدہ اسلم کے عتاب سہتی نیم مردہ پاتال میں گرتی جارہی تھی...... ولید تم نے یہ کیا کیا؟ میری محبت کی اتنی بڑی سزا...... کیا میں اس کی مستحق تھی......''

''صبح اماں نے آکر مجھے کہا۔ میں نے تجھے غربت کی چکی میں پسنے سے نکال لیا ہے۔ اب تو بس عیش کرنا۔ یہاں کھانے پینے والے لوگ ہیں وہ سب کچھ تجھے ملے گا جو ولید جیسا کلاش تجھے نہیں دے سکتا۔ گھر بار، روپیہ پیسہ دولت...... میں نیم مردہ سی ماں کو دیکھ رہی تھی۔ اماں نے میرے ساتھ یہ کیا کیا؟ دل ہی نہ رہے تو کیا رہ جاتا ہے۔ میں مرگئی تھی۔ دل مرگیا تھا۔ دنیا ختم ہوگئی تھی بس ایک احساس تھا ولید نے کس جرم کی سزا دی۔ محبت جرم تھا کیا؟ اسلم کمینگی کے کس موڑ پر کھڑا تھا کوئی مجھ سے پوچھتا۔ مجھے تو محبت چاہیے تھی نبیلہ۔ اماں نے میرا سودا کہاں کردیا۔ اس سے بہتر تھا کہ میں مرجاتی۔ میری شادی نہ ہوتی۔'' وہ اشک بار تھی۔ اس کے پپوٹے متورم تھے اور وہ کہہ رہی تھی۔

''میں اسلم کے ساتھ تھی۔ میرا دل ولید کے پاس تھا۔ میں اس کا نمبر ملاتی رہتی تھی۔ اسلم نیچ، گھٹیا آدمی تھا۔ مجھے محبت کے طعنہ دے کر غلاظت کی مار مار رہا تھا۔ اماں خوش تھی کہ انہوں نے اپنی بیٹی کو دولت کے تابوت میں بند کردیا...... مگر دولت میرے کس کام کی تھی۔ میں نے تو اس کی کبھی تمنا ہی نہیں کی تھی۔'' کتنی دیر گزر گئی۔ فضا میں غم ناک بوجھل سی خاموشی تھی۔ ہما کا وجود لرز رہا تھا اس کا سوگ، اس کا روگ، اس کا لباس غم کی تفسیر تھا۔

''پھر کئی ماہ بعد ولید کی کال مل گئی۔ میں نے صرف اس سے ایک سوال کیا۔ تم نے ایسا کیوں کیا۔ تم بارات کیوں نہیں لائے؟'' میں رو رہی تھی۔

''تمہاری امی نے منع کردیا تھا بارات مت لانا ورنہ اسلم تمہاری بہن کو اغوا کرکے ماردے گا۔ ہمیں تمہارے ساتھ ہما کی شادی نہیں کرنی۔ میری چار بہنیں تھیں۔ میں کیسے بارات لاتا۔ میں نے اپنی بہنوں پر محبت قربان کردی۔ پولیس نے گہری نظر رکھی۔ میرے چھوٹے بھائی عارف کو تھانے میں رکھا۔ تمہاری شادی، ولیمہ ہوگیا خطرہ ٹل گیا تو عارف کو چھوڑ دیا مگر دل، دل ویران ہوگیا۔ پارہ پارہ ہوکر فضاؤں میں بکھر گیا۔'' ہما رو رہی تھی۔

''اماں نے میرا مستقبل محفوظ نہیں کیا بلکہ داؤ پر لگا دیا تھا۔ بھلا دولت بھی کسی کو مستقبل دیتی ہے جب دل میں خوشی نہ ہو تو۔'' آنچل سے چہرہ صاف کیا۔ نبیلہ کا سانس رکا ہوا تھا۔

''میں ظلم سہتی ہوں' خاموش رہتی ہوں۔ اسلم کے طعنے سنتی ہوں اور محبت کی مار کھاتی ہوں۔ کس جرم کے طفیل محض محبت کے لیے۔ اماں نے میرا دکھ بھی جانا ہی نہیں۔ انہوں نے مجھے استعمال کیا۔ اسلم میرا رشتہ چاہتا تھا میں نے اسے دھتکار دیا وہ اماں کے ساتھ مل گیا اور مجھے پالیا۔ نبیلہ وجود کو پانا محبت ہے؟ جب دل ہی نہ ملے۔ وہ میری لاش پر فتح کے جھنڈے گاڑتا ہے۔ رات سے صبح تک میں مردہ رہتی ہوں۔ مگر میرا احساس کوئی نہیں کرتا۔ شادی کے دوسرے سال اسلم نے دوسری شادی کرلی۔ آٹھویں سال تیسری۔ مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پہلی شادی کون سی میرے لیے کی تھی...... اماں کو بتایا۔ اماں خالہ سے لڑی۔ خالہ نے مجھ پر کیچڑ اچھالا...... ٹھیک کررہا ہے اسلم اس میں ہے ہی کیا؟ نبیلہ اس لڑکی میں کیا ہوتا ہے جس کا دل نکال لیا جائے۔ جس کا شوہر نشے میں دھت اسے مال غنیمت' شب خون مارے...... یہ میری موت ہے۔ یہ میرا تحفظ ہے۔''

''اماں کو میرا قصور اب بھی نظر آتا ہے۔ میں چپ رہتی ہوں سوال جواب نہیں کرتی۔ اماں کے گھر نہیں آتی۔ میرا میکہ ختم ہوچکا ہے۔ بہن بھائیوں نے کبھی مجھے توقیر نہیں دی...... میری دنیا اور ہے اور محبت کوئی اور ہے۔'' وہ ترحم آمیز نگاہوں سے ہما کو دیکھ رہی تھی۔ جس کے سر پر خوش قسمتی کا نہیں بلکہ بدنصیبی کا پرندہ بیٹھا تھا۔ نبیلہ کا دل رو رہا تھا ان کی دوست کی جو محبت کی کہانی تھی جو بڑی شوخ نظروں سے ولید کے ذکر پر کہتی تھی۔

''تم ایک نظر میرا محبوب تو دیکھو۔'' کیسی لٹی پٹی حالت میں بیٹھی تھی۔ کتنے لمحے بیت گئے۔

''کیا ملا تمہیں مجھ سے مل کر۔ کیا ملا میری کہانی سن کر۔'' زرد چہرے پر برفیلی مسکراہٹ لیے اس نے نبیلہ کو دیکھا۔ نبیلہ نے اسے ہاتھ بڑھا کر سینے سے لگالیا۔ دونوں ایک بار پھر رودیں۔ ایک اپنی زندگی کے ماتم پر دوسری اس کی نوحہ پر۔

ایک ماں نے جانے کیا سوچ کر بیٹی کا مستقبل داؤ پر لگا دیا تھا۔ جب محبت ہی ہوتی۔

اسلم کو ہما سے محبت نہ تھی۔ ضد تھی اور ضد کیا کروا دیتی ہے۔ ہما کی امی کو بھانجے سے محبت تھی اس کی امارت سے پیار تھا روپوں کی کھنک اچھی لگتی تھی۔ پیسہ ہو تو زندگی خوش گوار ہوتی ہے نہ ہو تو زندگی دشوار۔ ہما کی امی نے ساری زندگی غربت کی چکی میں بسر کی۔ میکے میں پیسہ تھا نہ شوہر نے خوش حال رکھا۔ نہ بیٹوں نے کما کر دیا۔ اس لیے انہوں نے اپنی بیٹیوں کا نصیب پیسوں والوں کے ساتھ باندھا۔ مگر وہ نہیں جانتی تھیں یہ احساس نہیں تھا کہ پیسہ جب بھی کھوٹا سکہ بن جاتا ہے تو تقدیر سنورتی نہیں ہے۔ بدنصیبی وجود کے ساتھ لپٹ جاتی ہے۔ نبیلہ نے اپنے بازوؤں میں ہما کو سمیٹ لیا۔ ماں نے دولت سے مستقبل محفوظ کیا کرنا تھا۔ اسے مزید عدم تحفظ کا شکار کردیا تھا اور نبیلہ اس کے سکون کے لیے دعا کرسکتی تھی۔ خدا اسے زندگی میں سکون اطمینان دے کہ آگے اس کی زندگی سہل و آسان ہوجائے۔

جیسا میں نے دیکھا

رفاقت جاوید

کامنا پرشاد

کامنا پرشاد جو کہ دہلی کی جانی پہچانی شخصیت تھیں انہیں لکھنے لکھانے سے بہت لگاؤ تھا۔ اردو شاعری سے والہانہ عشق تھا' پروین کی شاعری کی اتنی بڑی مداح تھی کہ اس نے ان گنت نظموں اور غزلوں کو ہندی میں ڈھالنے کی کوشش کی تھی تاکہ پروین کی شاعری کو ہندوستان بھر کے سامنے پیش کرسکے۔ کامنا نے پروین سے اس کی اجازت طلب کی تو پروین نے اس پیش کش کو خوشی سے قبول کرلیا تھا۔

پروین اس سلسلے میں کامنا پرشاد سے ملنا چاہتی تھی' کامنا خوشونت سنگھ جی کی بہترین دوستوں میں سے تھی۔ اس لیے ہماری جان پہچان خوشونت سنگھ جی کی وساطت سے ہوئی تھی۔ کامنا کے چھوٹے سے ڈبل اسٹوری گھر میں ہم پہنچے تو پروین نے کامنا کے پہنچنے سے پہلے ہی کامنا کی شخصیت و کردار کا اندازہ لگالیا تھا پرانی طرز سے سجا ہوا یہ چھوٹا سا گھر ہندوستانی کلچر کی نشاندہی کررہا تھا۔ وہ اس گھر میں اکیلی رہتی تھیں' اپنی آزاد اور خود مختار زندگی پر اسے بہت ناز تھا۔ جب وہ سامنے آئیں تو اس کا پہناوا خالصتاً راجستھانی تھا' یہی اس کی پہچان تھی' ساڑھی کبھی کبھار زیب تن فرماتی تھیں۔

زمین کو چھوتا ہوا میرون اور کالے رنگ میں روایتی کڑھائی شدہ گھا گھرا اوپر چھوٹی سی بے پردہ چولی۔ لمبے کھلے بال اور ناک میں راجستھانی نتھ دیکھ کر پروین اس کا جائزہ لینے لگی' اسی اثناء میں نوکر چاندی کے گلاسوں میں سادہ ٹھنڈا پانی لے کر آگیا۔ ادھر اُدھر کی باتوں کے بعد کامنا ہمیں اوپر والے حصے میں لے گئی' سیڑھیوں سے ملحقہ کمرے میں پہنچ کر ہمیں احساس ہوا کہ یہی کمرہ کامنا کا بیڈ روم بھی ہے اور فرشی رائٹنگ ٹیبل بھی ایک کونے میں سیٹ تھا جس پر پروین کی کتابیں رکھی ہوئی تھیں۔ ساتھ ہی کچھ پیپر بکھرے ہوئے تھے اس نے ہمیں بھی فرشی دری پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے پھرتی سے فرشی کشنز اور گاؤ تکیے سیدھے کیے اور ہم وہاں بیٹھ گئے۔ کامنا نے پروین کی کچھ نظموں اور غزلوں کا ہندی ترجمہ ہمیں سنایا' پروین نے اپنا کلام ہندی میں سن کر اس کی محنت کو سراہا نیز دلی مسرت و فخر کا اظہار کیا اور باقی کتابوں کا ترجمہ کرنے کی اجازت فراخ دلی

سے دے ڈالی۔

وہیں بیٹھے چائے کا دور شروع ہوا اور کامنا نے اونچی اور بے تکلفانہ آواز میں سہگل نامی لڑکے کو پکارا تو ایک تقریباً بیس سالہ جوان لڑکا میرس سے وارد ہوا۔ اس نے منہ میں پان کی گلوری دبا رکھی تھی ہمیں وہ کامنا سے عمر میں کئی بہاریں چھوٹا لگا تھا۔ کامنا نے اس کا تعارف نہایت خود اعتمادی سے کروایا کہ سہگل میرا منگیتر ہے اس کا چاندی کا بزنس ہے۔ بدقسمتی سے اس کے والدین کی رضامندی کے بغیر ہم بہت جلد شادی کرنے والے ہیں اس لیے یہ میرے ساتھ اسی گھر میں رہتا ہے۔ یہ سن کر ہم اسے اپنے پاکستانی کلچر کے بارے میں تفصیلاً بتانے لگے اور وہ دیر تک ہندوستانی کلچر کے بدل جانے کی بیسیوں مثالیں ہمارے سامنے پیش کر کے پروین کی شاعری کی طرف آ گئی کہ پروین بھی تو اپنے معاشرے کی فرسودہ پابندیوں اور رسم و رواج سے باہر نکلنے کی تلقین کرتی ہے۔ ایک دن اس معاشرے میں بھی تبدیلی ضرور آئے گی نسوانی آزادی ہمارا حق ہے ہمیں اس سے کوئی روک نہیں سکتا۔

یہ سن کر پروین بے اختیاری میں بولی "کامنا! آپ نے میرے پیغام کو غلط رنگ دیا ہے۔" یہ کہہ کر اس نے چپ سادھ لی کیونکہ قیل وقال اس کی فطرت کا حصہ نہیں تھی۔ ادھر اُدھر کی باتوں کے بعد ہم نے کامنا کو اپنے گھر پر ڈنر کے لیے مدعو کیا مگر پروین کی مصروفیات کی وجہ سے ڈنر کا پروگرام کینسل ہو گیا۔ اس کے بعد پروین کی کامنا سے کبھی بات نہ ہوئی پروین کی کتابوں پر جو کام کیا جا رہا تھا وہ مکمل ہوا کہ نہیں پروین نے کبھی ذکر نہ کیا تھا۔

پروین کی یہ ایک بہت بڑی خاصیت تھی کہ جہاں اخلاقیات کا فقدان دیکھتی تھی وہاں سے احسن طریقے سے کنارہ کشی اختیار کر لیا کرتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ لوگوں سے میل ملاپ رکھنے سے بہت گھبراتی تھی۔ اس کی رومانی شاعری جس میں محبت کی جستجو، پا لینے کی خواہش اور پھر حاصل کر لینے کے بعد دھوکا وفریب کی اذیت اور کسک وچبھن کا کرب بہت نمایاں ہے۔ سب نے ان تمام حادثات کو اس کی ذات کے ساتھ منسوب کر کے اسے جو امیج بخش دیا تھا عورت کا ایسا تصور اس معاشرے میں ناقابل قبول تھا۔ اس لیے قدم قدم پر اسے ان مسائل کا سامنا کرنا پڑتا رہا۔ اس لیے وہ وقت کے ساتھ حلقۂ احباب کو بڑھانے کے بجائے اپنی دنیا کو تنگ کرتی گئی اور آخرا ان سے دوستوں میں چند نام جن پر اسے بھرپور اعتماد تھا اس کے ذہن وقلب میں محفوظ ہو کر رہ گئے تھے۔

وہ ایک خوب صورت اور سحر انگیز شخصیت کی مالک تھی۔ جاذب نظر ایسی کہ بار بار بات کرنے کو دل چاہے پھر شاعری میں حد درجے کی بے باکی۔ وہ لوگوں کی نظروں میں چڑھ گئی تھی دلوں میں بس گئی تھی اس کی زندگی اپنی نہیں رہی تھی جبکہ خود کو اس نے دوسروں سے دور کر لیا تھا۔ محتاط رہنا اس کا وطیرہ بن چکا تھا لیکن پھر بھی وہ محفوظ نہیں تھی آغاز میں فطری طور پر شہرت کے نشے میں سرشار رفتار بہت تیز ہوتی ہے۔ بے نیازی وبے پروائی کا دور دورہ ہوتا ہے نشیب وفراز کی تمیز کرنے کا وقت میسر ہوتا ہے نہ ہی اسے اہم سمجھا جاتا ہے کیونکہ عمر ہی ناتجربہ کار ہوتی ہے۔ پروین کو بے پناہ مقبولیت حاصل کرنے کے بعد احساس ہوا کہ اس نے حفظ ماتقدم کے اصولوں کو پس پشت ڈال کر دوسروں پر اعتماد کیا۔ انہیں اپنا سچا رفیق جانا جبکہ انہوں نے ہی اس کی زندگی میں شوریدگی مچادی۔ اس کا احساس تو ہو چکا تھا مگر دیر ہو چکی تھی۔ ایک دن اس نے مجھے سوچتے ہوئے ایک ذومعنی بات کہی۔ رف آئی ایم سٹل ینگ، اس وقت بھی حفاظتی بند باندھنے کی اشد ضرورت ہے، میں نے جواب نہ دیا کیونکہ میں نے کبھی اس کے ذاتی معاملات میں حصہ لینے کی کوشش نہ کی تھی۔ میری دوستی مشروط کی پابند نہیں تھی میں نے اس کے ماضی کو نہ تو کبھی کریدا نہ ہی اس کی ضرورت محسوس کی وہ خود ہی جن خدشات وفکرات کا انکشاف کرتی اس سے بڑھ کر جاننے کی مجھے جستجو ہی نہ تھی کیونکہ میں نے اس کے مزاج کو سمجھ لیا تھا وہ بہت پرائیوٹ پرسن تھی۔ اس کی ذاتی حدود میں ہر ایک کا داخلہ ممنوع تھا اور میں دوستی کے زور پر دخل اندازی کرنے کے سخت خلاف تھی، مجھے اس کے اصولوں کا احترام تھا۔

ایم فاطمہ سیال...... محمود پور

میرا دل دریا ہے محبت کا
میری چاہتوں میں بہتے پانی کی روانی ہے
میرا پیار نہیں ہے محتاج بیاں ایم
میرا ہر جذبہ لافانی ہے

مسرت بشیر مغل...... لانڈھی، کراچی

تیری یادوں میں شام ہوتی جا رہی ہے
میری چاہت سر عام ہوتی جا رہی ہے
تو اب بھی آزاد ہے محبت سے لیکن
میری ہر سانس تیری غلام ہوتی جا رہی ہے

ریما نور رضوان...... لیاقت آباد، کراچی

مسکراہٹ، تبسم، ہنسی، قہقہے
سب کے سب کھو گئے ہم بڑے ہو گئے

کرن شہزادی...... بھیر کنڈ، مانسہرہ

آجا کہ ابھی ضبط کا موسم نہیں گزرا
آجا کہ پہاڑوں پہ ابھی برف جمی ہے
خوش بو کے جزیروں سے ستاروں کی حدوں تک
اس شہر میں سب کچھ ہے بس اک تیری کمی ہے

مشا علی مسکان...... کمبر مشانی

معصوم سے ارمانوں کی معصوم سی دنیا
جو کر گئے برباد انہیں عید مبارک

مدیحہ اکرم کشش...... کیلگ ہری پور

کوشش زمانے کی ہمیں توڑ دینے کی ہے
اور ہم ہر ضرب کے بعد حوصلہ بڑھا لیتے ہیں

فصیحہ آصف خان...... ملتان

آنکھ تیری تصویر میں گم ہے
دل تیری جاگیر میں گم ہے
مقدر میں میرے تو ہے کہ نہیں
وسوسہ ہاتھ کی اس لکیر میں گم ہے

فریحہ شبیر...... شاہ نکڈر

شام کا آخری لمحہ ہو، بس اور خالی کمرہ ہو
اندر اندر ڈوبتی جاؤں، سوچوں کا ایسا دریا ہو

مدیحہ نورین مہک...... برنالی

بھولے ہیں رفتہ رفتہ انہیں مدتوں میں ہم
قسطوں میں خودکشی کا مزہ ہم سے پوچھیے

مشی خان...... بھیر کنڈ

زندگی تو کب کی ہوگئی خاموش
دل تو بس عادتاً دھڑکتا ہے

بنت ابن رحمت خان...... چھوکی

مقتل سے اپنی یاری ہے ہر وار پرانا لگتا ہے
سر کٹوانا ہماری عادت ہے ہر وار پرانا لگتا ہے
تم سنگ اٹھاؤ یا خنجر حق بات ہمیں تو کہنی ہے
اب ظلم و تشدد سرکاری اب سرکار پرانا لگتا ہے

سمیہ کنول...... مانسہرہ

کاش کوئی ہوتا جو میرے آنسوؤں کا بھرم رکھتا
یہاں تو ہر شخص نے مجھے رلانے کی قسم کھائی ہے

عنبر مجید...... کوٹ قیصرانی

وہ کون تھا اجنبی تھا کہ اپنا تھا انمول
اس سے مل کر بہت سکون ملا

سلمٰی فہیم گل...... لاہور

آوارہ افلاک ہے مدت سے مرا فکر
کر دے تو اسے چاند کے غاروں میں نظر بند

اقصیٰ زرگر، سنیاں زرگر...... جوڑہ

یارب تو چھین لے مجھ سے میری سوچیں میرے خیال
یا رب مجھ کو زندہ رہنے کی اتنی سزا نہ دے

طیبہ نذیر...... شادیوال گجرات

فنا ہو جاؤں میں اتنی تیری ذات میں اللہ
جو مجھے دیکھ لے اسے تجھ سے محبت ہو جائے

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

نظر ان کی زباں ان کی تعجب ہے کہ اس پر بھی

نظر کچھ اور کہتی ہے زباں کچھ اور کہتی ہے
عادل مصطفیٰ...... طور، جہلم

میں آج بھی اس کے فن کی داد دیتا ہوں
کیسے وہ مجھے سب کچھ سے ذرا سا کر گیا
گل مینا خان اینڈ حسینہ ایچ ایس...... مانسہرہ

روٹھو اگر مجھ سے تو یہ ذہن میں رکھنا تم
منانا عادت نہیں ہے ہماری اور جدا ہم رہ نہیں سکتے
عائشہ رحمان ہنی...... ریالی مری، بیروٹ خورد

منزل میری آنکھوں کے سامنے ہے ہنی
پر سفر ہے دشوار جو تنہا نہیں کاٹا جائے
میں اس بد نصیب ماہی کی طرح ہوں
جو لب ساحل پہ تڑپ کر مرجائے
پاکیزہ عمار...... تحصیل گوجر خان

کسی گوشے میں شاید حسرت تعمیر رکھتے ہیں
کہ اپنے پاس ہم اک شہر کی تصویر رکھتے ہیں
نجانے کس طرح گم ہو گی چھوٹے سے گھروندے میں
کہیں ہم خواب رکھتے ہیں کہیں تعبیر رکھتے ہیں
شفقت شاہین...... گاؤں کھوکھر بالا

سدا تیری ہونٹوں کی مسکان رہے
جسے تو چاہے وہ تیرے پاس رہے
شمع مسکان...... جام پور

گر ہوتی پروا میرے جذبات کی مسکان
تو رسوائیوں کو نہ میرا مقدر کرتے
مریم شفیق مریم...... شاہ کوٹ

سوچا ہے کہ چھوڑ دیں گے اب محبت کرنا
دنیا تو فریبی ہے خود سے کیا فریب کرنا
ارم کمال...... فیصل آباد

شام سورج کو ڈھلنا سکھا دیتی ہے
شمع پروانے کو جلنا سکھا دیتی ہے
گرنے والے کو تکلیف تو ہوتی ہے مگر
ٹھوکر انسان کو چلنا سکھا دیتی ہے
کوثر ناز...... حیدرآباد

الجھا ہوں زندگی میں کچھ اس طرح
گویا زندگی نہ ہوئی زلف یار ہوگئی
صوبیہ اسلم...... سیالکوٹ، ڈسکہ

دوستی گناہ ہے تو ہونے نہ دینا
دوستی خدا ہے تو کھونے نہ دینا
کرتے ہو جب کسی سے دوستی
تو کبھی اس دوست کو رونے نہ دینا
فریحہ شبیر...... شاہ کلڈر

اپنی حالت کا کچھ احساس نہیں ہے مجھے
میں نے اوروں سے سنا ہے کہ پریشان ہوں میں
سیما ممتاز عباسی...... لاڑکانہ

سال نو میں اک بارش جو میرے شہر میں ہو
سارے دل، سارے دریچے دھو جائے
حمیرا قریشی...... لاہور

اس قدر ہے میرے دل کو تجھے پانے کی حسرت
جیسے دکھ کے بازار میں درد کی کثرت
سارہ آفتاب...... منڈی بہاؤ الدین

ابھی تو خشک ہے موسم بارش ہوگی تو سوچیں گے
کہ ہم نے اپنے ارمانوں کو کس مٹی میں بونا ہے
شمائلہ...... ملتان

غیروں سے کہا تم نے غیروں سے سنا تم نے
کچھ ہم سے کہا ہوتا کچھ ہم سے سنا ہوتا
امید تو بندھ جاتی، تسکین تو ہوجاتی
وعدہ نہ وفا کرتے وعدہ تو کیا ہوتا

bazsuk@aanchal.com.pk

کچن کارنر

رخسانہ جبین

کریم کسٹرڈ

اجزاء:۔

دودھ	ڈیڑھ لیٹر
کسٹرڈ پاؤڈر	دو کھانے کے چمچ
سبز الائچی	دو عدد
فریش کریم	ایک کپ
چینی	ایک کپ
فروٹس	سجاوٹ کے لیے

ترکیب:۔

ٹھنڈے دودھ میں سے ایک کپ دودھ نکال کر رکھ لیں پھر باقی دودھ کو ایک پتیلی میں ڈال کر چولہے پر رکھیں پھر سبز الائچی توڑ کر ڈالیں ایک کپ ٹھنڈے دودھ میں دو کھانے کے چمچ کسٹرڈ پاؤڈر مکس کرلیں جب دودھ میں ابال آجائے تو اس میں چینی ملائیں اور آنچ دھیمی کرکے چمچ چلائیں جب چینی حل ہوجائے تو اس میں کسٹرڈ ملا ہوا دودھ شامل کریں اور چمچ چلاتی جائیں تاکہ گٹھلیاں نہ بننے پائیں۔ جب کسٹرڈ گاڑھا ہوجائے تو اتار لیں اب سرونگ باؤل میں آدھا کسٹرڈ ڈالیں اور اسے ٹھنڈا ہونے کے لیے رکھ دیں جب ٹھنڈا ہوجائے تو اس پر احتیاط سے کریم کی ایک تہہ لگائیں پھر اس کے اوپر بقیہ کسٹرڈ ڈال کر اپنے پسندیدہ پھلوں سے سجائیں۔
اس کے بعد ٹھنڈا کرنے کے لیے فریج میں آدھے گھنٹے کے لیے رکھ دیں مزیدار کریم کسٹرڈ تیار ہے۔

فرخندہ اکرم...... کوٹ مومن

ملیشین پراٹھا

اجزاء:۔

میدے میں ملانے کے لیے۔

مکھن	۲ چمچ
میدہ	آدھا کلو
نمک	آدھا کھانے کا چمچ
انڈا پھینٹا ہوا	ایک عدد
خشک دھنیا پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچ
بیکنگ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچ
انڈا (اوپر لگانے کے لیے)	ایک عدد

بھرنے کے لیے

کالی مرچ	آدھا کھانے کا چمچ
انڈے (ابلے ہوئے)	۴ عدد
پیاز (چوپ کیا ہوا)	ایک عدد
سبز مرچ	۳ عدد
سبز دھنیا	حسب ضرورت
سرخ مرچ	حسب ذائقہ
نمک	حسب ذائقہ
ثابت خشک دھنیا	ایک چائے کا چمچ
آئل	تلنے کے لیے

ترکیب:۔

سب سے پہلے میدے کے اجزا کو آٹے میں گوندھ لیں اور اس کے چھوٹے چھوٹے پیڑے بنالیں ان کو بیل کر چکور کاٹ لیں اب بھرنے کے اجزا کو مکس کرکے ایک طرف باؤل میں رکھ لیں اور تھوڑا تھوڑا آمیزہ بیلی ہوئی چکور روٹی کے ایک طرف رکھ لیں اور انڈے سے ان کے کنارے ملادیں اور پھینٹا ہوا انڈا اس کے اوپر لگا کر تل لیں رائتہ کے ساتھ پیش کریں اور اچھا سا گارنش کرلیں۔

اقراء لیاقت چڈھر...... حافظ آباد

آڑو کی چٹنی

اجزاء:۔

کھٹے آڑو	آدھا کلو
پانی	حسب ضرورت
چینی	ایک کپ
سرکہ	دو چمچ
نمک	حسب ذائقہ

املی	تھوڑی مقدار میں
کالی مرچ	ایک چمچ

ترکیب:۔
آڑو کو باریک کاٹ کر گٹھلی نکال لیں پانی میں آڑو کو ڈال کر ابال لیں جب پانی خشک ہونے لگے تو اس میں چینی، سرکہ، نمک، کالی مرچ، املی شامل کرلیں چمچ کے ساتھ آڑو کو باریک پیس لیں جب پانی اچھی طرح خشک ہوجائے تو نیچے اتار لیں مزیدار آڑو کی چٹنی تیار ہے اس کو آپ بریڈ یا پراٹھے پر لگا کر کھا سکتے ہیں اور جب بھی کھائیں مجھے دعائیں دیں۔

عروسہ شار...... سرگودھا

فروٹ سویاں

اجزاء

رنگین سویاں	آدھا کلو
دودھ	ایک لیٹر
چینی	250 گرام
کیلا، چیکو (کیوبز میں کٹے ہوئے)	آدھا کلو
اخروٹ	50 گرام
بادام (کٹے ہوئے)	50 گرام
آم (کیوبز کٹے ہوئے)	آدھا کلو

ترکیب:۔
دودھ کو چینی کے ساتھ پانچ منٹ ابالیں۔ ابلتے ہوئے دودھ میں رنگین خوش بودار سویاں ڈال دیں۔ دس منٹ تک بادام اور اخروٹ ڈال کر پکائیں۔ چولہے سے ہٹا کر ٹھنڈا ہونے کے لیے چھوڑ دیں۔ پھر کٹے ہوئے بادام، کیلے، چیکو اس میں ڈال کر مکس کرلیں۔ دو گھنٹے کے لیے فریج میں رکھ دیں۔ فروٹ سویوں کو ٹھنڈا ٹھنڈا پیش کریں۔

اریبہ ملک...... ٹوبہ ٹیک سنگھ

شاہی ٹکڑے

اجزاء:۔

ڈبل روٹی کے سلائس	چھ عدد
چینی	ایک کپ
زعفران	ایک چٹکی
کشمش	۴۰ گرام
کھویا	۱۲۵ گرام
دودھ	ڈیڑھ لیٹر
گھی	۱۰۰ گرام
بادام (باریک کتر لیں)	۴۰ گرام
سبز الائچی پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچ

ترکیب:۔
ڈبل روٹی کے سلائس کے کنارے کاٹ کر تکون کی شکل میں کاٹ لیں۔ اب ان ٹکڑوں کو گرم گھی میں تل لیں۔ ہلکا براؤن کر کے نکال دیں۔ زعفران کو تھوڑے سے گرم دودھ میں بھگو دیں۔ میوے کو بھی گھی میں تل لیں۔ دودھ کو دھیمی آنچ پر ابالیں۔ اتنا ابالیں کہ دودھ آدھے سے بھی کم مقدار میں رہ جائے۔ اب اس میں چینی، زعفران اور کھویا ملا دیں۔ ڈش میں تلے ہوئے توس سجا کر دودھ کھویا کی سوس ڈال دیں۔ تلے ہوئے میوے سے سجا کر پیش کریں۔ آخر میں چھوٹی الائچی پاؤڈر ڈال دیں۔ لذیذ شاہی ٹکڑے تیار ہیں۔

انعم جبار...... ملتان

بن کباب

اجزاء:۔

ابلے آلو	2 عدد
چنے کی دال	ابلی ہوئی ایک کپ
قیمہ	ایک کپ
نمک، کٹی لال مرچ	حسب ضرورت
ثابت دھنیا کٹا ہوا	ڈیڑھ ٹی سپون
ثابت زیرہ کٹا ہوا	ایک ٹی سپون
انار دانہ کٹا ہوا	ایک ٹی سپون
بن	حسب ضرورت
چاٹ مصالحہ	حسب ضرورت
انڈا	ایک عدد
تیل	حسب ضرورت
ٹماٹر اور پیاز	گول کاٹ لیں
سلاد کے پتے	چند عدد

ہری چٹنی کے لیے

ہرا دھنیا — ایک گڈی
ہری مرچ — 3 سے 4 عدد
کٹی لال مرچ — ایک ٹی اسپون
املی کا گودا — 1/2 کپ
نمک — حسب ذائقہ
زیرہ — دو چائے کے چمچ
دہی — ایک کپ
چاٹ مصالحہ — حسب ضرورت
پودینہ — 1/2 گڈی

تمام چیزوں اچھی طرح ملالیں، کباب بنا کر اور انڈا لگا کر تل لیں۔ بن کو تیل لگا کر سینک لیں۔ بن کے اوپر کباب رکھیں ہری چٹنی، دہی کی چٹنی اس کے اوپر تمام چیزیں اور پیاز کے لچھے ڈالیں، چاٹ مصالحہ چھڑکیں اور بن کا دوسرا حصہ رکھ کر سرو کریں۔

تہمینہ شفیق...... لالہ موسیٰ

بھنا ہوا پیازی گوشت

اجزاء:۔

گائے کے پسندے — آدھا کلو
پیاز — موٹی کٹی ہوئی ایک پاؤ
ٹماٹر — ۲ عدد باریک کٹے ہوئے
ثابت ہری مرچیں — ۶ عدد
کٹی ہوئی کالی مرچ — ایک چائے کا چمچہ
ادرک — باریک کٹی ہوئی (ایک کھانے کا چمچ) چھڑکنے کے لیے
پسی ہوئی لال مرچ — آدھا چائے کا چمچہ
لیموں کا رس — ۴ کھانے کے چمچے
نمک — حسب ذائقہ
تیل — آدھی پیالی

ترکیب:۔

پسندوں کو نمک ڈال کر اُبال لیں۔ دیگچی میں تیل گرم کرکے پیاز سنہری کریں۔ گوشت نکال کر دیگچی میں شامل کریں اور اس کی یخنی محفوظ کرلیں۔ دیگچی میں کالی مرچ، لال

مرچ، ہری مرچیں، ٹماٹر، ادرک اور نمک ملائیں۔ اس میں لیموں کا رس اور یخنی ملا کر چند منٹ تک پکائیں اور ڈش میں نکالیں، اسے ادرک چھڑک کر پیش کریں۔

منزہ سیال...... ٹھٹھہ آدم

شملہ مرچ بریانی

اجزاء:۔

مٹن — ایک کلو
چاول (باسمتی) — ایک کلو
لہسن کے جوئے — چھ عدد
ثابت دھنیا — ایک چائے کا چمچ
سونف — ایک چائے کا چمچ
سفید زیرہ — ایک چائے کا چمچ
کالا زیرہ — ایک چائے کا چمچ
پیاز (کٹی ہوئی) — تین عدد
ٹماٹر (کٹے ہوئے) — چار عدد
شملہ مرچ (لمبائی میں کٹی ہوئی) — آدھا کلو
آلو (لمبائی میں کٹے ہوئے) — آدھا کلو
ہری مرچ (لمبائی میں کٹی ہوئی) — دو عدد
دہی — ایک کھانے کا چمچ
نمک — حسب ذائقہ
سرکہ — ایک کھانے کا چمچ
زردے کا رنگ — چوتھائی چائے کا چمچ
لہسن ادرک کا پیسٹ — ایک کھانے کا چمچ
تیل — ایک پیالی

ترکیب:۔

گوشت میں ثابت لہسن، ثابت دھنیا، سونف، کالا اور سفید زیرہ اور نمک ڈال دیں۔ پانچ پیالی پانی ڈال کر گوشت گلنے تک پکائیں۔ گوشت گل جائے تو گوشت الگ کرلیں اور یخنی چھان لیں۔ ایک دیگچی میں تیل گرم کرکے پیاز کو براؤن کریں۔ لہسن ادرک پیسٹ ڈال دیں۔ شملہ مرچ ڈال کر دو منٹ تک فرائی کریں۔ اس کے بعد آلو اور ٹماٹر ڈال دیں۔ ساتھ ہی دہی لال مرچ ڈال کر دو منٹ تک بھونیں۔ گوشت ڈال کر بھونیں۔

ساتھ ہی ہری مرچیں بھی ڈال دیں۔ اس کے بعد چاول ڈال دیں۔ یخنی کا پانی ڈال کر تیز آنچ پر پکائیں جب پانی خشک ہوجائے تو زردے کا رنگ تھوڑے سے پانی میں گھول کر ڈال دیں۔ سرکہ ڈال کر پندرہ منٹ کے لیے دم پر رکھ دیں۔ سلاد اور رائتے کے ساتھ پیش کریں۔

نورین ملک...... میرپورخاص، سندھ

پالک گوشت

اجزاء:۔

بکرے کا گوشت	آدھا کلو
پالک	آدھا کلو
ہری مرچ	چھ عدد
ٹماٹر	ایک عدد
میتھی	دو چھوٹی گٹھی
تیل	آدھا کپ
پیاز (تلی ہوئی)	آدھا کپ
ادرک لہسن کا پیسٹ	ایک کھانے کا چمچ
لال مرچ (پسی ہوئی)	ایک کھانے کا چمچ
ہلدی	چوتھائی چائے کا چمچ
نمک	ایک چائے کا چمچ
دھنیا (پسا ہوا)	ڈیڑھ چائے کا چمچ
دہی	ایک کپ
دودھ	آدھا کپ
قصوری میتھی	دو چائے کے چمچ

ترکیب:۔

پالک کو صاف کر کے ابال لیں۔ اب پالک کو ہری مرچ، ٹماٹر اور میتھی کے ساتھ بلینڈ کر کے رکھ لیں۔ پھر تیل گرم کر کے اس میں تلی پیاز، ادرک لہسن کا پیسٹ، پسی لال مرچ، ہلدی، پسا دھنیا، نمک اور بکرے کا گوشت ڈال کر دس منٹ کے لیے فرائی کریں۔ اب اس میں دہی شامل کر کے اچھی طرح فرائی کر لیں۔ اس کے بعد ڈیڑھ کپ پانی ڈال کر ڈھکیں اور پکالیں، یہاں تک کہ گوشت تقریباً پک جائے۔ اب بلینڈ کیا ہوا پالک کا مکسچر شامل کر کے ڈھکیں اور پکالیں، یہاں تک کہ تیل اوپر آجائے۔ آخر میں دودھ اور قصوری میتھی ڈال کر فرائی کریں اور نکال لیں۔

مریم عمران...... کراچی

کلیجی پیاز

اجزاء:۔

بکرے کی کلیجی	آدھا کلو
تیل	چار سے پانچ کھانے کے چمچ
ادرک لہسن کا پیسٹ	دو کھانے کے چمچ
پیاز	دو عدد
ٹماٹر (ابلے اور کٹے ہوئے)	دو عدد
ہری مرچ	دو عدد
لال مرچ (پسی ہوئی)	ایک چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
زیرہ (پسا ہوا)	آدھا چائے کا چمچ
دھنیا (پسا ہوا)	ایک چائے کا چمچ
جائفل جاوتری (پسی ہوئی)	آدھا چائے کا چمچ
قصوری میتھی	آدھا چائے کا چمچ
ہلدی	آدھا چائے کا چمچ
ہرا دھنیا (کٹا ہوا)	ایک چوتھائی گٹھی

ترکیب:۔

پہلے بکرے کی کلیجی کو چھوٹی بوٹیوں میں کاٹ لیں۔ اب کڑاہی میں تیل اور ادرک لہسن پیسٹ شامل کر دیں۔ جیسے ہی وہ تھوڑا سا گل جائے تو کلیجی شامل کر کے اتنا بھونیں کہ تمام پانی خشک ہو جائے۔ پھر اس میں پیاز، ٹماٹر، ہری مرچ، پسی لال مرچ، نمک، زیرہ پاؤڈر، دھنیا پاؤڈر، جائفل جاوتری، قصوری میتھی اور ہلدی شامل کر کے تھوڑا سا مکس کریں۔ آدھا کپ پانی شامل کر کے ڈھک کر پکنے کے لیے چھوڑ دیں۔ آٹھ سے دس منٹ بعد ڈھکن ہٹا کر ہرے دھنیے سے گارنش کر کے گرم گرم سرو کریں۔

مہوش نور...... ڈسکہ

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

آرائشِ حسن

حدیقہ احمد

بھاپ سے چہرے پر نکھار

چہرے پر ہلکے مساج کے بعد بھاپ لیں اس کے لیے ایک بڑی دیگچی میں کھانے کا ایک چمچ سمندری نمک اور پودینے کے پتے ڈال لیں اور پانی کو خوب کھولا لیں پھر چولہا بند کردیں اور تولیہ سر پر ڈال کر چہرے کو کھولتے ہوئے پانی کی دیگچی کے قریب لے کر بھاپ لیں خیال رہے کہ بھاپ چہرے کے علاوہ ادھر اُدھر نہ ہوجائے جب چہرے پر پسینا آجائے تو بھاپ لینا بند کردیں اور چہرے کو کسی ململ کے کپڑے یا روئی کی مدد سے اچھی طرح صاف کرلیں اس سے نہ صرف چہرے کا میل صاف ہوجاتا ہے بلکہ آپ کے چہرے کے بلیک ہیڈز بھی صاف ہوجاتے ہیں اور چہرہ نکھر کر اور بھی خوب صورت ہوجاتا ہے اور چہرے کی قدرتی چمک دمک بھی برقرار رہتی ہے۔ خواتین یہ کام اپنے گھر پر بھی بہت آسانی سے کرسکتی ہیں اور اس کے لیے انہیں پارلرز جانے کی ضرورت بھی نہیں پڑتی۔ ہر پندرہ روز کے بعد بھاپ لینے سے چہرے پر جھریاں بھی کم پڑتی ہیں۔

میک اپ کا استعمال

خواتین اپنے آپ کو خوب صورت بنانے کے لیے میک اپ کا استعمال کرتی ہیں میک اپ ایک ایسی تکنیک ہے جو حقیقتاً ایسی شبیہہ تخلیق کرتی ہے جو کسی کی خواہش ہوتی ہے اور یہ طویل تجربے اور مشق کا نتیجہ ہوتی ہے یہ قدرتی طریقہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک تکنیک ہے جو سیکھنے کے بعد مہارت بنائی جاتی ہے اس میں خواتین اپنے مشاہدے اور قوت کو استعمال کرتی ہیں اس میں بہترین ذوق اور رنگوں کا کردار اہم ہوتا ہے۔

خواتین جب بھی میک اپ کا استعمال کریں تو ان کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ احتیاط کے ساتھ تمام کاسمیٹکس کا انتخاب کریں تاکہ جلد کو نقصان نہ پہنچے اور جلد کی خوب صورتی بھی برقرار رہے۔ پروفیشنل میک اپ بنیادی تکنیک پر استوار ہوتا ہے یعنی بلینڈنگ شیڈو انگ اور ہائی لائٹنگ بلینڈنگ میں مختلف مرحلوں کو مدنظر رکھ کر میک اپ کیا جاتا ہے جس میں فاؤنڈیشن لگا کر کلر کا اضافہ کرکے فنشنگ ٹچ کے ساتھ جلد کی خوب صورتی کو اجاگر کیا جاتا ہے۔ آپ کلرز کا انتخاب بہت احتیاط سے کریں اور کوشش کریں کہ میک اپ ہمیشہ لائٹ ٹچ کے ساتھ اور اندر سے باہر کی طرف اسٹروک کے ساتھ کریں اسی طرح شیڈ وانگ کو آئی شیڈو کے ساتھ استعمال نہیں کرنا چاہیے۔

فائونڈیشن سے چہرے کی حفاظت

فاؤنڈیشن چہرے کے میک اپ کے لیے انتہائی اہم چیز ہے یہ معمولی سے معمولی نقص کو چھپا کر باقی میک اپ کے لیے ایک سطح فراہم کرتا ہے۔ فاؤنڈیشن چہرے کے بعض حصوں کو نمایاں کرنے اور چمک دار بنانے کے کام بھی آتا ہے۔ فاؤنڈیشن دو قسم کے ہوتے ہیں ایک میں چکنائی بنیادی عنصر کے طور پر شامل ہوتی ہے اور دوسرے میں پانی بنیادی عنصر کی حیثیت رکھتا ہے لہٰذا جلد کی مناسبت سے اس کا انتخاب کریں۔ فاؤنڈیشن خریدنے سے پہلے بوتل سے تھوڑا سا فاؤنڈیشن نکال کر اپنی کلائی پر ملیں اگر یہ جلد پر نمایاں نظر نہیں آرہا تو سمجھ لیں یہ شیڈ آپ کے لیے مناسب ہے۔ پورے چہرے پر فاؤنڈیشن لگانے کے بجائے جہاں ضرورت ہو وہاں لگائیں' گردن اور کانوں پر بھی ہلکا فاؤنڈیشن لگائیں تاکہ یہ حصے بھی چہرے کی رنگت کے مطابق ہوجائیں فیس پاؤڈر کو پف یا برش کی مدد سے چہرے اور گردن پر اس طرح لگائیں کہ دونوں ہم رنگ نظر آئیں کہیں کمی یا زیادتی نہ ہو۔ پاؤڈر لگانے سے میک اپ دیر تک قائم رہتا ہے

ماہنامہ داستانِ دل ساہیوال

ادب کی دنیا میں ایک نیا نام

نئے لکھنے والوں کے لئے ایک بہترین پلیٹ فارم

اگر آپ لکھاری ہیں اور تحریر کسی مستند ادارے میں بھیجنا چاہتے ہیں تو ابھی داستانِ دل کو بھیجیں۔ آپ کی تحریر قریب کے شمارے میں پبلش کی جائے گی۔ آپ اپنے افسانے، ناولٹ، ناولز، کہانیاں، جگ بیتیاں، آپ بیتیاں، غزلیں یا پھر نظمیں ہمیں ای میل کے ذریعے، ڈاک کے ذریعے یہاں تک کہ وٹس ایپ کے ذریعے بھی بھیج سکتے ہیں۔ بس آپ کی تحریر اردو میں لکھی ہونی چاہیئے۔ اگر آپ نئے لکھاری ہیں تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، آپ اپنی تحریر ہمیں بھیجیں ہم اس کو صحیح کر کے اپنے شمارے کا حصہ بنائیں گے۔ اگر آپ لکھنا نہیں جانتے تب بھی آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں آپ ہمیں کوئی بھی اچھی سی غزل یا اقوال زریں انتخاب کے لئے بھیج سکتے ہیں۔ وہ بھی داستانِ دل کا حصہ بنے گا۔ اس کے علاوہ آپ اپنی تحریر موبائل پر بھی میسج کر سکتے ہیں بس اردو میں تحریر ہو۔

ہمارے داستانِ دل کے سلسلے کچھ اس طرح سے ہیں

محبت نامے، ملک کی ممتاز شخصیات کا انٹرویو، افسانے ناولز، ناولٹ، غزلیں، نظمیں، حمد، نعت اور انتخاب

اس کے علاوہ آپ کی ہر تحریر کو ہمارے شمارے میں خاص جگہ دی جائے گی۔ آپ ہمارے سارے شمارے پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر پڑھ سکتے ہیں اور پڑھ کر اپنی رائے دے سکتے ہیں

ہمارا ایڈریس ہے۔

ندیم عباس ڈھکو چک نمبر L-5/79 ڈاکخانہ 5.L/78 تحصیل و ضلع ساہیوال

وٹس ایپ نمبر: 03225494228

ای میل ایڈریس ہے abbasnadeem283@gmail.com

اس کے علاوہ یہ جلد کی حفاظت کرتا ہے اور جلد سے نکلنے والی فاضل چکنائی کو جذب کرتا ہے۔

سرخی مائل رنگ اور گندمی رنگ میک اپ

سرخی مائل رنگ کی خواتین کے چہرے پر چھوٹے چھوٹے سرخ دھبے نظر آتے ہیں خصوصاً ناک کی نوک ٹھوڑی پیشانی اور رخساروں پر سرخ نشانات قدرے واضح نظر آتے ہیں۔ان خواتین کو چاہیے کہ وہ پیلاہٹ مائل فاؤنڈیشن استعمال کریں کیونکہ یہ شیڈ ان کے چہرے کی سرخی کو چھپائے گا اور اس کے ساتھ ساتھ ان کا چہرہ قدرتی سرخی سے بھی محروم بھی نہیں دکھائی دے گا۔اس کے مقابلے میں سفید رنگت پر ہلکا اور بھاری دونوں قسم کا میک اپ چلتا ہے لیکن گندمی رنگت رکھنے والی خواتین کو احتیاط اور سلیقے سے کام لینا چاہیے ورنہ ان کا چہرہ بدنما اور سیاہ دکھائی دے گا۔ایسی خواتین کو فیئر لائٹ فاؤنڈیشن کا روزانہ شیڈ استعمال کرنا چاہیے اس سے ان کے چہرے پر نکھار پیدا ہوگا اور چہرے کی تروتازگی بھی برقرار رہے گی۔

چھوٹے بالوں کو سنوارنا

بالوں کی آرائش و زیبائش آپ کی شخصیت میں نمایاں شخصیت کی حامل ہوتی ہے آپ خواہ کسی تقریب میں شرکت کا ارادہ رکھتی ہوں یا نوکری پر جانے کے لیے بالوں کی زیبائش مقصود ہو دونوں صورتوں میں اگر بالوں کو مناسب انداز میں ترتیب نہ دیا جائے تو یہ نہ صرف دوسروں پر آپ کی شخصیت کے منفی اثرات مرتب کرتا ہے بلکہ آپ خود بھی ایسی صورت میں عدم اعتماد کا شکار ہوسکتی ہے۔بالوں کی آرائش کا اصل مسئلہ ان خواتین کو درپیش ہوتا ہے جن کے بال قدرتی طور پر چھوٹے ہیں یا پھر وہ لمبے بالوں کو سنبھالنے سے کتراتی ہیں۔اس مقصد کے لیے ضروری ہے کہ آپ کسی ماہر بیوٹیشن کی مدد سے اپنے بالوں کو مناسب ہیئر اسٹائل دیں اس کے بغیر آپ کے بال آپ کی تیاری کو ادھورا ظاہر کریں گے۔اگر آپ کے بال گھنگھریالے اور بہت چھوٹے ہیں تو ان میں کسی قسم کے کلپ یا کیچر کے استعمال سے گریز کریں تاہم اگر آپ کے بال گردن یا کندھے تک ہیں تو پھر ان میں کیچر کا استعمال انہیں خوشنما بنا سکتا ہے اس کے علاوہ اگر آپ کے بال سلکی سیدھے ہیں تو پھر کسی بھی تقریب میں جانے سے پہلے آپ انہیں شیمپو کی مدد سے اچھی طرح دھوئیں اور انہیں مناسب انداز میں سنوارلیں۔

بال باہر کی طرف سیٹ کرنا

بالوں کو دھوکر جب ان میں معمولی سی نمی ہو تو انہیں اچھی طرح برش کرلیں پھر رولنگ برش لے کر بالوں کے آخری سرے سے بالوں کو برش پر لپیٹیں۔سخت گرفت کے ساتھ اگر آپ کے پاس الیکٹرک راڈ ہو تو اسی طرح جس طرح برش پر بالوں کو لپیٹا جاتا ہے اسی طرح لپیٹیں لیکن جب محسوس کریں کہ وہ خشک ہوگئے ہیں نکال لیں لیکن ڈرائی کریں اسی طرح ماتھے پر کٹے ہوئے بال بھی ڈرائیر کی مدد سے رولنگ برش کے ساتھ باہر کی طرف لپیٹیں اور آہستہ آہستہ ڈھیلا چھوڑتی جائیں اسی طرح آپ بالوں کو ڈرائیر سے بھی رول کرسکتی ہیں لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ کے بال جلد سیٹ ہونے والے ہوں اگر آپ کے بال زیادہ سیدھے ہیں تو آپ کو گھر میں ہی رولرز کا استعمال بہتر رہے گا اور اگر بال بہت زیادہ روکھے ہیں تو ایسی صورت میں آپ پارلر جاکر اپنے بالوں کو سیٹ کرواسکتی ہیں۔

غزل

پوچھا صدف تو آنکھ جھکا کر دکھا دیا
پوچھا گوہر تو اشک بہا کر دکھا دیا
پوچھا کہ اتنے پھول بہاروں میں کس طرح
اس نے عدیم خود کو ہنسا کر دکھا دیا
پوچھا کہ شب کو چاند نکلتا ہے کس طرح
رخ سے نقاب اس نے ہٹا کر دکھا دیا
پوچھا کہ آفتاب کو چھاؤں کبھی ملی
بالوں کو اس نے رخ پہ گرا کر دکھا دیا
پوچھا کہاں سے آئی دھنک آسمان پر
آنچل ہوا میں اس نے اڑا کر دکھا دیا
پوچھا کے حوض شب میں کیا غسل نور بھی
تب اس نے چاندنی میں نہا کر دکھا دیا
پوچھا کہ مجھ کو وعدہ شکن کہہ دیا ہے کیوں
اس نے عدیم خط میرا لا کر دکھا دیا

شاعر: عدیم ہاشمی
انتخاب: عرشیہ ہاشمی

غزل

تازہ محبتوں کا نشہ جسم و جاں میں ہے
پھر موسم بہار مرے گلستاں میں ہے
اک خواب ہے کہ بار دگر دیکھتے ہیں ہم
اک آشنا سی روشنی سارے مکاں میں ہے
تابش میں اپنی مہر و مہ و نجم سے سوا
جگنو سی یہ زمیں جو کفِ آسماں میں ہے
اک شاخ یاسمین تھی کل تک خزاں اثر
اور آج سارا باغ اُسی کی اماں میں ہے
خوشبو کو ترک کر کے نہ لائے چمن میں رنگ
اتنی تو سوجھ بوجھ مرے باغباں میں ہے
لشکر کی آنکھ مالِ غنیمت پہ ہے لگی
سالار فوج اور کسی امتحان میں ہے
ہر جاں نثار یاد دہانی میں منہمک
نیکی کا ہر حساب دلِ دوستاں میں ہے
حیرت سے دیکھتا ہے سمندر مری طرف
کشتی میں کوئی بات ہے یا بادباں میں ہے
اُس کا بھی دھیان جشن کی شب اے سپاہ دوست
باقی ابھی جو تیر، عدو کی کماں میں ہے
بیٹھے رہیں گے، شام تلک تیرے شیشہ گر
یہ جانتے ہوئے کہ خسارہ دکاں میں ہے
مسند کے اتنے پاس نہ جائیں کہ پھر کھلے
وہ بے تعلقی جو مزاج شہاں میں ہے
ورنہ یہ تیز دھوپ تو چبھتی ہمیں بھی ہے
ہم چپ کھڑے ہوئے ہیں کہ تُو سائباں میں ہے

شاعرہ: پروین شاکر
انتخاب: ریمانور رضوان...... کراچی

غزل

غم کا بادل تری زلفوں سے گھنیرا نکلا
سلیہ ابر بھی قسمت کا اندھیرا نکلا
سو گئے چاند ستارے تو اُجالا جاگا
چل دیئے ہجر کے مارے تو سویرا نکلا
اپنا گھر چھوڑ کے جانا کوئی آساں تو نہیں
ہاتھ ملتا مرے آنگن سے اندھیرا نکلا
نیند نے لوٹ لیے خواب خزانے میرے
جس کو آنکھوں میں بسایا تھا لٹیرا نکلا
ٹوٹ کر ظلم کی دیوار زمیں بوس ہوئی
چاند جب توڑ کے ظلمات کا گھیرا نکلا
میں تو سمجھا تھا کہ ویران ہے دِل کی بستی
اِس خرابے میں بھی اِک وہم کا ڈیرا نکلا
شہر چھوڑا تھا تجھے دِل سے بھلانے کے لیے
قریہ قریہ تری یادوں کا بسیرا نکلا
ایک دُشمن جو مِلا ہے تو میں کتنا خوش ہوں
شہرِ احباب میں اِک شخص تو میرا نکلا
دِل کو ہمدرد سمجھ رکھا تھا عاجز میں نے
کیا قیامت ہے یہ بے درد بھی تیرا نکلا

شاعر: مشتاق عاجز

انتخاب: سجاد شبیر...... بھکر

دلوں میں اتر
جاتا ہے
ہاں مگر اپنا
ہنر میں تب
مانوں گی
جب میرے کہے
اشعار حسین
جذبوں کی صورت
تیرے دل میں
اتریں گے

شاعرہ: فرح بھٹو
انتخاب: قندیل خان...... اسلام آباد

فلک کے دشت میں

یہ داغ داغ اجالا، یہ شب گزیدہ سحر
وہ انتظار تھا جس کا یہ وہ سحر تو نہیں
وہ یہ سحر تو نہیں جس کی آرزو لے کر
چلے تھے یار کہ مل جائے گی کہیں نہ کہیں
فلک کے دشت میں تاروں کی آخری منزل
کہیں تو ہوگا شب مست موج کا ساحل
کہیں تو جاکے رکے گا سفینہ عہد
جواں لہو کی پراسرار شاہراہوں سے
چلے جو یار تو دامن پہ کتنے ہاتھ پڑے
دیار حسن کی بے صبر خوابگاہوں سے
پکارتی رہیں بانہیں بدن بلاتے رہے
بہت عزیز تھی لیکن رخ سحر کی لگن
بہت قریں تھا حسینا نور کا دامن
سبک سبک تھی تمنا دبی دبی تھی تھکن
سنا ہے ہو بھی چکا ہے فراق ظلمت و نور
سنا ہے ہو بھی چکا ہے وصال منزل و گام
بدل چکا ہے بہت اہل درد کا دستور
نشاط وصل حلال و عذاب ہجر حرام
جگر کی آگ نظر کی امنگ دل کی جان
کسی پہ چارہ ہجراں کا کچھ اثر ہی نہیں
کہاں سے آئی نگار صبا کدھر کو گئی
ابھی چراغ سر رہ کو کچھ خبر ہی نہیں

غزل

ہم نے ہی لوٹنے کا ارادہ نہیں کیا
اس نے بھی بھول جانے کا وعدہ نہیں کیا
دکھ اوڑھتے نہیں کبھی جشنِ طرب میں ہم
ملبوسِ دل کو تن کا لبادہ نہیں کیا
جو غم ملا ہے بوجھ اٹھایا ہے اس کا خود
سرزیرِ بارِ ساغر و بادہ نہیں کیا
کارِ جہاں ہمیں بھی بہت تھے سفر کی شام
اس نے بھی التفات زیادہ نہیں کیا
آمد پہ تیری عطر و چراغ و سبو نہ ہوں
اتنا بھی بود و باش کو سادہ نہیں کیا

شاعرہ: پروین شاکر
انتخاب: صبا عشل

پلٹ آؤ

کہ دل کی دھڑکنیں اب بھی
تمہارے نام کی تسبیح
صبح شام پڑھتی ہیں

شاعر: ارشد ملک
انتخاب: دلکش مریم...... چنیوٹ

فن

لوگ کہتے ہیں
میرے شعروں
میں جذبے
بولتے ہیں
میرے حرف
مجسم کیفیت
بن کر دلوں
میں اتر جاتے
ہیں
میں جانتی ہوں
کہ میرا فن
خوب جذبوں کو
بیاں کرتا ہے
اور با آسانی

ابھی گرانیٔ شب میں کمی نہیں آئی
نجات دیدہ و دل کی گھڑی نہیں آئی
چلے چلو کہ وہ منزل ابھی نہیں آئی

شاعر: فیض احمد فیض

انتخاب: فرح طاہر...... ملتان

غزل

ہم نے سب شعر میں سنوارے تھے
ہم سے جتنے سخن تمہارے تھے
رنگ و خوشبو کے، حسن و خوبی کے
تم سے تھے جتنے استعارے تھے
تیرے قول و قرار سے پہلے
اپنے کچھ اور بھی سہارے تھے
جب وہ لعل و گہر حساب کیے
جو ترے غم نے دل پہ وارے تھے
میرے دامن میں آگرے سارے
جتنے طشتِ فلک میں تارے تھے
عمر جاوید کی دعا کرتے
فیضؔ اتنے وہ کب ہمارے تھے

شاعر: فیض احمد فیض

انتخاب: فریحہ چوہدری

غزل

کمال ضبط کو خود بھی تو آزماؤں گی
میں اپنے ہاتھ سے اس کی دلہن سجاؤں گی
سپرد کر کے اسے چاندنی کے ہاتھوں میں
میں اپنے گھر کے اندھیروں کو لوٹ آؤں گی
بدن کے کرب کو وہ بھی سمجھ نہ پائے گا
میں دل میں روؤں گی آنکھوں میں مسکراؤں گی
وہ کیا گیا کہ رفاقت کے سارے لطف گئے
میں کس سے روٹھ سکوں گی کسے مناؤں گی
اب اس کا فن تو کسی اور سے ہوا منسوب
میں کس کی نظم اکیلے میں گنگناؤں گی
وہ ایک رشتہ بے نام بھی نہیں لیکن
میں اب بھی اس کے اشاروں پر سر جھکاؤں گی
بچھا دیا تھا گلابوں کے ساتھ اپنا وجود
وہ سو کے اٹھے تو خوابوں کی راکھ اٹھاؤں گی
سماعتوں میں گھنے جنگلوں کی سانسیں ہیں
میں اب کبھی تری آواز نہ سن پاؤں گی
جواز ڈھونڈ رہا تھا نئی محبت کا
وہ کہہ رہا تھا کہ میں اس کو بھول جاؤں گی

شاعرہ: پروین شاکر

انتخاب: صائمہ سکندر سومرو...... حیدرآباد

غزل

کیوں طبیعت کہیں ٹھہرتی نہیں
دوستی تو اداس کرتی نہیں
ہم ہمیشہ کے سیر چشم سہی
تجھ کو دیکھیں تو آنکھ بھرتی نہیں
شعر بھی آیتوں سے کیا کم ہیں
ہم نے یہ مانا وحی اترتی نہیں
اس کی رحمت کا کیا حساب کریں
بس ہم ہی سے حساب کرتی نہیں
محبت ہے سن زمانے سن
اتنی آسانیوں سے مرتی نہیں
جس طرح گزارتے ہو فراز
زندگی اس طرح گزرتی نہیں

شاعر: احمد فراز

جویریہ سعید اعوان...... بھارہ کہو اسلام آباد

اقبال کی فریاد

تیری اس دنیا میں یہ منظر کیوں ہے
کہیں زخم تو، تو کہیں کھائیں پیٹھ پہ خنجر کیوں ہے
سنا ہے کہ تو ہر ذرے میں ہے رہتا
پھر زمین پر کہیں مسجد، کہیں مندر کیوں ہے؟
جب رہنے والے اس دنیا کے ہیں تیرے ہی بندے
تو پھر کوئی کسی کا دوست، کسی کا دشمن کیوں ہے؟
تو ہی لکھتا ہے سب لوگوں کا مقدر یارب
تو پھر کوئی بدنصیب اور کوئی مقدر کا سکندر کیوں ہے؟

شاعر: علامہ اقبال

انتخاب: نورین انجم اعوان...... کورنگی، کراچی

بھوک

باسٹھ سال سے دروازے پر بھوک کھڑی تھی
ہاں...... روزہ رکھ کر گلیوں میں دوڑ رہی تھی

شاید آٹا، چینی اور گھی
ڈھونڈ رہی تھی
ایک گلی میں فاقہ کشوں کی بھیڑ لگی تھی
مفت کا راشن ملنا تھا
ماں حسرت سے دوڑ پڑی تھی
لیکن
پاؤں پھسلا
سامنے موت کھڑی تھی
مرتے مرتے اس کا اتنا کہنا تھا
آ کے مبارک دو جو اتنی شاد ہوئی
باسٹھ سال کی بھوک سے میں آزاد ہوئی

شاعر: توقیر چغتائی
انتخاب: مدیحہ نورین مہک...... برنالی

غزل

بچھڑے ہوئے لوگوں کو اک اک بات رلا دیتی ہے
ہم کو تو ہر جانے والی رات رلا دیتی ہے
ویسے تو ہم دل کے بڑے ہی پکے ہیں ہر غم میں
وہ تو کبھی کبھی یونہی برسات رلا دیتی ہے
جیسے پتھر کر دیتی ہے بعض اوقات خوشی میں
جیسے بعض اوقات کوئی بارات رلا دیتی ہے
جنہوں نے ہار کبھی نہیں دیکھی جیون میں
ایسوں کو تو چھوٹی سی اک مات رلا دیتی ہے
غموں سے تو کچھ اور بھی بڑھ جاتا ہے ضبط ہمارا
ہاں البتہ خوشیوں کی بہتات رلا دیتی ہے

شاعرہ: فرحت عباس شاہ
انتخاب: عابد محمود...... ملکہ ہانس

غزل

دنیائے رنگ و بو سے گزر جانا چاہیے
تنگنائے زندگی سے نکھر جانا چاہیے
مانا زمین کی کوکھ نے ہم کو جنم دیا
اچھا ہے پھر اسی میں اتر جانا چاہیے
دنیا کا کیا ہے خود سے بھی بے زار ہو چلے
اب تو خود اپنے سے بھی بچھڑ جانا چاہیے
در در تلاش یار میں جانے سے فائدہ
وہ گل بدن جدھر ہے ادھر جانا چاہیے
عمر طویل کاٹ کے دھرتی کے اس طرف
کرتا تو جی نہیں ہے مگر جانا چاہیے
ہنس دے سن کے وہ تو مگر اس کے باوجود
اس تک میرے مرنے کی خبر جانا چاہیے
جینے کا زندگی میں بہت کھیل ہو چکا
اب شام ہو چکی ہے تو گھر جانا چاہیے

شاعر: افضال عاجز
انتخاب: لائبہ میر...... حضرو

غزل

جو اس کے سامنے میرا یہ حال آ جائے
تو دکھ سے اور بھی اس پر جمال آ جائے
مرا خیال بھی گھنگھرو پہن کے ناچے گا
اگر خیال کو تیرا خیال آ جائے
ہر ایک شام نئے خواب اس پہ کاڑھیں گے
ہمارے ہاتھ اگر تیری شال آ جائے
میں اپنے غم کے خزانے کہاں چھپاؤں گا
اگر کہیں سے کوئی اندمال آ جائے
ہر ایک بار نئے ڈھنگ سے سجائیں تجھے
ہمارے ہاتھ جو پھولوں کی ڈال آ جائے
یہ ڈوبتا ہوا سورج ٹھہر نہ جائے وصی
اگر وہ سامنے وقت زوال آ جائے

شاعر: وصی شاہ
انتخاب: سونیا نورین گل...... ونڈہ شاہ بلاول

نظم

اگر تم آئینہ دیکھو
تو خود سے نظریں چرا لینا
کہ اکثر
بے وفا لوگوں کو
آنکھیں چور لگتی ہیں

شاعر: محسن نقوی
انتخاب: نورین لطیف...... ٹوبہ ٹیک سنگھ

نظم

تمہارے خواب اترے ہیں
مرے گھر کے دریچوں پر
ہمیشہ کی طرح اکثر

ستارے رقص کرتے ہیں
مرے کمرے کی کھڑکی پر
کئی مہتاب اترے ہیں
مری آنکھوں کے اندر بھی
تمہارا عکس رہتا ہے
کئی گرداب اترے ہیں
تمہارے خواب اترے ہیں

شاعرہ: فریدہ جاوید فری
انتخاب: سپاس گل...... رحیم یار خان

غزل

آئینے میں یہ میرے سوا کون ہے؟
ایک تو میں ہوں یہ دوسرا کون ہے؟
وہ بھی چپ ہے اگر میں بھی چپ ہوں اگر
تم بھی چپ ہو اگر بولتا کون ہے؟
میں کہاں سے الجھتی چلی آئی ہوں
ڈور ہوں میں اگر تو سرا کون ہے؟
نقش بنتے رہے، نقش مٹتے رہے
لوح دل پہ جو لکھتا رہا کون ہے؟
جب سے اذن تکلم ہوا ہے انہیں
بولتے ہیں سب ہی سوچتا کون ہے؟

شاعرہ: صغریٰ یوسف
انتخاب: مدیحہ شاہ...... برنالی

غزل

میرے حواس پہ حاوی رہی کوئی کوئی بات
کہ زندگی سے سوا خاص تھی کوئی کوئی بات
یہ اور بات کہ محسوس تک نہ ہونے دوں
جکڑ سی لیتی ہے دل کو تری کوئی کوئی بات
کوئی بھی تجھ سا مجھے ہو بہو کہیں نہ ملا
کسی کسی میں اگرچہ ملی کوئی کوئی بات
خوشی ہوئی کہ ملاقات رائیگاں نہ گئی
اسے بھی میری طرح یاد تھی کوئی کوئی بات
بدن میں زہر کی مانند پھیل جاتی ہے
دلوں میں خوف سے سہمی ہوئی کوئی کوئی بات
وضاحتوں میں الجھ کر یہی کھلا جواد
ضروری ہے کہ رہے ان کہی کوئی کوئی بات

شاعر: جواد شیخ
انتخاب: نائلہ جاوید...... لاہور

تمہاری قبر

تمہاری قبر پر
میں فاتحہ پڑھنے نہیں آیا
مجھے معلوم تھا تم مر نہیں سکتے
تمہاری موت کی سچی خبر
جس نے اڑائی تھی وہ جھوٹا تھا
وہ تم کب تھے
کوئی سوکھا ہوا پتا ہوا سے ہل کے ٹوٹا تھا
میری آنکھیں تمہارے منظروں میں قید ہیں
اب تک میں جو بھی دیکھتا ہوں
سوچتا ہوں، وہ وہی ہے
جو تمہاری نیک نامی اور بدنامی کی دنیا تھی
کہیں کچھ بھی نہیں بدلا
تمہارے ہاتھ میری انگلیوں میں سانس لیتے ہیں
میں لکھنے کے لیے جب بھی قلم کاغذ اٹھاتا ہوں
تمہیں بیٹھا ہوا میں اپنی ہی کرسی پر پاتا ہوں
بدن میں میرے جتنا بھی لہو ہے
وہ تمہاری لغزشوں ناکامیوں کے ساتھ رہتا ہے
میری آواز میں چھپ کر تمہارا ذہن رہتا ہے
میری بیماریوں میں تم
میری لاچاریوں میں تم
تمہاری قبر پر جس نے تمہارا نام لکھا تھا
وہ جھوٹا تھا
تمہاری قبر میں تو میں دفن ہوں
تم مجھ میں زندہ ہو
کبھی فرصت ملے تو فاتحہ پڑھنے چلے آنا

شاعرہ: ندا فاضلی
انتخاب: ریمل آرزو...... اوکاڑہ

alam@aanchal.com.pk

شوخئ تحریر

ہما ذوالفقار

حمد باری تعالیٰ

نہ کسی کا در دکھانا میرے مولیٰ
اپنے آگے ہی جھکانا میرے مولیٰ
ہر گھڑی اپنی تجلی کی وہ کرنیں
میرے دل پہ ہی گرانا میرے مولیٰ
تجھ کو ڈھونڈیں لوگ سارے مسجدوں میں
میرے دل تیرا ٹھکانہ میرے مولیٰ
راندہ درگاہ کہیں نہ لوگ مجھ کو
اس ندامت سے بچانا میرے مولیٰ
وحشتوں کے ان پر کٹھن لمحوں میں ہم پر
شمع رحمت کی جلانا میرے مولیٰ
سنے گا وہ غموں کو پاس آکر
دل سنائے پھر فسانہ میرے مولیٰ
بر نہ آئی گر تمنا میری عصمت
کیا کہے گا پھر زمانہ میرے مولیٰ

کے ایم نورالشال...... کھنڈیاں خاص

القرآن

جو لوگ پرہیزگار اور برے کاموں سے بے خبر اور ایمان دار عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیا و آخرت (دونوں) میں لعنت ہے ان کو سخت عذاب ہوگا۔
(سورۃ النور آیت نمبر 23)

ریما نور رضوان...... کراچی

کلمہ طیبہ

کلمہ طیبہ کے دو حصے ہیں
پہلا: لا الہ الا اللہ
دوسرا: محمد رسول اللہ

دونوں میں بارہ بارہ حروف ہیں، دونوں نقطے کے بغیر ہیں۔ پورے کلمے میں چوبیس حروف ہیں جو چوبیس گھنٹے زندگی گزارنے کا مقصد ہیں۔ پہلا حصہ مقصد زندگی سکھاتا ہے دوسرا حصہ طرز زندگی۔ مقصد زندگی اللہ تعالیٰ کی عطا ہے اور طرز زندگی نبی پاک ﷺ کی عطا ہے اس لیے ہمیں زیادہ سے زیادہ شکر ادا کرنا چاہیے اس رب کا جس نے ہمیں اتنا خوش نصیب بنایا اللہ پاک ہمیں سنت نبوی ﷺ پر عمل کرنے کی توفیق دے اور ہماری دنیا و آخرت اچھی کرے۔ آمین

لاریب انشال کھرل...... اوکاڑہ

ٹھنڈی چائے

اویس اور یاسمین آج پھر ریسٹوران میں ایک دوجے کے آمنے سامنے سوالیہ نشان بنے بیٹھے تھے خاموشی کا قفل ٹوٹا۔
"دکھ یہ ہے کہ ہم دونوں ایک دوجے کو پا ہی نہیں سکتے۔"
اویس کا لہجہ مایوس کن تھا۔
"اس سے بھی بڑھ کر دکھ یہ ہے کہ ہم دونوں اک دوجے کو کھو کر بھی تو جی نہیں سکتے۔" یاسمین کے انداز میں بے بسی تھی محبت میں نارسائی کا دکھ بول رہا تھا۔
پالینے اور کھو دینے کے مابین کوئی راستہ ڈھونڈو اور ہاں وہ بھی ریسٹوران کی لمبی میز کے دونوں کونوں پر اپنے آگے ٹھنڈی ہوتی چائے رکھے یوں ہم دونوں آخر کب تک بیٹھے رہیں گے؟"
اویس ساگر کے پاس یاسمین کی باتوں کا جواب صرف خاموشی تھی، چائے کی طرح اویس ساگر کی ٹھنڈی خاموشی میں اسے اپنی باتوں کا جواب مل گیا تھا وہ سمجھ گئی تھی کہ ریسٹوران کی اس لمبی میز پر وہ اس کے ساتھ گرم چائے کبھی نہیں پیئے گی یاسمین نے ویٹر کو آواز دی اور ٹھنڈی چائے کا بل ادا کر دیا۔

سباس گل...... رحیم یار خان

اے ہندوستان والو......!

یہ میزائل تفنگ و توپ سب ہتھیار گوناگوں
الجھ کر رہ گئے کیوں سر بسر جنگی ترانوں میں
نہیں معلوم تم کو، ہے محبت کارگر کتنی
مہاپرشتو! یہ تم کیوں زہر بھرتے ہو بیانوں میں
محبت کی جگہ جو درس دیتے ہیں تعصب کا
یہ بونے ہیں جو آ بیٹھے تمہارے راز دانوں میں
لہو کشمیر میں بہتا ہے یا آسام میں لوگو
یہ بدکرداریوں کی داستان ہے داستانوں میں
تسلسل جنگ بے مقصد میں ہو مصروف برسوں سے
تمہارے بخت میں رسوائیاں ہیں دو جہانوں میں
اٹھا لو اپنا قبضہ وادی کشمیر سے فوراً
نہ بدلو زعفران زاروں کو تم بارود خانوں میں

اگر بڑھتے رہو گے ظلم کی تاریک راہوں میں
اللہ عادل ہے تم کو ڈال دے گا امتحانوں میں
نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستان والو
تمہاری داستان تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں
لاڈورانی......ٹوبہ ٹیک سنگھ

انمول موتی

❖ پریشانی حالات سے نہیں خیالات سے پیدا ہوتی ہے۔
❖ امید انسان کو ہر موڑ پر سہارا دیتی ہے۔
❖ جو وقت سے پہلے بڑا بننے کی کوشش کرتا ہے ذلیل ہوتا ہے۔
❖ عظیم لوگ مرجاتے ہیں لیکن موت ان کی عظمت میں اضافہ کرتی ہے۔
❖ جس میں ادب نہیں اس میں علم نہیں۔
❖ ظالم مظلوم کی دنیا اجاڑتا ہے ساتھ اپنی آخرت بھی۔
پختہ ارادہ آدمی کامیابی ہے۔
❖ نیک عمل وہ ہے جس پر لوگوں کی تعریف کی امید نہ رکھی جائے۔
عاصمہ بنت عبدالمالک......راولپنڈی

سایہ عرش

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز جب عرش الٰہی کے سوا کوئی کہیں سایہ نہ ہوگا سات قسم کے لوگ عرش الٰہی کے زیر سایہ ہوں گے ان میں سے ایک وہ شخص ہوگا جو اس قدر رازداری کے ساتھ خدا کی راہ میں خرچ کرے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی معلوم نہ ہو کہ داہنا ہاتھ کیا خرچ کررہا ہے۔ (صحیح بخاری)
شائستہ جٹ......چیچہ وطنی

باتوں سے خوشبوں آئے

❁ کامیابی حوصلے سے ملتی ہے اور حوصلہ دوست دیتے ہیں دوست مقدر سے ملتے ہیں اور مقدر انسان خود بناتا ہے۔
❁ جس طرح شبنم کے قطرے مرجھائے ہوئے پھول کو تازگی بخشتے ہیں اسی طرح اچھے دوست مایوس دلوں کو روشنی بخشتے ہیں۔
صائمہ کنول......کبیروالا

آؤ مسکرائیں

ایک بے وقوف آدمی اپنی بیوی کو خاموش کرنے کے لیے کہتا ہے کہ خاموش ہوجاؤ۔
جبکہ ایک عقلمند آدمی اپنی بیوی کو خاموش کرنے کے لیے کہتا ہے کہ جب تم اپنے ہونٹ بند کرتی ہوتو بہت ہی خوب صورت لگتی ہو۔
فری......منڈی بہاؤالدین

اصلاح نفس کے چار اصول

مشارطہ: اپنے نفس کے ساتھ شرط لگانا کہ میں گناہ نہیں کروں گی۔
مراقبہ: آیا کوئی گناہ تو نہیں کیا۔
محاسبہ: حساب کرے کتنے گناہ کیے کتنی نیکیاں کیں۔
مواخذہ: کہ نفس نے جو نافرمانیاں کی ہیں ان کو ان کی سزا دینا۔
سزا یہ ہے کہ اس پر عبادت کا بوجھ ڈالے۔
عقیلہ رضی......فیصل آباد

پھول پھول خوش بو

○ کبھی اپنے نصیب کو برا مت کہو یہ تمہارا نصیب ہی تو ہے کہ تم امت مسلمہ اور آقا کریم ﷺ کی امت میں شامل ہو۔
○ کبھی کسی انسان کو خود سے کم تر نہ سمجھو، وقت ہمیشہ ایک جیسا نہیں رہتا۔
○ ایسا نہ ہو کہ آنے والے وقت میں ہم اس سے بھی کم تر ہوجائیں۔
○ خود کو ادنیٰ انسان سمجھو لوگوں کی نظر میں اعلیٰ انسان بن جاؤ گے۔
○ اگر تمہیں کسی کے ہونٹوں کی مسکراہٹ بننا نہیں آتا تو کسی کی آنکھوں کے آنسو بھی نہ بنو۔
○ جھوٹ بول کر ملنے والے فائدے سے سچ بول کر ہونے والے نقصان بہتر ہے۔
○ ہمیشہ سوچ سمجھ کر بولو کیونکہ کمان سے نکلا ہوا تیر اور زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کبھی واپس نہیں آتے۔
نگینہ حسنین شاہ......ساہیوال

اچھی باتیں

۞ اپنے نامہ اعمال کو فکر کی زبان سے پڑھو۔
۞ زندگی ایک کچا دھاگہ ہے جو کسی بھی وقت ٹوٹ سکتا ہے۔

❁ زندگی ایک خواب ہے جس کی تعبیر معلوم نہیں۔
❁ موت کو یاد رکھنا نفس کی تمام بیماریوں کا علاج ہے۔
❁ انسان ایک پتا نہیں بنا سکتا لیکن بیسیوں کو اپنا خدا بنا لیتا ہے۔
❁ دولت کی مستی سے اللہ کی پناہ مانگو اسے صرف موت اتار سکتی ہے۔
❁ دوسروں کے لیے جینا اصل زندگی ہے نہ کہ اپنے لیے۔

اقصیٰ آزاد...... خیر پور ٹامیوالی

بالآخر

ایک فوجی جنگ کے بعد دوسرے فوجیوں کو اپنی بہادری کے کارنامے سنا رہا تھا اس نے کہا۔
"میں جنگ کے دنوں میں بھی اپنی محبوبہ کو روزانہ خط لکھا کرتا تھا۔"
"پھر کیا ہوا؟" ایک فوجی نے تجسس سے پوچھا۔
"ہونا کیا تھا، جب میں محاذ جنگ سے واپس آیا تو وہ لڑکی پوسٹ مین سے ہی شادی کر چکی تھی۔"

امشاج اواب راجپوت...... ننکانہ صاحب

گم گشتہ لوگ

ہم جب کبھی کسی ایسے انسان کے بارے میں سوچتے ہیں جو ہمیں چھوڑ کر چلا گیا ہے تو ایک لمحے کے لیے ہمیں یوں لگتا ہے کہ رگوں میں خون منجمد ہو گیا ہے وقت تھم گیا ہے دنیا ساکن ہو گئی ہے بہتا دریا رک گیا ہے اور سورج نے نکلنا چھوڑ دیا ہے لیکن دراصل کچھ بھی نہیں ہوتا خون کی گردش رگوں میں جاری رہتی ہے وہ گزر جاتا ہے دنیا کے میلے چلتے رہتے ہیں اور سورج ڈوبتا اور ابھرتا رہتا ہے سب کچھ ہوتا رہتا ہے لیکن یہی نہیں ہوتا کہ جانے والے واپس آجائیں کاش یہ ہمارے بس میں ہوتا کہ ہم جانے والوں کے ساتھ چلے جائیں کیونکہ ان کے بغیر دنیا خالی اور دل ویران صحرا ہو جاتا ہے۔

ثنا اعجاز قریشی...... ساہیوال

تیری یاد کے سلسلے

زندگی کی شاہراہ پر
کٹھن راہوں میں
تنہائی کا ہاتھ تھام کر چلتے ہوئے
سنگ ہوتے ہیں جاناں

فقط
تیری یاد کے سلسلے

حرا رمضان...... اختر آباد

غصے پر کنٹرول

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کیا یا رسول ﷺ مجھے کوئی مختصر سا عمل بتلا دیجیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غصہ نہ کیا کرو اس نے دو بار یہی درخواست کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر یہی جواب دیا کہ وہ شخص طاقت ور اور بہادر نہیں جو دشمن کو پچھاڑ دے بلکہ طاقت ور اور پہلوان وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے۔

منزہ عطا...... کوٹ ادو

مسکراہٹ

☆ شدت غم کو چھپا دیتی ہے۔
☆ پتھر دل کو موم کر دیتی ہے۔
☆ زندگی زندہ دلوں کا نام ہے اور یہ لوگوں کو جینا سکھا دیتی ہے۔
☆ آپ کی ایک مسکراہٹ جہاں دوسروں کو خوشی عطا کرتی ہے وہاں آپ کو بھی اطمینان دیتی ہے۔
☆ ایسا تحفہ ہے جسے غریب ترین شخص بھی پیش کر سکتا ہے۔
☆ مسکراہٹ چہرے کو خوب صورت بنا دیتی ہے۔
☆ مسکراہٹ وہ گلاب ہے جس کی مہک سے پورا ماحول مہک اٹھتا ہے۔
☆ مسکراہٹ روح کا دروازہ کھول دیتی ہے۔
☆ مسکراہٹ پتھر دل کو موم کر دیتی ہے۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

دلچسپ قرآنی معلومات

- قرآن مجید میں چار مسجدوں کا ذکر ہے۔
مسجد حرام، مسجد اقصیٰ، مسجد قبا، مسجد ضرار۔
- قرآن مجید میں سات شہروں کے نام ہیں۔
مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، مصر، مدین، حنین، بابل، ایکہ۔
- قرآن مجید میں چار دھاتوں کے نام ہیں۔
سونا، چاندی، تانبا، لوہا۔
- قرآن مجید میں تین درختوں کے نام ہیں۔

کھجور، زیتون، بیری۔

♦ قرآن مجید میں تین سبزیوں کے نام ہیں۔

پیاز، لہسن، ککڑی۔

♦ قرآن مجید میں چھ پھلوں کے نام ہیں۔

انجیر، زیتون، انار، کیلا، کھجور، انگور۔

♦ قرآن مجید میں پانچ پرندوں کے نام ہیں۔

ہدہد، کوا، تیتر، ٹڈی، ابابیل۔

♦ قرآن مجید میں سات حشرات الارض کے نام ہیں۔

چیونٹی، مکھی، پروانہ، جوں، مینڈک، سانپ، اژدھا۔

♦ قرآن مجید میں 13 جانوروں کے نام ہیں۔

ہاتھی، اونٹ، گائے، دنبہ، بکری، بھیڑیا، گھوڑا، گدھا، خچر، بندر، خنزیر، کتا اور مچھلی۔

سدرہ کشف...... خیر پور ٹامیوالی

سچی محبت

پوچھا گیا کہ محبت کیا ہے؟

جواب دیا گیا کہ......

جب انسان بہت گہری اور میٹھی نیند میں ہو اور اس کے کانوں میں اذان کی آواز آئے اور وہ اپنی نیند کو چھوڑ کر اللہ کے لیے نماز پڑھنے کھڑا ہو جائے یہ ہے سچی محبت۔

نورین انجم اعوان...... کورنگی، کراچی

اقتباس

عورت کا دل اتنا کمزور اور مرد اتنا بے رحم ہے عورت محبت کا نشہ بن کر تمام عمر ہوش میں نہیں آتی اور مرد پیالہ ہونٹوں سے جدا ہوتے ہی اس شراب کی لذت اور سرور کو فراموش کر دیتا ہے۔

فائزہ بھٹی...... پتوکی

اچھی باتیں

♦ کسی کی خدمت میں پیش کیے جانے والے تحفوں میں سے سب سے بہترین تحفہ احترام ہے۔

♦ زبان کی حفاظت دولت کی حفاظت سے زیادہ مشکل ہے۔

♦ خوش اخلاق انسان سب سے زیادہ خوب صورت اور با عزت ہوتا ہے۔

♦ غریب کی مدد کر کے یہ مت سوچیں کہ آپ اس کی دنیا سنوار رہے ہیں بلکہ یہ سوچیں کہ وہ آپ کی آخرت سنوار رہا ہے۔

♦ کبھی بھی ایسے شخص پر ظلم نہ کرنا جس کے پاس فریاد کے لیے اللہ کے سوا کوئی نہ ہو۔

علمی شمشاد حسین...... کورنگی، کراچی

عافیت کی دس چیزیں

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا عافیت دس باتوں میں ہے پانچ تو دنیا کے لیے مخصوص ہیں اور پانچ آخرت کے لیے وقف ہیں دینی عافیت یہ ہے۔

علم، عبادت، رزق حلال، مصیبت پر صبر کرنا، نعمت پر شکر کرنا۔

آخرت کی عافیت یہ ہیں۔

منکر نکیر نہ ڈرائیں، بڑی دہشت سے امن ملے، برائیاں مٹا دی جائیں اور نیکیاں قبول ہوں، پل صراط پر بجلی کی طرح گزر ہو اور جنت میں سلامتی سے داخلہ ہو۔

کرن شبیر...... کراچی

حقیقت

کسی کے پاس کھانے کے لیے ایک وقت کی روٹی نہیں اور کسی کے پاس روٹی کھانے کے لیے وقت نہیں۔

کوئی اپنوں کے لیے روٹی چھوڑ دیتا ہے اور کوئی روٹی کے لیے اپنوں کو چھوڑ دیتا ہے یہ دنیا بھی کتنی بزدل ہے۔

پہلے مسجدیں کچی اور نمازی پکے تھے اب مسجدیں پکی اور نمازی کچے ہیں۔

پہلے پیسہ ہاتھ کا میل اور پیار دل کا سکون تھا اب پیار ہاتھ کا میل اور پیسہ دل کا سکون ہے۔

کبریٰ مہتاب...... بوسال سکھا

کمرۂ امتحان

ایک لڑکا امتحان دینے جا رہا ہوتا ہے اور ساتھ پلمبر کو بھی لے جا رہا ہوتا ہے ایک آدمی پوچھتا ہے کہ پیپر میں پلمبر کا کیا کام، لڑکا جواب دیتا ہے کہ میں نے سنا ہے کہ پیپر لیک ہو گیا ہے۔

بختاور افتخار...... عارف والا

سنہری حروف

♦ انسان آنسوؤں اور مسکراہٹوں کے درمیان لٹکا ہوا پینڈولیم ہے۔

♦ جو علم کو دنیا کمانے کے لیے حاصل کرتا ہے علم اس کے

قلب میں جگہ نہیں پاتا۔

❁ اگر تم نے ہر حال میں خوش رہنا سیکھ لیا یقین کر و تم نے زندگی کا سب سے بڑا فن سیکھ لیا۔

❁ محنتی کے لیے پہاڑ کنکر ہے اور سست کے لیے کنکر پہاڑ۔

❁ خدمت خلق سے خوش قسمتی حاصل ہوتی ہے۔

مدیحہ نورین مہک...... گجرات

ماں

مجھے رات گئے باہر رہنے پر روکتی تھی
میں اس کی بات سن کر ہنسی سے اچھال دیتا تھا
کل سے جلدی آؤں گا کہہ کر ٹال دیتا تھا
وہ مجھے دیکھ کر مسکرا دیتی تھی
اور پیار سے چپت لگا دیتی تھی
میں اسے بہت ستاتا تھا
اسے بہت نخرے دکھاتا تھا
وہ ہر بار میرے ناز اٹھاتی تھی
وہ میرے صدقے واری جاتی تھی
رات کے کسی پہر بھی گھر جو آتا
اس کو ہمیشہ اپنا منتظر پاتا
دن رات اس کے پیار کی برسات ہوتی
اس کی دعا ہمیشہ میرے ساتھ ہوتی

خوشبو ظہو یا فشین...... سی ایس شاہ

ڈائمنڈ کا سیٹ

بیوی نے شوہر کو فون کیا۔ "اس وقت کہاں ہیں آپ؟"

"تمہیں وہ جیولرز کی دکان یاد ہے نا جہاں تمہیں ڈائمنڈ کا سیٹ پسند آیا تھا اور میرے پاس پیسے نہیں تھے کہ خرید سکتا۔"

بیوی خوش ہوتے ہوئے بولی۔ "ہاں ہاں یاد ہے مجھے۔"

"میں اس کے ساتھ والی دکان میں بال کٹوا رہا ہوں۔" شوہر نے اطمینان سے جواب دیا۔

گل مینا خان اینڈ حسینہ ایچ ایس...... مانسہرہ

پھول

کسی نے پھول سے پوچھا کہ اے پھول مجھے یہ تو بتا تو کیوں کھلتا رہا تو نے تو دی سب کو خوشبو تجھے کیا ملتا رہا۔

پھول نے مسکرا کر کہا کہ ابھی تو نادان ہے جیون کے سچے پیار سے ابھی تو انجان ہے دینے کے بدلے کچھ لینا یہ تو ایک کاروبار ہے اور جو دے کر بھی کچھ نہ مانگے وہی تو سچا پیار ہے۔

سونیا نورین گل...... ونڈہ شاہ بلاول

دوستی/محبت

چاند سے مانگی
چاندنی
ستاروں سے مانگی
چمک
سورج سے مانگیں تھوڑی سی
مست کرنیں
بہاروں سے مانگے
رنگ برنگ پھول
گلاب اور چنبیلی سے مانگی
مہکتی خوش بو
محسوس کیا تو
محسوس ہوا محبت
دنیا سے مانگی
د
وفا سے مانگی
و
سانسوں سے مانگی
س
چاہت سے مانگی
ت
زندگی سے مانگی
ی
تو سچا مان بھرا
لفظ
"دوستی"

غزل فاطمہ...... سگو

shukhi@aanchal.com.pk

جویریہ احمد

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! خالق کونین کے نام سے ابتدا ہے جو ارض وسماں کا مالک ہے۔ اگست کے شمارے کو پسند کرنے سراہنے کا بے حد شکریہ۔ آپ کے یہ تعریفی کلمات ہمارے سفر کو بہتر سے بہترین کی جانب گامزن رکھتے ہیں۔ امید ہے ستمبر کا شمارہ بھی آپ کا منظور نظر ثابت ہوگا۔ آفیشل گروپ تبصرہ مقابلہ جیتنے والوں کو مبارک باد اور اپنی ججز صاحبان نادیہ احمد' ندا حسنین' صدف آصف کے اپنا قیمتی وقت حجاب کے نام کرنے پر مشکور ہیں۔ آیئے اب روبہ منزل گامزن ہوتے ہیں اور حسین خیالات سے مستفید ہوتے ہیں۔

تحریم اکرم چوہدری...... ملتان۔ السلام علیکم! پرخلوص دعاؤں سے بھرپور محبتوں وچاہتوں کے خمیر سے گوندھے سوندھی سوندھی خوشبوؤں کے ہمراہ اطراف احباب من نیکیوں کے حصار کشادہ کرتی سلام الفت پیش خدمت کرتی ایک بار پھر بزم حسن خیال میں حاضر خدمت ہوں' آداب! انتظار حجاب تو جولائی سے ہی شروع ہوگیا جوں جوں تاریخ آمد حجاب قریب آنے لگی طوالت انتظار کی کٹھن گھڑیاں نوکیلی سوئیوں کی مانند چبھنے لگی (اف یہ انتظار کی گھڑیاں بھی بہت ظالم ہوتی ہیں ناں) آخر 8 اگست بوقت سحر حجاب نے آغوش دست نازک میں اتر کر قلب وجاں میں ہمک ہمک کر چلتے مسرور کن جذبات کو تقویت بخشی۔ انتظار ختم ہوا چاہتا تھا دل کی دھڑکن کسی نوخیز دلہن کی طرح ایک نئی لے پر دھڑکنے لگی تو نظروں کا رخ ٹائٹل کی جانب کیا۔ گول گول مکھڑے پہ تراشیدہ بالوں کی جھالر اور آئی میک اپ کے ہمراہ ماڈل سیدھی سرزمین دل میں جا اتری (ویسے نوز پن بھی پیاری لگ رہی تھی)۔ چلو اب باقاعدہ تبصرے کا آغاز کرتے ہیں'

میں تیرے ذکر کے زندان میں مقید ہو کر
ایک دیواں سخن ایسا قلم بند کروں
جو سنے اس میں تیری دید کی خواہش جاگے
جو پڑھے تیری اسیری کا بہانہ ڈھونڈے

چپکے سے ٹائٹل سے نظریں ہٹائیں اور دھیرے سے جنبش دست حجاب کا سینہ چاک کرکے سب سے پہلے فہرست پر نظر دوڑائی بے اختیار واہ واہ کہہ اٹھی۔ دل خوشی کے مارے اچھلنے لگا بھلا کیوں (چلو آگے چل کر بتاتی ہوں) بات چیت میں مدیرہ آنی کی ہاں میں ہاں ملائی (باقاعدہ سر ہلا کر)۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے وطن کو اپنے حفظ وامان میں رکھے آمین۔ سوہنی دھرتی کو عقیدت بھری دعاؤں سے نوازتی ماہ اگست جھلملاتے ستاروں کا دیدار کیا اور حمد ونعت کی تعریف نہایت کٹھن مرحلہ، بعد از مطالعہ محسوسات ایسے جیسے جلتی دھوپ میں سائباں میسر کردیا جائے گرمی سے بھرپور دنوں میں ٹھنڈی پھوار چہرے کا احاطہ کرکے شکرانہ رب ادا کرنے پر مجبور کردے ماشاء اللہ بہت خوب الفاظ۔ اس کے بعد آغوش مادر پڑھا (ارے آغوش مادر میں کوثر خالد کو دیکھ کر بہت خوشی ہوئی) بہت خوب صورتی سے کھٹے میٹھے لفظوں کے ہمراہ ہوا کے جھونکے کی مانند چپکے سے آئیں اور چاروں اور الفاظ کا فسوں پھیلاتی چہروں پر مسکراہٹ بکھیرتی یہ جا وہ جا۔ دھیرے دھیرے قدم آگے بڑھاؤ تو بزم پری وش کے کواڑ پر دستک دیتی نٹ کھٹ شرارتی سی ہم جولیاں دھیمی دھیمی مسکان لبوں پہ سجائے کھڑی دکھائی دیں۔ دروازہ پٹ سے وا ہوا پر تجسس سماعتوں نے محفل میں چلتے پریوں کے اذکار کی جانب کان لگادیئے۔ تمام پریوں کے تعارف انہیں کی طرح لاجواب وبے مثال تھے سجل اشتیاق تمہاری پسند واقعی بہت زبردست ہے۔ بہت اچھا سا لگتا ہے دسمبر کی سیاہ بھیدوں بھری یخ بستہ راتوں میں کھو جانا، تنہاء کی سرگوشیوں کو سننا، ڈوبتے سورج کی نارنجی کرنوں کو فلک کو الوداع کہتے دیکھنا اور ان میں کھو جانا بہت اچھا لگتا ہے۔ جی جناب من پھر بشریٰ اعجاز سے ملاقات کروائی ثمن عروج سے ملاقات کی۔ میچورٹی و سنجیدگی کے حسین امتزاج کے ہمراہ نٹ کھٹ سا بچپن بے اختیار مسکرانے پر مجبور کرگیا۔ بہت خوب اتنی چھوٹی عمر میں بابل کے انگنا کو خیرآباد کہنا اور ان کے رنگ میں رنگ جانا قابل ستائش ہے۔ میں نے انہیں پڑھا تو نہیں مگر بہت جلد پڑھنا ضرور چاہوں گی۔ اب بات ہوجائے سلسلہ وار ناول کی تو جی سب سے پہلے نادیہ فاطمہ رضوی کی جانب بڑھی۔ حیرانگی میں بدستور اضافہ کوئی لڑکی اس قدر پستی

میں بھی گرسکتی ہے کہ معصوم چہرے پر مکر وفریب کی نقاب کشائی کر کے اپنی ہی ہم جنس کو اذیت کے گھاٹ میں اتار دے۔ دل دماغ کی ماننے سے انکاری تھا تو دماغ کو دل سے اختلاف تھا' یہ پیسہ (ہاتھوں کی میل) یہ سب کچھ کروالیتا ہے۔ ایک طرف زیست حالات کی ستائی لڑکی رطابہ اس کے چنگل میں پھنسی تو دوسری جانب نیلم جیسی اوباش دوشیزہ کو زیادہ سے زیادہ کے حصول کی ہوس ایک مجرمانہ سرگرمی میں ملوث کرگئی۔ نادیہ جی آپ نے دل کو مٹھی میں بند کرنے کا کیا خوب اہتمام کیا' ایک جانب لالہ کی افسردگی دوسری جانب تاشو کا گھر لوٹنے کی وجہ سے خوشی سے کھلتا گلاب ہوتا چہرہ تصور میں آ کر چشم نم کر گیا۔ یکبارگی ایک آہ لبوں کے دہانے سے خارج ہوئی' ارے یہ کیا تاشو کے گھر پہنچنے سے پہلے ہی والد محترم نے رخت سفر باندھ لیا (واقعی جانے والے کسی کا انتظار نہیں کرتے۔ چاہے وہ سینے میں چلتی دھڑکنوں کی طرح ہی عزیز کیوں نہ ہو وہ چلے جاتے ہیں) پوری قسط رنج والم کے ملے جلے احساسات میں گھر کر پڑھ ڈالی۔ جنبش دست سے صفحات کو پلٹا اور تیرے لوٹ آنے تک پہ جا پہنچی' زادیار کی بے بسی پر نہایت دکھ نے آن گھیرا' آغا مینا کی سنجیدگی تا دیر برقرار رہتی اگر زادیار کی شخصیت کا ایک چھپا باب قارئین اور آغا مینا پر نہ کھلتا۔ (انسانیت سے محبت ہی دراصل حقیقی عبادت ہے) تو رع کی سنجیدگی سے بھرپور دھمکیوں پر خوب غصہ آیا اور زروہ کی مجبوری ولاچاری پر نہایت دکھ (اف یہ مشرقی لڑکیاں اظہار محبت کرنے میں کس قدر اناڑی ہوتی ہیں) خیر دوستوں کے ساتھ مل کر کی گئی شرارت بخوبی سمجھ آ گئی۔ باقی بچے ظعینہ اور ارقام تو یہ تو اسٹوری کے ہیرو تھے ارقام کی بے چینیاں اور ظعینہ کے نخرے واہ کیا حسین امتزاج تھا' بڑا مزا آیا پڑھ کر ویسے بھی حسن ہو تو نزاکت آ ہی جاتی ہے' اتنا پیارا ناول ہم قارئین کی نذر کرنے پر ڈھیروں مبارک۔ عید نے دیا پیغام چاہت از قلم شازیہ مصطفیٰ بھی ایک سبق آموز تحریر تھی' واقعی چرشتے اعتدال کے دائرے میں مقید اچھی لگتی ہے۔ صدف آصف بھی بڑی باریک بینی سے کرداروں کے تانے بانے بنتی بازی لے گئیں خوب صورت منظر نگاری بے ساختہ داد وتحسین دینے پر مجبور کرگئی۔ تجسس نظروں کی پیاس بجھانے کو "چاہتوں کی شام" منتظر تھی۔ آہ شادی کے بعد خود کو پیا من کے رنگ میں رنگنے کا نام ہی تو شادی ہے' اپنی من پسند زندگی سے دست بردار ہونا' اپنی خواہشات وترجیحات کو پس پشت ڈالنا ہی فرمانبردار بیوی کی نشانی ہے۔ شکر ہے شاہ ریز کو احساس تو ہوا۔ "سجنا سنگ ساون" پڑھتے ہوئے تو غزل کے بولوں میں کھوگئی۔ بڑی خوب صورتی سے نادان لڑکیوں کو پیار سے سمجھاتی سویرا فلک کی تحریر چپکے سے من کے آنگن میں اتر گئی۔ ہم نے تو تجھے چاہا پیاری رائٹر شبانہ شوکت کے قلم سے لکھی لاجواب تحریر۔ کرداروں کے نام بھی خوب تر رہے بھابی تنگ نظری والزام تراشی نے خوب جی کڑا کیا لیکن اریش کی محبتیں دیکھ کر دل کو قدرے سکون پہنچا خیر انجام بخیر۔ نظیر فاطمہ نے بھی تحریر یہ وطن تمہارا لکھ کر وطن سے محبت کا حق ادا کیا ماریہ پارس نے جہاں میرے ہم وطنوں جیسی تحریر کے ہمراہ ایک تلخ حقیقت سے روشناس کروانے کا بیڑا اٹھایا وہیں سحرش فاطمہ ہماری سوچ کی بھرپور عکاسی کرتیں آن وارد ہوئیں۔ سحرش فاطمہ آپ نے بہت عمدہ انداز میں اک تلخ حقیقت کا سینہ چاک کیا بہت خوب۔ بھرپور طنز ومزاح سے آغاز کرتی حمیرا نوشین کے نوک قلم سے لکھی گئی داستان دل کو خون کے آنسو رلا گئی' دادی اور میں کہانی تقریباً ہر ماں کے سینے پر رکھی اک وزنی سل ہو جسے ہٹانے کی خواہش لیے مائیں زمین اوڑھ کر سو جاتی ہیں' جہیز جیسی لعنت کا خاتمہ ضروری ہے۔ ہمارے اسلام میں کہیں اس کا ذکر نہیں

شعور نے آنکھ کھولی تو مسلمان کو جھکا پایا
عقل نے پوچھا زوال کس طرح آیا
قرآن نے کہا مجھ پہ چھوڑ دیا تھا
سنت بولی اسلام سے دوری کا مزا پایا

زارا رضوان کی تحریر بھی بہترین کاوش۔ ڈگری اور شہر بہار تک بھی معیار کے درجے سے کسی طور پیچھے نہ تھیں۔ ٹاپ آف دالسٹ تحریر تھی میٹھے موسم چاہتوں کی چاشنی میں گوندھی' منفرد موضوع کے ہمراہ قدرے ہٹ کے لکھی گئی تحریر نمبر لے گئی (صوفیہ جی لگتا ہے کیک بیکنگ میں خاصی مہارت رکھتی ہیں) اب رخت سفر باندھا اور مستقل سلسلوں پہ پڑاؤ ڈال لیا۔ بزم سخن میں اسماء نور عشا، پارس شاہ، حفظہ ایوب اور شاہ ریاض کی شاعری نے دل کو چھولیا۔ عالم میں انتخاب کی محفل بھی خوب جمی تمام احباب من کے انتخابات نہایت خوب صورتی سے الفاظ کا فسوں بکھرتے اپنی اپنی جگہ براجمان تھے۔ حسن خیال میں تمام جیتنے والوں کو دلی مبارک (سند قبولیت کی منتظر) جی جناب ابھی ایک بہت ہی خوب صورت سلسلہ باقی ہے جو کہ مطالعہ ڈائجسٹ زیر مطالعہ آتا ہے۔ بہت خوب صورتی سے ندا رضوان کی فراہم کردہ معلومات کو نعمت خداوندی (بصیرت) کی نذر کرکے دل کے نہاں خانوں میں مقید کیا (اللہ پاک آپ کو جزا دے) آخر میں شکریہ ادا کروں گی آنچل ٹیم کا جنہوں نے ہمیں اتنا خوب صورت پلیٹ فارم فراہم کیا سعیدہ نثار آپی کی بے پناہ محبت'

ہمیشہ خوش رہیں، پرلطیف لمحات کی بہاریں آپ کے گرد تاابد اپنا حصار قائم رکھیں۔ بشرط زندگی آئندہ ماہ تک کے لیے اجازت مطلوب، دعاؤں میں یاد رکھیےگا اللہ حافظ۔

☆ ڈیئر تحریم آفیشل گروپ میں تبصرہ مقابلہ میں پہلا انعام جیتنے پر مبارک قبول کریں۔

مونا شاہ قریشی ...... کبیر والہ۔ عزیز از جان احباب زیست، آنچل ممبران واسٹاف السلام علیکم! نور نظر، طمانیت قلب، جان محفل، طلب شعور (بخدایہ مبالغہ آرائی قطعی نہیں) ماہنامہ حجاب ہاتھوں میں آتے ہی بکھری بے تابی سے وا کیا۔ اس حد سوا بے قراری میں ٹائٹل تو بھول ہی گئی اف فوراً پیچھے گئی تو سبز پیراہن میں ملبوس نیم وا ہونٹوں اور اسموکی آئیز میک اپ والی ماڈل پہ نگاہ ٹک گئی۔ محترمہ کا اسم گرامی ڈھونڈا مگر ندارد ٹھنڈی سانس بھر کے مدیرہ خالہ جانی کی بات چیت سے مستفید ہوئی تو حمد باری تعالیٰ اور نعت نے دو بھوری آنکھوں کو خود میں مستغرق پایا۔ لاالہ الا اللہ کے نعرے سے سماعتیں گونج اٹھیں سبحان اللہ۔ امہات المومنین حجاب کا سب سے خوب صورت سلسلہ ہے مومنات کی دین سے محبت، ایثار اور سخاوت پڑھ کے روح از نو سرشار بحر میں غوطہ زن ہو جاتی ہے اور فی البدیہہ لبوں کی تراش میں ماشاءاللہ سے پرآسودہ مسکراہٹ آن ٹھہرتی ہے۔ "ذکر اس پری وش کا" شرارت و متانت کا تاثر لیے چاروں تعارف انگوٹھی میں جڑے نگینے کی طرح فٹ اور خوب صورت تھے۔ اس سے اگلا پڑاؤ جو تھا اس نے یکبارگی میری سیٹی گم کردی جی ہاں "آغوش مادر" کوثر خالد کی ماں کے حوالے سے لاجواب تشہیر پڑھ کے میں ایسی گم ہوئی کہ میرے چہرے پہ افسردگی دیکھ کر میری بہن کو ٹوکنا پڑا۔ کیا ہوتی ہے یہ ماں، کبھی کبھی لگتا ہے اس ہستی کے شایان شان ایک لفظ بھی نہیں ہے۔ "ملاقات" کا مرحلہ شاندار تھا بشریٰ اعجاز کا انداز سخن کمال تھا۔ میچورٹی اور سوچ کی وسعت واہ مارے تحسین وآفریں کے دائیں بائیں جھکنے لگا صرف ملنے پہ اکتفا نہیں کیا اللہ یونہی حوصلہ بلند رکھے۔ "ہلال عید" ایک بار پھر عید کے لمحات تازہ ہوگئے رمضان کا منظر آنکھوں میں ٹھہر گیا۔ سب کے جوابات مزے دار تھے (چکھے تھے کیا؟ ہاں بھئی یہی سمجھ لو) حرا عزیزی آپ کا دو اسمارٹ لفظ پڑھ کے دل لاچار کو کچھ حوصلہ ہوا۔ آہاں کوئی تو ہم صحت ہے۔ میرا اللہ آپ کی والدہ ماجدہ کو اپنی جوار رحمت میں خصوصی جگہ عطا فرمائے آمین۔ عید نے دیا پیغام جاہت شازیہ مصطفیٰ کے ناول نے بہت محظوظ کیا۔ ہذیل کے طرز وطعنے واقعی اتنے کڑوے تھے کہ شہرین کی محسوس کی جانے والی تلخی بجا تھی۔ بات بات پہ زچ کرنا، موٹی دھوبن پکارنا آخر میں شہرین کے ناتواں دل کی ہمت جواب دینی ہی تھی۔ انجان تھی (بھئی شہرین جو بات نہیں سمجھی ہذیل کے دل کی) نے معاملے کو اس نہج پہ پہنچایا مگر شب دیجور کے بعد صبح کاذب لازمی ہوتی ہے کے مصداق عید نے خوشگوار لمحن کے ساز بجا ہی دیے خوب صورت ناول۔ "چاہتوں کی شام" بقلم ریحانہ آفتاب، گول گپے کھاتی سرخ ناک لیے ہیروئن بہت بھائی۔ زندگی نام کے مثل زندگی سے بھرپور رشتے کو قائم رکھتی ایک پیاری سی لڑکی۔ شاہ ریز کی وارفتگی میں پنہاں تنگ نظری کی وجہ سے زندگی کو بہت سے مشکل مراحل درپیش آئے اپنا آپ فنا کرنا ہی فن ہے۔ سسرال میں جاکر شوہر اور اس کے گھر والوں کے رنگ میں رنگ جانا ہی عورت کی صحیح تعریف ہے اور زندگی نے اس تعریف کو خوب نبھایا مگر یہاں اس نبھانے میں اس کی حق تلفی کا عنصر شامل تھا جو کہ شاہ ریز کی جانب سے سرزد ہو رہی تھی دیر آید درست آید آخر وجدان نے ادراک کرہی دیا کہ عزیز از جان شریک حیات کو مشکل سے نکال ہی لیا جائے لاجواب تحریر۔ بات ہوجائے اس ماہ کی ٹاپ آف دی لسٹ تحریر کی منفرد موضوع، انتخاب زبردست، طرز بیاں خوب تر "میٹھے موسم" از صوفیہ سرور چشتی۔ کیا لکھا آپ نے کیک، بیکنگ اور سجاوٹ کمال کی تھی۔ کچھ ہٹ کے رشتوں کی چاشنی نے حقیقتاً منہ میٹھا کردیا۔ وصف میں چھپی کیک شیف وصف سے آگاہی نے مجھے بھی سوچنے پر مجبور کردیا کہ کس طرز کا کیک بناؤں۔ ونیلا ڈیزرٹ تخیل میں ایک شاندار سی بیکری آن سمائی معصم صاحب تدبر کو گوہر نایاب مل گیا جو بزنس چل نکلا ورنہ ابا محترم کے کسیلے جملے ماحول مکدر ہی رکھتے۔ اب یہ تو اللہ جانے یا رائٹر جانے کہ موصوف نے راضی کیسے کیا اپنے ابا جان کو وصف کے ہاں جانے کے لیے جیسے بھی کیا یہ معرکہ سر کرہی لیا۔ "دشت جنوں" زویا اعجاز نے تو چشم تر کردی، مشکلوں اور قربانیوں کے گرداب سے نکل کر حاصل کیا گیا پاکستان آج حالت ابتری میں ہے۔ ہمیں تو سینچے ہوئے تناور درخت کی صورت میں یہ ملا اور ہم پھر بھی اسے سنبھال نہ سکے جن بزرگوں کے خون سے اس کی آبیاری ہوئی جنہوں نے اس کے قیام کے دوران درد سہے وہی اس کی قدر جانتے ہیں اگر ہم جانتے ہوتے تو اس سرزمیں کو اتنا ارزاں نہ ہونے دیتے۔ "تیرے لوٹ آنے تک" زبردست خوشگوار سا اختتام وہ دھک دھک کرتا زروہ کا دل خوف میں مقید تھا تو رع کے ڈرامے نے اس خوف کے خول کو توڑ دیا مزے دار سین، بڑی وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے تاباں اور سالار نے دوستی کا حق ادا کیا۔ ڈرامے کا ڈراپ سین محظوظ کن تھا محترمہ من چلی ظعینہ نے خوب نخرے اٹھوائے ارقام سے ویسے اتنی سزا تو بنتی ہی تھی۔ خود ہی غلط فہمیوں کے مینار تعمیر کرلیے اور ظعینہ کا صبر آزمایا بریک اپ ہوتے ہوتے بچ اپ اچھا لگا۔ زاد یار تو ہے ہی سدا کا منہ پھٹ مگر صاف

گو بھی ہے اس کا ڈائریکٹ پرپوز کرنا بھا گیا۔ آغا بینا سلجھی ہوئی سنجیدہ سی سویٹ لڑکی میرا پسندیدہ کردار ہی یہی ہے اس ناولٹ میں...... ناولٹ کے اختتام پہ مبارک باد کا گلدستہ خیالی سلمٰی فہیم گل کے لیے اب کے کتابی شکل میں آنے کا انتظار رہے گا۔ افسانوں کی جانب رخ سخن موڑتے ہیں "سجناسنگ ساون" سویرا فلک نے لڑکیوں کی نادانی کو واضح انداز میں پیش کیا۔ الگ رہنے کی خواہش مند لڑکیاں وہ بھی بنا کسی سسرالی رکاوٹ کے نادانی کا عکس لیے ہوتی ہیں۔ سسرال کے خرفشوں سے پاک انعمتہ کو پھر بھی علیحدہ گھر کی چاہ تھی افسانہ سبق آموز تھا۔ "یہ وطن تمہارا ہے" نظیر فاطمہ نوجوان طبقے کا باہر کی طرف رجحان اور پھر ٹھوکر کھا کر سنبھلنا خوب اجاگر ہوا اس تحریر میں، وری گڈ۔ "ہم نے تجھے چاہا" شبانہ شوکت ایک پل کے لیے تو میری سانس بھی تھم گئی تھی کہ اریش کی جیب میں بریسلٹ کیسے آیا مگر اگلے ہی لمحے صد شکر غلط فہمی دور ہوئی، نائس افسانہ "شہر بہار تلک" از عنبر فاطمہ بلاشبہ بیٹیاں رحمت خداوندی ہیں گھر میں رحمت کا موجب ہی یہی ہیں۔ بیٹے نعمت ضرور ہیں مگر رحمت کے بنا گھر ادھورا ہے کاشفہ کا بیٹوں کا تفاخر ٹوٹنا ہی تھا کیونکہ تفاخر جیسا بھی ہو زمین بوس لازمی ہوتا ہے، خوب صورت سبق دیتا افسانہ۔ "ڈگری" اعلیٰ تعلیم کے زعم میں سرشار خواتین کی طرف اشارہ کرتی تحریر دل کو بھا گئی۔ تربیت، ہنر مندی ڈگریوں کی محتاج نہیں ہوتی، بہت خوب تمثیلہ زاہد۔ "ہماری سوچ" از قلم سحرش فاطمہ بہت خوب بصورتی سے اس تحریر میں بیشتر نوجوان طبقے کی پسماندہ سوچ عکاسی کی گئی۔ مائرہ عرف میری کی سوچ پڑھ کے سر تاسف سے ہل گیا اس قدر کدورت پاکستان اور اسلام کے بارے میں اہانت آمیز الفاظ پست سوچ کو عیاں کر رہے تھے مگر تاشہ اور انیلہ نے جو طبیعت صاف کی مزا آ گیا، نائس افسانہ۔ "میرے ہم وطنوں" ماریہ پارس کا افسانہ پڑھ کے دل کٹ کے رہ گیا۔ آزادی کے نام پہ کیے جانے والے نا گوار کام ون ویلنگ، ناچ گانا۔ سال میں ایک بار یہ سب کرنے سے اس دن کا حق ادا نہیں ہوتا، سکینہ کی حسرت اور موت نے دل آزردہ کر دیا۔ "دادی اور میں" شروعات برجستہ تھی دادی کی باتیں دلچسپ تھیں مگر اختتام خلاف توقع ہوا ایک تلخ حقیقت، حمیرا نوشین ویری ویل۔ سوچ خیال و خواب اور لوٹ کر نہیں آؤں گا دونوں تحاریر وطن کی محبت سے سرشار اور جذباتیت سے گندھی تھیں اگر واقعی پاکستان چلا گیا تو...... سوالیہ نشان دل دہلا دینے کے لیے کافی ہے سلسلہ وار ناول اپنی ازلی جولانی سے عازم سفر ہیں۔ "میرے خواب زندہ ہیں" نیلم فرمان کا فرمان نامہ دوسرے لفظوں میں بلیک میل نامہ جاری ہونے سے پہلے ہی رطابہ نے پردہ چاک کرنے کی بجائے ادھیڑ کر رکھ دیا۔ سوچو باسل اگر رطابہ نہ ہوتی تو...... گئی بھینس پانی میں۔ دوسری جانب لالہ رخ کی کٹھن شاہراہ اور بھی طوالت کی طرف گامزن ہے۔ تاشو کی طرف منہ کھولے کھڑی آفتاد نا گہانی نے پہلے ہی دل افسردہ کر دیا چہکتی ہوئی کول جب اپنے بابا جان کے بے جان سرد وجود کو دیکھے گی تو یہ بہار رخ آن میں خزاں کا روپ دھار لے گی، ناول زبردست چل رہا ہے۔ "دل کے دریچے" صدف آصف۔ اللہ یہ ریحانہ خالہ کن چکروں میں ہے؟ الٰہی یالا رشتہ بھی گانٹھ لیا۔ سفینہ کی پریشانی بجا ہے ارے یہ آفاق محترم کو بھی فائزہ کی سنگی بھا گئی نہ جی یہ ظلم ہم سہہ نہیں سکتے۔ یہ فائزہ کی امانت ہے اور رہے گی، ناول عمدہ ہے پلاٹ جاندار ہے۔ اللہ قلم کی چاشنی جاوداں رکھے آمین۔ سلسلہ کچن کا رنر زبردست ریسپیز سے جگمگا رہا تھا، چھوہاروں کا حلوہ بہت اچھی ریسپی تھی اور سبزیوں کے کوفتے بھی دونوں لازمی ٹرائی کروں گی۔ عالم انتخاب میں کرن شہزادی کا انتخاب بہت اچھا لگا کیونکہ میری پسندیدہ نظم موجود تھی بھی ہم خوب صورت تھے آہ شوخی تحریر میں تحریریں بہت سنجیدہ تھیں طیبہ طفیل طیبی باتیں بھا گئیں اور ریما نور رضوان کا انتخاب بھی۔ اجازت مطلوب ان شاء اللہ اگلے ماہ اسی پلیٹ فارم پہ تبصرہ کے ساتھ حاضر لگواؤں گی تب تک کے لیے فی امان اللہ۔ خداوند کریم تمام امت مسلمہ کے دکھوں کو اپنی رحمت کی چادر میں سمیٹ لے اور دائمی خوشیاں عطا فرمائے آمین۔

☆ ڈیئر مونا آفیشل گروپ میں تبصرہ مقابلہ میں دوسرا انعام مبارک ہو۔

ریما نور رضوان...... کراچی۔ السلام علیکم! دل کی تمام تر گہرائیوں اور سچائیوں کے ساتھ منفرد ہوتے ہوئے منفرد لفظوں کے ساتھ۔ حجاب ایڈیٹر، رائٹرز، ریڈرز، اسٹاف ممبرز، حجاب فیس بک ممبرز سبھی کے ذہنی اور قلبی سکون کے لیے دعا گو ہوں۔ جناب طاہر قریشی بھائی کی انتھک محنت، لگن، جستجو کا نتیجہ ہے کہ نئے افق گروپ آف پبلی کیشن کے زیر اہتمام نکلنے والے تینوں پرچے ماہنامہ نئے افق، ماہنامہ آنچل، ماہنامہ حجاب مقبول، خاص اور ہر دلعزیز پرچے ہیں۔ سعیدہ نثار آپی بھی احسن و عمدگی سے اپنے فرائض انجام دے رہی ہیں۔ دعا ہے کہ رب باری تعالیٰ اس ادارے کو مزید ترقی، کامیابی، کامرانی سے ہمکنار رکھے آمین ثم آمین۔ 6 اگست کی سہانی صبح حجاب تبصرہ کمپٹیشن میں جیتا ہوا ملا بے حد شکریہ نئے افق گروپ۔ ٹائٹل کچھ خاص متاثر نہ کر سکا۔ فہرست کھولی پھر ابتدائیے کی پررونق اور محبت و چاہت لٹاتی محفل میں شریک ہوئی۔ قیصر آپا آپ کو بھی جشن آزادی کی مبارکباد قبول کیجیے آپا کے ساتھ ہم بھی دعا گو ہیں تمام احباب بھی دعا میں شرکت کریں۔ اللہ پاک ہمارے ارض وطن پاکستان کو رہتی دنیا تک قائم و دائم رکھے آمین ثم

آمین۔ حمد و نعت پڑھی ماشاء اللہ، اللہ اللہ نے روحانی کیفیت پیدا کردی۔ نعت میرے پسندیدہ نعت خواں اور نعت بھی من پسند حضور ایسا کوئی انتظام ہوجائے سلام کے لیے حاضر غلام ہوجائے آمین ثم آمین۔ حج کے مبارک مہینے کے صدقے رب کریم ہم سب کو حج کی باادب حاضری نصیب فرمائے آمین ثم آمین۔ صبیح الدین رحمان صاحب کی نعتیں بہت بہت خوب صورت ہوتی ہیں۔ حضرت صفیہ بنت حضرت حی کا واقعہ پڑھا، ماشاء اللہ بہت قیمتی و انمول معلومات حاصل ہوئی۔ "ذکر اس پری وش کا" میں زینت احمد سیدہ رابعہ روما اشفاق، نجل اشفاق، حنا زمان سے تعارف کروانی ملی۔ نٹ کھٹ نجل سے مل کر بہت اچھا لگا۔ "آغوش مادر" آغوش چاہت بھرا ہوتا ہے۔ بہت بہت عمدہ کوثر خالد جی واقعی مائیں ایک ہی ہوتی ہیں نرم مزاج، نرم دل، محبت جتانے لٹانے والی۔ ملاقات ثمن عروج زبردست، ماشاء اللہ بشریٰ اعجاز صاحبہ سے مل کر دلی خوشی ہوئی ایسا ہی تعارف ہونا چاہیے ہر ہر بات واضح ہے۔ بشریٰ آپا سے مل کر بہت اچھا لگا۔ پاکستان کو ایسی ہی پرعزم، پریقین، پختہ ذہین اور سوچ کی حامل خواتین کی اشد ضرورت ہے۔ عید سروے 2 ہلال عید میں شامل تھے۔ ہلال عید میں سلمیٰ غزل، حرا قریشی، زینب ملک ندیم، کوثر ناز، کوثر خالد، پروین افضل شاہین، کرن شہزادی، سمیعہ کنول شامل تھیں۔ ایک بار پھر عید کی یادیں تازہ ہوگئیں۔ بہت اچھے لگے سبھی کے جوابات۔ مکمل ناول عید نے دیا پیغام چاہت دیا ناول نگار مصطفیٰ جی نے اپنا مخصوص انداز تحریر برقرار رکھتے ہوئے رومانوی اور مزاحیہ تحریر لکھی۔ نوفل کا مذاق اور شہرین کی سنجیدگی درمیان میں خفگی اور دوری ہر پل کا احساس ندامت سے پشیمان رہنا۔ شہرین کا خود کو حق بجانب پاکر اپنی ہی بات پر اڑے رہنا لطف دیتا گیا۔ کہانی روایتی انداز میں اختتام پذیر ہوئی۔ بلاآخر عید نے تمام ناراضگی اور خفگی ختم کردی بہت زبردست۔ مکمل ناول "چاہتوں کی شام" از قلم ریحانہ آفتاب۔ شاہ ریز اور زندگی، ہیروئن کا نام زندگی واقعی زندگی زندہ دل لڑکی نکلی۔ شاہ ریز اور زندگی کے گرد گھومتی از دواجی تعلقات و زندگی کی بے انتہا خوب صورت انداز میں بہت ہی خوب صورت عکاسی کرتی تحریر لکھی۔ ریحانہ آپی رب کرے زور قلم اور زیادہ۔ مکمل ناول "میٹھے موسم" صوفیہ سرور چشتی۔ دعف صاحبہ تو کیک شیف کیک ایکسپرٹ نکلی۔ معصم صاحب کا کاروبار خسارے میں جا تا رہا اور دعف نے بااحسن طریقے سے تمام کام سنبھالا۔ معصم صاحب خوش قسمت نکلے کہ ہمسفر شریک حیات نے نت نئے کیک بنا بنا کر کاروبار دوبارہ جمادیا، منفرد انداز منفرد کہانی، بہت عمدہ نام بہت اچھے لگے دعف اور معصم۔ ناولٹ "دشت جنون" زوبیہ اعجاز۔ اتنا حقیقت کے قریب تر لکھا کہ آنکھیں نم سی ہوگئیں۔ اتنی قربانیاں دے کر یہ وطن عزیز پاکستان حاصل ہوا اور ہم اسے سنبھال نہیں پا رہے۔ افسوس صد افسوس۔ ناولٹ "تیرے لوٹ آنے تک" سلمیٰ فہیم گل۔ میرا موسٹ فیورٹ ناولٹ اختتام پذیر ہوا۔ سلمیٰ آپا ڈھیر ساری مبارکباد اور دعائیں۔ اتنے عمدہ انداز میں تحریر قلمبند کی کہ ہر ہر کردار جاندار، شاندار، یادگار رہے۔ افسانہ "بھیگا سنگ ساون" افسانہ نگار سویرا فلک۔ نعیمہ کی خواہش نہ جائز نہیں۔ ہر لڑکی کے دل میں یہی خواہش ہوتی ہے، بہت زبردست لکھا۔ افسانہ "یہ وطن تمہارا ہے" نظیر فاطمہ۔ واقعی یہ وطن تمہارا ہے تم ہو پاسبان اس کے بہت زبردست تحریر لکھی۔ افسانہ "ہم نے تجھے جانا" شبانہ شوکت۔ سلویٰ کی معصومیت اور اریشہ کی چالاکیاں ہر بات میں سلویٰ سے تلخ کلامی اور نوکرانی بنائے رکھنا۔ عادل کی خاموشی سمجھ نہ آئی۔ بریسلیٹ کی گمشدگی نے کہانی کو نیا موڑ دیا۔ حیران رہ گئی اریش صاحب چور تو نہ نکلے اور سلویٰ نے اپنی بھابی کی ساری فرسٹریشن معصوم اریش پر نکالی۔ غلط فہمی شازل نے دور کردی۔ بلاآخر اریش کی خاموش محبت جیت گئی۔ افسانہ "شہر بہار تلک" عنبر فاطمہ۔ لکھاری بہنا آپ کی بات سے متفق ہوں کہ انسان بڑا ہی ناشکرا ہے اس کی سرشت میں مطمئن ہونا شامل نہیں۔ بلاشبہ بیٹیاں کسے بری لگتی ہیں، مگر وہ تو آنگن کی چڑیاں ہیں ایک دن اڑ جائیں گی۔ افسانہ "ڈگری" تمثیلہ زاہد۔ ارم کی مغروریت اور حنا کی تحمل مزاجی عاجزی طبیعت بہت خوب۔ واقعی مد مقابل منفی سوچ کا حامل ہو تو راستے پر چلنا مشکل ضرور ہے، ناممکن نہیں۔ غلط سمت پر چلنے والے ایک دن صحیح سمت کا بھی تعین کرلیتے ہیں۔ بس مضبوط قدم ہونا شرط ہے۔ ویل ڈن، بہت زبردست تحریر قلمبند کی۔ افسانہ "ہماری سوچ" از قلم سحرش فاطمہ۔ یہ میری کس بلا کا نام تھا پاکستان۔ پاکستانی اور مذہب اسلام کی اسقدر تذلیل تماشا انیلا نے میری کی میلی طبیعت کی بہت عمدہ انداز میں فریش کی۔ واقعی پاکستان کے لیے اپنے آپ کو ایسا کریں کہ لوگ فخر کریں کہ ہم پاکستانی ہیں۔ اس بار زیادہ تر تحریریں چودہ اگست کے حوالے سے تھیں جو حب الوطنی کا جذبہ سے سرشار تھیں بہت عمدہ۔ افسانہ "سوچ خیال اور خواب" از قلم کنزہ مریم۔ کیا واقعی ہم اتنے اچھے ہوگئے ہیں کیا واقعی ہم تبدیلی کے لیے سنجیدہ ہوگئے ہیں یا یہ صرف ایک خواب ہے، بہت اچھی لگی کہانی بہت خوب۔ افسانہ "میرے ہم وطنوں" از قلم ماریہ پارس۔ علامہ محمد اقبال اور قائداعظم محمد علی جناح نے واقعی ایسے پاکستان کا خواب تو نہ دیکھا تھا۔ سفینہ اور سکینہ کی درد بھری کہانی پر سوچنے پر مجبور کردیا بہت اعلیٰ افسانہ "دادی اور میں" از قلم حمیرا الوشین۔ آغاز نے ہی مزاحیہ انداز سے چہرے پر مسکان بکھیر دی مگر اختتام تلخ حقیقت پر ہوا۔ بے شک لوگ ماضی نہیں کھنگالتے حال سامنے رکھتے ہیں۔ اچھے اخلاق اور آداب پر روپے پیسے نے

سبقت لے لی ہے، بہت خوب صورت انداز تحریر زبردست۔ افسانہ "لوٹ کر نہ آؤں گا" از قلم زارا رضوان۔ کہانی کا آغاز پراسرار لگا درخت کی اوٹ میں بیٹھا کوئی رو رہا ہے۔ میں نے دل میں کہا حجاب میں ڈراؤنی کہانی بھی آنے لگی کیا۔ اختتام بہت اچھا لگا۔ واقعی پاکستان چلا گیا تو خوب صورت سوچ و انداز۔ حجاب کے مستقل سلسلے تمام سلسلے ہر بار کی طرح اس بار بھی خوب صورت لگے۔ اس اپنے پن کے ساتھ کہ اپنا اور اپنے سے جوڑے ہر فرد واحد کا خیال رکھیے گا مجھے دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔ ان شاء اللہ اگلے ماہ پھر ملاقات ہوگی، اللہ نگہبان، فی امان اللہ۔

☆ ڈیئر ریما آفیشل گروپ میں تبصرہ مقابلہ میں تیسرا انعام مبارک ہو۔

حوا قریشی..... ملتان۔ جیسے بہار کی رت میں کسی شگوفے کی کھوج میں آس لگائی کوئی نازنی درختوں کی ڈالیوں کو فور جذبات میں آ کر ٹٹولتی ہے۔ گلوں کی فرحت بخش مہک کو کھوجتی ہے، کچھ ایسے ہی جستجو تھی اب کے پیارے حجاب کی بھلا ہو اس یار جاں نثار کا جس نے دیدار تو کروا دیا ناں خواہ اگست کی انیس تاریخ کو ہی میں منتظر محبوب من حجاب کی (وجہ؟ محاحرہ پر ملنے والے فیڈ بیک کا انتظار تھا) ہمیشہ کی طرح حمد و نعت پڑھ کر ساکت لب حرکت میں آ گئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قلب میں مخفی تمناؤں میں طمانیت بھر دی جیسے اشجار پر پھوٹتے سبز پتوں اور کھلتے پھولوں کو دیکھ کر نگاہ بادنسیم کے ساتھ سفر کرتی بڑی مستقل مزاجی سے دور، بہت دور تک چلی جاتی ہے۔ کبھی کبھی تو ایسی کیفیت ہوتی ہے کہ بے پایاں وسعتوں پر پھیلا ہوا وسیع سمندر چھیڑ چھاڑ کرتی ہوا کی شہ پر موجیں ساحل کے کنارے پر آب کا مدو جزر فلک پر ماہ و نجم کے چراغ، خشکی پر رواں آب دوز یں اپنی وراثت کا حصہ لگتی ہیں کہ یہ سب مسافع ازل کی صورت تشنہ نگاہوں کو سیراب بخشتی ہیں بالکل ایسے ہی خالد اور صبیح صاحب نے آگہی کے نت نئے رخوں سے روشناس کروایا جسم کا ہر عضو سجدہ ریز ہوا اور اس بات کا بخوبی اعتراف بھی کیا۔

بخشش ہے جس کی رحمت عالم کے روپ میں
اس کی عنایتوں کی کوئی انتہا نہیں!

پیاری حضرت صفیہ کو جیسے جیسے پڑھتے گئے سبحان اللہ کی گردان بھی کرتے رہے جان کر ان کو خوش بختی پر اپنی فخر ہوا اور حجاب برزادہ راہ کا گیان۔ کوثر خالد بہت خوب تذکرہ ماں آپ کا (محاحرہ پر آپ کے تبصرہ کا انتظار رہے گا) بشریٰ اعجاز سے ملاقات ہوئی تو یقین جانیے تفصیلی انٹرویو پڑھ کر دماغ کی کھڑکیاں مشل مشعل تابناک ہوگئیں۔ باکمال خاتون زمین دار گھرانے کی۔ ہلال عید میں شناسا لوگوں کوثر ناز، کوثر خالد، پروین افضل سب ہی کی آمد نے مزہ دوبالا کر دیا۔ شہزین و ہذیل کی داستان چاہت عید پر شیر خورمے سی لذت لیے ہوئے تھی اور وہ بھی اگر بے نزہت آپی کے ہاتھ کا۔ "سجنا سنگ ساون" سویرا جی کی تحریر شاعری کا حسن لیے جو بیت کا پہاڑہ بھولا دینے میں مددگار ثابت ہوئی تیاں محبتاں داسر کار واقعی کوئی مول نئی۔ "میرے خواب زندہ ہیں" تحریر فصاحت کے دائرین پر پھیلی آہستہ آہستہ کھولنے لگی ہے فراز کے لیے تو دل سے دعائیں نکلتی ہیں۔ نظیر فاطمہ کا افسانہ وطن کے منتر حب سے مزین تھا آپ کے حرف جادوئی اثر رکھتے ہیں نوجوان نسل کو بیدار کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ شبانہ شوکت کی بریسلٹ کی روداد بھی اچھی لگی۔ ہلکی پھلکی مختصر تحریر تھی۔ "چاہتوں کی شام" ریحانہ آپی کی داستان محبت پڑھ کر تو دل پورا کا پورا ان پر آ گیا، خواتین کے بے حجاب قہقہے تو ہمیں بھی ناگوار گزرتے۔ شاہ ریز کے کردار نے تو جان ڈال دی ناول میں۔ "شہر بہار تلک" میں بھی خوب اچھا جامع پیام تھا۔ "دشت جنوں" بے مثل تحریر آزادی کے پس منظر کا نقشہ کھینچتی قارئین کو بھی باندھ کر لے گئی۔ "ڈگری" میں پرزور پیغام درج تھا پینڈو ارم کو جو مستقل مزاجی کی جو ڈگری ملی وہ مثبت تفکر کا شاخسانہ ہوتی ہے "ہماری سوچ" (سحرش فاطمہ) لڑکی تم تو اور اچھا لکھ رہی ہے سچ بس یہی ہے ہمارے اور اک کو اسلام کے صحیح فہم سے آشنا ہونا ہوگا۔ کنزہ مریم کا افسانہ صفائی ایمان، علم اور پاکستان کی شناخت کو اجاگر کرتا ہوا عمدہ تخیل تھا۔ ماریہ یارس کا افسانہ ان "ہم وطنوں" کے لیے موثر طرز فکر سے لبریز تھا جس کا لب لباب نوجوان نسل سے پردہ اٹھاتا تھا۔ "دادی اور میں" باچھیں کھل گئیں حمیرا جی کو دیکھ کر پر مزاح بھی دلچسپ بھی اور داد طلب بھی رہا یہ افسانہ۔ زارا ڈیئر ہمیں درحقیقت اپنا کھویا پاکستان حاصل کرنا ہے جو قائد کا تھا اور جواب ہمارا ہے۔ لفظوں کا سیلاب ہو اور ان کے قافیے پر بند باندھنے کی بات تو یاد آتی ہے پروین جس کے بارے میں زیادہ جان کر حجاب کے بہت شکر گزار ہیں۔

اجازت اس شعر کے ساتھ

تیرے بام پر اترے وہ مہ من
سدا فلک پر جس کی چمک دائم رہے

آپ کی ادنیٰ خاکسار دعاؤں کی طلبگار۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر۔ اس بار اگست کا حجاب آزادی نمبر کی صورت میں ملا سرورق ماڈل نے قومی پرچم کی مناسبت سے لباس زیب تن کیا ہوا تھا جو کہ آنکھوں کو بہت بھلا لگا۔ بات چیت میں حقوق العباد پر بہت زور دیا گیا ہے۔ واقعی یہ حقیقت ہے کہ قیامت کے روز بڑے بڑے پارسا اور نیک لوگ حقوق العباد نہ دینے پر پکڑ میں آئے ہوں گے۔ اس بار ثمن عروج نے ملک کی نامور شاعرہ اور معروف کالم نگار بشریٰ اعجاز کا مفصل انٹرویو کر کے ہمارے دل ہی جیت لیے ہیں۔ میں تو مایوس ہی ہوگئی تھی کہ میرا مضمون عید سروے کی زینت بنے گا کیونکہ اس کی پہلی دو اقساط میں اس میں شامل نہیں تھی۔ ثناء ریاض، ریمانور، شمع مسکان، اقرأ ماریہ کے اشعار۔ مدیحہ نورین مہک، فریدہ جاوید فری، جویریہ وسی، دلکش مریم کے انتخاب۔ شائستہ جٹ، حمیرا قریشی، مشی خان کی شوخی تحریر پسند آئیں۔ لالہ رومنزہ کو پہلی بار آمد پر خوش آمدید۔ ہماری دعا ہے اللہ تعالیٰ ریمانور کی والدہ کو اور آپی فریدہ جاوید فری کو مکمل صحت یابی عطا فرمائے آمین۔ اللہ حافظ۔

کوثر خالد...... جڑانوالہ۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! ماہ اگست کا شمارہ ہمارے لیے ماہ بہار ثابت ہوا تین تین ہماری نگارشات لایا جن میں آغوش مادر کی خوشی کے علاوہ حیرت کا جھٹکا بھی لگا وائے قسمت مغرب کے وقت سوٹ سینے کے لیے نلکیاں درکار تھیں جو محلے سے مل جاتیں مگر ہم نے فوراً بازار جانا اہم کرلیا کہ آج "حجاب" آ گیا ہوگا سالم رکشہ کروایا۔ بک شاپ بلکہ تمام بازار بند ہو رہا تھا بیٹی نے کہا تھا رسالہ نہیں ملے گا مگر ہماری دعا پوری ہوئی۔ پہلے ہم بازار اپنے نام تلاش کر کے آیا کرتے ہیں مگر آج گھر پہنچ کر کھولا تو فہرست میں نام نظر آیا تو خوشی قابو میں نہیں رہی تھی۔ اماں حضور بھی آئی ہوئی ہیں ہم تو لگے سنانے بس ہمیں خوش دیکھ کر ہنستی رہیں مگر بیٹی بولی "یہ کیا بونگیاں ماری ہوئی ہیں؟" ہم نے کہا اگلی بار تبصرہ دیکھ کر پتا چلے گا؟ مگر ہمارا شعر پڑھ کر بولیں "یہ آپ کا نہیں" وہی بشریٰ اعجاز والا قصہ۔ حمد ونعت کے بعد ہم حسن خیال پڑھا کرتے ہیں مگر اس بار...... تعارف سروے اور پھر بشریٰ نے ایسا قابو کیا کہ سانس نہ لیا۔ چند ناول چھوڑ کر سارا رسالہ کھنگال لیا اور تبصرے کی آپ کی فرمائش پوری کر رہے ہیں۔ بھئی بشریٰ کی سب باتیں، ذہن مجھ سے کافی ملتا ہے مگر وہ بہت آگے ہیں۔ ہم ذرا بھی بور نہ ہوئے بلکہ بہت لطف اور خوشی ملی۔ ایسے لوگوں کی باتیں تو قیامت تک سنوں گی ہاں...... اور ہاں حرا کا "مجاحرہ" پڑھ لیا تھا میرے تاثرات بھی لوگوں سے جدا نہیں ہیں، حرا بیٹے ہم تو جانتے ہیں کہ ابھی تو تم نے نعت لکھنے میں بھی سرخرو ہونا ہے۔ رمضان نظم کی طرح تمہاری نعت بھی بار بار پڑھیں گے ابھی تو ہم شعاع والا تمہارا پہلا تعارف نہیں بھولے۔ شعاع ہم سے یہ امید نہ تھی کھلکھلاتی اب کہ اپنی عید نہ تھی سروے میں ہم نہیں۔ کیا یہ ظلم نہیں۔ دیکھ لو ہم ہمت نہ ہارے اللہ سے کہا تھا کہ اگر شعاع میں نعت نہ آئی تو کسی رسالے میں نعت نہ بھیجیں گے وہاں آئی تو ہم نے اور طرف رخ موڑا۔

ہمت نہ ہار ایک ہی قدم کا فرق ہے
کانٹوں کی وادیوں سے گلوں کے دیار تک

اور ہاں بھئی ہم اتنے سست نہیں کہ ایک خط آدھے گھنٹے میں پڑھیں...... کجا؟ اور ہاں تمہاری سسٹر لالہ رو اپنے نام سمیت ہمارے دل ناتواں بلکہ مضبوط دل پر قبضہ کر چکی ہیں۔ اب اسے آنا ہی پڑے گا حجاب میں بھی معاف کرنا جو ہی کدھر کی کدھر چلی جاتی ہوں۔ آیئے جتنی کہانیاں پڑھیں تو ہمارے نادر خیالات سن لیں، بھئی شعروں کی محفل یوں تو ساری اچھی مجھ سمیت مگر اس شعر نے حیران کیا

لفظ وفا سنا تو تھا
ڈھونڈا بہت ملا نہیں

شوخی تحریر ایک سے بڑھ کر ایک دل تو کرتا ہے بس ایسی ہی تخلیقات ہوں یا حمد ونعت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج، ان کی آل دعیال کی باتیں۔ بس کہانیاں نہ ہوں صرف سچی داستانیں جیسے کہ پاکستان بننے پر اصل کہانی جن پر بیتی ان کی زبانی میری ماں اور خالہ کی نانی، ماموں کی بھی داستان ہے۔ وہ میں سنا سکتی ہوں اگر کوئی کہے تو ورنہ...... بس شاعری، عالم انتخاب میں پروین شاکر، جلیل مانکپوری اور بدیوانی برادر بہت اچھے لگے۔ ارے واہ کنزہ مریم تو تم رائٹر ہو آسمان پر ستارہ بن کر چمک رہی ہو اسی لیے تو گھبرانا منع ہے۔ "تیرے لوٹ آنے تک" "لوٹ کے بدھو گھر کو آئے" "دل کے دریچے" "صبر کا پھل میٹھا ہی ہوگا" "میرے خواب زندہ ہیں" "عرض کرتی ہوں خوابوں کو کبھی مرنا نہیں چاہیے" "سجنا سنگ ساون"

ساون خوب گھنیرا ہو
ہدایت کا سویرا ہو

"یہ وطن تمہارا ہے"

بزرگوں کے لہو پر حرف نہ آنے دیں
اے پاک وطن بساط سے بڑھ کر تجھے چاہیں گے

"ہم نے تجھے چاہا" بھئی میں بھی سلوئی ہوں ناں۔ "شہر بہار تلک" ایک مکمل افسانہ قرآنی ترجمہ کے سنگ لفظوں میں تعریف ناممکن۔ ہدایت لیتی ہو تو بس یہی کہانی کافی ہے۔ "ہماری سوچ"

نہ کبھی دیا الزام کسی کو نہ دیں گے
اپنے عمل سے ہر میداں جیت لیں گے

ہمارے سامنے ہمارے گھر والا کوئی بھی کسی حکومت کو بھی الزام نہیں دے سکتا کیونکہ......

کوئی اندازہ کرسکتا ہے اس کے زور بازو کا
نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

"ڈگری"

ایک امی ﷺ کی امت ہیں ڈگری کی ضرورت نہیں
بس عجز کی دولت ہی جاگیر ہماری ہے

"سوچ خیال خواب" کنزہ مریم......

خواب دیکھنے والے ہی تعبیر پایا کرتے ہیں
احساس کرنے والے بلندی پر جایا کرتے ہیں

"میرے ہم وطنو"

اے میری ہم وطن بیٹیو! امنگیں مت پالو
ماں باپ بچانے ہیں وطن کو شاد کرنا ہے

"دادی اور میں" حمیرا......

تیری دادی نے تجھے ظرافت بخش دی
اب روز ہی دادی کے قربان جایا کر

"لوٹ کر نہیں آؤں گا"

ہم تمہیں جانے ہی نہیں دیں گے جان جاں
خود کو گروی رکھ کر خدا سے مانگیں گے پاکستان

جو ہی میرے دل سے نکلے تبصرے نذر نواز ہوئے اب آپ کا تبصرہ بھی ضروری ہوگا شاید مجھے بہت خوش رہیے۔ وہ آنچل کی نینا وینا جو بھی دوستی چاہتی ہیں، سمجھو میں سب کی دوست ہی ہوں ہاں بھئی البتہ عمر میں شاید آنٹی خالہ پھپھو جو آپ کہو کہنے اور لکھنے کو بہت باتیں ہیں مگر وقت نایاب ہے۔ اللہ حافظ۔

☆ ڈیئر کوثر! خوب صورت شعری انداز میں ہر کہانی پر بھرپور و جامع تبصرہ بمع اشعار بہت پسند آیا اسی لیے تو ہم آپ سے کہتے تھے "اے خانہ برانداز چمن کچھ تو ادھر بھی"

عائش کشمالے...... رحیم یار خان۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! پیارے رائٹرز ریڈرز کیسے ہیں آپ سب؟ ہماری طرف سے آنچل وحجاب اسٹاف اور آپ سب کو جشن آزادی مبارک ہو۔ آزادی کا ایک اور سال بیت گیا اور ان سالوں میں کیا کھویا کیا پایا۔ ہم تو اب اپنے ہی نفس کے غلام بن گئے ہیں نفس سے کون آزادی دلائے گا بہرحال بڑے ہی افسردہ موڈ کے ساتھ ہم محفل میں حاضر ہیں اور وجہ ملک اور عوام کی بے حسی یہ کرپشن اور دھماکے یہ امیری اور غریبی کا فرق یہ جھنڈیوں کی بے حرمتی وہ سبز ہلالی پرچم کہاں کھو گیا جس کو ہمارے مہربان ساتھیوں نے کفن کی طرح سر پر باندھ کر قربانی دی تھی اور وہ ہمارے قائد کے نعرے کہاں دب گئے؟ افسوس۔ ہم آج کی امت مسلمہ پر اور اپنے آپ پر غرض ٹائٹل بھی ہماری آج کی آزادی کی مثال تھی اور دوپٹہ نادارد۔ ابتدائیہ پر نظر دوڑائی ماشاء اللہ رائٹروں سے سجا سجا بے حد پیارا لگا پھر بات چیت جو کہ عزیزی مدیرہ سے وہ بھی آج کی آزادی پر کافی غمزدہ سی لگیں۔

بے شک اچھے لوگوں کی دنیا میں کمی نہیں ہے آپا قیصر آرا آپ اور میں ان شاء اللہ اللہ کے حضور رو رو کر وہی آزادی مانگیں گے جو ہمارے قائد نے ہمیں دی تھی۔ آپ سب دعاؤں میں شریک ہو سکتے ہیں۔ ”حمد و نعت“ خالد حسین صابری اور صبیح الدین رحمانی بہت ہی خوب صورت الفاظ کے ساتھ شریک محفل تھے جزاک اللہ۔ اللہ آپ کو ان الفاظ کی جزا دے آمین۔ ”امہات المومنین“ حضرت صفیہ بنت حضرت حیؓ کے بارے میں جان کر بہت خوشی ہوئی۔ اللہ پاک ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے آمین۔ ”ذکر اس پری وش کا“ چاروں پریوں کو پڑھ کر اور ان کی عادات جان کر بے حد خوشی ہوئی۔ سو بری رابعہ نٹ کھٹ سی روما اور بجل اور دونوں چیزوں کا ملاپ حنا زمان اچھا لگا آپ سب سے مل کر۔ ”آغوش مادر“ آہ ماں دنیا کی سب سے زیادہ پیاری ہستی میری امی کوثر خالد بے شک ماں سے بڑھ کر کوئی نہیں آپ نے بھی بہت اچھا لکھا ان شاء اللہ میں بھی بہت جلد لکھنے کی کوشش کروں گی۔ ثمن آپی آپ نے بہت ہی پیاری ملاقات کروائی بشریٰ اعجاز بہت سو برا اور نائس لگیں۔ عید سروے سب بہنوں کی شرکت اچھی لگی۔ ناولٹ میں ”عید نے دیا پیغام چاہت“ شازیہ مصطفیٰ بے شک ایک لڑکی اچھی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کو خود اپنے روپ میں ڈھال لے اندر سے تو وہ مر ہی جاتی ہے۔ شکر ہے شاہ ریز کو اپنی غلطی کا احساس ہو جاتا ہے اچھا اینڈ تھا۔ حدیقہ رانا ہمیں آپ کا تعارف اچھا لگا مگر تھا مختصر اور ہاں ہم آپ کے لیے یہ دعا کریں گے اللہ پاک آپ کو زندگی کے ہر موڑ پر کامیابی دے اور ایک اچھی اور باعمل مسلمان بنائے آمین۔ ”دل کے دریچے“ صدف آپی آپ بڑے ہی اچھے انداز سے آگے بڑھ رہی ہیں مگر سفینہ اور فائز کو الگ نہ کریں آفاق کے لیے کوئی اور اچھی لڑکی ڈھونڈیں روشنی کا کردار بھی زبردست سا ہے اور شرمیلا مجھے اچھی نہیں لگتی کیوں نمائش بنی پھرتی ہے نبیل کو اچھا سا سبق سکھا دیں۔ ”شہر بہار تلک“ عنبر بہت ہی خوب صورت پیرائے اور سبق کے ساتھ حاضر تھیں۔ کاشفہ کی سوچ کتنی گھٹیا تھی آسیہ صابر و شاکر آخر اللہ نے اسے صلہ دیا تھا بیٹیاں تو پر رحمت ہیں مان ہیں کیوں ہر کوئی بیٹے کی چاہ کرتا ہے جو...... اینڈ میں کاشفہ کو بھی احساس ندامت محسوس ہوا شکر ہے اچھا اینڈ تھا۔ جواد کی سوچ بھی اچھی تھی۔ دشت جنوں زویا اعجاز یار واقعی آپ نے ہم کو رلا دیا۔ بہت ہی پیارا اور خوب صورت الفاظ میں سجا ناولٹ تھا روشن آراء کا کتنے ہی دکھ اپنے اندر چھپائے رکھنا رحمت اور برکت ایسے نوجوان جن کی آج کے دور کو ضرورت ہے نسیمہ کا نوحہ کناں لاشہ ہندو سکھ بربریت کا کھلا پرچار ہے۔ خدا بخش مولا بخش منوں مٹی تلے دفن ہم سے وہ قربانی اور آزادی مانگ رہے ہیں جو انہوں نے اپنے سینوں پر جھیل کر ہمیں دی سینکڑوں گھرانوں کی کہانیاں ہیں سینکڑوں لاشوں کی قربانیاں ہیں جو آج ہم سے تقاضہ کر رہے ہیں۔ مسلمانو وہ آزادی وہ پاکستان کہاں ہے جس کو ہماری عظیم قائد نے بنا کے دیا تھا۔ افسوس صد افسوس آزادی کے متوالے آج سب کچھ فراموش کر چکے ہیں۔ وہ قربانیاں وہ بے گور و کفن لاشے سب اے اللہ آج کی امت مسلمہ پر اپنا رحم فرما آمین۔ زویا جزاک اللہ خوب صورت انداز بیاں پر اور ہماری سوئی قوم کو جگانے پر۔ ”ڈگری“ حمیلہ زاہد آپ نے اچھے موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ حنا کی اگرچہ باتیں کافی دل دکھانے والی تھیں مگر ارم کا حسن سلوک اور صبر بھی قابل تحسین تھا۔ یہی عورتیں جو سراپا محبت سے بنی ہوتی ہیں حنا کو بھی آخرکار احساس ہو گیا آنچل و حجاب کی یہی تو بات ہے کہانی کو ہمیشہ اچھے انداز سے اینڈ کرتے ہیں تھینکس ڈیئر حجاب۔ ”ہماری سوچ“ سحرش ڈیئر اچھا موضوع تھا آج کی نسل کی سوچ کی عکاسی کرتا کاش ہم سب کو کوئی بتانے والا ہوتا پاکستان کو ہم لوگوں نے ہی سنوارنا اور اچھا بنانا ہے۔ ”تیرے لوٹ آنے تک“ سلمٰی فہیم گل بڑا ہی اچھا ناولٹ تھا اور اللہ کا شکر ہے اینڈ بھی اچھا ہوا۔ زری اور تورع کی جوڑی لاجواب طلعینہ اور ارقام کی نوک جھونک مزہ دے گئی اور زاویار اور آغا مینا کا ملاپ بڑا ہی خوب صورت لگا۔ ”صبا ایمان“ آپ کا تعارف اچھا لگا اللہ پاک ماں جیسی ہستی ہر کسی کو دے اور سلامت رکھے آمین۔ ”سوچ خیال و خواب“ کنزہ مریم نور ائٹر اچھے موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ ڈیئر مبارک ہو آپ بھی اس سفر پر آ گئیں۔ ”میرے ہم وطنو“ ماریہ پارس افسانوں میں سب سے بیسٹ لگا دل کو ڑلا گیا۔ غریبوں کی دنیا تو صرف خوابوں تک ہے آج کے حکمران بے خبر سوئے پڑے ہیں۔ سفینہ کے ساتھ غربت نے نہیں برا کیا آج کے حکمرانوں نے کیا۔ رقیہ اصغر کے بارے میں بھی جان کر اچھا لگا ”دادی اور میں“ حمیرا نوشین شروع کی نوک جھونک اچھی لگی مگر اینڈ میں ناامیدی اور پھر صبر نے اچھا سبق دیا۔ ”لوٹ کر نہیں آؤں گا“ زارا رضوان سچ ہی تو کہا پاکستان نے پاکستان نے آج ہم سے تقاضا کیا ہے تو کیا اتنی سی قربانی نہیں دے سکتے۔ زارا ڈیئر بہت اچھا لکھا آپ نے۔ ”میٹھے موسم“ صوفیہ سرور بہت اچھے انداز بیاں سے بیان کیا گیا یہ ناول بھی دل کو بھا گیا۔ وصف کا کیک ماسٹر ہونا مزہ دے گیا معتصم بھی سلجھا ہوا اچھا لگا آفتاب ہاشمی کا معتصم کو ڈی گریڈ کرنا اولاد چاہے جیسی بھی ماں باپ تو محبت کے پیکر ہوتے ہیں اور وصف کے آنے سے یہ دوریاں ختم ہو گئیں گڈ۔ ”جیسا میں نے دیکھا“ پروین شاکر کے بارے میں جان کر اچھا لگا۔ بزم سخن میں پروین افضل پاکیزہ اقصیٰ ام ثمیر اسواتی پارس گل مینہ اینڈ حسینہ کے اشعار اچھے لگے۔ ”کچن کارنر“ کچن سے ابھی کوسوں دوری مگر نام ضرور لکھی ہوں کسی نے شرکت کی ہے۔ ”آرائش حسن“ ابھی کوسوں دور

ریحانہ عالم انتخاب اس دفعہ بھی ڈائری کی زینت نہ بنا سکی۔ ”مریم اعجاز اور پارس شاہ“ آپ کے بارے میں جان کر اچھا لگا۔ مریم آپ کا تعارف کچھ ادھورا سا ہے آپ حجابی پریوں میں آرام سے تشریف لائیے گا پھر ہم اپنی رائے بتا سکیں گے۔ ”یہ وطن تمہارا ہے“ نظیر فاطمہ آپ ہر بار کی طرح نئے انداز میں شریک محفل تھیں عبدالجلیل آج کی نسل کی ترجمانی کرتا ہے مگر ٹھوکر لگی تو اپنا پاکستان یاد آیا پاکستان ہی ہمارا سرمایہ ہے ہمارا سب کچھ ہے۔ اے ملک کے معمارو تم پاکستان کے لیے کام کرو ناں اس ملک میں رہ کر پاکستان کا نام روشن کرو۔ ”ہم نے تجھے چاہا“ شبانہ شوکت نئے موضوع کے ساتھ حاضر محفل تھیں سلویٰ ایک اچھی لڑکی تھی اریش کا یوں گھڑی بیچ دینا اریش کو سمجھانا چاہیے کہ وہ سلویٰ کے ساتھ اچھا سلوک کرے یوں چوری کا الزام اریش کے سامنے اور سلویٰ کا اریش کو چور کہنا اریش کا کردار اچھا تھا ورنہ برداشت مرد کی فطرت میں نہیں ہے۔ ”چاہتوں کی شام“ ریحانہ آفتاب بہت ہی اچھا سبق تھا۔ زندگی صابر و شاکر لڑکی تھی ہر روپ میں ڈھل جانے والی مگر شاہ ریز کو ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ ”سجنا سنگ ساون“ سویرا فلک طویل عرصے بعد حاضری اچھی لگی انعم واقعی غلطی پر لگی کتنی اچھی بھابی تھی جس نے انعم کو اس کی غلطی کا احساس دلایا۔ دوست کے روپ میں بھابی اللہ ایسی بھابی سب کو دے آمین آنٹی جبین یہ کیسا نام ہے مگر آپ کے بارے میں جان کر اچھا لگا۔ ”میرے خواب زندہ ہیں“ نادیہ فاطمہ رضوی آپ اس کو بہت ہی خوش اسلوبی سے آگے بڑھا رہی ہیں مگر سونیا کے ساتھ بھی برا نہ ہو کاش اسے کامیش پسند کرتا ہو اور فراز لالہ رخ کو اور اب احتشام کے بارے میں بھی کچھ بتائیں ناں۔ تاشو بے چاری کیسے یہ دکھ برداشت کرے گی اور ماریہ اور ابرام کی کیا اسٹوری ہے ماریہ بھی ٹھیک ہو جائے۔ ”شوخئ تحریر“ میں سب بہنوں کی شرکت اچھی لگی مگر فرحت اشرف جی کنول پاکیزہ نبیلہ عادل عائشہ رحمن ریما نور حمیرا مدیحہ نورین صبا یوسف ذوالفقار طیبہ عائشہ پرویز عیشا نور اسماء نور ملیحہ عرض سب نے بے مثال لکھا۔ حسن خیال میں پروین آپی ہر بار چہرے پر مسکراہٹ لاتی ہیں۔ جویریہ جی تھینکس ڈیئر...... فریدہ آپی اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟ شمع ڈیئر آپ کا الفاظ کا چناؤ بہت دلکش ہوتا ہے۔ ریما نور لالہ رخ مونا شاہ قریشی آپ ہماری طرف سے لفظوں کے بہترین انتخاب اور انعام جیتنے پر مبارک باد قبول کریں۔ حرا قریشی کیا ہی بات ہے آپ کی لفظوں کی کھلاڑی ہیں۔ میں نے آپ کا آرٹیکل اور مجاحرہ پڑھی ریئلی آپ کا نام بہت اونچا ہو گا ان شاء اللہ اور لالہ رخ آپ کی بہن ہیں جان کر بے حد خوشی ہوئی اور باقی سب کے تبصرے بھی جاندار تھے۔ ”ہومیو کارنر“ میں طلعت نظامی کی معلومات پر حیرانی ہوتی ہے ”شوبز کی دنیا“ دعا فاطمہ کا یہ سلسلہ بھی زبردست سا ہے صبا قمر کے بارے میں یہ جان کر دکھ ہوا کہ وہ انڈیا میں کام کر چکی ہیں۔ ”ٹوٹکے“ خدیجہ احمد بہت ہی زبردست معلومات میں اضافہ ہوا ہے اچھا اللہ آپ کو اور ہم سب کو اور ہمارے پاکستان کو اپنی امان میں رکھے آمین فی امان اللہ۔

☆ ڈیئر عائش آپ کا مفصل و جامع تبصرہ پسند آیا۔

عنبر مجید...... کوٹ قیصرانی۔ السلام علیکم! چاند کی چاندنی سورج کی روشنی پھولوں کی خوشبو میں بسا السلام علیکم! جی تو کیا حال چال ہیں حجاب سے وابستہ لوگوں کے؟ تپتی دھوپ اور سلگتے موسم میں حجاب رسالہ لیا موسم نے تو اتنی جلدی تیور بدلا ہے کہ ہر کوئی گرمی گرمی پکار رہا ہے۔ فرسٹ آف آل ٹائٹل سے شروع کروں کی ماڈل پر نظر پڑی تو بے اختیار واؤ کا لفظ منہ سے نکل گیا بڑی شوخ اور فریش قسم کی ماڈل اچھی لگی۔ بات چیت مدیرہ اس بار بہت حساس موضوع پر اپنا گراں قدر قلم حرکت میں لائی ہیں آنٹی جی...... سچ کہا آپ نے پتا نہیں دہشت گرد اتنے بے رحم کیوں ہوتے ہیں آج کل پاکستان میں تو بس ہر جگہ دہشت گردی پھیلی ہوئی ہے بس اللہ پاک سے دعا ہے کہ وہ ہمارے پیارے ملک کی حفاظت کرے اور دہشت گردوں کا نام ونشان بھی مٹادے آمین اور قیصر آنٹی جی دوسری بات بہت خوب کہی ہے ہاں جی آج کل رشتوں میں دراڑیں پیدا ہوگئی ہیں اپنا اپنے کو دیکھ کر جلتا ہے انسان کے اندر بس نفرتوں کی ہوا بھر گئی ہے بہت ہی عجیب وغریب دور آ گیا ہے بس اللہ تعالیٰ رحم فرمائے ہم سب پر آمین پھر پہنچے حمد ونعت پر خالد حسن صابری صبیح الدین ویری گڈ بہت اچھی لگی حمد ونعت بالکل منفرد تھیں۔ دل ودماغ میں ایک دم ٹھنڈی پڑ گئی اس کے بعد چلے امہات المومنین کی طرف ویری گڈ آپی حضرت صفیہؓ کے بارے میں لکھا پھر دیدار کیا ”ذکر اس پری وش کا“ سب پریوں سے مل کر اچھا لگا۔ اس کے بعد آغوش مادر کوثر خالد اف کافی لمبی چوڑی داستان سنائی ہے (ہی ہی ہی) ایک جگہ پر بہت ہنسی آئی ہے (نافرمانی کی سزا) ماں بے چاری کو فٹافٹ جواب دے دیا اور ماں نے بھی بہت خوب کہا (اگر زیادہ بک بک کی تو خالد کے ساتھ ابھی بیاہ دوں گی) ہاہاہا...... پھر تو اس کی بولتی ہی بند ہوگئی بہت ہنسایا ہے جی پھر ملاقات کی بشریٰ اعجاز سے ویل ڈن اچھی ملاقات کی ہے آپ سے۔ پیاری جوہی آپی ایک بات کہنی تھی آپ سے پلیز مہوش حیات سے بھی ہماری ملاقات کروائیں او کے جی پھر درشن کیے عید سروے کے واہ رے بہت خوب سب نے بہت عمدہ لکھا ویل ڈن۔ ہاں جی تو اب سفر کرتے ہیں کہانیوں کی طرف فرسٹ آف آل نادیہ فاطمہ

رضوی کا سلسلہ وار ناول "میرے خواب زندہ ہیں" ایک ایسی تحریر تھی جو قدم قدم پر حیرت میں مبتلا کر رہی تھی، نیلم فرمان پر بہت حیرت ہوئی جو پیسے کی لالچ میں بہت شرم ناک کھیل کھیلتی ہے اُف...... کیا کوئی عورت اس حد تک بھی گر سکتی ہے؟ اب نیلم میڈم کے ساتھ ایسا سلوک ہو جو ساری زندگی یاد کرے۔ فراز شاہ اور لالہ رخ کا کردار بہت پسند آیا۔ لالہ رخ کے والد کی موت کا سن کر آنکھیں بھر آئیں، زرتاشیہ پر بہت افسوس ہوا وہ بے چاری کتنی خوشی خوشی اپنے ابا سے ملنے آ رہی تھی اور اب جب اسے پتا چلے گا تو دیکھو کیا ہوتا ہے، فراز جب لالہ رخ کو دیکھے گا تو بس سمجھو وہ تو گیا (ہاہاہا) ہاں ناں۔ جب لالہ رخ کو دیکھے گا تو اسے تو محبت ہو ہی جائے گی نا؟ چلو آگے آگے دیکھتے ہیں ہوتا ہے کیا۔ اگلی قسط کا بے چینی سے انتظار رہے گا یہ ایسی تحریر تھی ایک غریب اور امیر کا فرق واضح کرتی ہوئی تحریر تھی۔ ایک غریب انسان کی بھی کیا زندگی ہے اب چلیں "دل کے دریچے" میں (ہاہاہا) صدف آصف ویری نائس فائز اور سفینہ کا کردار پسند آیا پلیز آپی فائز اور سفینہ کو جدا نہیں کرنا تو ہم آپ سے قلم چھین کے ان دونوں کو ملا دیں گے ہاہاہا آفاق مسٹر کو تو اس سفینہ سے دور ہی رکھیں اوکے۔ شرمیلا کو صائمہ کی بات سننی چاہیے نہیں تو پھر بعد میں پچھتائے گی خود ہی اب باری آئی "عید نے دیا پیغام چاہت" شازیہ مصطفیٰ آپ کی کوئی بھی تحریر ہو دل کی آنکھوں سے پڑھتی ہوں جب انٹری دیتی ہیں تو قلم توڑ کر ہی دیتی ہیں ہاہاہا۔ موضوع کا انتخاب بہت شاندار طریقے سے کرتی ہیں اور قاری کو سوچ کے کئی نئے زاویے دے جاتی ہیں ویل ڈن جی ویل ڈن۔ ہاں جی ذرا تبصرہ ہو جائے ہذیل اور شہرین کا کردار پسند آیا ہذیل پر بہت غصہ آتا تھا جب بھی دیکھو شہرین کا مذاق اڑاتا تھا ارے بھئی مذاق صرف ایک بار یا دو بار ہوتا ہے ہذیل نے تو حد ہی کر دی آخر کار اسے شہرین کو خودکشی کرنے پر مجبور کر دیا ارے پھر بعد میں پچھتائے کیوں۔ جو کچھ بھی تم نے کیا تمہیں بھگتنا تو تھا نا پھر دوڑ لگائی "چاہتوں کی شام" میں ریحانہ آفتاب جی ویری نائس ٹاپ آف دی لسٹ رہی شاہ ریز نے زندگی کے ساتھ پہلے جو کچھ بھی کیا بہت برا کیا اتنی روک ٹوک بھی اچھی نہیں ہوتی مسٹر شاہ ریز، عورت بھی تو ایک انسان ہے اس نے تمہاری خاطر اپنی سب خواہشوں کو مار دیا پھر شاہ ریز کو بعد میں احساس ہوا جب کال کی تھی زندگی کو شکر ہے احساس تو ہوا۔ چلو اب آگے بڑھتے ہیں "بھیگے موسم" کی طرف صوفیہ سرور چستی نے بہت لبھایا شروع سے آخر تک آنکھوں کے سامنے کیک پیسٹریز ناچتے رہے ہاہاہا۔ یہ تحریر تمام کی طرح دلچسپ اور اثر انگیز رہی ناولٹ کی طرف چلیں اب "دشت جنوں" زوبیہ اعجاز معاشرے کی تلخیوں کو اجاگر کرتی پسند آئی۔ "تیرے لوٹ آنے تک" سلمیٰ فہیم گل مبارک باد جی ناولٹ کا اینڈ بہت خوب صورت طریقے سے کیا ویل ڈن آئندہ بھی کوئی ایسا ناول لے کے حاضر ہو جانا۔ افسانوں میں "شہر بہار تلک" عنبر ہمارے معاشرے کے طبقاتی فرق کو دکھانے کی کوشش میں پوری طرح کامیاب رہیں۔ "لوٹ کر نہیں آؤں گا" زارا رضوان بالکل سچی تحریر بیان کی۔ "ہم نے تجھے چاہا" شبانہ شوکت آپ کا انداز تحریر بالکل پرفیکٹ تھا۔ "بزم سخن" یہاں پر تو سب ہی بازی لے گئے دل چھو لینے والے اشعار تھے سب کے۔ کچن کارنر واہ ری بڑے بھوک لگ گئی ہے اُف...... ہاہاہا آرائش حسن میک اپ کے ذریعے بہت اچھی معلومات ہم تک پہنچائی ہیں ویل ڈن۔ عالم انتخاب سب کا انتخاب آئی مین سب کی غزلیں نائس تھیں۔ شوخئ تحریر میں بھی سب نے پرفیکٹ لکھا۔ حسن خیال ریما نور حرا قریشی نے زبردست تبصرہ کیا۔ شوبز کی دنیا سب سے مل کر اچھا لگا۔ عشنا کوثر سردار پلیز اتنی دوری وی چنگی نئی ہوندی سی واپسی کی گاڑی پکڑیں جلدی سے اوکے اب اس دعا کے ساتھ اجازت چاہوں گی کہ اللہ تعالیٰ حجاب کو اور اس سے وابستہ لوگوں کو اور ہمارے پیارے ملک پاکستان کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے آمین۔ اللہ حافظ۔

☆ ڈیئر عنبر آپ کا شگفتہ انداز میں لکھا تبصرہ اچھا لگا۔

سیدہ رابعہ شاہ...... گجرات۔ السلام علیکم! کیا حال ہیں آپ سب کیسے ہیں؟ امید کرتی ہوں سب ٹھیک ٹھاک ہوں گے۔ نازیہ آپی کیا حال ہے اللہ آپ کو صحت مند رکھے اس دفعہ حجاب مجھے 9 اگست کو ملا اور سب سے پہلے میں نے حسن خیال میں دیکھا تو خود کو غائب پا کر تھوڑا افسوس ہوا لیکن جب میں نے امہات المومنین پڑھا اس کو جب جب میں نے پڑھا میری اسلامی معلومات میں اضافہ ہی ہوا۔ دعا ہے کہ اللہ ندا رضوان کو اسی طرح لکھنے کی اور توفیق عطا کرے پھر جب میں نے "ڈگر اس پری وش کا" میں اپنا نام دیکھا یقین مانیے میں آنچل و حجاب کی بہت شکر گزار ہوں جنہوں نے مجھے اس قابل سمجھا جب پہلے ایک دو بار لکھا تو اتنا اچھا نہیں تھا لیکن یقین تھا کہ حجاب مایوس نہیں کرے گا اور ایسا ہی ہوا اس لیے ایک بار پھر آپ کی محفل میں تشریف فرما ہیں پھر میں نے بڑی بے صبری سے اپنا اور روما عجل اور حنا کا تبصرہ پڑھا بہت خوشی ہوئی سب نے بہت اچھا لکھا پھر میں نے سب سے پہلے "میرے خواب زندہ ہیں" پڑھا اس بار کی قسط پڑھ کر میں دکھی ہو گئی اللہ ہم سب پر ماں باپ کا سایہ سلامت رکھے آپی آپ کی ہر قسط زبردست ہوتی ہے ماریہ کے ساتھ کیا مسئلہ ہے آگے دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔ "عید نے دیا پیغام چاہت" شازیہ آپی زبردست اسٹوری تھی ہمیں

کوئی حق نہیں کسی کی ذات کا مذاق اڑانے کا اللہ نے کسی بھی انسان کو پرفیکٹ نہیں بنایا ہر کسی میں کوئی نہ کوئی کمی ہوتی ہے باقی سب ناول زبردست تھے لیکن "یہ وطن تمہارا ہے" بہت زبردست اسٹوری تھی آج جو پاکستان کے حالات ہیں اسے دیکھ کر مجھے بہت دکھ ہوتا ہے ہمیں یہ آزادی اللہ کی طرف سے انعام کے طور پر ملی ہے ہمیں جشن آزادی کے دن اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے تاکہ اللہ ہمارے ملک کو ہر آفت' مصیبت سے محفوظ رکھے آمین۔ "چاہتوں کی شام" ریحانہ آپی زبردست واقعی ہمارے اردگرد ایسے بہت سے لوگ ہیں جو آج بھی عورت کو کچھ نہیں سمجھتے سب یہ چاہتے ہیں کہ عورت ان کی پسند ناپسند جیسا چاہے ویسی ہوجائے کیا عورت کے اپنے کوئی احساس' کوئی خواہش نہیں وہ عورت کو ایک کھلونا سمجھتے ہیں پر اس اسٹوری میں شاہ ریز کو اپنی غلطی کا وقت پر احساس ہوگیا باقی سب افسانے' ناول سب زبردست تھا میرے پاس الفاظ نہیں ہیں تمام رائٹرز کے لیے اتنا اچھا اور زبردست لکھتی ہیں۔ آپی پروین افضل بہت بہت شکریہ کیا آپ مجھ سے دوستی کریں گی اگر ہاں تو میں آپ سے کیسے بات کروں گی ویسے آپ تو نوتل کے جن کی طرح ہر ڈائجسٹ میں شامل ہوتی ہیں۔ اللہ حافظ فی امان اللہ۔

حجاب کے نام

تُو ہے فلک کا وہ اک ستارہ
جس کو دیکھ کر ملی ہے راحت
جو کبھی آئے وہ دیر سے فلک پر
تو میں اداس ہوجاتی ہوں اس کے بغیر
جب وہ آتا ہے تو ہر سو راحت کا سماں ہوتا ہے
وہ اک ستارہ ہے "حجاب" کا
جب سے آنچل کو ملا ہے حجاب
تو حجاب سے آنچل کو آیا ہے عروج
حجاب تو اک وہ ستارہ ہے
جو آیا ہے دیر سے میرے ہاتھ پر
جب سے ملا ہے وہ مجھ کو
مجھے زندگی کی خوشی ملی ہے
حجاب و آنچل سے ملا ہے سبق
مجھ نادان کو دنیا کی حقیقت کا
اک ادھوری سے زندگی
جس کے ساتھ ہی ملی مجھے خوشی
ہے وہ آنچل کا ستارہ حجاب

☆ اب اس دعا کے ساتھ اجازت چاہوں گی کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ناگہانی آفات و آرام و مصائب سے محفوظ رکھے آمین۔

ناقابلِ اشاعت:

کٹھ پتلی، پہلا قدم، ہائے میں قربان، میں ہوں عفان علی مرتضٰی، بکھرے ہوئے رشتے، ہمیں ان سے محبت ہے، ابھی وقت ہے، تلاش محبت، تیرے عشق میں ہار گئے۔

husan@aanchal.com.pk

ہومیو کارنر

طلعت نظامی

حمل (Pregnancy)

اولاد کا حصول ہر انسان کی بنیادی خواہش ہے' یہ خبر جہاں والدین کے ذات کی تکمیل کے احساس سے سرشار کرتی ہے وہاں زندگی کے سونے پن کو رونق میں تبدیل کرنے کی بھی ضامن ہوتی ہے بلاشبہ تخلیق کا عمل بہت کٹھن ہوتا ہے اور ایک عورت ان کٹھنائیوں سے گزر کر ہی ماں جیسے رتبے پر فائز ہوتی ہے۔

حمل کی علامات آغاز سے ہی رونما ہوجاتی ہیں ان علامات کو دو حصوں میں منقسم کیا جاسکتا ہے۔ پہلی حالت وہ ہوتی ہے جس میں صرف قیاس وگمان سے کام لیا جاتا ہے کہ استقرار حمل وقوع ہوچکا ہے اور کچھ مہینے گزرنے کے بعد حمل کی یقینی علامتیں ظاہر ہوتی ہیں جو کہ مثبت ہوتی ہیں۔

ابتدائی تبدیلی

جب تک کہ عورت کے احساسات' واقعات اور جذبات میں تبدیلی رونما نہ ہو محض قیاس سے کام نہیں چلتا اور ان تبدیلیوں کو بھی مدنظر رکھنا پڑتا ہے جو کہ اس سے پہلے ظاہر ہوچکی ہوں۔ حمل کے ابتدائی مہینوں میں نبض اور تنفس بڑھ جاتی ہے' عصبی نظام میں ایک قسم کی اکساہٹ اور تحریک پیدا ہوتی ہے جو کہ تمام تبدیلیوں کا محرک ہوتی ہے۔

حیض کا بند ہونا

یہ سب سے ابتائی علامت ہے لیکن اگر کسی عورت میں حیض بے قاعدہ ہوتے ہیں تو اس سے قیاس نہیں کیا جاسکتا کہ حمل قرار پاگیا ہے لیکن بعض عورتوں میں پہلے تین ماہ اور بعض میں ایک ماہ بند رہنے کے بعد دوبارہ شروع ہوجاتا ہے۔ استقرار حمل میں ایک بار بند ضرور ہوتا ہے اگر حیض مسلسل دو سے تین ماہ بند رہا ہے اور بند رہنے کے بعد بھی عورت کی صحت وتندرستی میں کوئی فرق نہیں پڑا ہے اور ساتھ شکم کی اٹھان بھی زیادہ ہوگئی ہے تو یہ حمل قرار پانے کا مکمل ثبوت ہے۔ ایسی عورتیں دنیا میں موجود نہیں جن کو کبھی حیض نہیں ہوا تاہم ان کے بچے ہمیشہ ہوتے رہے اور ایسی مثالیں بھی موجود ہیں جن کو وضع حمل کے وقت تک برابر حیض جاری رہے ایسے حالات میں حیض کا جاری رہنا یا بند ہونا حمل قرار پانے یا نہ پانے کا معین ثبوت نہیں ہے۔

لعاب دھن کی زیادتی

ابتدائے حمل میں تھوک زیادہ اور بار بار آتا ہے' جی متلانا' منہ سے پانی آنا اور ابکائیاں بھی پائی جاتی ہیں جو پہلے چھ ہفتوں میں صبح کے وقت ظاہر ہوتا ہے۔ اس تھوک کی زیادتی کی کوئی ظاہری وجہ نہیں ہوتی' نہ ہی ان کے تنفس یا منہ میں کسی قسم کی بو ہوتی ہے یہ علامت بھی حمل کی قے کی طرح ایک یقینی علامت ہے۔ بعض حالتوں میں تھوکنے کی یہ حالت حمل کے ساتھ ساتھ بڑھتی ہے۔

قے' اُلٹی

قے دوسری علامت جو کہ اکثر عورتوں کو حمل کے ابتدائی ایام سے شروع ہوجاتا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ایک جسمانی تکلیف ہے مگر اس میں تشخیص کا ایک بہت بڑا راز پنہاں ہے۔ یہ کیفیت دوسرے مہینے سے شروع ہوکر چوتھے مہینے تک جاری رہتی ہے۔ کبھی یہ تکلیف بہت کم ہوتی ہے اور کبھی اس قدر شدت اختیار کرجاتی ہے کہ اس سے حاملہ کمزور پڑجاتی ہے اور بعض اوقات اس سے اسقاط حمل کا بھی اندیشہ ہوتا ہے۔ یہ قے معدے کی خرابی یا بخار سے پیدا شدہ

قے سے بالکل مختلف ہوتی ہے اور بغیر کسی ظاہری وجہ کے خود بند ہوجاتی ہے۔ ابتدائی مہینوں میں حمل کی قے اعصابی تحریک کی وجہ سے ہوتی ہے جبکہ آخری مہینوں میں قے عموماً شکم کے اعضاء کے دب جانے کی وجہ سے ہوتی ہے۔

اشتہائے فاسد

چوتھے مہینے کے بعد اکثر حاملہ عورتوں کو بُری چیزوں کے کھانے کی خواہش ہوتی ہے مثلاً چاک، مٹی، کوئلہ، کچے چاول وغیرہ ایسی عجیب وغریب چیزوں کی اشتہا بڑھتی ہے جو عموماً کھانے سے تعلق نہیں رکھتی۔ آلات ہضم کی یہ دوسری بڑی خرابی ہے ساتھ ساتھ کلیجہ جلنا، ڈکار، کھانے کا نہ ہضم ہونا وغیرہ بھی اس میں شامل ہیں اور معمول کے کھانے میں ایک مخصوص بو آتی ہے جسے وہ بیان نہیں کرسکتیں۔

پیشاب کی زیادتی

حمل کے شروع میں پیشاب بار بار آتا ہے، پیشاب کی رنگت دیکھنے میں زردی مائل نیلگوں سی ہوتی ہے۔ آخری ماہ میں رنگ سرخی مائل گدلا سا ہوتا ہے جو کہ روئی کے روئیں جیسا ہوتا ہے اس میں چربی اور چونے وغیرہ کے اجزاء شامل ہوتے ہیں۔ بچے کی پرورش کے قریب پیشاب کی رنگت سرخی مائل اور کدورت زیادہ پائی جاتی ہے جس کے سبب پیشاب گاڑھا ہوجاتا ہے۔

شکم کا بڑھنا

شکم حمل کے مہینوں کے ساتھ بڑھتا جاتا ہے، اس کی جلد کھنچاوٹ کے باعث پتلی پڑجاتی ہے اور شکم کی جلد پر عموماً نیلی وریدیں دکھائی دینے لگتی ہیں۔ ناف کے نیچے وریدوں کا رنگ عموماً بھورا سا ہوتا ہے اور اس کی رنگت کو دیکھ کر بھی بعض اوقات لوگ حمل کا یقین کرلیتے ہیں۔ شکم اور سینہ میں عجیب وغریب تبدیلیاں دیکھنے میں آتی ہیں اس کی سطح بڑھ جاتی ہے۔ پردہ باریطون اوپر کی طرف دب جاتا ہے اور معدہ اور شکم کے بوجھ سے یہ ابھر آتا ہے بعض اوقات ان کے دباؤ سے سانس لینے میں بھی دقت پیدا ہوجاتی ہے اور کسی قدر کھانسی کی صورتحال پیدا ہوجاتی ہے۔

بدن کا بھاری ہوجانا

بدن بھاری ہوجاتا ہے، طبیعت سست اور گری گری رہتی ہے۔ چہرہ کا رنگ پھیکا پڑجاتا ہے، آنکھوں کی رنگت تبدیل ہوجاتی ہے اور زبان کی رگیں سبزی مائل ہوجاتی ہیں۔ ابتداء میں بہت نیند آتی ہے اور آخری مہینوں میں بے خوابی کی شکایت ہوتی ہے، عام جسمانی کمزوری لاحق ہوتی ہے۔ ناف کے نیچے کا حصہ بھاری اور کولہوں میں درد محسوس ہوتا ہے۔

بذریعہ (Stetho Scope)

بذریعہ Stetho Scope بچے کے قلب کی آوازوں کو سننا حمل کے دریافت کرنے کا ایک اور طریقہ ہے جب شک میں بچہ کی حرکات موجود نہ ہوں تو اس کے ذریعے بچے کے دل کی حرکات کو آسانی سے سنا جاسکتا ہے۔ بچے کے دل کی ضربات ماں کے دل کی ضربات سے دگنی ہوتی ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ بچے کے دل کی آوازیں بہت دھیمی ہوتی ہیں تاہم اس میں غلطی کا کوئی احتمال نہیں ہوسکتا۔ دل کی یہ آوازیں چوتھے یا پانچویں ماہ سے سنی جاسکتی ہیں۔

دل کی رفتار فی منٹ 130 سے 160 تک ہوتی ہیں۔

ایکٹران لاء

فلم والا پروڈکشن اور اردو ون پکچرز کی جانب سے مقامی فائیو اسٹار ہوٹل میں تقریب کا انعقاد کیا گیا جس میں فلم ایکٹران لاء کی پوری کاسٹ نے شرکت کی اور اس موقع پر فہد مصطفیٰ، مہوش حیات اور اوم پوری پر فلمائے گئے عاطف اسلم کے نئے ساونڈ ٹریک البم ایکٹران لاء کو پیش کر دیا گیا۔ ایکٹران لاء پانچ گانوں پر مشتمل البم ہے، جس کا ٹائٹل سانگ ''دل ڈانسر'' ہے جبکہ باقی گانوں میں او خدایا، اور فنکار اں شامل ہیں جسے عاطف اسلم کے ہمراہ راحت فتح علی خان، شانی ارشد، اسرار شاہ اور جنید نے گایا ہے۔ ایکٹران لاء کے ڈائریکٹر نبیل قریشی کا کہنا تھا کہ ہم نے واقعتاً فلم کے میوزک پر سخت محنت کی ہے، جبکہ ہمارے میوزک ڈائریکٹر شانی ارشد نے اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے بہترین تصوراتی موسیقی تخلیق کی ہے، جو یقیناً ہر کسی کو نہ صرف سننے بلکہ اسے پسند کرنے پر مجبور کردے گی۔ (دیکھتے ہیں) امید ہے کہ یہ البم میوزک کی دنیا میں اپنا مقام بنانے میں اہم کردار ادا کرے گا (کاش ایسا ہو بھی) اردو ون پکچرز کی نینا کاشف کا کہنا تھا کہ ایکٹران لاء کے میوزک البم کی تیاری میں ٹیم میں موجود تمام ہی ممبران نے اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے، اور ہمیں امید ہے کہ فلم میں موجود تمام ہی گانے سننے والوں کے دلوں میں اتر جائیں گے اور ہمیشہ یاد رہیں گے۔ فلم کی پروڈیوسر فضا علی مرزا کا کہنا تھا کہ مجھے یہ کہتے ہوئے فخر محسوس ہو رہا ہے کہ ہم نے نہ صرف ایک اچھی فلم بنائی ہے بلکہ اس کے لیے اچھے میوزک کو بھی ترتیب دیا ہے۔ ہمارے لیے اس سے بھی بڑھ کر فخر کی بات یہ ہے کہ فلم کے گانے عاطف اسلم، راحت فتح علی خان اور اسرار شاہ جیسے معروف اور بین الاقوامی شہرت یافتہ سنگرز نے گائے ہیں۔ (اس میں کوئی شک نہیں) فلم کی نمائش عید الاضحیٰ پر ہوگی۔

بابرا شریف

فلمسازوں، ہدایتکاروں نے بابرا شریف کو ایک بار پھر آفرز دینی شروع کردی ہیں اور کوشش کی جارہی ہے کہ وہ کسی طرح بھی ینگ ٹو اولڈ کردار کے لیے راضی ہوجائیں (جو کہ ناممکن ہے) لیکن فلمسازوں کی جانب سے حال ہی میں کی جانے والی کوشش بے سود رہی اور بابرہ شریف نے انہیں یہ باور کرادیا کہ وہ فلموں میں کام نہ کرنے کے اپنے فیصلے پر قائم ہیں اور فلمی صنعت میں دوبارہ واپسی ممکن نہیں۔

بھارتی اداکارہ پاکستانی فلم

بھارتی اداکارہ سارہ رضا خان نے پاکستان فلم میں کام کرنے کی رضامندی ظاہر کردی ہے معلوم ہوا ہے کہ بھارتی اداکارہ سارہ رضا خان نے معروف ٹی وی ڈرامہ پروڈیوسر عابس رضا کی پہلی رومانی فلم میں بطور ہیروئن پیشکش قبول کرلی ہے۔ فلم کا نام ابھی تجویز نہیں کیا گیا (ان کے کام کے حساب سے فلم کا نام منتخب ہوگا) تاہم فلم کے دیگر فنکاروں میں پاکستانی اداکار کام کریں گے اس رومانی فلم کی شوٹنگ بیرون ملک ہوگی اور فلمساز، ہدایتکار عابس رضا سارہ رضا خان سے فلم کی عکسبندی کے لیے شیڈول تیار کر رہے ہیں۔

فہد مصطفیٰ......صنم بلوچ

ٹی وی فنکارہ، اینکر صنم بلوچ نے کہا ہے کہ انہیں

شوبز میں لانے کا سہرا فہد مصطفیٰ کے سر ہے وہ اگر مجھے ڈراموں میں کام کرنے کی ترغیب نہ دیتے تو آج میں گھر پر ہوتی، اگر مجھے فلموں کی آفر ہوئی تو میں اپنے شوہر کے ہمراہ کام کروں گی، (یعنی کام ہی نہیں کرنا) انہوں نے کہا کہ اب پاکستانی فلموں کی ترقی کا عمل شروع ہو چکا ہے اور اب فلموں میں جدید تکنیک کی وجہ سے بیرون ممالک میں مانگ میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔

ہم منتظر ہیں

اسٹیج ٹیلی ویژن کے ممتاز فنکار فرید خان مرحوم کی بیوہ نے صدر پاکستان ممنون حسین اور وزیر اعظم میاں نواز شریف سے اپیل کی ہے کہ ان کے مرحوم شوہر کو ان کی زندگی میں کوئی صلہ نہیں مل سکا لہٰذا ان کی فنی خدمات کو سراہتے ہوئے انہیں بعد از مرگ پرائڈ آف پرفارمنس دیا جائے، انہوں نے ساری عمر فن کی خدمت کی اور ملک اور بیرون ممالک پاکستان کا نام روشن کیا ان کی زندگی بھر یہی خواہش رہی کہ انہیں پیسہ نہیں صلے کی ضرورت ہے اور اپنی زندگی کے آخری ایام میں بھی صلے کی تمنا لیے دنیا سے رخصت ہو گئے۔

بہت مصروف ہوں...... میں

اداکار جاوید شیخ کی مصروفیت ان کی ذاتی فلم بھارتی فلموں کے ساتھ پاکستانی ٹی وی ڈراموں میں بڑھ رہی ہے اور اس کا انہوں نے اظہار بھی کیا ہے جبکہ ان کی اداکارہ اور ماڈل بیٹی مومل شیخ بھی ملکی فلموں سے زیادہ بھارتی فلموں کو ترجیح دے رہی ہیں (بھئی کام نہیں پیسہ دیکھو) اور انہوں نے اس سلسلے میں کہا ہے کہ ابھی وہ پاکستانی فلموں کی آفرز کا جائزہ لے رہی ہیں نیز ایک اطلاع کے مطابق فلم وجود کی کاسٹ فائنل کرلی گئی ہے جس کا اعلان جلد ہوگا وجود ایک

میوزیکل فلم ہوگی جس میں ساحر علی بگا میوزک ڈائریکٹر ہوں گے۔

ذرا خوش فہمی

اسلام آباد سے کراچی منتقل ہونے والے معروف ٹی وی فنکار زاہد نے کہا ہے کہ میرا گھر میری جنت ہے میں اپنی فیملی کے ہمراہ ایک پر وقار زندگی گزار رہا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ ڈیڑھ سالہ کیریئر میں چند منفرد ڈراموں میں کام کر کے شہرت حاصل کی اور مجھے خوشی ہے کہ ناظرین نے اپنے دلوں میں مجھے تھوڑی سی جگہ دے دی ہے انہوں نے کہا کہ یہ بات اکثر کو پتا ہے کہ میں شادی شدہ ہوں لیکن اس کے باوجود بھی بعض لڑکیاں دوستی کی خواہش مند ہیں (خوش فہمی) ہم میاں بیوی میں بلا کی ہم آہنگی ہے اور کسی مسئلے کا حل

نکالتے ہیں انہوں نے کہا کہ وہ اپنے بچوں کی اچھی نگہداشت کر کے انہیں معاشرے کا ایک اچھا فرد بنانے کی بھرپور کوشش کریں گے۔ (لڑکیاں سن لیں)

بڑے لوگ

کامیڈی کنگ عمر شریف ایک ماہ کے دورے پر امریکہ روانہ ہوگئے جہاں وہ یوم آزادی کے مختلف پروگراموں میں ون مین شو کریں گے علاوہ ازیں گلوکار ظفر رائے نے بھی اپنے گروپ کے ہمراہ امریکہ جانے کا عندیہ دیا ہے۔ مزاحیہ اداکار شکیل صدیقی جو ان دنوں ممبئی میں ٹی وی شوز کی ریکارڈنگ میں مصروف ہیں عیدالضحیٰ سے قبل وطن واپس آجائیں گے۔

ایک ڈرامہ اور...... اسٹیج پر

اسٹیج کے سینئر ہدایتکار و اداکار یونس میمن کو ڈاکٹروں نے بائی پاس کا مشورہ دیا ہے انہیں حال ہی میں دل کی تکلیف ہوئی تھی جس کے باعث ان کی انجیو گرافی میں تین وال بند نکلے تھے یونس میمن نے کہا کہ زندگی اور موت اللہ کے اختیار میں ہے لیکن میں نے فی الحال دواؤں کو جاری رکھا ہوا ہے۔ انہوں نے کہا کہ کراچی اسٹیج کامیابی سے ہمکنار ہو رہا ہے اور ڈرامہ پروڈیوسرز ڈراموں کی جانب راغب ہو رہے ہیں اس کی مثال مقبول ڈرامے بیٹی رانی کا دوبارہ پیش ہونا تھیٹر کی کامیابی کی دلیل ہے۔ انہوں نے کہا کہ عید الضحیٰ پر اوپن ایئر اور بیسمنٹ آڈیٹوریم میں ڈرامے ہوں گے۔

عروہ...... فلم رنگریز

رنگریز کی زندگی پر بنائی جانے والی فلم ”رنگریزا“

کی ہیروئن کے لیے عروہ کا انتخاب ہوگیا ہے اور فلم کی شوٹنگ بھی شروع کردی گئی ہے۔ فلم میں ٹی وی فنکار گوہر رشید اور بلال اشرف فلم میں مرکزی کردار کر رہے ہیں۔ رنگریزا عروا کی تیسری فلم ہوگی اس سے قبل وہ آپریشن 021 اور یلغار میں بھی اداکاری کے جوہر دکھا چکی ہیں۔ (اس کے باوجود بھی تیسری) واضح رہے کہ رنگریزا میں انہیں ثنا جاوید کی جگہ کاسٹ کیا گیا ہے۔

زندگی کتنی حسین ہے

اداکارہ سجل علی اور فیروز خان کی آنے والی فلم ”زندگی کتنی حسین ہے“ کی میوزک لاؤنج تقریب پی سی ہوٹل کے زیور ہال میں منعقد کی گئی۔ تقریب کا آغاز ریڈ کارپٹ سے ہوا جس میں فلم کی کاسٹ سے سوال جواب ہوئے اور انہوں نے فلم کے بارے میں اپنے تجربات سے آگاہ کیا۔ اس خوب صورت فلم کے ہدایتکار انجم شہزاد ہیں جو کسی تعارف کے محتاج نہیں انہیں تین بار ”لکس اسٹائل ایوارڈ“ سے بھی نوازا جاچکا

ہے۔ فلم ''زندگی کتنی حسین ہے'' آسٹریلوی پروڈکشن کمپنی ''آرسی فلمز'' اور ''کنگ فشر فلمز'' کی مشترکہ پروڈکشن ہے جو بہت جلد ''جیو فلمز'' کے بینر تلے نمائش کے لیے پیش کی جائے گی۔ ایک بہترین فلم کیلئے جہاں بہترین اداکار، ہدایتکار، عمدہ کہانی اور اچھی پروڈکشن کی ضرورت ہوتی ہے وہیں فلم میں پیش کیے جانے والے گیت بھی فلم کی کامیابی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں اور اِسی بات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ''زندگی کتنی حسین ہے'' کے تمام گیت انتہائی مہارت سے عکس بند کیے گئے ہیں جو یقیناً سننے والوں کو داد دینے پر مجبور کردیں گے۔ یہ فلم نوجوان جوڑے پر بنائی گئی لو اسٹوری ہے جس کی کہانی عبدالخالق خان نے تحریر کی ہے۔

اداکارہ زیبا بختیار

اداکارہ، ہدایتکارہ زیبا بختیار اپنی نئی فلم کا آغاز ستمبر کے وسط تک کریں گی اطلاعات کے مطابق ابھی کہانی پر کام جاری ہے جس کے بعد فلم کی کاسٹ کا انتخاب کیا جائے گا انہوں نے کہا کہ وہ ہمیشہ اعلیٰ معیار کی فلمیں بنانے کو ترجیح دیتی ہیں، (پھر بھی فلم فلاپ کیوں ہوجاتی ہے) اس کی مثال ان کی فلم آپریشن 021 سے لی جاسکتی ہے لیکن اس فلم کی ریلیز میں زیادتیاں کی گئیں اس کے باوجود حوصلہ نہیں ہارا اب بھی ایک سبق آموز فلم بنانا چاہتی ہوں چاہے اس میں مجھے کتنا ہی نقصان کیوں نہ ہوجائے۔

اداکارہ بدر خلیل (قدوسی صاحب کی بیوہ)

چار سال قبل امریکہ منتقل ہونے والے معروف ٹی وی فنکارہ بدر خلیل کی وطن واپسی ہوگئی ہے اور انہوں نے یہاں چند نجی پروڈکشن کے ڈراموں میں کام کرنا شروع کردیا ہے۔ وہ امریکہ میں اپنے بیٹے کے ہاں قیام پزیر تھیں واضح رہے کہ ایک نجی ایوارڈ کی تقریب میں بدسلوکی کے بعد ہی امریکہ چلی گئی تھیں اور شوبز کے چند دوستوں کی خواہش پر دوبارہ ڈرامے کرنے پر راضی ہوئیں۔

فلم مولا جٹ

شہرت یافتہ ٹی وی فنکار حمزہ علی عباسی نے کہا ہے کہ وہ ان دنوں مولا جٹ میں کام کر رہے ہیں (واہ جٹ صاحب) انہوں نے کہا کہ جوانی پھر نہیں آنی کے پارٹ 2 سے میرا تعلق نہیں میری مصروفیت فلم سے ہٹ کر ماڈلنگ اور ٹی وی ڈراموں میں بڑھ رہی ہیں۔ انہوں نے ایک انٹرویو میں کہا کہ اب پاکستانی فلمی صنعت مضبوط ہوتی جارہی ہے ہمارے نئے تکنیک کاروں کی محنت رنگ لا رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ فلم بین طبقہ اب کامیڈی فلمیں دیکھنے کا زیادہ متمنی ہے اور اس کی مثال جوانی پھر نہیں آنی کی کامیابی سے دی جاسکتی ہے۔ (سچ؟) انہوں نے اپنی نئی فلم مولا جٹ کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ نئے تقاضوں کے تحت بنائی جانے والی فلم شائقین ضرور پسند کریں گے۔ (دیکھتے ہیں)

پہلا تجربہ اور آخری

معروف ٹی وی فنکارہ صبا قمر نے کہا ہے کہ آج کے دور میں پروڈکشن کرنا جوئے شیر لانے کے

مترادف ہے (شکر ہے کسی کام کو تو بھی) اور میں نے بالآخر ایک تلخ تجربہ کر کے پروڈکشن سے توبہ کرلی۔ صبا قمر نے اپنے ایک انٹرویو میں واضح کہا کہ ایک اداکارہ کسی بھی ڈرامے میں اداکاری تو کرسکتی ہے لیکن پروڈکشن کے جھمیلے میں پڑ کر وہ چاروں اطراف نہیں جاتا ہے اور اسی قسم کا تجربہ مجھے اپنی ایک پروڈکشن ہاؤس میں ہوا گو کہ میں نے اس کا اسکرپٹ پڑھ کر فیصلہ کیا تھا کہ اس پر ڈرامہ ضرور بناؤں گی لیکن پروڈکشن کر کے میں ٹینشن میں مبتلا ہوگئی تھی کیونکہ ایک پروڈیوسر فنکاروں کی ڈیٹس لینے کے لیے جو جدوجہد کرتا ہے اس کا اندازہ مجھے ہوگیا۔ (اب آپ پروڈیوسر پر رحم کریں) انہوں نے اپنے ڈراموں کے بارے میں کہا کہ گو کہ میں نے "میں عورت ہوں" میرا پہلا ڈرامہ تھا لیکن میرے پسندیدہ ڈراموں میں جناح کے نام، تیرا پیار نہیں بھولے، داستان، بنٹی آئی لو یو، پانی جیسا پیار شامل ہیں۔ فلم کراچی سے لاہور کے سکوئیل لاہور سے آگے میں میں نے خاص محنت کی اور اس کا تھوڑا بہت کام باقی ہے۔ جبکہ آنے والی فلموں میں 8969 اور کمبخت عوام ضرور پسند کریں گے۔

عروہ حسین اور فرمان سعید

آج کے دور میں بھی فلم ٹی وی کے فنکاروں کے اسکینڈلز حقیقتوں کا روپ دھار رہے ہیں۔ ان میں سر فہرست عروا حسین اور فرحان سعید ہیں جو ان دنوں بیرون ممالک میں ایک ساتھ ہیں وہ دونوں ڈرامہ سیریل "اڈاری" میں ایک ساتھ تھے۔ فرحان سعید ایک اچھے گلوکار ہیں اور ان کے کئی کیسٹ منظر عام پر آچکے ہیں۔ دونوں فنکار کافی حد تک ایک دوسرے کے قریب آچکے ہیں عروا کی بہن ماورا حسین کے بارے میں بھی ایسی ہی اطلاعات ہیں (دونوں بہنیں ایک جیسی ہیں) کہ ممبئی میں ایک ہندو فلمساز اداکار سے ان کے قریبی روابط ہیں اور وہ اپنی زندگی کے بارے میں جلد فیصلہ کریں گی۔

کامیاب فلمیں

فلمساز وہدایتکار سعید رضوی نے آج کل کی بنائی جانے والی فلموں کو ٹیلی فلموں سے تعبیر کردیا ہے انہوں نے کہا کہ حالیہ دو تین ماہ میں ملکی فلموں کی ناکامی اس بات کا پتا دیتی ہیں کہ فلمیں بنانے والے فلم کی تکنیک سے قطعی واقف نہیں یہی لوگ رہی سہی فلمی صنعت کا مزید تہہ و بالا کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ وہ آئندہ ماہ اپنی نئی فلم کا اعلان ایک تقریب میں کریں گے۔ انہوں نے مزید کہا کہ وہ فلم کا ہوم ورک مکمل کر کے فلم بنائیں گے تاکہ فلم دو ماہ کے عرصے میں مکمل ہوجائے حال ہی میں ماہ میر، بلائنڈ لو کی کامیابی نے فلم ٹریڈ پر برے اثرات مرتب کیے ہیں آنے والے دنوں میں اگر فلموں کے بزنس کا یہی حال رہا تو سینما والے ملکی فلموں پر اعتبار کرنا چھوڑ دیں گے اور پھر وہ غیر ملکی فلموں کو ترجیح دیں گے انہوں نے اپنے حالیہ دورہ امریکا کو ایک کامیاب دورے سے تشبیہ دی اور کہا کہ امریکہ فلمساز ہدایتکار پاکستانی فلم انڈسٹری کے بارے میں کافی معلومات رکھتے ہیں۔

دمہ، کیا، کیوں، کیسے؟

بچوں کے استعمال میں کام کرنے والے ماہرین امراض اطفال کی متفقہ رائے ہے کہ جو بچے کسی خاص قسم کی الرجی کے شکار ہوں اور دمہ کے مرض میں مبتلا ہوں ان کے لیے سردیوں کے موسم میں احتیاط برتنا لازمی ہے۔ موسم سرما کے آغاز میں درجہ حرارت میں تغیر ہونے کی وجہ سے بچوں میں دمہ کے حملوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ ان بچوں کو سردی کے موسم میں (خاص کر صبح و شام کے وقت) گھر سے باہر جانے کی اجازت نہیں دی جانی چاہیے اور نہ سڑکوں اور باغوں میں کرکٹ یا کوئی اور کھیل کھیلنے کے لیے اجازت دی جائے۔ اگر گھر سے باہر جانا ناگزیر ہے تو چہرہ (ناک اور منہ) مفلر سے ڈھک لینے کی ہدایت دی جائے۔ ان بچوں کو فضائی آلودگی دھوئیں، بُو، آلودہ غذاؤں اور کیڑے مکوڑوں سے دور رکھنا چاہیے ایسے بچوں کو کانگڑی کا استعمال نہ کرنے دیا جائے۔ ایسے بچوں کے لیے حمام کی گرمی یا ہیٹر کی گرمی مناسب ہے علاوہ ازیں اس مرض میں مبتلا بچوں کو سردیوں میں مناسب، متوازن اور مقوی غذا کھلائی جائے اور پانی و دیگر مائع جات کا وافر مقدار استعمال کروایا جائے تاکہ وہ ناآبیدگی کے شکار نہ ہوں اور دمے کے حملوں سے بچ جائیں۔

ہمارے ہاں عموماً ان بچوں کو دودھ، دہی، مکھن، سبزیاں اور میوے نہیں دیئے جاتے ہیں جو کہ ایک غلط روش ہے۔ ان بچوں کو انواع واقسام کی غذائیں کھلانا ضروری ہے تاکہ ان کے جسم کے اندر نظام قوت مدافعت بہتر طور کام کرسکے اور وہ گونا گوں انفکشنز کے شکار نہ ہوں۔ ڈاکٹری لحاظ سے ان بچوں کے لیے کوئی غذائی پابندی نہیں ہے ہاں اگر کسی خاص غذا سے الرجی ہوتو اسے نہ دیا جائے۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ موسم سرما میں ان بچوں کو اکثر سردی، کھانسی، زکام کی شکایت ہوتی ہے اس کے لیے ڈاکٹروں سے مشورہ کرنا ضروری ہے۔ ڈاکٹری مشورے کے بغیر کسی بھی صورت میں ان بچوں کو کوئی دوائی نہ دی جائے۔

جوانی کی دہلیز پار کرنے کے بعد جن افراد کو دمہ کی شکایت ہوتی ہے ان کے بارے میں ماہرین معالجین کا ماننا ہے کہ ان مریضوں کے لیے موسم سرما میں کچھ احتیاطی تدابیر پر عمل کرنا ضروری ہے تاکہ ان کی بیماری شدت اختیار نہ کرے۔ ان کے کہنے کے مطابق دمہ میں مبتلا اشخاص سردیوں کے موسم میں صبح وشام گھروں سے باہر نہ جائیں۔ کانگڑی کا استعمال نہ کریں اور جن کمروں میں بخاریوں کا دھواں ہو وہاں نہ بیٹھیں۔ تمباکو اور سگریٹ نوشی ہرگز نہ کریں حتیٰ کہ جن کمروں میں دوسرے افراد سگریٹ یا تمباکو نوشی کرتے ہوں وہاں بھی نہ بیٹھیں۔ اُبلا ہوا پانی (نیم گرم پانی) اور دیگر مائع جات کا وافر مقدار میں استعمال کریں۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ دمہ میں مبتلا مریض پانی بہت کم پیتے ہیں کیونکہ ان کو (خاص کر سردیوں میں) پیاس نہیں لگتی ہے اکثر مریض یہ سوچتے ہیں کہ ان کو صرف اس وقت پانی پینا چاہیے جب ان کو پیاس لگے مگر تحقیق سے پتا چلا ہے کہ پیاس لگنا اس بات کی یقینی علامت نہیں ہے اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ نابیدگی کے باوجود بھی پیاس محسوس نہیں ہوتی اور مریض یہ سمجھتے ہیں کہ غذا کے ساتھ جو مشروبات جسم میں پہنچتے ہیں وہ اسے آبیدہ رکھنے کے لیے کافی ہیں۔ ان مریضوں اور بوڑھے لوگوں میں نابیدگی کا امکان زیادہ ہوتا ہے لہٰذا انہیں اس سلسلے میں بہت محتاط رہنا ان مریضوں کے لیے بے حد فائدہ مند ہے۔ اس کے علاوہ ان مریضوں کے لیے طبی نقطہ نظر سے یہ ضروری ہے کہ رات کا کھانا کھاتے ہی فوری لیٹ نہ جائیں بلکہ کھانا کھانے کے بعد کم از کم دو گھنٹے بیٹھے رہیں۔ رہا سوال غذائی پرہیز کا دمہ میں مبتلا مریضوں کے لیے کوئی خاص قسم کی غذا کھانا ضروری نہیں ہے وہ متوازن، مقوی غذا کھالیں تاکہ وہ کمزور ہوکر مختلف عفونتوں کا شکار نہ ہوں۔

ماہرین کے مطابق موسم سرما کے آغاز و آخر میں دمہ میں مبتلا مریضوں کی تعداد میں خاصا اضافہ ہوتا ہے۔ اسپتال میں بھرتی ہونے والے مریضوں کی تعداد میں کئی گنا اضافہ ہوتا

ہے جن میں بیشتر دیہی علاقوں سے تعلق رکھتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ موسم سرما میں یخ بستہ ہوا میں ان افراد کے پھیپھڑوں میں چلے جانے سے سانس کی نالی سکڑ کر تنگ ہوجاتی ہے اور نالیوں کے اندرونی حصوں پر بلغم کی تہیں جم جاتی ہیں اور اس طرح ان کو سانس لینے میں دشواری محسوس ہوتی ہے اور ان پر دمہ کا حملہ شروع ہوتا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے دیہی علاقوں میں کانگڑیوں اور چولہے کے دھوئیں سے کمرے بھر جاتے ہیں جو دمہ کے مریض کے لیے انتہائی مضر ہے۔ اس کے علاوہ دیہی علاقوں میں گھر کے سبھی افراد ایک ہی کمرے میں بیٹھ کر وقت گزارتے ہیں اور اگر کسی ایک کو کوئی انفیکشن ہو تو فوری طور پر دوسروں کے جسموں میں سرایت کرجاتا ہے اور ایسے دمہ کے مرض میں شدت پیدا ہوتی ہے اور Viral Infections سردیوں میں ان کو دمہ کے حملے میں شروع ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر ملک کے تجربہ کے مطابق دمہ میں مبتلا افراد سردیوں کے موسم میں مقوی غذا نہیں کھاتے ہیں جس سے ان کے جسم میں کمزوری پیدا ہوتی ہے اور مریض مختلف انفیکشنز کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ ان کی بھی رائے ہے کہ دمہ میں مبتلا افراد کو ہر قسم کے میوے اور سبزیاں اپنی غذا میں شامل کرنا ضروری ہے اسی طرح دودھ دہی، مکھن، گوشت پنیر کا استعمال بھی ضروری ہے۔

ایک رپورٹ کے مطابق دمہ کی بیماری کی سب سے اہم وجہ سرد ہوا اور دھواں ہے اس کے علاوہ دھول اور مٹی بھی دمے کی وجہ بن سکتی ہے اگر کوئی حجام ہے یا نرسنگ کے شعبے سے وابستہ ہے یا پھر کسی شخص کے کام میں جانوروں وغیرہ کی دیکھ بھال شامل ہے تو کام کے دوران مختلف قسم کے کیمیائی مادوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ یہ کیمیائی مادے بھی دمے کی بیماری کا سبب بن سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر مہندی وغیرہ، گندم کا آٹا، جانوروں کی گندگی یہاں تک کہ سرجری میں استعمال ہونے والے دستانے اور کچھ ادویات جن میں پنسلین وغیرہ شامل ہیں یہ سب دمے Latex والا عنصر کی بیماری کا سبب بن سکتے ہیں ایسے افراد اگر دمہ میں مبتلا ہوں تو اس کو پیشہ وارانہ دمہ یا بیماری حرفائی کہتے ہیں۔

ڈاکٹری تحقیق کے مطابق انہیلر آج کل دمہ میں مبتلا افراد کے لیے بے حد مفید ہے انہیلر کے استعمال سے مریض اس کا عادی نہیں ہوتا۔ اس کے مناسب اور موزوں استعمال سے پھیپھڑے متاثر نہیں ہوتے جو دوائیاں سانس کے ذریعے پھیپھڑوں تک پہنچتی ہیں وہ مقدار میں بہت کم ہوتی ہیں اور پھر بہت زیادہ پراثر ہوتی ہیں ان کا ذیلی ردعمل بھی بہت کم ہوتا ہے۔

انہیلر آسانی سے استعمال کیے جاسکتے ہیں اور کم خرچ ہوتے ہیں اور مریض کو فوری آرام ملتا ہے۔ سردیوں کے موسم میں یہ دمہ میں مبتلا افراد بغیر کسی ہچکچاہٹ کے استعمال کرسکتے ہیں البتہ ڈاکٹر سے مشورہ کرنا ضروری ہے۔

موسم سرما میں حسب ذیل صورتوں میں ڈاکٹر سے مشورہ کرنا ضروری ہے راہ چلتے اچانک کھانسی شروع ہوجائے سینے پر دباؤ محسوس ہو اور سانس لینے میں دقت ہو۔ جب باہر سے واپس آکر گھر میں سانس پوری طرح اور آسانی سے نہیں لی جاسکتی ہو اور سانس لیتے ہوئے منہ سے آواز "ویز" نکلتی ہو۔ جب رات کو سانس کی تکلیف یا کھانسی کی وجہ سے نیند میں خلل پڑے اور کھانسی کی وجہ سے بستر سے اٹھنا پڑے۔ جب تھوڑی دور چلنے کے بعد سانس پھولنے سے پریشانی محسوس ہو۔ جب کسی سے بات کرتے وقت دوران گفتگو سینے کے اندر دباؤ سا محسوس ہو۔

خلاصہ یہ کہ موسم سرما میں دمہ کے مریض اپنے آپ کو یخ بستہ ہواؤں سے بچا کر رکھیں اپنے آپ کو دھول، گردوغبار اور دھوئیں سے دور رکھیں۔ متوازن اور مقوی غذا کھانے کی عادت ڈالیں میوے اور سبزیاں اور پانی وافر مقدار میں استعمال کریں۔ گھر میں کسی بھی فرد کو کوئی انفیکشن ہو اس کا بروقت مناسب علاج کروائیں۔ بچوں کو باہر سڑک پر میدانوں میں کھیلنے کی اجازت نہ دیں اور اگر آپ دمہ کے مریض ہیں اور کسی وجہ سے پے درپے حملوں کا شکار ہونے لگیں تو فوری نزدیکی ہسپتال جائیں یا کسی ماہر ڈاکٹر کے پاس جاکر علاج کروائیں۔